سال نو مبارک ہو

چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب

ماہنامہ

ڈر ڈائجسٹ

کراچی

JANUARY 2018

چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب

ماہنامہ

ڈر ڈائجسٹ

کراچی

جلد نمبر 19 شمارہ نمبر 4 جنوری 2018ء

ای میل ایڈریس: Dardigest01@gmail.com

قیمت -/60 روپے

سالانہ قیمت -/1080 روپے

ایڈیٹر وپبلشر آصف علی نے سٹی پریس تالپور روڈ کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ نورانی آرکیڈ نیو اردو بازار کراچی: 32744391

قرآن کی باتیں

☆ اس کا تمہیں کچھ گناہ نہیں کہ حج کے دنوں میں بذریعہ تجارت اپنے رب سے روزی طلب کرو۔
(سورۃ بقرہ 2 آیت 198)

☆ مومنوں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو، اور اس سے مالی فائدہ حاصل ہو جائے تو وہ جائز ہے، اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان ہے۔ (سورۃ نساء 4 آیت 29)

☆ اور آسمانوں کو ہم ہی نے ہاتھوں سے بنایا اور ہم کو سب مقدور ہے اور زمین کو ہم نے بچھایا تو دیکھو ہم کیا خوب بچھانے والے ہیں اور ہر چیز کی ہم نے دو قسمیں بنائیں تا کہ تم نصیحت پکڑو۔
(سورۃ ذاریات 51 آیت 47 سے 49)

☆ ہم نے ہر چیز اندازۂ مقرر کے ساتھ پیدا کی ہے اور ہمارا حکم تو آنکھ کے جھپکنے کی طرح ایک بات ہوتی ہے۔ (سورۃ قمر 54 آیت 49 سے 50)

☆ اور تمہارا مال اور اولاد ایسی چیز نہیں کہ تم کو ہمارا مقرب بنادیں۔ ہاں ہمارا مقرب وہ ہے جو ایمان لایا اور عمل نیک کرتا رہا ایسے ہی لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب دگنا بدلہ ملے گا اور وہ خاطر جمع سے بالا خانوں میں بیٹھے ہونگے جو لوگ ہماری آیتوں میں کوشش کرتے ہیں کہ ہمیں ہرادیں، وہ عذاب میں حاضر کئے جائیں گے۔ (سورۃ سبا 34 آیت 37 سے 38)

☆ اے پیغمبر لوگ تم سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں کہہ دو کہ ان میں نقصان بڑے ہیں اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں مگر ان کے نقصان فائدوں سے کہیں زیادہ ہیں۔
(سورۃ بقرہ 2 آیت 219)

☆ مومنوں اگر کوئی بدکردار تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کرلیا کرو، مبادا کہ کسی قوم کو جہالت سے نقصان پہنچادو۔ پھر تم کو اپنے کئے پر نادم ہونا پڑے۔ (سورۃ حجرات 49 آیت 6)

☆ اس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے کہ کیا تو بھر گئی؟ وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے؟ (سورۃ قٓ 50 آیت 30)

☆ اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا۔ (سورۃ بقرہ 2 آیت 185)

(کتاب کا نام "قرآن مجید کے روشن موتی" بشکریہ شمع بک ایجنسی کراچی)

خطوط

ایس حبیب خان کراچی سے، بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب السلام علیکم! امید ہے کہ سب خیریت سے ہوں گے سب سے پہلے محترم خالد علی، محترم شاہد علی، ڈر کی پوری ٹیم، تمام رائٹرز اور ڈر کے خوب صورت چاہنے والوں کو سال نو کی مبارکباد! دعا ہے اس پاک ذات سے کہ گزرے سال کے ساتھ سب کی پریشانیاں بھی ختم ہو جائیں اور نیا سال خوشیوں کی نوید لے کر آئے (آمین)۔ سال کا آخری شمارہ پوری آب و تاب کے ساتھ موصول ہوا۔ ڈر کا ہر شمارہ سال کی ابتداء سے انتہا تک بہترین ثابت ہوا۔ یہ اعزاز صرف و صرف ڈر کو حاصل ہے کہ وہ اعلیٰ معیار کی تحریروں پر مشتمل اپنی نوع کا واحد ہارر میگزین ہے جو خوفناک ادب کا مکمل احاطہ کرتے ہوئے خوفناک ادب کے متلاشی لوگوں کی تشنگی دور کر رہا ہے اور اس شعبے میں ڈر کی حیثیت جداگانہ ہے اور اس میدان میں بلاشبہ اس کا کوئی ہم پلہ نہیں ہے اور اس کا تمام کریڈٹ ڈر کے ایڈیٹرز اور ڈر کی پوری ٹیم کو جاتا ہے۔ جن کی سوجھ بوجھ اور انتھک محنت سے قارئین کے ہاتھ میں پورا سال بہترین میگزین ہوتا ہے۔ سال کی ابتاء سے انتہا تک بہترین کہاں پڑھنے کو ملیں۔ جیسے جنوری میں "تجربہ"، "قتل عمد"، "حویلی کا آسیب"، "ملک الموت"، "رات کا بادشاہ"، "نادیدہ لوگ" فروری میں "ویلنٹائن نائٹ"، "قبرستان"، "انتقام"، "شیطانی چالیس"، "پازیب اسٹون"، "بھولی بسری کہانی"، "خونی انجام"، "ناگ بھیا"، مارچ میں "سزا"، "خونی چراغ"، "چھپکلی"، "بزرگی باکمال"، "زیرو تریاق"، "سردیوں کی رات"، "قاتل مشین"، "بھیانک چیخ" اپریل میں "خزانے کی تلاش"، "انوکھا فرار"، "محافظ"، "پراسرار تعویذ"، "خواہش ناتمام"، "آئی کیو لیول"، مئی میں "محقق"، "شیطان کی بیٹی"، "طاق راتیں"، "سگ آوارہ"، "قبر کے قیدی"، "خبیث چڑیل"، جون میں "موت کا پتلا"، "خونی انتقام"، "بھیانک رات"، "انوکھا بھوت"، "چڑیل کا خاتمہ"، "خمیازہ"، جولائی میں "بلیدان"، "سایہ"، "پراسرار بڑھیا"، "وفا شعار"، "پھر وہی کتا"، "پراسرار ڈمی"، "دیمبر"، اگست میں "ضد"، "آئینے کا راز"، "انصاف"، "کمرہ نمبر 20"، "شرمساری"، "بڑی حویلی"، "ہماری برزخ"، ستمبر میں "دوسرا سایہ"، "نیا خوف"، "تانترا"، "موت سے چھٹکارا"، اکتوبر میں "پارسل"، "سالگرہ نمبر"، "مرگ حیات"، "اجگر"، "مشک"، "خونی ڈرامہ"، "خونی انجام"، نومبر میں "مددگار روحیں"، "اوتار"، "نیک روح"، "کلاوتی"، "پراسرار سانپ"، "بلا کا خاتمہ"، "انٹرویو"، "بددعا کا خاتمہ"، دسمبر میں "جنات کا ٹھکانہ"، "روح کی چاہت"، "عجیب وقت"، "لمحہ"، "مثل ابلیس"، "نظر بد"، "آسیبی آنکھیں"، "پراسرار لوگ"، اس کے علاوہ جن دوستوں نے تبصروں کے ذریعے رائٹرز کی اصلاح کی ان میں مسز زینت خان سرفہرست رہیں دیگر میں مسز سندا اقبال، مسز فرحین حامد، احسان الحق، اعجاز احمد، مہر پرویز احمد، ضرغام محمود اور فلک زاہد کے نام قابل ذکر ہیں۔ محفل شعر و سخن میں محمد اسلم جاوید، شرف الدین جیلانی، پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی، محمد اسحاق انجم، احسان سحر، عبدالجبار رومی، ریاض حسین قمر، ڈاکٹر عامر شہزاد، رابعہ عباس کے کلام نے خوب رونق لگائی۔ ویسے تو ڈر کا ہر رائٹر اپنے حساب سے کمال لکھتا ہے۔ مگر میری رائے میں جن رائٹرز نے پورے سال بہترین تحاریر پیش کر کے سب کے دل جیتے ہیں ان کی ترتیب کچھ یوں ہے۔ چھٹی پوزیشن پر سیدہ عطیہ زاہرہ صاحبہ رہیں۔ جبکہ پانچویں پوزیشن کے حقدار محمد شعیب اور شکیل نیازی مشترکہ طور پر قرار پائے۔ فلک زاہد چوتھی پوزیشن پر رہیں۔ اور جناب ضرغام محمود صاحب تیسری پوزیشن کے حقدار ٹھہرے۔ ایس امتیاز احمد صاحب نے دوسری پوزیشن پائی جبکہ کرسی صدارت (نمبر ون) پائی احسان الحق صاحب نے مبارکباد، احسان الحق صاحب آپ کی ہر تحریر لاجواب رہی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا کرے اور آپ یونہی عمدہ تحریریں اپنے چاہنے والوں کو لئے پیش کرتے رہیں۔ (آمین) ڈر کی ترقی کے لئے دعا گو۔

☆☆ ایس حبیب صاحبہ: قلبی لگاؤ اور خوش دلی سے آپ نے پورے سال کا بھرپور تجزیہ پیش کیا اور قوی امید ہے کہ سارے رائٹرز اس تجزیہ کو پسند کرتے ہوئے نئی نئی کہانیاں ارسال کر کے شکریہ کا موقع ضرور دیں گے اور ہاں یاد آیا۔ آپ نے بھی 2017ء میں اچھی کہانیاں پیش کی ہیں۔ ویسے میں آپ کو دوسری پوزیشن دے رہا ہوں۔ امید ہے اپنے چاہنے والوں کی خوشی کے لئے ہر ماہ کہانی بھیجنا بھولیں گی نہیں۔ Thanks۔

مسز سندس اقبال راولپنڈی سے، السلام علیکم محترم ایڈیٹر صاحب۔ اس مرتبہ ڈر ڈائجسٹ 27 نومبر کو خریدا۔ سردیوں کا

آغاز ہے اور ڈر میں سرورق ابھی تلک خوفناکیت کے عنصر سے محروم دکھائی دیتا ہے۔ میں سوچ رہی تھی کہ کوئی خوفناک سرورق اس مرتبہ بنائیں گے لیکن۔۔۔ خیر اگلے ڈر کا انتظار ہے، دیکھتے ہیں کہ اگلی مرتبہ کا سرورق کیسا ہوگا۔ تاتونی کا اختتام ہوا۔ عمران قریشی صاحب کی محنت اور ڈر ڈائجسٹ سے لگن کا مکمل عکس یہ کہانی بہت زوردار، دھماکے دار کہانی تھی۔ ایسی کہانیوں کو برسوں یاد رکھا جاتا ہے۔ کہانی نے کہیں بھی اپنا دامن چھڑانے پر نہیں اکسایا، یہی نہیں بلکہ مزید آگے کیا ہوگا کی لگن نے تو کہانی نہ چھوڑنے پر اکسائے رکھا۔ اپنا ضروری کام چھوڑ کر بھی میں نے اس کہانی کو پڑھا۔ .Very strong and worth story ایسی خوبصورت، جاندار کہانی لکھنے پر میں رائٹر عمران قریشی صاحب کو داد و تحسین دیتی ہوں۔ باقی مختصر کہانیاں بھی عمدہ تھیں۔ سرورق پر ضرور دھیان دیجیے گا۔ عاجزانہ ریکیوایسٹ ہے۔ سب کے لیے ڈھیروں دعائیں، والسلام۔

☆☆ سندس صاحبہ: آئندہ ہماری کوشش ہوگی کہ ٹائٹل زبردست ہو، عمران قریشی واقعی اچھی اور زبردست کہانیاں لے کر آتے ہیں، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اور زور قلم دے اور یہ شاہکار اور بے مثال کہانیوں کے رائٹرز بن کر افق پر چمکیں۔

مریم فاطمہ کراچی سے، بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب السلام علیکم! دسمبر 2017ء کا شمارہ خاص شمارہ تھا۔ کہانیاں واقعی بہت خاص تھیں۔ ٹائٹل نہایت منفرد اور پرکشش تھا۔ کہانیوں میں ایس امتیاز احمد صاحب کی ''آسیبی آنکھیں'' اور گلاب خان سولنگی صاحب کی ''پراسرار لوگ'' بیسٹ تھیں۔ لیکن ایسا نہیں کہا جاسکتا کہ باقی رائٹرز نے محنت نہیں کی۔ تمام رائٹرز کی محنت نے ہی تو اس شمارے کو خاص شمارہ بنایا ہے۔ میرے حساب سے اس کے صفحات بڑھنے چاہئیں تھے اور اقراء قریشی صاحبہ اور فلک زاہد صاحبہ کو بھی شامل کر لیتے۔ بہرحال کوئی بات نہیں۔ میں آئندہ شمارے میں ان کی تحریر کا انتظار کروں گی۔ نئے سال کی خوشی میں میں نے ایک کہانی لکھی ہے ''قاتل حسینہ'' اور وہ میں ڈر ڈائجسٹ کو بطور نئے سال کا تحفہ سمجھ کر دے رہی ہوں۔ کس شمارے میں شائع کریں گے؟ ڈر پڑھنے والے تمام قارئین کو میری طرف سے نیا سال مبارک، خدا اس سال ڈر کو مزید ترقی دے۔ (آمین)

☆☆ مریم صاحبہ: ڈر کے لئے آپ کی محبت قابل دید ہے نئی کہانی مل گئی ہے اور عنقریب شامل اشاعت ہوگی، امید ہے آئندہ ماہ بھی پرخلوص تجزیہ ضرور ارسال کریں گی۔ آپ کو اور تمام قارئین کو بھی نیا سال مبارک ہو۔

مسز فرحین حامد رحیم یار خان سے، محترم ایڈیٹرز اینڈ اسٹاف، السلام علیکم، دسمبر 2017ء کا ڈر زیر تبصرہ ہے، سردیوں کا آغاز ہو چکا ہے لیکن ڈر کے سرورق میں ابھی تک موسم خشک ہے کیونکہ دسمبر کے شمارے کا سرورق عام سا تھا میں یہ نہیں کہتی کہ اچھا نہیں تھا، بس ہارر کی کمی تھی۔ احسان الحق صاحب، فلک زاہد اور ایس حبیب خان صاحبہ کی کہانیوں کو تلاش کرتی رہی۔ ان کی کہانیوں کا انتظار ہے۔ تمام مختصر کہانیاں پڑھیں سب اچھی تھیں۔ دولو صاحب کی کہانی خاص تھی۔ کہانی میں تقدیر کا ایک عجیب پہلو اور خوفناک سبق بھی تھا۔ انگریزی کہانیوں کے اسٹائل بھی اچھے تھے۔ تاتونی کا اختتامیہ ہوا۔ عمران قریشی صاحب سے ریکیوایسٹ ہے کہ ڈر میں مزید ایک مختصر و جامع، سنسنی خیز قسط وار کہانی لکھیں۔ لکھنے کا فن اُن کو قدرت کی طرف سے عطا ہوا ہے۔ شروع سے ہی کہانی تاتونی ٹاپ پر جارہی تھی۔ تاتونی کا اینڈ فرسٹ کلاس تھا۔ بہت شکریہ سب کا۔ سب کو سلام اور دعائیں۔ والسلام۔

☆☆ فرحین صاحبہ: ٹائٹل نرم تھا اس کے لئے معذرت، آئندہ ٹھیک ٹھاک ہوگا، یعنی ''ہارر'' عمران صاحب تک تمام تعریفیں پہنچا دی گئی ہیں۔ آئندہ ماہ بھی آپ کے تجزیہ کا شدت سے انتظار رہے گا۔ Thanks۔

خدیجہ فاطمہ اسلام آباد سے، السلام علیکم انکل، اس مرتبہ ڈر (December 2017) کا سرورق بہت اچھا تھا لیکن ڈراؤنا نہیں تھا۔ اُمید ہے کہ اگلا سرورق ڈراؤنا ہوگا۔ دیگر احوال یہ ہیں کہ دسویں کے امتحانات سر پر ہیں اور دعاؤں کی ضرورت ہے۔ اس مرتبہ کہانیوں میں نئے لکھنے والے بھی تھے جنہیں تہہ دل سے ویلکم کہتی ہوں۔ ویسے ڈر کے مستقل منجھے ہوئے اور جانے پہچانے لکھاریوں کی کہانیاں خوب رہیں۔ اس مرتبہ سب کہانیاں عامیانہ درجے کی تھیں لیکن ڈاکٹر عامر صاحب نے اچھی کہانی لکھی۔ ڈر میں رئیل ہارر اسٹوری کو تلاش کرتی رہی۔ مختصر سب ہی کہانیاں پڑھیں، سب اچھی ہیں۔ سب کے لیے دعائیں اور سلام۔

☆☆ خدیجہ صاحبہ: خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے ویری ویری تھینکس، ہماری اور قارئین کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو امتحان میں کامیاب و کامران کرے اچھے نمبروں سے تاکہ ہمیں بھی مٹھائی مل جائے۔

ایڈووکیٹ نینا خان کراچی سے، السلام علیکم! جناب ایڈیٹر صاحب امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے اور تمام اسٹاف بھی۔ ماہ دسمبر کا شمارہ 21 نومبر کو موصول ہوا۔ اپنی کہانی پڑھی بہت خوشی ہوئی، آپ کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ اس ماہ آپ نے میری کہانی لگائی رسالے میں۔ اسی امید کے ساتھ ایک اور کہانی ادارے کی نذر کر رہی ہوں کہ یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ اور خود کی لکھی غزل بھی قوس قزح میں پڑھی بہت خوشی ہوئی انشاء اللہ ڈر ڈائجسٹ کی بدولت ایک دن میں مشہور رائٹر اور شاعرہ بن جاؤں گی۔ اس ماہ کی کہانیاں بھی بہت اچھی رہیں۔ نظر بد، جنات کا سایہ، عبرت کا نشان، قلبی سکون باقی تمام کہانیاں بھی اچھی تھیں ضرغام محمود صاحب کی ''مثل ابلیس'' ان کی اگست کی کہانی ''تانترا'' جو کہ بہت زبردست کہانی تھی جسے پڑھ کر مزہ آیا۔ اب اجازت چاہوں گی اس دعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ ڈر کے ادارے کو مزید ترقی عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆ نینا صاحبہ: خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے شکریہ، خوش ہو جایئے کہانی شامل اشاعت ہے اور ہاں آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ بھیجنا نہ بھولئے گا شکریہ۔

مسز زینت خان رواٹ سے، السلام علیکم محترم ایڈیٹرز صاحبان۔ امید ہے کہ خیریت سے ہوں گے۔ دسمبر کا ڈر ڈائجسٹ 26 نومبر کو خریدا۔ سرورق کے اعتبار سے عرض یہ ہے کہ اس مرتبہ بہت سادگی سے آپ نے ڈر کا سرورق بنایا جبکہ اس میں ڈر کا ٹچ دینا چاہئے تھا۔ اس لیے امید کرتی ہوں کہ آئندہ کا سرورق خوفناک ہونا چاہئے۔ جیسا کہ پچھلے تبصروں میں میں نے وعدہ کیا تھا کہ میں تاتونی کے متعلق فائنل راؤنڈ میں بات کروں گی تو یہ تبصرہ خصوصی طور پر تاتونی اور اس کہانی کے تخلیق کار عمران قریشی کے نام کرتی ہوں۔ سب سے پہلی بات یہ کہ سلسلہ وار کہانی لکھنا ہر کس و ناقص کے بس کا کام نہیں، بڑے بڑے رائٹرز سلسلہ وار کہانی لکھنے سے اجتناب کرتے ہیں جیسا کہ وطن عزیز کے ایک نامور لکھاری صاحب نے ایک دفعہ ایک بڑے ڈائجسٹ میں کہا تھا کہ سلسلہ وار کہانی لکھنے کے لیے ایک خاص پلاننگ درکار ہوتی ہے اور اس میں ایک خاص ٹیمپو کی ضرورت پڑتی ہے جو ہر رائٹر میں نہیں ہوتا۔ اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ کہانی میں نہ چاہتے ہوئے بھی کہیں نہ کہیں جھول آ ہی جایا کرتا ہے جس سے بڑے سے بڑا رائٹر بھی نہیں بچ پاتا اور بہت کم لکھنے والے ایسے ہیں کہ اس پر قابو پاسکیں۔ اکثر و بیشتر دیکھا گیا ہے کہ آغاز یہ سے ہی کہانی اپنے اصل ٹریک سے ہٹنا شروع کرتی ہے تو پھر واپس ٹریک پر نہیں آتی۔ اب ایسی ٹریک سے ہٹی کہانی کو دوبارہ سے جاندار بنانے اور ٹریک پر لانے کے لیے جتنی بھی قسطیں لکھی جائیں کم پڑ جاتی ہیں۔ لیکن تاتونی ڈر ڈائجسٹ کی ایک ایسی سلسلے وار کہانی ہے جس میں ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ میں نے اس کہانی کو پڑھنے کے بعد اپنے ہزبینڈ کو بھی ریکومینڈ کیا۔ وہ آج کل بہت دلچسپی کے ساتھ اِسے پڑھ رہے ہیں۔ ہر ہر سطر پر قاری کو اپنے حصار میں جکڑتی کہانی تاتونی ایک بہت علیحدہ اور اچھوتے موضوع پر لکھی کہانی ہے۔ فینٹاسی لکھنا بھی ایک آرٹ ہے، ایک فن ہے۔ یہ ہوتی تو ذہنی تخیل پر مبنی ہے لیکن اس میں حقیقت کا رنگ بھرنا بہت ضروری ہوتا ہے، محض فینٹاسی سمجھ کر اسے لے چلنا کہانی کو ایک گپ بنا دیتی ہے لیکن رائٹر عمران قریشی کے ذہن کی داد دینی پڑتی ہے کہ انہوں نے اس جانب سے بھی کوئی جھول اپنی کہانی تاتونی میں نہیں آنے دیا۔ تاتونی کہانی نے ثابت کر دیا کہ رائٹر ایک سلسلے وار کہانی کو باموضوع اور بامقصد کیونکر لکھ سکتا ہے۔ کہانی کے مرکزی خیال سے لے کر، کردار نگاری، سیکوینسز، اتار چڑھاؤ، ایکشن، سسپنس اور پھر باموضوع اختتامیہ۔ یہ سب کچھ اس کہانی کو ایک یادگار اور لافانی کہانی بنانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں جس کے لیے میں ذاتی طور پر عمران قریشی صاحب کو مبارکباد دیتی ہوں اور دل کی گہرائیوں سے رائٹر اور ڈر ڈائجسٹ کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ اس ماہ کے لیے اتنا ہی۔ اللہ کریم آپ سب کو کامیابی و کامرانی عطا فرمائیں، آمین۔ ڈر کے لیے دعا گو ہوں۔ نیک تمنائیں!!!

☆☆ زینت صاحبہ: قلبی لگاؤ سے لکھا ہوا تجزیہ پڑھ کر رائٹر حضرات یقیناً غور فرمائیں گے۔ آپ کی ساری باتیں حقیقت پر مبنی ہیں۔ قسط وار کہانی لکھنا واقعی دل گردے کا کام ہے۔ اور جو لوگ باریک بینی سے اپنے سے بڑوں کی باتوں پر غور کرتے ہیں تو کامیابی ان کے قدم چومتی ہے، خیر قوی امید ہے کہ آپ آئندہ بھی کہانی لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتی رہیں گی۔ اس کے لئے ویری ویری تھینکس

بتول فاطمہ کراچی سے، السلام علیکم سے، بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب السلام علیکم! دسمبر 2017ء کا شمارہ خاص شمارہ تھا۔ ماشاء اللہ بڑی اچھی تحریریں تھیں۔ گلاب خان سولنگی صاحب کی پراسرار لوگ بڑی دلچسپ تحریر تھی۔ ایس امتیاز احمد صاحب کی آسیبی

آ نکھیں نہایت اعلیٰ معیار کی تھیں۔ مہر پرویز احمد دولو صاحب کی عبرت کا نشان بھی بہت اچھی تھی۔ مریم فاطمہ کی ویمپائر بوائے فرینڈ اپنی طرز کی انوکھی تحریر تھی۔ آخر میں انجام پڑھ کے بڑا دکھ ہوا۔ باقی کہانیاں ابھی زیر مطالعہ ہیں۔ امید ہے کہ وہ بھی بہت اچھی ہوں گی۔ اپنی نئی کہانی ''دہشت زدہ'' بھیج رہی ہوں۔ اسے پڑھ کر بتا دیجئے کہ قابل اشاعت ہے یا نہیں۔ سیکنڈ فلور بھی بھیجی تھی۔ اس کا بھی بتا دیجئے۔ اس کے علاوہ میری بھیانک راز ابھی تک شائع نہیں ہوئی اور میں اس کہانی کے لئے کب سے انتظار کر رہی ہوں۔ جلدی سے شائع کر کے مجھے شکریہ کہنے کا موقع دیجئے۔ آخر میں ڈر کے لئے دعا گو ہوں۔ خدا ڈر ڈائجسٹ کو مزید ترقی دے۔ (آمین)

☆☆ بتول صاحبہ: اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ نئے رائٹر ایک کہانی لکھ کر بیٹھ جاتے ہیں اور انتظار کی گھڑیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ ایسا ٹھیک نہیں رائٹر کا کام ہے کہانی لکھتے رہنا اور ایسا کرنے والا ہی زبردست لکھاری بن جاتا ہے، امید ہے ان باتوں پر غور فرمائیں گی۔

فاطمہ خان علی پور مظفر گڑھ سے، السلام علیکم! میں بہت ہی معذرت کے ساتھ یہ کہوں گی کہ ہر ماہ ڈر کی کہانیوں پر تبصرہ نہیں کر سکتی۔ وجہ یہ ہے کہ ہر ماہ ڈر بک اسٹال سے خرید کر ہی پڑھ سکتی ہوں اور وہاں ہر مہینے کی دس بارہ تاریخ کو ڈر آتا ہے نتیجتاً ہر ماہ بڑی بے صبری کے ساتھ ڈر ملتا ہے اور پھر ایک ہی دن میں ساری کہانیاں پڑھ لیتی ہوں۔ ہر لکھاری ایک سے بڑھ کر ایک کہانی پیش کرتا ہے۔ مجھے کبھی بھی کسی کی کہانی میں کوئی خاص جھول نظر نہیں آیا اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ ڈر سے منسلک تمام عملہ بڑی عمدگی کے ساتھ اپنے فرائض نبھا رہا ہے۔ ہر نئے لکھاری کو ڈر میں خوش آمدید کہا جاتا ہے اس کی کوشش کو سراہا جاتا ہے۔ یہی ایک بات ڈر کو باقی تمام رسالوں سے منفرد بناتی ہے۔ اور پھر سب سے زبردست بات یہ کہ ڈر کے ذریعے خط و کتابت کا ایک سلسلہ جڑا ہے جو پرانے وقتوں کی یاد دلاتا ہے کہ ٹیکنالوجی کے اس دور میں بھی خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہے۔ لیجئے اپنی ایک اور تحریر بھیج رہی ہوں اور امید ہے کہ شائع کر کے شکریہ کا موقع ضرور دیں گے۔

☆☆ فاطمہ صاحبہ: دراصل پہلے آپ کا ایڈریس ہمارے پاس نہیں تھا اب آپ نے ایڈریس لکھا ہے تو آپ کو اعزازی کاپی مل جایا کرے گی اور پھر آپ زحمت سے بچ جائیں گی۔ کہانیاں لکھتی رہیں آپ میں قابلیت ہے اور آپ ایک نہ ایک دن زبردست لکھاری ضرور بن جائیں گی۔ Thanks۔

ماریہ نشاء لاہور سے، میں ایک طویل عرصہ سے ڈر ڈائجسٹ پڑھ رہی ہوں اور خط لکھنے کی جسارت پہلی مرتبہ کر رہی ہوں، ذہن میں یہ بات گردش کر رہی ہے کہ پتہ نہیں میرا خط اور نظم شائع ہو گی کہ نہیں لیکن امید پر خط اور نظم ارسال کر رہی ہوں اگر حوصلہ افزائی ہوئی تو آئندہ بھی تحریریں ارسال کرتی رہوں گی۔ ہار نظم ارسال خدمت ہے۔ اور قوی امید ہے کہ میری یہ نظم پسند کی جائے گی ریکویسٹ ہے کہ اس نظم کو شائع کر کے شکریہ کا موقع ضرور دیں گے۔ ویسے ڈر ڈائجسٹ کی تمام کہانیاں اپنی مثال آپ ہوتی ہیں ان کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ میں دعا گو ہوں کہ ڈر ڈائجسٹ مزید ترقی کرے۔ (آمین)

☆☆ ماریہ صاحبہ: ڈر ڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم آپ کا خط کافی لیٹ موصول ہوا جس کی وجہ سے نظم شائع ہونے سے رہ گئی اور صرف خط ہی شامل اشاعت ہو سکا۔ نظم آئندہ ماہ ضرور شائع ہو گی۔ ویسے آئندہ ماہ آپ کے خلوص نامہ کا شدت سے انتظار رہے گا۔ شکریہ۔

ملک ایم اے کاوش سلانوالی سرگودھا سے، السلام علیکم، ڈر ڈائجسٹ کے معزز عملہ، رائٹرز اور قارئین کرام ڈر ڈائجسٹ سے بلاواسطہ اور بالواسطہ احباب بخیر و عافیت سے ہوں گے۔ وقت کی قلت اور کچھ ذاتی مصروفیات کے باعث متواتر حاضری دینے سے قاصر ہوں۔ ڈائجسٹ کی اعزازی کاپی مسلسل مل رہی ہے مگر دو ماہ سے مطالعہ کا وقت نہیں نکال پا رہا جس کے لئے رائٹر حضرات قارئین وشاہد صاحب سمیت سب سے معذرت خواہ ہوں۔ سردیوں کا موسم شروع ہو چکا ہے مگر کاش کہ ملکی حالات کی آزمائش بھی ماند پڑ جائے اور ملک میں امن وسکون کی ٹھنڈی ہوائیں چل پڑیں، میں نے محسوس کیا ہے کہ کچھ بہن بھائی مجھ سے ناراض ہیں ان سے کھلم کھلا معافی مانگتا ہوں۔ میرا مقصد کبھی بھی کسی کی دل آزاری کرنا نہیں ہوا مگر پھر بھی جو بہن بھائی ناراض ہیں ان سے معافی مانگتا ہوں۔ اردو ادب سے منسلک ہونے والے احباب کو نرم دل ہونا چاہئے۔ بہر حال وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے ایک بار پھر متواتر حاضری نہ دینے پر معذرت خواہ ہوں۔ بہت جلد ایک سلسلہ لے کر احباب کے سامنے پیش ہو جاؤں گا۔ اس سلسلے کا اختتامی کام شروع ہے جیسے ہی مکمل ہو گا ادارے کو بھیج دوں گا۔ جسے پڑھ کر قارئین یقیناً لطف اندوز ہوں گے۔ دعاؤں کی اپیل کے ساتھ اب اجازت چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سب کو خوش وخرم رکھے۔ (آمین)

☆☆ کاوش صاحب: دراصل آج کل ہر شخص بہت ہی مصروف ہوگیا ہے اور آج کل وقت ملتا نہیں بلکہ وقت نکالا جاتا ہے ویسے آپ ڈر ڈائجسٹ کے مشہور رائٹر ہیں اور قارئین آپ کو پڑھنا چاہتے ہیں تو پلیز اپنوں کا خیال رکھتے ہوئے کوئی نہ کوئی چھوٹی کہانی لکھ دیا کریں۔Thanks۔

ایس امتیاز احمد کراچی سے، السلام علیکم! امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا! ماہ رواں کا شمارہ سامنے ہے خوب صورت ٹائٹل کے ساتھ تمام ترسلسلے خوب رہے۔ اسٹوریز کا انتخاب لاجواب رہا۔ آرٹیکلز لگانے کا شکریہ۔ مزید میٹرز ارسال خدمت ہے۔ پلیز قریبی اشاعت میں جگہ دیں۔ تمام اسٹاف کو اور ڈر کے تمام خوب صورت لکھنے والے رائٹرز اور تمام خوب صورت پڑھنے والے دو یورز کو دعا سلام، اپنا خیال رکھئے گا۔

☆☆ امتیاز صاحب: پرانا سال گزر گیا اور نیا سال آ گیا مگر ایک طویل سال کے طویل انتظار کے بعد بھی مفصل تجزیہ موصول نہ ہوا۔ پلیز غور کیجئے گا۔

میاں یاور حسین اسلام آباد سے، السلام علیکم انکل! امید ہے سب خیریت سے ہوں گے۔ یہ کیا انکل؟ سرورق اتنا سادہ سا؟ خوف تھا ہی نہیں، کہانیوں میں اس مرتبہ تاتونی کا اینڈ ہوا۔ میں نے پہلے اس کی تمام قسطیں پڑھیں اور سب کی سب قسطیں زبردست تھیں۔ بہت ٹیکنیکل انداز سے کہانی کا اسٹارٹ کر کے اور پھر اس کا اینڈ کیا۔ عمران قریشی واقعی زبردست لکھتے ہیں اور میرے فیورٹ رائٹر ہیں۔ تاتونی ایسی کہانی ہے جو بور نہیں ہونے دیتی ورنہ تو سلسلے وار کہانیاں اکثر اپنے ردھم سے ہٹ جاتی ہیں۔ اس مرتبہ بھی کہوں گا کہ سارے رائٹرز کوئی ڈراؤنا پلاٹ سوچیں پھر اپنی کہانی ڈر میں دیا کریں۔ سب کو سلام۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ سب کو خوشیاں دے، آمین۔

☆☆ یاور صاحب: آپ کو تاتونی پسند آئی اس کے لئے شکریہ قبول کریں، آئندہ ٹائٹل ہارر ہوا کرے گا۔ آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ کا بہت بہت انتظار رہے گا۔

شاهد عظیم راولپنڈی سے، السلام علیکم محترم ایڈیٹر صاحب۔ ڈر اس مرتبہ زیادہ متاثر کن کہانیاں پیش نہیں کر سکا۔ لکھنے والوں سے ریکوایسٹ ہے کہ پلیز ڈر کے موضوع کی مناسبت سے کہانیاں لکھا کریں تا کہ اس ڈائجسٹ کا ڈیکورم قائم رہ سکے۔ ہم جس دور میں رہتے ہیں، اس دور میں بلکہ ہمارے معاشرے میں ہی ایسی باتیں اور ہلچل موجود ہے کہ ڈر لگتا ہے کہ جانے کب کیا ہو جائے۔ کسی realistic موضوع پر بھی قلم اُٹھایا جانا چاہیے۔ دیگر یہ کہ دین کی تبلیغ اور وعظ و نصائح کے لیے مخصوص انداز ہوتا ہے، کچھ ایسے رسائل مارکیٹ میں already موجود ہیں جن کے ذریعہ سے یہ کام ہو رہا ہے۔ ایسی کہانیوں سے ڈر کو اجتناب کرنا چاہیے۔ دعا گو، آپ کا اپنا۔

☆☆ شاہد عظیم صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں ویلکم، آپ کے مشورے پر عمل ہوگا، آئندہ مذہبی ٹائپ کی کہانی ڈر میں نہیں ملے گی۔ ویسے مشورے کے لئے شکریہ قبول کریں۔

احسان الحق، محترم ایڈیٹرز، اسٹاف اور رائٹرز و قارئین کرام، السلام علیکم۔ امید ہے کہ سب خیریت سے ہوں گے۔ اس مرتبہ ڈر ڈائجسٹ 20 نومبر کو موصول ہوا۔ سرورق کی حسینہ نے پورے ڈائجسٹ کا احاطہ کیا ہوا تھا لیکن سرورق میں خوف کا عنصر نہیں تھا۔ اُمید ہے کہ آئندہ ڈر ڈائجسٹ میں سرورق کے حوالے سے خوف کا عنصر بھی موجود ہوگا۔ ڈر میں کل ملا کر اس مرتبہ 16 کہانیاں اور 3 سلسلہ وار کہانیاں شائع ہوئیں۔ جو کہانیاں قابل تبصرہ ہیں اُن کا ذکر کروں گا۔ سب سے پہلے عمران قریشی صاحب کے قلم سے لکھی سلسلہ وار Best and unique story تاتونی کا ذکر کرتا ہوں کہ یہ کہانی بہترین کہانی تھی۔ آغاز سے لے کر اپنے اختتام تک ہر ہر سطر نہایت عمدہ جملوں کے ساتھ لکھی گئی تھی۔ بہت ہی زبردست عمران قریشی صاحب۔ ڈاکٹر عامر شہزاد ورانا کی کہانی پڑھنے کے بعد دل میں ڈر تو محسوس نہیں ہوا لیکن کہانی ڈر ڈائجسٹ کے معیار کے عین مطابق تھی۔ خونی انتقام کرائم اسٹوری تھی، بہت اچھے طریق پر لکھی گئی تھی۔ مزید کوشش جاری رکھیں۔ طارق محمود صاحب کی کہانی اچھی ہے، آپ ریگولر لکھتے رہیں گے تو مزید نکھار آتا جائے گا، ان شاء اللہ۔ سیدہ عطیہ زاہرہ نے بہت اچھی کہانی لکھی۔ آپ کی تحریروں میں نکھار آتا جا رہا ہے۔ اپنا مطالعہ وسیع فرمائیں اور پھر اس کا نتیجہ دیکھیں۔ مثل ابلیس پڑھ کر بھی مزا آیا۔ گلاب خان سولنگی صاحب نے اپنی کہانی میں ایک بہترین سبق دیا۔ آپ کا بہت زیادہ

بلکہ ڈھیروں شکریہ۔ آسیبی آنکھیں ڈر کے منجھے ہوئے رائٹر ایس امتیاز احمد صاحب کی ایک شاہکار کہانی ہے۔ مہر پرویز احمد دولو صاحب کی کہانی میں تہہ دل سے پڑھتا ہوں۔ آپ ڈر کے واحد رائٹر ہیں جو معاشرے کے باریک پہلوؤں پر قلم اُٹھاتے ہیں۔ اُمید ہے کہ ڈر میں ریگولر لکھنے کی کوشش کریں گے، شکریہ۔ مریم فاطمہ بہن، آپ کی کہانیاں پڑھنے کا اتفاق رہتا ہے، آپ لکھتی رہیں، ایک دن آپ بہترین رائٹرز کی صف میں شامل ہوں گی، ان شاء اللہ۔ ویسے یہ کہانی ویمپائر بوائے فرینڈ بھی بُری نہیں تھی۔ اب آیئے نظر بد کہانی کی جانب جو کہ ایک خوبصورت تحریر ہے۔ زبردست شعیب صاحب۔ بہن فلک زاہد اور ایس حبیب خان صاحبہ کی کہانیوں کو Miss کیا۔ شکیل نیازی صاحب بھی اس مرتبہ کوئی کہانی لے کر نہیں آئے۔ مجھے اُمید ہے کہ رائٹرز حضرات ڈر ڈائجسٹ کو ایک ڈائجسٹ کے معیار کے مطابق کہانی لکھ کر ارسال فرمائیں گے اور اپنی کہانیوں میں ڈر، خوف اور ہولناکیت کے موضوع سے نہیں ہٹیں گے۔ سب کے لیے دعا گو، والسلام، خیر اندیش۔

☆☆ احسان صاحب: آپ سب کی کہانیوں کے متعلق قلبی لگاؤ سے تعریف کرتے ہیں اس کے لئے شکریہ، ارے جناب آپ بھی تو کہانیوں کا سلسلہ شروع کریں تاکہ مجھ سمیت دیگر قارئین بھی آپ کی کہانیوں پر اپنی قلبی لگاؤ کا اظہار کرسکیں۔ پلیز...... پلیز'' ضرور غور کیجئے گا۔ Thanks۔

شرف الدین جیلانی ٹنڈوالہ یار سے، نیم سرد ہواؤں میں قلبی لگاؤ سے لکھا ہوا تجزیہ حاضر خدمت ہے۔ قرآن پاک کی باتوں سے ان کا دل منور ہو جائے جن دلوں میں خدا کا خوف نہ ہو۔ (آمین) خطوط کی محفل میں خواتین رائٹروں نے قبضہ جمائے رکھا۔ مختصر لکھنے تنقید و تبصرہ کرنے والوں کی گنجائش نہ چھوڑی۔ احسان الحق صاحب کی صحت یابی کے لئے دعائے خیر کرتا رہتا ہوں۔ محمد حنیف شاکر کی بھانجی کو اللہ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ ایم اے راحت کی بہت یاد آتی ہے، اگر ہوسکے تو ان کی کوئی قسط وار کہانی شائع کریں۔ شاہد بھائی کے لئے دعائے خیر کرتا رہوں گا۔ شاہد بھی خوش ہو جایئے۔ ڈر کی ترقی کے لئے شب و روز دعا گو رہتا ہوں۔

☆☆ شرف الدین صاحب: ہماری دعا ہے کہ اللہ تالیٰ آپ کو صحت وتندرستی دے، خوشیوں سے نوازے، آپ کو پوتے اور پڑپوتے دیکھنا بھی نصیب کرے۔ آئندہ خط میں پلیز آپ اپنا موبائل نمبر ضرور ارسال کیجئے گا۔ شکریہ۔

عبدالجبار رومی انصاری قصور سٹی سے، ربیع الاول کے حوالے سے عقیدت ومحبت سے بھرپور اور ایمان افروز واقعات پر مشتمل تحریر ہادی عالم بے مثال رہی۔ پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ ایسی دل کو چھو لینے والی تحریر لکھنے پر ساحل دعا بخاری کو بہت بہت مبارک ہو۔ قرآن کی باتوں پر مشتمل تحریر پڑھ کر مزہ آ گیا۔ خطوط کی محفل میں انابیہ رائے، نینا خان، مسز زینت خان، فلک زاہد، احسان الحق اور طارق محمود کے تبصرے زبردست رہے جو کہانیاں لکھنے کے ساتھ ساتھ قارئین کی محفل میں بھی شامل رہتے ہیں تو بہت اچھا لگتا ہے۔ ''نظر بد'' دل کو چھو گئی۔ ''مثل ابلیس'' میں ظلم کا شکار بچی ایمن کی روح نے اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا پورا پورا بدلہ لیا اور ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ ''دشتِ موت'' بھی زبردست تھی۔ اسرار کی ناگن نے لندن پہنچ کر تہلکہ مچادیا، خونی قاتل کو خود تو ختم نہ کرسکی البتہ افسروں کو ضرور حیرت زدہ کردیا اور خونی قاتل ایک لاش کی عبرت ناک بھینٹ چڑھ گیا۔ پڑھ کر اچھا لگا۔ دلچسپی برقرار تھی۔ نینا خان کی عجیب وقت بھی دلچسپ تھی۔ قوس قزح میں سب کے کلام زبردست تھے۔

☆☆ عبدالجبار صاحب: تبصرہ پڑھ کر اچھا لگا۔ تبصرہ میں کردار کو اجاگر کرنے سے صرف دو تین کہانیاں ہی زیر بحث آتی ہیں، لہٰذا کہانی پر اپنی رائے کا اظہار کریں تاکہ سب کی کہانیاں زیر بحث آجائیں۔

محمد اسلم جاوید فیصل آباد سے، السلام علیکم! خیر و عافیت اور نیک دعاؤں کے ساتھ حاضر ہوں، شدید دھند میں ایک دوست سے ملنے شہر جانا ہوا۔ سوچا کہ پرچے کا پتہ کریں دیکھا تو ڈر ڈائجسٹ کا تازہ پرچہ دسمبر سے اچانک ملاقات نصیب ہوئی۔ سرورق بڑا خوب صورت اور حسین رنگوں سے سجا ہوا تھا اندر جھانکا تو رنگ برنگی تحریروں سے ملاقات ہوگئی۔ خصوصی تحریر ہادی عالم پڑھ کے دل کو بہت سکون ملا یہ ایک معیاری پرچہ ہے میں اس کا بہت پرانا قاری ہوں۔ خدا آپ کو نیک مشن میں کامیابی سے ہمکنار کرے۔ غزل اور خط شائع کرنے کا بہت بہت شکریہ۔ آپ کے خلوص اور محبت سے سرشار کرسکے۔ ہم آپ کو خط تحریر کرتے ہیں۔ ڈر ڈائجسٹ میں آپ نئے نئے قلمکاروں کو متعارف کراتے ہیں تاکہ ان میں لکھنے کی تحریک پیدا ہو، جب تک آپ کو خط نہ لکھ لوں دل کو

سکون نہیں ملتا، بے شک آپ ہم سے دور ہیں مگر خط سے آدھی ملاقات ہو جاتی ہے۔ آئندہ ڈر ڈائجسٹ کا پرچہ 2018ء ماہ جنوری کا ہوگا، جاتے ہوئے سال سے ہمیں کچھ نہ مل سکا۔ سوائے دکھوں اور مہنگائی نے انسان کا بنیاد دشوار کردیا ہے ویسے پرچے کے تمام سلسلے اپنی اپنی جگہ پر اچھے ہیں۔ میں ڈر ڈائجسٹ کی ترقی کے دعا گو ہوں۔

☆☆ اسلم صاحب: آپ کی ساری باتیں حقیقت پر مبنی ہیں کہ پرانا سال سوائے پریشانیوں کے اور کچھ نہیں لایا تھا۔ تو جناب ذرا غور کریں سال ہمیں کیا دے سکتا ہے اور کیا لے سکتا ہے بلکہ ہمارا عمل مثبت ہونا چاہئے جب ہم اپنوں اور اپنے وطن عزیز کے لوگوں کے لئے مثبت سوچ کے تحت آگے بڑھیں گے تو ہمارا ملک خوشیوں کا گہوارہ بن جائے گا۔ کاش کہ ہم حقیقت سے چشم پوشی نہ کریں بلکہ احکام خداوندی کو مضبوطی سے پکڑلیں تو ہم بھی خوشحال قوم بن جائیں گے۔

شہباز احمد ایبٹ آباد سے، السلام علیکم! امید ہے کہ ڈر کے تمام قاری ولکھاری اور ادارے والے خیریت سے ہوں گے۔ اور دعا ہے اللہ تعالیٰ سب کو پریشانیوں اور مصیبتوں سے اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ 5 اکتوبر کو میرے والد صاحب ایک حادثے میں انتقال فرما گئے ان کی موت بہت ہی اچانک اور نا گہانی تھی خیروقت کے ساتھ صبر آہی جاتا ہے۔ ڈر ڈائجسٹ سے جڑے تمام خواتین و حضرات سے گزارش ہے کہ ان کے لئے دعائے مغفرت کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کی خطائیں معاف فرما کر ان کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا کریں۔ ڈر ڈائجسٹ اپنی تمام تر خوبصورتی کے ساتھ اپنے سفر پر رواں دواں ہے ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک ہے۔

☆☆ شہباز صاحب: خط پڑھ کر دل بہت افسردہ ہوا، ہماری اور قارئین کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے والد کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور تمام قلبی لگاؤ والوں کو صبر جمیل عطا کرے۔ یہ حقیقت ہے کہ آہستہ آہستہ صبر آہی جاتا ہے مگر والدین سے بڑھ کر کوئی اور مضبوط رشتہ نہیں اور نہ ہی اس رشتے کا بدل مل سکتا ہے۔ خیر آئندہ ماہ پھر ملاقات ہوگی اس وقت تک کے لئے خدا حافظ۔

محسن عزیز حلیم کوٹھا کلاں سے، السلام علیکم! تمام ڈر اسٹاف، ریڈرز اینڈ رائٹرز کو ہماری طرف سے چاہت بھرا سلام، دسمبر کا شمارہ جلد ہی مل گیا۔ سرورق پیارا تھا Butt نو ہارر، سب سے پہلے قرآن کی باتیں پڑھیں اور پھر خطوط کی محفل میں گئے تو وہاں کچھ نئے نام پڑھنے کو ملے ان سب کو ڈر میں خوش آمدید، میری کہانی پسند کرنے کا، آپی انابیہ رائے، نینا خان، مسز زینت خان فلک زاہد، طارق محمود ان سب بہن بھائیوں کا شکریہ نومبر کا مہینہ جنرل اسپتال لاہور میں گزرا اور اب 13 دسمبر کو جنرل اسپتال لاہور میں میرا آپریشن ہے۔ دعاؤں کا طلب گار ہوں۔ تکلیف زیادہ ہے مگر پھر بھی جیسے تیسے کر کے کہانی لکھی ہے اور امید ہے شکریہ کا موقع ضرور دیں گے۔

☆☆ محسن صاحب: خط لکھنے اور کہانی لکھنے وہ بھی تکلیف میں اس کے لئے بہت بہت شکریہ، ہم اور تمام قارئین دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے آپریشن کو کامیاب کرے اور تمام تکلیفیں دور کر کے صحت و تندرستی سے نوازے۔ (آمین) کہانی اگلے ماہ ضرور شامل اشاعت ہوگی۔

صفدر علی فیصل آباد سے، السلام علیکم! دسمبر 2017ء کا شمارہ خریدا سرورق کے کونے پر چند حروف پڑھے جو کہ ''خاص شمارہ/ خاص تحریریں'' تھے جسے پڑھ کر کہانیاں پڑھنے کا اشتیاق بڑھ گیا۔ پہلی خصوصی تحریر ''ہادی عالم'' جو کہ ساحل دعا بخاری کی تھی بہت ہی شاندار تحریر ثابت ہوئی۔ اسلامی معلومات سے بھرپور مسلمانوں میں جوش بھرتی ہوئی ربیع الاول میں کسی تحفے سے کم نہ تھی۔ صائمہ شاہد کی تحریر ''جنات کا ٹھکانہ'' بھی اچھی تھی۔ ''رولوکا'' اور ''تاتونی'' بھی زبردست رہی۔ مثل ابلیس قلبی سکون، آسیبی آنکھیں، جنات کا سایہ اور نظر بد بھی اچھی تھیں۔ باقی کہانیاں بھی اچھی تھیں۔ میرا بھیجا ہوا شعر شائع کرنے کے لئے شکریہ اور کہانی پڑھ کر بتایئے گا کہ کیسی ہے میں آپ کی بات پر عمل کرتے ہوئے نئی کہانی بھیج رہا ہوں۔ (خدا حافظ)

☆☆ صفدر صاحب: خط لکھنے، کہانیوں کی تعریف اور نئی کہانی بھیجنے کے لئے شکریہ قبول کریں کہانی ابھی پڑھی نہیں، موضوع اچھا ہوا تو بنا سنوار کر آئندہ شمارے میں ضرور شائع ہوگی اور ہاں آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ بھیجنا نہ بھولئے گا۔

ڈاکٹر رانا عامر شہزاد ننکانہ صاحب سے، محترم ایڈیٹرز، اسٹاف اور تمام قارئین کو السلام علیکم! دسمبر کا شمارہ 21 نومبر کو ملا، اس شمارے میں اپنا لیٹر، شعر، غزل اور کہانی دیکھ کر خوشی ہوئی، سرورق نہایت خوب صورت مگر ڈراؤنا کم ثابت ہوا ہمیشہ کی طرح قرآنی صفحہ پڑھ کر دلی سکون ہوا۔ کہانیوں میں ساحل دعا بخاری کی ''ہادی عالم'' کے بارے میں صرف یہی کہوں گا کہ ''ساحل دعا

بخاری' یو آر گریٹ، صائمہ شاہد کی' جنات کا ٹھکانہ' سیدہ عطیہ زاہرہ کی' لمحہ' عاطر شاہین کی' جنات کا سایہ' مریم فاطمہ کی ویمپائر بوائے فرینڈ محمد شعیب کی نظر بد اور نینا خان کی عجیب وقت بیسٹ تھیں اس کے علاوہ بھی تمام رائٹرز نے بہت اچھا لکھا۔' قوس قزح' میں شرف الدین جیلانی، محمد اسلم جاوید، سنبل ماہین طٰہٰ، عبدالجبار رومی اور افتخار احمد کے اشعار اچھے تھے۔ غزل میں پہلے نمبر پر محمد حنیف شاکر صاحب رہے ان کے علاوہ ایس حبیب خان، پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی، فلک زاہد، نینا خان، رشک نور، عدنان ملک اور سونیا خان کی غزلیں بھی بہترین ثابت ہوئیں۔

☆☆ عامر شہزاد صاحب: خوش ہو جایئے شیطان نگری شامل اشاعت ہے اور نئی کہانی کا شدت سے انتظار ہے۔ محنت اور لگن کا پھل ضرور ملتا ہے۔ امید ہے آئندہ بھی آپ کہانیاں ارسال کرتے رہیں گے۔ Thanks۔

محمد شعیب فیصل آباد سے، السلام علیکم! ڈر ڈائجسٹ اپنے وقت پر ملا۔ پچھلے ماہ کچھ مصروفیت کے باعث خط تحریر نہ کرسکا۔ فلک زاہد کی باتوں سے بالکل متفق ہوں۔ تعریف اگر لکھنے کی قوت کو اجاگر کرتی ہے تو جائز تنقید بھی اپنی غلطیوں سے سیکھنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ آپ میری تحریروں پر ہر طرح کے کمنٹ کرسکتی ہیں۔ اب آتے ہیں اس ماہ کے خطوط پر، انا بیہ رائے، ایس حبیب خان، صفدر علی سمیت تمام حضرات کا شکریہ جنہوں نے میری تحریر کو سراہا۔ کہانیوں پر بات ہو تو تمام تحریر عمدہ تھیں۔ خاص نمبر، خاص شمارہ، کہنا بجا تھا۔ جنات کا ٹھکانہ ایک اچھی تحریر تھی۔ عامر شہزاد رانا بھی روح کی چاہت کے ساتھ اچھی کوشش کرتے نظر آئے۔ طارق محمود بھی دشت موت کے ساتھ چھائے رہے۔ عائشہ محمد کاشف کا قلبی سکون ایک اچھا انداز تحریر تھا۔ ویلڈن۔ ضرغام محمود کی مشل ابلیس ایک پر اثر تحریر ثابت ہوئی۔ باقی کی کہانیاں بھی اچھی تھی۔ اگلا شمارہ نئے سال کا پہلا شمارہ ہوگا۔ نئے سال کی آمد پر پوری رات سڑکوں پر ہلا گلا کرنے کی بجائے خدا کے حضور سجدہ ریز ہونے کی ضرورت ہے۔ نئے سال کا آنا اگرچہ خوشی کی بات ہے لیکن سوچنا چاہئے کہ آیا نیا سال ہماری زندگی میں آیا ہے یا پھر ایک سال ہماری زندگی سے کم ہوا ہے؟ اگلے ماہ تک اجازت۔ اللہ حافظ۔

☆☆ شعیب صاحب: آپ کی باتیں دل کو لگتی ہیں اور واقعی ایسا ہی ہونا چاہئے کہ نیا سال ہمیں کیا دے گا بلکہ ہماری زندگی سے ایک سال کم ہوگیا۔ اور گزرے ہوئے سال میں، ہم نے اپنے لئے دوسروں کے لئے اور وطن عزیز کے لئے کون سا مثبت قدم اٹھایا، یا پھر احکام خداوندی سے منہ موڑا۔

مقصود احمد بلوچ میاں چنوں سے، السلام علیکم! محترم ایڈیٹر ڈر ڈائجسٹ مجھے ڈر ڈائجسٹ ساحل ابڑو صاحب نے متعارف کروایا ہے۔ جب کہ میں اس سے پہلے کسی اور رسالے میں تحریر بھیجتا تھا۔ ماشاء اللہ ڈر ڈائجسٹ کا میں نے مطالعہ کیا ہے۔ بہت ہی معیاری پرچہ ہے۔ اور اس پرچے کی سب سے خاص بات جو کہ مجھے پسند آئی ہے۔ اس میں کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک ہوتی ہیں۔ ڈر ڈائجسٹ کے کافی سارے لکھاری میری جان پہچان والے ہیں۔ امید ہے کہ ادارہ ڈر ڈائجسٹ میری تحریر کو پسند کرتے ہوئے مجھے شکریہ کا موقع دے گا۔ اب میں آپ کو وقتاً فوقتاً اپنی تحریریں بھی پوسٹ کرتا رہوں گا۔ اس امید کے ساتھ کہ وہ انشاء اللہ ڈر کے معیار پر پوری اتریں گی۔ اگر زندگی رہی تو انشاء اللہ اگلے ماہ بھرپور تبصرہ کروں گا۔ آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سب کو اپنی حفاظت وامان میں رکھے۔ اور ڈر ڈائجسٹ کو ترقی کی راہ میں گامزن کرے۔ آمین۔

☆☆ مقصود صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں خوش آمدید، چلئے آپ کی حوصلہ افزائی ہوگئی اور اب یہ دیکھنا ہے کہ کیا آپ ہر ماہ اپنی تحریر ارسال کرتے رہیں گے۔ اور اس کے لئے ڈھیروں شکریہ قبول کریں۔

محمد حنیف شاکر ننکانہ صاحب سے، محترم جناب آصف حسن صاحب، سلام خلوص آپ کی صحت وسلامتی اور لمبی زندگی کے لئے دعا گو ہوں ماہ دسمبر کا شمارہ ہاتھوں کی زینت بنا۔ جسے دیکھ کر یوں لگا جیسے گلشن میں بہار آگئی سب سے پہلے اپنا لیٹر اور غزل جو شائع ہوئے ان کو دیکھ کر خوشی ہوئی ساحل دعا بخاری صاحب آپ کے بارے میں کیا کہوں ہادی عالم ﷺ لکھنے پر بہت بہت مبارک ہو انا بیہ رائے کا لیٹر بہت اچھا لگا کیونکہ انہوں نے اپنے لیٹر میں صبح کی نماز ادا کرنے کا لکھا۔ میری سب بھائیوں بہنوں سے اپیل ہے کہ مسلمان ہونے کے ناطے پانچ وقت نماز ضرور پڑھا کریں۔ ڈاکٹر عامر شہزاد کی روح کی چاہت نے تو روح ہی میں گھر کرلیا۔ نینا خان کی عجیب وقت بھی اپنی مثال آپ ہے یوں کہوں گا کہ نینا جی ویری ویری گڈ۔ عائشہ کاشف کی قلبی سکون اور مریم فاطمہ کی ویمپائر بوائے فرینڈ، سکندر حبیب گجر کی خونی انتقام بہت اچھی اسٹوریاں ہیں دعا ہے کہ اللہ سب کو اور زیادہ اچھا لکھنے کی طاقت نصیب فرمائے

صائمہ شاہد کی جنات کا ٹھکانہ بھی اپنے انداز میں بہت منفرد ہے باقی کہانیاں ابھی پڑھ نہیں سکا اس لئے ان پر ریمارکس دینا اچھا نہیں لگتا غزلیں اپنی اپنی جگہ پر بہت خوب ہیں۔ آخر میں ڈر سے وابستہ تمام لوگوں کے لئے دعا گو ہوں اللہ تعالیٰ سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ (آمین)

☆☆ حنیف صاحب: قلبی لگاؤ سے لکھا ہوا خلوص نامہ پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، خط لکھنے کہانیوں کی تعریف اور دیگر تحریروں کے لئے آپ کا بہت بہت شکریہ، آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ بھیجنا نہ بھولئے گا۔ Thanks

گلاب خان سولنگی کشمور کینٹ سندھ سے، دسمبر کا خاص شمارہ خاص تحریریں وقت پر مل گیا تھا جس کے لیے شکریہ، شاہد بھائی! 2017 تو ہمارے لیے کافی پریشان کن رہا، پہلے ہسپتالوں کے چکر بعدازاں شدید قسم کے گھریلو اور مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، امید ہے کہ سال نو سب کے لیے خوشیاں لائے گا اور ہمارے ٹوٹے دل پر بھی مرہم رکھے گا۔ (آمین) خطوط کی محفل میں طارق محمود بھائی کا تفصیلی خط اور میرے بیمار بیٹے کے لیے نیک تمناؤں پر بے حد مشکور ہوں، باقی خطوط بھی بہت اعلیٰ تھے۔ کہانیوں میں ہادیٔ عالم ﷺ ماہ ربیع الاول کی مناسبت سے ایک ایمان افروز تحریر تھی، کاش ایسی جاندار تحریر ہر ماہ پڑھنے کو ملے، صائمہ شاہد کے جنات کا ٹھکانہ پسند آیا۔ نینا خان کا عجیب وقت حقیقت پر مبنی اعلیٰ تحریر تھی سکندر حبیب لائے خونی انتقام، میرا پسندیدہ موضوع، طارق محمود کامرہ اٹک سے لائے ایک سوغات وحشت موت کے نام سے جو ہمیں تو بہت پسند آئی۔ سیدہ عطیہ زاہرہ کا لحہ پراسراریت سے لبریز تھا۔ قلبی سکون عائشہ محمود نے کمال کر دیا۔ عمران بھائی! تاتونی کا آخری حصہ شاندار رہا۔ مزید آپ اگر شکاریات کے موضوع پر لکھیں گے تو خوشی ہوگی۔ ایس امتیاز احمد کی آسیبی آنکھیں دیکھ کر واقعی ہمیں بھی ڈر کا احساس ہونے لگا تھا۔ عبرت کا نشان بھی خوب رہی۔ عاطر شاہین ویری گڈ مریم فاطمہ بہن مغربی منظر نگاری میں ماہر ہوتی جا رہی ہیں۔ ویلڈن قوسِ قزح کے رنگ بھی خوب تھے۔ آخر میں محمد شعیب کی نظر بد کے مشرقی کرداروں میں مغربی کرداروں کے جھلک نے تو چار چاند لگا دیے اور یہ بھی ایک ہنر ہے۔ کہانی پہلے سے آپ کے پاس موجود ہے۔ اب اجازت چاہوں گا۔ اللہ حافظ وناصر۔

☆☆ گلاب خان صاحب: پرچے کی پسندیدگی کا شکریہ اللہ آپ کی تمام تکالیف اور پریشانیوں کو دور فرمائے، آپ کی تحریریں موصول ہو چکی ہیں انشاء اللہ بہت جلد شائع ہو جائے گی مزید تحریروں کا شدت سے انتظار رہے گا۔

سحرش سہیل کراچی سے، دسمبر کا خاص شمارہ مارکیٹ سے خریدا ایاز بردست رسالہ نکالنے پر دل کی گہرائیوں سے مبارکباد میں ڈر کافی عرصے سے پڑھ رہی ہوں اور وقتاً فوقتاً کچھ نہ کچھ لکھتی بھی رہتی ہوں مگر اب کافی عرصے بعد ڈر میں حاضر ہوئی ہوں وجہ گھر کی کچھ مصروفیات تھیں، ڈر سے میرا پرانا رشتہ ہے، ڈر میں سب ہی رائٹر بہت اچھے سے لکھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ زور قلم اور عطا کرے، اور ڈر کے سب ہی پڑھنے اور لکھنے والوں کو اسی طرح اچھی اچھی تحریریں لکھنے کی ہمت عطا کرے۔ آخر میں ڈر ڈائجسٹ کے لئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ڈر کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا کرے۔ آمین

☆☆ سحرش صاحبہ: ڈر میں ایک بار پھر ویلکم کافی عرصے بعد واپسی ہوئیں ڈر میں، خیریت تو ہے ناں، آپ کی تحریریں موصول ہو گئی ہے، انشاء اللہ وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہیں گی۔ آئندہ ماہ بھی خلوص نامہ بھیجنا نہ بھولئے گا۔ شکریہ

انس نسیم لاہور سے، میں ڈر کا خاموش قاری ہوں، مگر اس بار ہمت کر کے ایک عدد خط اور غزل بھیج رہا ہوں امید ہے شائع کر کے شکریہ کا موقع دیں گے۔ اگر میری تحریریں شائع ہوتی ہیں تو کہانی لکھنے کی بھی کوشش کروں گا۔ کیونکہ کہ ڈر ڈائجسٹ میں میں نے پڑھا ہے کہ ڈر ڈائجسٹ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اس لئے میں نے بھی لکھنا شروع کر دیا ہے۔ براہ کرم اگر خط میں غزل میں یا پھر جو بھی تحریر میں بھیجوں گا براہ کرم اس میں کانٹ چھانٹ کر کے شائع کر دیجئے گا۔ آئندہ ماہ بھی انشاء اللہ ضرور ملاقات ہوگی کیونکہ مجھے پتہ ہے ڈر والے کسی کا دل نہیں توڑتے۔

☆☆ انس صاحب: لیجئے جناب آپ کی حوصلہ افزائی تو کر دی ڈر میں آپ کا خط شائع کر کے انشاء اللہ غزل بھی اگلے ماہ شائع ہو جائے گی۔ اب آپ جلدی سے اپنی کہانی ہمیں بھیجیں تا کہ ہم پڑھ کر اس کا بھی فیصلہ کر سکیں ہاں مگر! ایک کہانی بھیج کر بیٹھ مت جایئے گا۔ مزید لکھتے رہئے گا لکھتے، لکھتے ہی رائٹر بنیں گے۔ آئندہ ماہ بھی تحریروں کا انتظار رہے گا۔

☆☆

نیند

شکیل نیازی-میانوالی

اور آخر کار نوجوان اپنے آپ سے تھک گیا تو اس کے دوست روبوٹ روڈی نے مشورہ دیا کہ تم اسپیس شپ سے چھلانگ لگا کر نہ ختم ہونے والے خلاء میں چلے جائو اور پھر……

ایک عجیب وغریب نا قابل فہم دل ودماغ پر سکتہ طاری کرتی دل گرفتہ دل فریفتہ کہانی

میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو ایک تابوت نما بکس میں بند پایا میری آنکھ کھلتے ہی اس تابوت کا ڈھکنا خودکار انداز میں پھٹ کے دوحصوں میں تقسیم ہوتا چلا گیا میں نے اس کا جائزہ لیا اس تابوت کی سائیڈ والی دیواریں اور نچلی سطح اسٹیل کی بنی ہوئی تھی صرف اوپر والی سطح شفاف شیشے کی بنی ہوئی تھی جو اب پھٹ کے دو حصوں میں تقسیم ہوکر کھل گئی تھی میرے دونوں بازوؤں کی نسوں میں ڈریپ نما سوئیاں لگی ہوئی تھیں جیسے مریضوں کو اسپتال میں لگائی جاتی ہیں میں نے ان ڈریپ والی سوئیوں کو اپنے بازوؤں سے علیحدہ کیا اور جیسے ہی اٹھ کے بیٹھا تابوت میں آواز گونجی۔

''گڈ مارننگ سر'' میں نے حیرت سے یہ آواز سنی اور اس تابوت سے باہر نکل آیا میں جیسے ہی اپنے پیروں پر کھڑا ہوا میرا سر ایک دم چکرایا مگر میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا پھر میں نے خود پر غور کیا میں سفید رنگ کے کھلے اور ڈھیلے ڈھالے کپڑں میں ملبوس تھا میں حیرت سے سوچنے لگا کہ میں اس انجان جگہ کیسے پہنچا پھر ایک ایک کر کے مجھے تمام باتیں یاد آتی گئیں۔

میرا نام جیسن جان ہے میں میکسیکو کا رہنے والا ہوں جیسا کہ سب جانتے ہیں میکسیکو نیویارک اور نیو جرسی جیسی خوشحال ریاست نہیں ہے اس لیے وہاں روزگار کے سلسلے میں ایک نوجوان کو کافی دشواریوں کا سامنا رہتا ہے تو میرا بھی یہی حال تھا میرے بچپن میں ہی میرے والدین میں طلاق ہوگئی اور ان دونوں نے اپنے رشتے کی آخری نشانی یعنی مجھے بھی چھوڑ دیا اور میں دس سال کی عمر میں ہی اس بھری دنیا میں اکیلا رہ گیا۔ اس کے بعد میں نے ایک چائلڈ ہوم سے تعلیم مکمل کی اور ایک معمولی سی نوکری کر لی جو کہ میرے باس نے چھین کر ایک چمچے کو دیدی، میں اس دن زندگی سے بالکل تنگ آ گیا تھا اور خودکشی کے آسان طریقوں پر غور کر رہا تھا کہ میری نظر ایک اخبار کے اشتہار پر پڑی جس میں لکھا تھا۔

''کیا آپ اپنی زندگی سے بے زار ہیں؟''

''کیا آپ اس دنیا کو ہمیشہ کیلئے چھوڑ دینا چاہتے ہو؟''

''کیا آپ کا کوئی اپنا اس دنیا میں نہیں ہے اور آپ کسی اور جہان کی تلاش میں ہیں جہاں کوئی آپ کا اپنا ہو؟''

''اگر ایسا ہے تو آپ ابھی اس نمبر پر رابطہ کریں۔''

یہ اشتہار مجھے کسی بیمہ پالیسی کے جیسا دکھائی دے رہا تھا لیکن پھر بھی دل پر پتھر رکھ کر میں نے اس

نمبر پر رابطہ کیا تو انہوں نے مجھے انٹرویو کے لئے بلایا میرے انٹرویو لینے کے دوران انہیں اتنا تو معلوم ہوگیا کہ اس دنیا میں میرے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے اور نہ ہی میرے پاس جینے کی کوئی وجہ ہے میں سمجھا تھا کہ وہ مجھے کسی بھی نوکری کے لئے نہیں رکھیں گے مگر میں حیران رہ گیا کہ انہوں نے خوش ہوکر کہا کہ ''میں سو فیصد ان کے کام کا آدمی ہوں''

مجھے بڑی حیرانگی ہوئی کیونکہ میں ایک معمولی مشینسٹ تھا اور کچھ بھی نہیں اور پھر جو انہوں نے بتایا میں وہ سب سن کر دنگ رہ گیا وہ ایک پروجیکٹ پر کام کر رہے تھے جو کہ ایک خلائی مشن تھا انہوں نے ایک بہت بڑی اسپیس شپ تیار کی تھی جسے وہ دوسرے نظام شمسی کے اس سیارے پر بھیجنا چاہتے تھے جہاں زندگی ممکن تھی یعنی انسان نے اپنے لیے اب ایک اور زندگی ڈھونڈلی تھی اور یہ بہت خوشی کی بات تھی کہ ایک کائنات میں ایک اور زمین بھی تھی جہاں انسانوں کی بستیاں بسائی جاسکتی ہیں مگر جب میں نے اگلی بات سنی تو ایک طرح سے میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے انہوں نے بتایا کیونکہ وہ سیارہ دوسرے نظام شمسی کا ہے ایک ایسے جہاں پہنچنے میں ہمیں ایک سو اسی سال لگ جائیں گے تو میں نے انہیں کہا۔

180 سالوں تک تو اس سیارے پر ہماری ہڈیاں پہنچیں گی۔'' تو میری بات سن کر وہ سب ہنس دیئے انہوں نے کہا۔

''ہم آپ کو ایک طویل نیند سلادیں گے اور آپ کی آنکھ اس وقت کھلے گی جب آپ اس سیارے پر ہوں گے اس نیند کے دوران آپ کی عمر نہیں بڑھے گی اور نہ ہی آپ بوڑھے ہوں گے سائنسدانوں نے ایسی طویل نیند کا طریقہ ڈھونڈ لیا ہے آپ کو ایک تابوت نما بکس میں سلادیا جائے گا اور آپ پورے 180 سال بعد یعنی اس سیارے پر پہنچ کر 2197ء میں جاگیں گے اور صرف آپ ہی نہیں اس میں شپ کا ہر ایک آدمی جن میں اس شپ کا عملہ بھی ہوگا وہ بھی طویل نیند سوئیں گے اور اسپیس شپ خود کار آپریٹنگ سسٹم کے تحت خود بخود اپنی منزل کی طرف گامزن رہے گی۔''

یہ سب باتیں ناقابل یقین تھیں مگر انہیں ماننے کے علاوہ میرے پاس کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا اس مشین میں عملے کے علاوہ دو ہزار مرد اور عورتیں بھی شامل تھیں جنہیں وہ اس سیارے پر بسانا چاہتے تھے پھر ہم سب یکم جنوری 2017ء میں اس دیوہیکل اسپیس شپ میں سوار ہوئے ڈاکٹروں کی ایک ٹیم نے ہمیں ایک ایک کرکے تابوت نما بکسوں میں لٹایا اور بازوؤں میں سوئیاں لگا کے ہمیں ایک طرح سے 180 سالوں کے لئے مردہ کردیا ہم ایک ایسی منزل کی طرف گامزن تھے جہاں پہنچ کر لوٹنا ناممکن تھا یعنی اس دنیا کے لئے ہم مرچکے تھے اور وہ ہمارے لیے مرچکے تھے۔

جب مجھے یہ تمام باتیں یاد آئیں تو میں نے اردگرد دیکھا وہاں اور بھی بہت سارے تابوت نما بکس رکھے تھے لیکن وہ تمام لوگ ابھی بھی سوئے ہوئے تھے شاید میں جلدی اٹھ گیا ہوں میرے ذہن میں خیال آیا اور میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس طویل ہال سے باہر نکل آیا میں جیسے ہی باہر نکلا دروازے کے ساتھ رکھے ایک جدید کمپیوٹر میں سے انسانی آواز اُبھری ''کیا میں آپ کی مدد کرسکتا ہوں؟''

آواز سن کر پہلے میں حیران ہوا پھر سنبھل گیا ''ہاں کیا تم بتاسکتے ہو ٹائم اور ڈیٹ کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''پہلے ٹائم بتاؤں یا ڈیٹ؟'' کمپیوٹر کی مشینی آواز اُبھری۔

''کچھ بھی بتادو'' میں نے بے زاری سے کہا۔

''دن کے گیارہ بج چکے ہیں اور آج 29 اپریل 2091ء ڈیٹ ہے۔

''اچھا میں نے بے دھیانی سے کہا مگر دوسرے ہی لمحے میرا دماغ بھک سے اڑ گیا میں نے تو 2197ء میں جاگنا تھا میں اتنی جلدی کیوں جاگ گیا ابھی جاگنے کا ٹائم نہیں آیا اس لیے باقی سب سو رہے ہیں اور میں جاگ گیا میں نے سوچا اور پھر فوراً پوچھا۔

''باقی سب کیوں نہیں جاگے؟''

''اس لیے کہ ابھی جاگنے کا وقت نہیں آیا''
کمپیوٹر سے آواز ابھری مگر میں کیسے وقت سے پہلے جاگ گیا میں نے حیران ہوکر کہا میری اس بات پر کمپیوٹر خاموش رہا۔

''کیا میرا بکس خراب ہوگیا ہے جو میں وقت سے پہلے اٹھ گیا؟'' میں نے پوچھا۔

''کیا آپ سلیپنگ بکس کی بات کررہے ہیں'' آواز ابھری۔

''ہاں میں اسی کی بات کررہا ہوں'' میں نے جلدی سے کہا۔

''یہ ناممکن ہے سلیپنگ بکس خراب نہیں ہوسکتے'' کمپیوٹر بولا۔

''اگر وہ خراب نہیں ہوسکتے تو میں یہاں کیسے کھڑا ہوں مجھے تو بکس میں ہونا چاہئے تھا میں نے کہا مگر کمپیوٹر اس بار بھی خاموش رہا۔

''دوبارہ نیند میں جانے کا کوئی طریقہ ہے'' میں نے گھبرا کر کہا۔

''سوری دوبارہ نیند میں جانا ناممکن ہے'' کمپیوٹر کی آواز ابھری۔

''نہیں نہیں...... تم بکواس کررہے ہو مجھے تم پر ذرا بھی بھروسہ نہیں'' میں نے کہا اور جلدی سے واپس مڑا۔

''مدد کرکے خوشی ہوئی'' کمپیوٹر سے آواز آئی مگر میں نے اس کی پرواہ کئے بغیر واپس آکے فوراً دوبارہ سلیپنگ بکس میں لیٹ گیا مگر اس کی خودکار سطح بند نہ ہوئی۔

''اوہو...... یہ کیسے بند ہوگا'' میں بڑبڑایا، میں نے اس کا جائزہ لیا مگر وہاں ایسا کوئی بھی بٹن نہ تھا جس سے اسے بند یا کھولا جاسکے اب میری حالت غیر ہونے لگی تھی آپ ایک منٹ کے لئے سوچیں کہ آپ اپنی زمین سے سالوں کے فاصلے پر خلاء میں ہیں اور آپ کو ابھی اپنی منزل پر جانے کے لئے 106 سال لگیں گے اور آپ کے اردگرد کوئی انسان بھی نہ ہو آپ کے پاس دوبارہ 106 سال سونے کے لئے کوئی طریقہ بھی نہ ہو تو شاید آپ کی حالت اس سے بھی بری ہوتی جتنی اس وقت میری تھی اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا میں نے وہاں ہال میں موجود سلیپنگ بکس کے بارے میں الماریوں کو چیک کیا تو وہاں سلیپنگ بکس کے بارے میں ایک بک ہاتھ لگ گئی وہ بک میں نے چند گھنٹوں میں پڑھ ڈالی مگر اس بک میں دوبارہ نیند میں جانے کے بارے میں کچھ درج نہیں تھا صرف اتنا درجہ تھا کہ ''اگر آپ منزل پر پہنچ گئے ہیں اور کسی وجہ سے آپ کا سلیپنگ بکس نہیں کھل سکا تو آپ اسے کیسے کھولیں گے'' اس کے علاوہ اور کوئی خاص بات درج نہیں تھی۔

''اگر اس میں دوبارہ نیند میں جانے کا طریقہ ہی درج نہیں ہے تو اس بکواس کتاب کو لکھنے کا کیا فائدہ'' میں نے چلا کے کہا اور کتاب دور پھینک دی مگر وہاں میری بات سننے والا کوئی نہ تھا مجھے ان سائنسدانوں پر غصہ آرہا تھا جنہوں نے یہ سلیپنگ بکس بنائے تھے۔ پھر ایک بار میرے دماغ کی بتی جلی اور میں دوبارہ دوڑتا ہوا کمپیوٹر کے پاس آیا۔

''کیا میں آپ کی مدد کرسکتا ہوں'' ایک بار پھر کمپیوٹر نے کہا۔

''ہاں میں زمین پر واپس جانا چاہتا ہوں'' میں نے کہا۔

''سوری سر یہ کام میرا نہیں ہے ہاں میں آپ کا میسج زمین پر بھیج سکتا ہوں'' کمپیوٹر بولا۔

''اوکے میں میسج بھیجنا چاہتا ہوں'' میں نے جلدی سے کہا۔

''سر کیا ایک ارجنٹ میسج بھیجنا چاہتے ہیں؟'' کمپیوٹر نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''ہاں''

''اوکے آپ ویڈیو میسج بھیجنا چاہیں گے، یا آڈیو یا رائٹ میسج؟'' آواز دوبارہ ابھری۔

''میرے خیال میں ویڈیو بہتر رہے گی'' میں نے کہا۔

''اوکے سر آپ ذرا نزدیک آئیں اور اپنی ویڈیو

ریکارڈ کرائیں'' کمپیوٹر نے کہا تو میں اس کے نزدیک ہوگیا۔
''میرا نام جیسن جان ہے میرا کوڈ نیم ہے......
میں نے اپنی شرٹ پر دیکھا 971 میرا کوڈ نمبر 971 ہے پتہ نہیں کیسے میرے سلیپنگ بکس میں خرابی پیدا ہوگئی اور میں وقت سے پہلے جاگ گیا یعنی 106 سال پہلے مجھ کو سمجھ نہیں آرہی کہ میں کیا کروں۔ آپ دوبارہ سونے کا طریقہ بتائیں تاکہ میں دوبارہ 106 سال کے لئے سوسکوں'' میں نے کہا۔
''اب اسے بھیجو'' میں نے کمپیوٹر کو ہدایت دی۔
''اوکے سر آپ کا یہ ویڈیو میسج جلد ہی 23 سال میں ہیڈ کوارٹر کو موصول ہو جائے گا۔'' کمپیوٹر نے کہا تو مجھے یوں لگا جیسے میرے سر پر جہاز آن گرا ہو۔
مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ میں کیا کروں پھر مجھے خیال آیا کہ اگر میں کسی طریقے سے اس اسپیس شپ کے کنٹرول روم تک پہنچ جاؤں تو کچھ ہوسکتا ہے یہ سوچ کر میں نے کنٹرول روم کو ڈھونڈنا شروع کردیا اس دوران مجھ پر انکشاف ہوا کہ یہ شپ میری سوچ سے کہیں زیادہ بڑا ہے اگر میں اسے منی سٹی (چھوٹا شہر) کہوں تو غلط نا ہوگا آخرکار 8 گھنٹے بعد میں کنٹرول روم کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہوگیا لیکن اس کا دروازہ اسٹیل سے بنا ہوا تھا کنٹرول روم ڈھونڈنے کے دوران میری نظر ایک بڑے اسٹور روم پر پڑی تھی جس میں طرح طرح کے اوزار اور لوہا کاٹنے والے آلات پڑے تھے میں نے وہ اٹھائے اور دروازہ کھولنے یا کاٹنے کی کوشش کرنے لگا دروازہ تو نہ کھلا البتہ میں تھک ہار کے بیٹھ گیا اور بھوک سے میرا برا حال ہوگیا کیونکہ 24 گھنٹے ہونے کو آئے تھے میں نے کچھ کھایا پیا نہیں تھا شپ کے سینٹر میں ایک بڑا ڈائننگ ہال تھا جو ایک وقت میں دو ہزار آدمی کے لئے کافی تھا پھر مجھے یاد آیا کہ شپ پر سوار ہونے سے پہلے ہمیں جو ٹریننگ دی گئی تھی اس کے مطابق ہم میں سے ہر ایک آدمی کے ہاتھ پر ایک ربن بندھی تھی جو ہال کے درمیان میں موجود مشین کے اندر دینے پر کھانے اور پینے کی اشیاء اس مشین سے حاصل کی جاسکتی تھیں میں اس مشین کے پاس گیا اور ربن دکھایا۔
''یس سر آپ کیا لینا پسند کریں گے'' اس دیوہیکل مشین سے آواز ابھری۔
''ایک چکن برگر، ایک اسٹابری جوس، انڈے کے ساتھ'' میں نے جلدی سے آرڈر دینے والے انداز میں کہا۔
''سوری سر یہ چیزیں گولڈن کلاس مسافروں کے لئے ہیں آپ سلور کلاس مسافر ہیں'' مشین سے آواز آئی۔
'کیا بکواس ہے میں ایک سلوار کلاس مسافر ہوں تو اس کا مطلب ہے مجھے ناشتہ نہیں ملے گا؟'' میں نے چلا کے کہا۔
''نہیں سر آپ کو بریک فاسٹ ضرور ملے گا مگر اپنی کلاس کے مطابق''
''چلو دو جو بھی ہے میری اوقات کے مطابق'' میں نے جل کے کہا۔ تو مشین کا ایک حصہ کھٹک کی آواز سے کھلا ایک اسٹیل کی ٹرے نمودار ہوئی جس میں ایک کپ ہلکی نسل کی کافی ایک ڈیجیٹیل سینڈوچ رکھا ہوا تھا میں نے اسے ہی غنیمت جانا اور خاموشی سے کھانے لگا کھانے کے بعد مجھے نیند آنے لگی تو میں سونے کی جگہ ڈھونڈنے لگا سلور کلاس کے مسافروں کے لئے چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے آخر ایک کمرے کے دروازے پر مجھے اپنا کوڈ نمبر لکھا نظر آ گیا میں جیسے ہی اس دروازے کے سامنے پہنچا دروازہ خودکار انداز میں کھلتا چلا گیا میں جیسے ہی اندر داخل ہوا ویسے ہی بند ہوگیا میں نے دیکھا وہ ایک چھوٹا مگر صاف ستھرا کمرہ تھا جس کے کونے میں ایک بیڈ تھا ایک الماری جس میں میرے سائز کے کپڑے ٹنگے ہوئے تھے دیوار کے ساتھ ایک اٹامک گھڑی بھی لگی ہوئی تھی جس میں وقت کے ساتھ ساتھ ڈیٹ بھی درج تھی میں تھک ہار کے بیڈ پر گر گیا اور اس مصیبت سے نکلنے کے بارے میں سوچتے سوچتے سو گیا۔

زمینی وقت کے مطابق میری آنکھ صبح سات بجے کھلی میں اٹھا فریش ہوا اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کھانے والی مشین کے پاس پہنچا جہاں سے کھانا لینے کے بعد میں نے اس عظیم اسپیس شپ میں بسے اس چھوٹے سٹی کی سیر کا پروگرام بنایا اور پھر جہاں جہاں میں جاتا رہا حیرت کے سمندر میں ڈوبتا چلا گیا اسے بنانے والوں نے بنا کر واقعی میں حق ادا کر دیا تھا یہاں سوئمنگ پول، باسکٹ بال، ٹینس کوٹ، جم، چھوٹا سا اسپتال، ہوٹل سب ہی تو تھا اگر کچھ نہیں تھا تو وہ وہاں بسنے والے انسان تھے یہ سب انہیں کے لئے بنایا گیا تھا جو سلیپنگ باکس میں سوئے ہوئے تھے واحد میں تھا جو جاگ رہا تھا میں انہیں خیالوں میں کھویا ہوا ایک جگہ سے گزرا جو بار تھا میں اس میں گیا تو حیران رہ گیا وہاں ایک نوجوان بار سوٹ میں ملبوس بوتلوں کو ترتیب سے ریک میں لگانے میں مصروف تھا میں دوڑتا ہوا اس کے پاس پہنچا۔

''ہائے......'' میں نے پھولے ہوئے سانس سے کہا۔

''گڈ مارننگ سر......'' اس نے خوش اخلاقی سے کہا۔

''گڈ مارننگ......'' میں نے بھی خوش ہو کر کہا کیونکہ مجھے اس میں ایک امید کی کرن نظر آئی۔

''فرمایئے سر میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں'' اس نے پوری طرح سے میری طرف متوجہ ہو کے کہا۔

''میرا نام جیسن ہے، جیسن جان میں اس شپ میں باقی تمام لوگوں کی طرح سوار ہوا اور باقی سب کی طرح مجھے بھی سلیپنگ بکس میں سلایا گیا تھا 180 سال کے لئے مگر میں 74 سال بعد ہی اٹھ گیا شاید میرے سلیپنگ بکس میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی اس لیے میں جاگ گیا۔''

''یہ ناممکن ہے'' اس نے کہا۔

''ہاں مگر پتا نہیں کیسے میں جاگ گیا'' میں نے پریشان ہو کر کہا۔

''سلیپنگ باکس میں خرابی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا'' اس نے نارمل انداز میں کہا۔

''ہاں میں جانتا ہوں مگر......'' میں کہتے کہتے رک گیا۔

''اگر سلیپنگ بکس خراب نہیں ہو سکتا تو تم یہاں کیسے ہو؟'' میں نے حیران ہو کر کہا۔

''میں یہاں اس وقت سے ہوں جب سے یہ مشین زمین سے چلی ہے'' اس نے کہا۔

''یعنی تم کبھی سوتے نہیں پھر تم زندہ...... میرا مطلب ہے ایک دم نوجوان کیسے ہو'' میں نے حیران ہو کر کہا۔

''سوری سر سلیپنگ بکس صرف انسانوں کے لئے ہیں میرا نام ہے بجیکٹ 299 اور میرا کام ہے بار سنبھالنا'' اس نے مسکرا کر کہا تو میں حیران ہو کر اسے یوں دیکھنے لگا جیسے وہ کوئی بھوت ہو پھر اچانک سے میرے ذہن میں ایک بات بجلی کی سی تیزی سے آئی میں نے آگے بڑھ کے اس کے گال کو چھوا اور پھر اس کا انگلی کی مدد سے اس کا سر بجایا تو ٹھنگ کی آواز پیدا ہوئی اس کا مطلب تھا کہ میں ابھی تک ایک ٹین کے ڈبے سوری پلیٹ سے بات کر رہا تھا میں نے ایک طویل سانس لی۔

''سر یہ طریقہ ٹھیک نہیں آپ یوں کسی کو ہاتھ نہیں لگا سکتے'' اس نے برا ماننے والے لہجے میں کہا۔

''سوری...... مجھے نہیں پتہ تھا کہ ایک روبوٹ اتنا حساس بھی ہو سکتا ہے'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''کیوں نہیں نا صرف میری شکل انسانوں جیسی ہے مجھے پروگرام بھی انسانوں کے دماغ کو مدنظر رکھ کر کیا گیا ہے۔'' اس نے کہا۔

''اچھا ایسا ہے پھر تو میرے خیال میں تمہیں میری مصیبت کا کچھ اندازہ ہوگا کیا اس مسئلے کا تمہارے نزدیک کوئی حل ہے'' میں نے طنزیہ انداز میں مسکرا کے کہا۔

''سر میرا ماننا ہے جس مسئلے کا حل انسان کے پاس نہ ہو اس کے بارے میں سوچنا بے وقوفی ہوتی ہے اس سے مسئلے بڑھتے ہیں۔''

”اوکے بہت شکریہ اس نصیحت کرنے کا ایک جام ملے گا“ میں نے سر تھام کے کہا۔

”کیوں نہیں سر......“ اس نے کہا اور ایک وسکی کا پیگ بنا کے میرے سامنے رکھ دیا۔

”یہ کیا ہے یار کیا بیئر نہیں ہے“ میں نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

”وہ ہے تو سہی مگر آپ کے ہاتھ میں بندھے الیکٹرک ربن کے مطابق آپ سلور کلاس پسنجر ہیں اور بیئر آپ......“

”اوقات سے باہر ہے یہی نا“ میں نے جل کے اس کی بات کاٹ کے کہا تو وہ کندھے اچکا کے خاموش ہوگیا اور میں بڑے منہ بنا کے زہر مار کے وسکی کے گھونٹ پینے لگا۔

گھنٹے دنوں میں، دن مہینوں میں اور مہینے سالوں میں گزرتے چلے گئے اب میں نے بھی حالات کو قسمت کا لکھا سمجھ کے قبول کرلیا میں روز اٹھ کے سب سے پہلے جم جاتا کیونکہ میں بچپن سے ہی خود کو باڈی بلڈر دیکھنا چاہتا تھا لیکن وقت اور حالات نے ایسا نہ ہونے دیا تھا لیکن اب میرے پاس وقت ہی وقت تھا لہذا میں جی جان سے ایکسر سائز کرنے لگا مسلسل اور بہت زیادہ ایکسر سائز کرنے کی وجہ سے میں نے وہ باڈی بنالی جو عام لوگ سالوں میں نہیں بنا پاتے تھے اس کے بعد میں ناشتہ کرتا پھر اسٹور روم میں جا کے طرح طرح کے اسپیئر پارٹس سے مختلف چھوٹی موٹی مشینیں بناتا رہتا تھا۔ کچرا صاف کرنے والی مشین ایسا چھوٹا روبوٹ جو چھوٹے کام کرسکے مثلاً گلاس اٹھا دینا وغیرہ چار بجے تک کام کرنے کے بعد لنچ کرتا پھر کلب جا کے تیز رنگ برنگی لائٹوں میں اپنی پسند کا میوزک لگا کر جی بھر کے سنتا اور رات کے روڈی کے پاس بار میں جا کے پیٹ بھر کے وسکی پیتا۔

ہاں میں تو بتانا ہی بھول گیا میں نے اس روبوٹ کا نام روڈی رکھ دیا تھا کیونکہ وہ اس چھوٹی سی دنیا میں واحد مجھے ایک دوست نظر آیا حالانکہ روڈی کا کہنا تھا کہ وہ مجھے دوست نہیں مانتا کیونکہ وہ ایک بار کا مالک ہے اور یہ دوستی اس کے کاروبار کے لئے نقصان دہ ہے۔

ہاں ہے نا مزے کی بات کہ ایک روبوٹ بھی سمجھتا تھا کہ مجھ جیسے معمولی انسان سے دوستی اس کے لئے نقصان دہ ہے یہ سب تو جسمانی روٹین کی باتیں تھیں۔

حقیقت میں ذہنی طور پر بہت ڈسٹرب ہوگیا تھا میں ہفتوں نہاتا نہیں تھا میرے بال اور داڑھی اتنی بڑھ گئی تھی کہ میں تبت کے پہاڑوں میں رہنے والا کوئی سادھو دکھتا تھا کپڑے پہننے کو جی نہیں چاہتا تھا اس لیے نہیں کہ میں بے شرم تھا غائب دماغی کی وجہ سے اکثر کپڑے پہنا بھول جایا کرتا تھا اسی طرح پتہ بھی نہ چلا کب 3 سال گزر گئے لیکن حقیقت میں یہ تین سال مجھے تین صدیوں کے برابر لگے، پھر میری برتھ ڈے پر روڈی نے مجھے ہمیشہ کی طرح ایک بوتل بیئر کی دی وہ میری ہر برتھ ڈے پر مجھے ایک بیئر کی بوتل گفٹ کرتا تھا اور وہ بوتل میں ایک سانس میں پی کر ٹن ہوجاتا تھا پھر بامشکل ہی گرتا پڑتا اپنے کمرے تک پہنچتا آج بھی میں نے بہت پی لی تھی اور میں گرتا پڑتا سلیپنگ باکسز کو دیکھنے لگا جہاں پر تمام لوگ یوں سکون سے سو رہے تھے جیسے ابدی نیند سو رہے ہوں میں انہیں حسرت سے دیکھنے لگا انسان بعض اوقات کتنے بڑے بڑے کارنامے سر انجام دیتا ہے اور کبھی کبھی ایک معمولی کام بھی کرنے سے قاصر ہوتا ہے مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ کب میں چلتے چلتے گولڈن کلاس مسافروں کے سلیپنگ باکس دیکھنے لگا وہ تمام اپنی شکل سے ہی کھاتے پیتے گھرانے کے فرد لگتے تھے ہر سلیپنگ باکس پر ایک کارڈ لگا ہوا تھا جس میں اس آدمی کا نام ملک اور عمر درج تھی۔

اچانک میری نظر ایک کارڈ پر پڑی جس پر لکھا تھا پرنسز جین بیلا ملک برٹش عمر 24 سال میں نے فوراً سلیپنگ باکس کو دیکھا تو مجھے یقین نہ ہوا وہ واقعی مسز پرنسز بیلا تھی جس کے حسن کے چرچے پوری دنیا میں تھے میں خود بھی اس کے حسن سے بہت متاثر تھا لیکن یہ الگ بات تھی کہ میں نے کسی بے وقوف نوجوان کی طرح

اس کے خواب نہیں دیکھے تھے کیونکہ میں ایک حقیقت پسند نوجوان تھا ہمیں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسے کبھی اتنے قریب سے دیکھوں گا کہ ہم میں صرف چند انچ کا فاصلہ ہوگا میرے لیے یہ احساس ہی اتنا مسحور کن تھا کہ ان تین سالوں میں مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ زندگی ابھی ختم نہیں ہوئی میں اس باکس کے سامنے آلتی پالتی مار کے بیٹھ گیا اور سوچنے لگا میرا تو دنیا میں کوئی بھی نہیں تھا اور نہ ہی جینے کی کوئی خاص وجہ تھی تب ہی میں نے اس طویل سفر کو چنا تھا پرنسز کیوں اس سفر میں شامل تھی یہ بات میں نا سمجھ پایا بہرحال جو بھی تھا وہ یہاں موجود تھی جو میرے لیے خوشگوار احساس تھا اب میں روزانہ گھنٹوں اس کے ساتھ بیٹھ کے باتیں کیا کرتا تھا اسے اپنے بارے میں بتاتا اپنی گزری زندگی کے تلخ تجربے کے بارے میں بہت ساری باتیں کرتا جسے وہ خاموشی سے سنتی رہتی تھی کبھی کبھی مجھے لگتا کہ وہ میری کہانی سنے بغیر چین سے نہیں سوپائے گی اور پھر اپنے اس خیال پر میں ہنس بھی دیتا تھا ہر گزرتے دن کے ساتھ مجھے یہ احساس ہوتا چلا گیا کہ مجھے اس سے محبت ہوگئی ہے اور کیوں نہ ہوتی وہ تھی ہی ایسی حسین کہ اس سے محبت ہونا ایک یقینی بات تھی پھر کئی دن اس سے بات کرتے کرتے میرے ذہن میں ایک خیال آیا جسے میں نے فوراً ہی جھٹک دیا۔

''نہیں نہیں یہ بہت گھٹیا ترین حرکت ہوگی'' میں بڑبڑایا اور فوراً وہاں سے اٹھ کے روڈی کے پاس گیا۔

''گڈ مارننگ سر آج آپ صبح صبح تشریف لے آئے'' روڈی نے کہا۔

''ہاں مجھے ایک وسکی کی بوتل دو'' میں نے جلدی سے کہا۔

''کیوں نہیں'' اس نے کہا اور بوتل میرے سامنے رکھ دی۔

''آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں سر؟'' روڈی نے کہا۔

''روڈی ایک بات بتاؤ؟''

''جی پوچھیئے'' روڈی نے کسی جنٹل مین کی طرح کہا۔

''دیکھو میں اس شپ میں ایک اکیلا آدمی ہوں جو جاگ رہا ہوں باقی سب سکون سے سوئے ہوئے ہیں۔''

''ہاں یہ بات تو ہے'' روڈی نے سر ہلایا۔

''اب اگر میں اپنی تنہائی دور کرنے کے لئے کسی اور کو اٹھا دیتا ہوں تو اسے کیا کہا جائے گا؟'' میں نے روڈی کو سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ قدم بہت اچھا ہوگا اس سے آپ کی تنہائی دور ہوجائے گی۔''

''مگر کیا تم پوچھنا نہیں چاہو گے کہ میں کسے جگانے کی بات کر رہا ہوں'' میں نے پوچھا۔

''نہیں کیونکہ میں پہلے سے ہی جانتا ہوں'' روڈی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا......؟؟'' میں نے حیران ہوکر کہا۔

''یہی کہ آپ پرنسز جین بیلا کو جگانا چاہتے ہیں'' روڈی نے کہا تو میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''تمہیں کیسے پتہ چلا؟'' میں نے رُک رُک کر کہا۔

''اس شپ پر سوار تمام مسافروں کو میں جانتا ہوں اور خواتین میں سب سے زیادہ خوبصورت خاتون ہیں تو ظاہر ہے آپ کی جگہ میں بھی ہوتا تو انہیں ہی جگانا پسند کرتا'' روڈی نے کہا تو میں طویل سانس لیکر رہ گیا اور واپس اپنے کمرے میں آ کے گہری سوچ میں ڈوب گیا میرا اس طرح سے بے وقت جاگنا ایک حادثہ تھا اور پھر پرنسز کو جگانا ایک گناہ تھا کیونکہ اگر وہ جاگ جاتی تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بھی میری طرح لگاتار سفر کرتے ہوئے زندگی بیتا دیتی دل کہتا تھا کہ تم اگر کچھ عرصہ اور اس طرح اکیلے رہے تو پاگل ہوجاؤ گے جبکہ ضمیر کہتا تھا کہ تم خود تو یہاں پھنس گئے ہو اسے تو مصیبت میں مت ڈالو اسی کشمکش میں چھ ماہ گزر گئے اس دوران میں نے وہ طریقہ معلوم کرلیا جس کی مدد سے سلیپنگ باکس میں سوئے کسی آدمی کو جگایا جاسکتا تھا طریقہ بہت آسان تھا مگر سب سے بڑی رکاوٹ میرا ضمیر تھا۔

آخر ایک صبح میں نے اپنی زندگی کا سب سے

مشکل فیصلہ کرلیا پرنسز جین بیلا کو جگانے کا، صبح سویرے اٹھتے ہی میں نے سب سے پہلے اپنے بال کاٹے شیو کی اور تین ماہ بعد نہایا اس کے بعد میں نے الماری سے نیائی شرٹ ٹراؤزر نکالے وہ پہنے اور اپنے اوزار سنبھال کے اس سلیپنگ باکس کی جانب چل پڑا جہاں پرنسز سوئی ہوئی تھی میں وہاں پہنچا تو ضمیر نے آخری کمزور مزاحمت کی مگر میں نے اسے سختی سے کچل دیا اور کٹر کی مدد سے وہ وائر کاٹ ڈالے جو سلیپنگ باکس کے ساتھ منسلک تھیں پھر دیکھتے ہی دیکھتے کھٹک کی آواز سے سلیپنگ باکس کی سطح کھل گئی اور پرنسز کے جسم میں حرکت ہوئی اور میں گھبرا کے بھاگ کھڑا ہوا اور دوڑتا ہوا اپنے کمرے میں پہنچ گیا میری سانس بری طرح سے پھولی ہوئی تھی میں پسینے سے شرابور تھا کیونکہ مجھے اب لگ رہا تھا میں نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا گناہ کیا ہے میں نے خود کو ایک آدھ گھنٹے کے میں نارمل کیا اور پھر اپنے کمرے سے باہر نکل کر شپ کے درمیان والے ہال میں آیا۔

''کوئی ہے.....ہیلو.....؟'' کسی کی نسوانی آواز کانوں میں رس گھولتی ہوئی محسوس ہوئی پھر اس کی نظر مجھ پر پڑی۔

''ہائے.....'' میں نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔

''باقی سب لوگ کہاں ہیں؟'' اس نے جواب دیئے بنا اردگرد دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ.....وہ باقی سب لوگ ابھی نہیں جاگے'' میں نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

''صرف میں ہی جاگا ہوں اور اب آپ جاگی ہیں'' میں نے کہا۔

''لیکن ہمیں بتایا گیا تھا کہ جب شپ اپنی منزل پر پہنچنے والا ہوگا تو ہم سے دو ہفتے پہلے اس شپ کا عملہ جاگے گا'' اس نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

''ہاں جانتا ہوں مگر ایک تکنیکی خرابی کی وجہ سے ہم مقررہ وقت سے پہلے جاگ گئے ہیں'' میں نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

''تو باقی سب کب جاگیں گے؟'' پرنسز نے حیرانگی سے پوچھا۔

''ایک سو دو سال اور چھ ماہ بعد.....'' میں نے دھیرے سے کہا۔

''کیا.....'' پرنسز نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

''ہاں یہی سچائی ہے'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''پھر تو ہم بہت جلدی جاگ گئے میرے خیال میں مجھے واپس باکس میں سونا چاہئے'' پرنسز نے گھبرا کے کہا اور سلیپنگ باکس والے ہال کی جانب دوڑی میں بھی اس کے پیچھے دوڑا۔

''پلیز.....آپ رُک کر میری بات تو سنیں'' میں نے اس کے پیچھے دوڑتے ہوئے کہا اتنے میں وہ سلیپنگ باکس کے قریب پہنچ کے رک گئی اور سوچنے لگی کہ کیا کرے میں بھی اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

''دیکھیں اس باکس میں دوبارہ سونے کا کوئی طریقہ نہیں ہے اگر ہوتا تو میں وہ طریقہ آزما چکا ہوتا'' میں نے کہا۔

''مجھے تمہاری کسی بھی بات کا یقین نہیں ہے'' اس نے غصے سے کہا۔

''میرے خیال میں ایک اور چیز ہے جو آپ کو یقین دلا سکتی ہے'' میں نے کہا اور اسے لیکر اس کمپیوٹر کی جانب لے گیا جو بولتا تھا جب کمپیوٹر نے بتایا کہ ہم منزل سے کتنی دور ہیں اور دوبارہ سلیپنگ باکس میں سونے کا کوئی طریقہ بھی نہیں ہے تو پرنسز ہکا بکا رہ گئی کیونکہ میں اس منزل سے گزر چکا تھا اس لیے مجھے معلوم تھا کہ اس وقت اس کی ذہنی کیفیت کیا ہوگی لہذا میں اسے اس کے حال پر چھوڑ کے روڈی کے بار میں چلا آیا۔

''گڈ مارننگ سر میرے خیال میں آج کل آپ کی زندگی بہت تناؤ میں چل رہی ہے اس لیے آپ اپنے ٹائم سے ہٹ کر بھی بار آ جاتے ہیں۔'' روڈی نے کہا۔

''ہاں روڈی جب انسان کوئی بھیانک غلطی کرتا ہے تو اس کی زندگی سے سکون غائب ہو جاتا ہے۔'' میں نے وسکی کی بوتل کو کھول کر منہ لگاتے ہوئے کہا۔

’’لیکن سر میرے خیال میں آپ ایک جینٹل مین کی طرح اپنی غلطیوں کو سنوار سکتے ہیں......‘‘ روڈی نے کہا۔

’’وہ کیسے‘‘ میں نے حیران ہوکر کہا۔

’’پرنسز کو خوش رکھ کے‘‘ روڈی نے کہا تو میں نے طویل سانس لے کر بوتل کو منہ سے لگالیا جب تک اس کا آخری قطرہ تک میرے حلق میں نہ اتر گیا۔

اس دن میں اپنے کمرے میں آ کے سو گیا پھر میرا پرنسز سے سامنا ہوا صبح جم میں ایکسرسائز کے بعد میں کھانے کی مشین سے کھانا لیکر ایک ٹیبل پر بیٹھ کے ناشتہ کرنے لگا اتنے میں پرنسز وہاں آئی وہ اس وقت سفید ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں تھی اس نے اپنے گولڈن بالوں کو ربین میں قید کر رکھا تھا اس وقت وہ کسی بھی میک اپ سے عاری تھی اس لیے اس کا قدرتی حسن ظاہر تھا وہ واقعی اپنے حسن میں لاجواب تھی میں اس سے نظریں ہٹا ہی نہیں پایا اس نے مجھے اپنی طرف متوجہ پایا تو میری جانب دیکھا میں فوراً گھبرا کے دوبارہ کھانے میں مصروف ہوگیا اس نے ایک ٹرے میں کھانا لیا اور میرے سامنے والی کرسی پر آن بیٹھی میں نے دیکھا اس کے ناشتے کی ٹرے میں رنگ برنگے لوازمات بھرے ہوئے تھے۔

’’ہائے......‘‘ اس نے کہا۔

’’ہائے‘‘ میں نے بھی زبردستی سر ہلا دیا۔

’’کیا تم شروع ہی سے ایسا ناشتہ کرنے کے عادی رہے ہو؟‘‘ پرنسز نے میری ٹرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ لہر گئی۔

’’میں گولڈن کلاس پسنجر نہیں ہوں۔‘‘

’’اگر تم کہو تو میں تمہارے لیے اس سے اچھا ناشتہ لے آتی ہوں‘‘ پرنسز نے رسمی طور پر کہا۔

’’نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں اب مجھے یہی ناشتہ پسند ہے‘‘ میں نے کہا۔

’’اوکے جیسے تمہاری مرضی‘‘ اس نے کندھے اچکا کے کہا اور کھانے میں مصروف ہوگئی۔

’’کیا تم نے اس شپ کو مکمل چیک کیا ہے خصوصاً اسٹور روم وغیرہ‘‘ پرنسز نے سوالیہ انداز میں کہا۔

’’ہاں میں نے اس کا بھی جائزہ لیا ہے وہاں صرف مختلف مشینوں کے فالتو پرزے اور اوزار ہیں ہم کو دوبارہ نیند میں بھیجنے جیسی وہاں کوئی چیز نہیں ہے‘‘ میں نے کھانا کھاتے ہوئے کہا۔

’’اور اس شپ کے عملہ کے ارکان کن باکس میں سو رہے ہیں‘‘ پرنسز نے نیا سوال کیا۔

’’وہ سب ایک ایسے ہال میں سوئے ہوئے ہیں جو مکمل طور پر سیل ہیں اس کا دروازہ 5 انچ موٹے اسٹیل سے بنا ہوا ہے اور اسے کاٹنے کے لئے ہمارے پاس نا مشینری ہے اور نہ ہی کسی قسم کے اوزار‘‘ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

’’لیکن میں ہار ماننے والی نہیں پرنسز نے کہا اور غصے کے عالم میں ناشتہ ادھورا چھوڑ کے چلی گئی جب مجھے اس کے جانے کا یقین ہوگیا تو میں نے اس کے ناشتے کی ٹرے اپنی جانب کرلی اور گولڈن کلاس کھانے کا مزہ لینے لگا۔

اس کے بعد پورا دن پرنسز مجھے کہیں بھی نظر نہیں آئی شام کے بعد جب میں روڈی کے پاس بار میں بیٹھا تھا تو وہاں تھکی ہاری پرنسز نمودار ہوئی اس کا لباس میلا کچلا ہو رہا تھا وہ پسینے سے شرابور تھی اس کے نازک ہاتھ سرخ ہوگئے تھے اور ان میں چھالے پڑ گئے تھے وہ یقیناً اس اسٹیل کے دروازے کو توڑنے کی کوششوں میں لگی رہی ہوگی جس کو میں نے لگاتار ایک سال تک توڑنے کی کوشش کی مگر بری طرح ناکام رہا تھا مجھے اس کی حالت پر ترس آنے لگا اس نے تو کبھی کاغذ بھی ٹیڑھا نہیں کیا ہوگا اور آج اسے کتنی محنت کرنی پڑ گئی تھی یقیناً انسان حالات کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے اور جب جان پر بنی ہو تو آدمی ہر حد بھی پار کر جاتا ہے۔

’’ایک عدد شیمپین دینا‘‘ پرنسز نے پھولے ہوئے سانس سے کہا۔

’’کیوں نہیں‘‘ روڈی نے مسکرا کے کہا اور شیمپین

کی بوتل کھول کے اسے جام میں انڈیل کے سلیقے سے پرنسز کو پیش کیا۔
''شکریہ'' پرنسز نے کہا چھوٹے چھوٹے گھونٹ پینے لگی۔
اچانک اس کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ چونک پڑی پھر کچھ سوچ کر بولی۔
''مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے''
''جی فرمائیے'' میں نے خوش اخلاقی سے کہا۔
''دیکھو یہاں جو حالات ہیں وہ تمہیں اچھی طرح سے معلوم ہیں ان حالات میں انسان بہت بدل جاتا ہے اس کی سوچ اس کے اخلاق یہاں تک کہ اس کا ایمان بھی......'' وہ یہاں تک کہہ کر خاموش ہوگئی۔
''آپ کہنا کیا چاہتی ہیں'' میں نے چونک کے کہا۔
''دیکھو میرے خیال میں تم ایک اچھے اور شریف انسان ہونے کے ساتھ ساتھ عقلمند بھی ہو یہاں کی دنیا میں صرف میں اور تم ہیں اس لیے ہمیں کچھ حدود کا تعین کرلینا چاہئے سب سے پہلے میں اپنا تعارف تمہیں کرادوں میرا نام پرنسز بیلا جین ہے میں سوئزرلینڈ کے شاہی خاندان سے ہوں میرا اس شپ پر ہونے کا مقصد یہ تھا کہ جب یہ شپ اپنی منزل پر پہنچے گا اس کے بعد وہاں سب سے پہلے جو انسانوں کی بستی تعمیر ہوگی وہاں کی حکمران میں ہوں گی اس طرح ہماری حکومت نئی دنیا پر بھی قائم رہے گی جہاں تک تمہارے تعارف کا تعلق ہے وہ میں ضروری نہیں سمجھتی کیونکہ تم انجینئر ہو یا معمولی ورکر مجھے اس سے کوئی فکر نہیں پڑھتا میرا کام ہے تمہیں تمہاری حدود بتانا سب سے پہلی بات ہمیشہ یاد رکھو کہ میں تمہیں کبھی گولڈن کلاس رومز کی جانب نہ دیکھوں دوسری بات تمہیں دیکھ کر لگتا ہے تم جم جانے کے شوقین ہو یہ اچھی بات ہے ہر روز جایا کرو لیکن آج کے بعد جم سوئمنگ پول کی جانب نہیں جاؤ گے ڈانس کلب یا ٹینس کورٹ اتوار کے دن ہی جاسکتے ہو اور اس بار میں تم رات دس سے گیارہ کے درمیان ہی آسکتے ہو تیسری اور آخری بات صبح کا ناشتہ 5 سے 6 کے درمیان لنچ دس سے گیارہ اور ڈنر شام 5 سے 6 کے درمیان ہی کرسکتے ہو۔ امید ہے تمہیں ان باتوں پر اعتراض نہیں ہوگا اور ہونا بھی نہیں چاہئے کیونکہ تمہیں اعتراض کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔''
پرنسز نے طنزیہ انداز میں کہا اور اٹھ کے چلی گئی میں حیرت سے روڈی کو دیکھنے لگا تو روڈی نے کندھے اچکا دیئے۔
پرنسز کی ان تمام باتوں کا میرے نزدیک ایک ہی معنی نکلتا تھا اول وہ اپنی اور میری کلاس کے مطابق ایک فرق بنائے دینا چاہتی ہے دوم وہ مجھ سے خطرہ محسوس کرتی ہے اور اسے کرنا بھی چاہئے تھا کیونکہ اس پورے شپ میں واحد جاگنے والے ہم دو ہی تو انسان تھے ایسے میں اگر میری نیت خراب ہوگئی تو اس کے ساتھ کچھ بھی ہوسکتا تھا شکر تھا کہ اسے یہ بات معلوم نہ ہوسکی کہ اسے میں نے ہی جگایا تھا اگر ایسا ہوتا تو نہ جانے اس کا کیا ردعمل ہوتا کیونکہ اب بھی مجھے اس کے رویئے سے اپنے لیے نفرت ہی محسوس ہورہی تھی۔
بہرحال پرنسز کی ہر بات کو میں نے اپنے ذہن میں بیٹھا لیا اس کے بنائے ہوئے ہر رول کو فالو کیا حالانکہ وہ تمام رول اس کی فیور میں تھے مگر کیونکہ میرے دل میں اسے جگانے والا چور تھا اس لیے میں اسے کچھ بھی نہ کہہ پایا کیونکہ میں نے حالات سے سمجھوتہ کرلیا تھا دن گزرتے گئے اور پتہ بھی نہ چلا کہ تین ماہ کب اور کیسے گزرے یہ پہلی بار تھا کہ اس شپ میں مجھے وقت گزرنے کا احساس بھی نہ ہوا ان تین ماہ میں میں نے اس کی جھلک تک نہ دیکھی۔
ایک دن میں مقررہ وقت پر روڈی کے بار میں گیا اب میں نے شراب پینا کم کردیا تھا اس لیے دو دن کے بعد وہاں گیا تھا۔
''آنے کا شکریہ سر'' روڈی نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔
''خیریت تو ہے آج بڑا شکریہ ادا کر رہے ہو؟''

میں نے مسکرا کر کہا۔

"وہ اس لیے کہ مجھے آپ کے بائی سپ (بازو کا مسل) دیکھ کر اندازہ ہو رہا ہے کہ آپ اپنی فٹنس پر کافی توجہ دے رہے ہیں اور جن لوگوں کو اپنی صحت عزیز ہو وہ بار میں ذرا کم ہی آتے ہیں" روڈی نے گلاس میں وسکی ڈالتے ہوئے کہا۔

"اچھا اس کا مطلب ہے کہ مجھے یہاں نہیں آنا چاہئے" میں نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں سر آپ کو ضرور آنا چاہئے پہلے ہی پرنسز دو دن سے نہیں آئیں تو میں کافی بور ہو رہا تھا" روڈی نے کہا تو میں اس کی بور والی بات پر ہنس پڑا حالانکہ میں جانتا تھا کہ کوئی اس کے پاس جائے نہ جائے اسے فرق نہیں پڑتا وہ ایک مشین تھا جذبات سے عاری وہ تو بس بول رہا تھا جو اسے سکھایا گیا تھا پھر اچانک میں چونک اٹھا۔

"پرنسز کب سے نہیں آ رہیں؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"دو دن سے"

"کیا اس سے پہلے وہ روز آتی تھیں؟" میں نے تیز لہجے میں کہا۔

"جی ہاں کیا کوئی پرابلم ہے؟" روڈی نے پوچھا۔

"بس اب صرف دعا کرو کوئی مسئلہ نہ ہو" میں نے روڈی سے کہا اور وہاں سے اٹھ کے دوڑتا ہوا گولڈن کلاس روم کی جانب بڑھا کیونکہ میرے دل میں متعدد خدشات سر اٹھا رہے تھے دوڑتے دوڑتے میری نظر ایک بڑے دروازے پر پڑی جس پر سنہری حروف میں پرنسز بیلا جین لکھا تھا میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ دروازہ پر دباؤ بڑھایا تو آہستہ سے بے آواز انداز میں کھلتا چلا گیا میں نے کمرے میں نظر دوڑائی وہ ایک انتہائی پراسرار قیمتی اشیاء سے آراستہ تھا میری نظر بیڈ پر پڑی پرنسز کمبل اوڑھے سو رہی تھی میں اپنی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے اس کی جانب بڑھا اور اس کے قریب جا کے کانپتے ہاتھوں سے کمبل اس کے چہرے سے ہٹایا میں نے دیکھا وہ آنکھیں بند کیے گہرے گہرے سانس لے رہی تھی اس کا چہرہ ٹماٹر کی طرح سرخ ہو چکا تھا اس کے گلابی ہونٹ سوکھے ہوئے نظر آ رہے تھے میں نے اس حالت میں دیکھا تو گھبراہٹ میں میں نے اس کے ماتھے پر الٹا ہاتھ رکھ کے دیکھا تو معلوم ہوا وہ بخار میں تپ رہی تھی میرے اس طرح چھونے پر اس نے ایک بار آدھ کھلی آنکھوں سے مجھے دیکھا اور پھر ناگواری سے آنکھیں بند کر لیں اگر وہ کچھ ہوش میں ہوتی تو ضرور اس گستاخی پر میرا منہ توڑ دیتی میں گھبرا کے ارد گرد دیکھنے لگا مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میں اس کی کیسے مدد کر سکتا ہوں میں اس بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میں دوڑتا ہوا وہاں سے نکل کر بولنے والے کمپیوٹر کی جانب گیا۔

"میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟" کمپیوٹر کی مشینی آواز ابھری۔

"میری ایک دوست کو تیز بخار ہے" میں نے جلدی سے کہا۔

"مریض کی کیفیت؟" مشینی آواز آئی۔

"غالباً سردی کے ساتھ بخار ہے اور سانس بھی تیزی سے چل رہی ہے۔"

"تب تو یہ ملیریا کی علامت ہے آپ ایسا کریں یہ ادویات کی لسٹ لیں اور میڈیکل مشین میں جا کے دے دیں آپ کو ادویات مل جائیں گی" مشینی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی اس کے ساتھ منسلک پرنٹر میں سے ایک رسید باہر آئی جس میں ہندسوں میں کچھ درج تھا جو میری سمجھ سے باہر تھا میں نے وہ چٹ لی اور میڈیکل مشین کے پاس گیا پہلے جب بھی میں اس مشین کو دیکھتا تو سوچتا تھا اس کا مقصد کیا ہے اب سمجھ میں آ رہا تھا کہ وہ کس مقصد کے لئے بنائی گئی تھی میں نے وہ رسید جو کمپیوٹر نے دی تھی وہ اس مشین کی سائیڈ پر بنے سوراخ میں اس طرح دی جیسے اے ٹی ایم کارڈ دیا جاتا ہے کوئی ایک منٹ بعد مشین میں کھٹک کی آواز کے ساتھ ایک خانہ کھلا میں نے دیکھا اس خانے میں سے ایک دراز

نمودار ہوئی اور اس دراز میں مختلف رنگ برنگی ٹیبلٹس رکھی تھیں میں نے انہیں اٹھایا اور پرنسز کے روم میں گیا میں نے دیکھا وہ بدستور اسی پوزیشن میں لیٹی ہوئی تھی جس میں میں اسے چھوڑ کے گیا تھا میں نے اسے جھنجھوڑا تو اس نے آنکھیں کھولیں اس نے ایک ناگواری کی نظر مجھ پر ڈالی اور کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے مگر شاید نقاہت کی وجہ سے وہ کچھ بول نہ پائی اس لیے اس سے پہلے میں بول پڑا۔

''میں جانتا ہوں کہ میرا یہاں اس طرح آنا آپ کو برا لگا ہے مگر یہ وقت اچھا اور برا سوچنے کا نہیں ہے آپ کی طبیعت بہت خراب ہے اس لیے آپ یہ دوا لے لیں'' میں نے ٹیبلٹس اور پانی کا گلاس اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''نہیں مجھے یہ سب نہیں چاہئے'' اس نے منہ دوسری جانب پھیرتے ہوئے کہا۔

''دیکھیں میں مانتا ہوں کہ ہم دونوں میں کچھ بھی مشترک نہیں نا ہماری کلاس ایک ہے نا ہی سوچ لیکن کیا ہم ایک بس میں بیٹھے ان دو مسافروں کی طرح نہیں رہ سکتے جن کی نہ منزل ایک ہوتی ہے نا ترجیحات لیکن ان دونوں کو وقت گزارنے کے لئے ایک دوسرے سے بول چال رکھنا پڑتی ہے تاکہ وقت آسانی سے کٹ سکے میرے لیے نا سہی کم از کم اپنے لیے تو سوچیں......'' میں نے کہا۔

''مجھے تمہاری کسی احسان کی ضرورت نہیں ہے اوکے'' اس نے کمزور آواز مگر سخت لہجے میں کہا۔

''میرے خیال میں نہ چاہتے ہوئے بھی ہمیں بہت سا وقت ساتھ گزارنا ہے اس لیے مجھے لگتا ہے آپ کے پاس بھی بہت سے ایسے مواقع آئیں گے کہ آپ اس احسان کو آسانی سے اتار سکیں'' میں نے مسکرا کے کہا تو اس نے چند لمحے مجھے غصے سے گھورا اور پھر وہ یک دم سے اٹھی اور میرے ہاتھ سے ٹیبلٹس اور پانی کا گلاس تقریباً ہاتھ سے چھین لیا اس نے ایک ساتھ ہی تمام ٹیبلٹس منہ میں ڈالیں اور گلاس ایک سانس میں پی کے پھر فوراً لیٹ گئی اس سارے عمل میں چند سیکنڈ لگے۔ میں واپس جانے سے پہلے اسے ایک بار مڑ کے دیکھا وہ ایسے کمبل اوڑھ کے سو رہی تھی جیسے گہری نیند میں ہو۔

''اوکے میں چلتا ہوں اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیجئے گا'' میں نے کہا اور وہاں سے نکل آیا۔

ڈنر کے ٹائم مجھے خیال آیا کہ اس نے کھانا بھی کافی ٹائم سے نہیں کھایا ہوگا وہ خود کھانے والی مشین تک نہیں آسکتی تھی اس لیے اسے میرے سلوار کلاس ڈنر سے ہی گزارا کرنا پڑے گا یہ سوچ کے میں نے اس کے لئے بھی مشین سے کھانا حاصل کیا اور اس کے کمرے کی جانب بڑھا میں نے دیکھا وہ بیڈ پر ٹیک لگا کے بیٹھی تھی اس کی آنکھیں بند ضرور تھیں لیکن وہ نیند میں نہیں تھی میں نے گلہ صاف کر کے اسے اپنی موجودگی کا احساس دلایا تو وہ چونک اٹھی۔

''وہ...... میں نے سوچا آپ نے کافی وقت سے کھانا نہیں کھایا ہوگا اس لیے آپ کے لئے ڈنر لے آیا یہ ضرور سلور کلاس ہے لیکن بھوک مٹانے کے کام تو آتا ہی ہے'' میں نے کہا تو وہ آنکھیں بند کر کے بولی۔

''مجھے بھوک لگی ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں ایسا گھٹیا کھانا کھاؤں'' اس کی آواز میں نقاہت کی واضح جھلک تھی۔

''اسے بھی انسان کھاتے ہیں اور ایسا کہہ کے آپ ان انسانوں کی بھی توہین کر رہی ہیں جو یہ کھاتے ہیں'' میں نے ناگواری سے کہا۔

''دیکھو مجھے تم سے بحث نہیں کرنی میں مانتی ہوں مجھے شدید بھوک لگی ہے مگر میں اسے کھا کے اپنی صحت اور خراب نہیں کر سکتی۔''

''پھر تو آپ کو خود اٹھنا ہوگا کیونکہ آپ کو پتہ ہے مشین کھانا فنگر پرنٹ پر ہی دیتی ہے'' میں نے کہا۔

''اوکے میں خود ہی لے لیتی ہوں'' پرنسز نے کہا اور جیسے ہی وہ اٹھنے لگی لڑکھڑا کے نیچے گر گئی میں غیر ارادی طور پر اسے سہارا دینے کے لئے آگے بڑھا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے روک دیا۔

''میں خود اٹھ سکتی ہوں'' پرنسز نے غصے سے کہا اور اٹھنے لگی مگر جلد ہی اس کے چہرے پر بے بسی کے آثار پیدا ہوگئے۔

''دیکھیں آپ ضد نہ کریں اور یہ کھانا کھالیں'' میں نے نرم لہجے میں کہا۔

''تم اپنا منہ بند رکھو'' اس نے غصے سے کہا۔

''او کے میرے خیال میں اب ایک ہی راستہ رہ گیا ہے'' میں نے انتہائی فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

''کیسا راستہ؟'' پرنسز نے حیرت سے کہا۔

''اس گستاخی کے لئے میں پیشگی معافی مانگتا ہوں'' میں نے ٹھوس لہجے میں کہا اور آگے بڑھ کے اسے اس طرح اٹھالیا جیسے وہ کوئی دس سالہ بچی ہو پرنسز میری اس جرأت پر شاک رہ گئی میں نے اس کی جانب دیکھے بنا اسے اٹھاکے کمرے سے باہر نکل آیا میرا رخ کھانے کی مشین کی جانب تھا وہ مارے حیرت کے مجھے دیکھے جارہی تھی اسے شاید سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیا ری ایکٹ کرے میں اسے مشین کی جانب لے گیا۔

''پلیز اپنا انگوٹھا پیڈ پر رکھیں'' میں نے اس کی جانب دیکھے بغیر کہا تو وہ جیسے ہوش کی دنیا میں واپس آئی اور اس نے غیر ارادی طور پر انگوٹھا پیڈ پر پریس کیا دوسرے ہی لمحے مشین سے ٹرے نمودار ہوئی میں نے اسے قریبی ایک چیئر پر بٹھایا اور ٹرے اس کے سامنے ٹیبل پر رکھی مجھے اس کے چہرے پر غصے کے آثار نظر آنے کے بجائے حیرت نظر آرہی تھی ''آپ کھانا کھالیں میں پاس ہی کھڑا ہوں جب آپ کھانا کھالیں گی تو آپ کو آپ کے کمرے تک چھوڑ آؤں گا'' میں نے کہا تو جواب میں وہ خاموش رہی میں نے دیکھا وہ چمچ کو اپنے منہ تک نہ لے جاسکتی اور اس کا ہاتھ ٹیبل پر گر گیا اور اپنی بے بسی پر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے یہ دیکھ کر میں نے ایک چیئر پر اس کے پاس بیٹھ گیا اور چمچ کی مدد اسے سوپ پلانے لگا اس دوران نا وہ کچھ بولی نہ میں سوپ ختم کرنے کے بعد میں نے دیکھا اس کی تھوڑی پر تھوڑا سوپ لگ گیا ہے میں نے وہ ٹشو پیپر کی مدد سے صاف کیا اور ایک بار پھر اسے اٹھاکے اس کے کمرے میں چھوڑا اسے بیڈ پر لٹاکے اس پر کمبل ڈالا یوں لگتا تھا کہ وہ بولنے کی صلاحیت کھو چکی ہے۔

''میں آپ کے کمرے کے آس پاس ہی رہوں گا اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو آواز دے دیجئے گا'' میں نے کہا اور باہر نکل آیا۔

''ویلڈن یعنی آپ نے پرنسز کے دل میں اپنا مقام بنا ہی لیا'' روڈی نے مجھے کولڈ ڈرنک دیتے ہوئے کہا۔

''ہاں یوں سمجھ لو کہ جم میں کی کسرت کام آئی ورنہ شاید میں اسے نہ اُٹھا پاتا، آخر وہ 80 یا 90 کے جی کی تو رہی ہوگی'' میں نے جان بوجھ کے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

''نہیں سر آپ کا اندازہ غلط ہے پرنسز کا وزن میرے مطابق زیادہ سے زیادہ 50 کے جی ہوگا اور کمزوری کی وجہ سے شاید 45'' روڈی نے مجھے ٹوکتے ہوئے کہا۔

''ارے واہ تمہیں بہت علم ہے کیا تم نے انہیں اٹھایا ہے'' میں نے ہنس کے کہا۔ اس سے پہلے روڈی کوئی جواب دیتا بار کا دروازہ کھلا اور پرنسز اندر داخل ہوئی میں اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ جب سے پرنسز بیمار ہوئی تھی میری ٹائمنگ نہیں رہی تھی اور اصولاً یہ ٹائم پرنسز کے بار میں آنے کا ٹائم تھا۔

''سوری آج کل میری روٹین تھوڑی گڑبڑ ہوگئی ہے اس لیے میں بھول گیا کہ یہ آپ کے آنے کا وقت ہے ویسے اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''اب ٹھیک ہوں'' پرنسز نے خشک انداز میں کہا اور پھر روڈی سے بیئر طلب کی اور میں چپ چاپ وہاں سے نکل آیا اس بات کو دو دن ہوگئے تھے شاید اس لیے اب پرنسز خود چل کے بار تک آنے کے قابل ہوگئی تھی۔

دو دن گزر گئے میرا پرنسز سے سامنا نہ ہوا میں اپنے کمرے میں ایک لعل روبوٹ بنانے میں مصروف

تھا اور اس پر میں چھ ماہ سے کام کر رہا تھا میرا کمرہ کسی مکینک کی ورکشاپ کی مانند دکھائی دینے لگا تھا اوزار اور چھوٹے موٹے پرزے جابجا بکھرے ہوئے تھے میری ہاتھ گریس اور تیل کی وجہ سے کالے ہوگئے تھے میرے کپڑوں کے علاوہ میرے گال پر بھی گریس کا داغ لگ چکا تھا لیکن پھر بھی میں اپنے کام میں مصروف رہا میں کام میں اتنا مشغول تھا کہ مجھے دروازہ کھولنے کی بھنک نہ آئی اچانک کھٹکا ہوا اور میں نے مڑ کے دیکھا تو بلیک کلر کی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس پرنسز کو کھڑے ہوئے پایا ایک بار تو مجھے یوں لگا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں کیونکہ اس کے یوں میرے کمرے میں آنے کے بارے میں میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

''ہیلو کیسے ہو؟'' پرنسز نے کہا تو میں گھبرا کے اٹھ کھڑا ہوا ایک دم اٹھنے پر میری جھولی میں موجود اوزار دھماکے سے فرش پر بکھر گئے۔

''جی...... جی میں ٹھیک ہوں'' میں نے گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''میں بہت بور ہوگئی تھی سوچا کہ کچھ وقت تمہارے ساتھ گزار لوں'' پرنسز نے کہا۔

''کیوں نہیں'' میں نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔

''تو کیا بیٹھنے کو نہیں کہو گے؟'' پرنسز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں میں جگہ بناتا ہوں'' میں نے کہا اور صوفے سے پرزے وغیرہ ہٹا دیئے۔

''آپ بیٹھیں'' میں نے کہا تو وہ قدرے بے تکلفی سے صوفے پر بیٹھ گئی اور میں اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

''میں دراصل تمہارا شکریہ ادا کرنے آئی تھی۔''

''کس بات کا؟'' میں نے حیران ہو کر کہا۔

''تم نے میرے برے رویئے کے باوجود میری نہ صرف تیمارداری کی بلکہ میری مدد بھی کی جس کے لئے میں شکر گزار ہوں۔''

''میں نے ایسا بھی کوئی بڑا کام نہیں کیا'' میں نے نظریں چراتے ہوئے کہا کیوں میں نے اسے اٹھانے کی جو جسارت کی تھی اب اس پر تھوڑی شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔

''تمہیں اس کے لئے شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے تمہاری جگہ کوئی بھی درد دل رکھنے والا انسان ہوتا وہ یہی کرتا۔''

''آپ نے شاید میرے بارے میں غلط اندازہ لگایا ہو'' میں نے سرد سانس لیکر کہا۔

''نہیں تمہاری آنکھیں کہتی ہیں کہ تم میں کوئی کھوٹ نہیں ہے'' پرنسز نے میری طرف دیکھ کر کہا تو مجھے خود پر شرمندگی محسوس ہوئی۔

''بہرحال میں تمہیں یہ کہنے آئی تھی کہ اس شپ میں تم جہاں جانا چاہو جاسکتے ہو میں نے جو اصول بنائے تھے وہ میں خود ختم کر رہی ہوں'' اس نے کہا تو میں بے یقینی کے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

''دراصل میں چاہتی ہوں اس شپ کی دنیا میں ہم جو دو زندہ جاگتے انسان ہیں ایک دوسرے کے خلاف کسی نفرت کا شکار نہ ہوں اگر ہم دوست نہ ہوئے تو ہمیں ایک دوسرے کا دشمن بھی نہیں ہونا چاہئے'' پرنس نے کہا میں سر ہلانے کے علاوہ اور کچھ نہ کہہ سکا۔

''او کے چلتی ہوں شام کو بار میں ملتے ہیں'' پرنسز نے مسکراتے ہوئے کہا اور چلی گئی جبکہ میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

پتہ ہی نہ چلا اور کب ایک سال گزر گیا اور اس ایک سال میں بہت کچھ بدل گیا میں نے تو پہلے ہی اس زندگی کو اپنی قسمت مان لیا تھا اور اس ایک سال میں پرنسز نے بھی حالات سے سمجھوتہ کرلیا تھا اب ہم آپس میں اچھے دوست بن گئے تھے وہ میرے کمرے میں اور میں اس کے کمرے میں بے تکلفی سے آنے جانے لگے ہم پورا دن ہی تقریباً ساتھ ہی گزارتے تھے اسے مشینوں سے بے حد لگاؤ تھا اور میں ایک مشینسٹ تھا اس لیے وہ چھوٹے موٹے پرزے جوڑتی رہتی تھی اور میں

اسے مانیٹر کرتا رہتا تھا وہ پیانو اچھا بجا لیتی تھی اور کیوں نہ بجاتی آخر یہ امیروں کا شوق ہے اور وہ پرنسز تھی مجھے بھی پیانوں بجانے کا بہت شوق تھا اور جب یہ بات اسے پتہ چلی اور وہ بخوشی مجھے سکھانے پر راضی ہوگئی اس کے سکھانے کا انداز بہت ہی نزاکت بھرا تھا اس لیے میں جلد ہی سیکھ گیا وہ ایک سال میری تمام زندگی سے کہیں زیادہ بہتر تھا پرنسز میرے مذاق پر جی کھول کے ہنستی جب میں نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا اس نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اس وقت سے شاہی آداب سیکھے ہیں اور ان اصول میں بندھ کے انسان اپنے جذبات کھل کے اظہار تک نہیں کرپاتا تھا اسے قہقہہ لگانے کا بچپن سے شوق تھا لیکن ایسا کرنا شاہی آداب کے منافی تھا اور اب کیونکہ کسی قسم کی روک ٹوک نہیں تھی اس لیے وہ اپنی ہر وہ خواہش پوری کرنا چاہتی تھی جو آج تک خواب ہی رہی تھی اس کی بچکانہ حرکتیں دیکھ کر مجھے بہت خوشی محسوس ہوتی تھی مجھے یوں محسوس ہونے لگا کہ میں نے اسے جگا کے اس کی بے رنگ زندگی کو رنگین بنادیا ہے دل میں جو ایک خلش تھی وہ جاتی رہی تھی میں اسے شروع میں پرنسز کہا کرتا تھا لیکن اس نے منع کردیا کہ میں اسے اس کے نام سے پکاروں اور اب میں اسے بیلا کہا کرتا تھا۔

اس عرصے میں میں نے چھوٹا روبوٹ بھی مکمل طور پر تیار کرلیا لیکن وہ میں نے بیلا کو نہ دکھایا کیونکہ میں اسے برتھ ڈے پر سرپرائز دینا چاہتا تھا بیلا جب صبح ناشتہ کررہی تھی تو میں نے روبوٹ کو آن کرکے اس کے ہاتھ میں ایک پرچی تھمائی اور اسے بیلا کی طرف روانہ کردیا اور اس پر لکھ دیا ''میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں کیا آج رات تم میرے ساتھ ڈیٹ پر چلوگی'' روبوٹ کو روانہ کرنے کے بعد میں سوچنے لگا کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا اب مجھے پچھتاوا ہونے لگا تھا کہ نہ جانے بیلا میرے بارے میں کیا سوچتی ہوگی میں انہیں سوچوں میں گم تھا کہ روبوٹ واپس آگیا اور اس کے ہاتھ میں موجود پرچی پر لکھا تھا ''آج شام 8 بجے'' یہ پڑھ کے میرے دل میں آیا کہ میں خوشی سے ناچنے لگوں مگر پھر ارادہ کینسل کردیا میں بے شک بہت خوش تھا مگر حالات کا اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا اس کا مجھے قطعی اندازہ نہیں تھا۔

میں نے واڈروب سے سیاہ رنگ کا تھری پیس سوٹ نکالا اور دراز سے وہ ڈائمنڈ کی رنگ نکالی جو میری مرحومہ ماں کی آخری نشانی تھی انگوٹھی سستی ضرور تھی مگر خوبصورت تھی جب ہم اس لمبے سفر پر آرہے تھے جو ہمیں ساتھ میں ذاتی مگر مختصر سامان بھی ساتھ لیے جانے کی اجازت تھی میں نے ساتھ اور کچھ بھی نہ لیا تھا سوائے اس انگوٹھی کے میں نے انگوٹھی کو دیکھتے دیکھتے اچانک گھڑی دیکھی اور اندازہ ہوا میں پندرہ منٹ لیٹ ہوچکا ہوں میں نے انگوٹھی جیب میں ڈالی اور دوڑتا ہوا روڈی کے بار کی طرف گیا میرا ارادہ بیلا کو پرپوز کرنے کا تھا اس لیے میں بہت پرجوش تھا میں وہاں پہنچا تو میں نے دیکھا بیلا مجھ سے پہلے پہنچ چکی تھی اور روڈی اس سے کہہ رہا تھا۔

''آج آپ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں۔''

''تھینک یو روڈی'' بیلا نے جواباً کہا۔

''لگتا ہے آپ اور مسٹر جونی ایک دوسرے کے کافی قریب آگئے ہیں''

''ہاں میرے خیال میں اب ہم میں کچھ بھی پوشیدہ نہیں رہا'' بیلا نے ہنس کے کہا۔

''آج سے تقریباً ایک سال پہلے مسٹر جونی بہت پریشان تھے وہ اکثر یہ پوچھتے رہتے تھے کہ وہ آپ کو اٹھائیں یا نہ اٹھائیں آخر انہوں نے آپ کو اٹھانے کا مشکل فیصلہ کیا اور پھر وقت نے ثابت کردیا کہ اس کا فیصلہ ٹھیک تھا اب آپ دونوں بہت خوش دکھائی دیتے ہیں'' روڈی نے مسکرا کے کہا میں تیزی سے آگے بڑھا میں نے دیکھا بیلا کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا ہے اور وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجھے دیکھے جارہی تھی میں نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے بولنے سے روک دیا۔

''بس تم نے جو کرنا تھا کرلیا تم نے مجھے برباد کر کے رکھ دیا ہے تم نے مجھے مار ڈالا ہے......'' بیلا نے چیخ کے کہا اور دوڑتی ہوئی وہاں سے چلی گئی میں خالی خالی نظروں سے روڈی کو دیکھنے لگا وہ مجھے یوں دیکھ رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

بیلا نے ٹھیک کہا تھا کہ میں نے اسے اٹھا کے مار ہی تو دیا ہے مگر میں کیا کرتا اس وقت جو دل میں آیا کر بیٹھا جس کا اب جتنا بچھتاوا کیا جائے کم تھا میں تو اس سے معافی مانگنے کے قابل بھی نہ تھا معافی مانگتا بھی تو کس بات کی آپ کسی کو قتل کر کے اس سے کیسے معافی مانگ سکتے ہیں وہ رات میرے لیے بہت اذیت ناک تھی میں نے آٹھ بوتلیں وسکی کی انڈیلیں اور نہ جانے کیسے اپنے کمرے تک گیا اور بیڈ پر گرا اور نہ جانے کب آنکھ لگ گئی شاید میں پوری رات اور دن کو سوتا رہا شام کے وقت مجھے یوں لگا میری کمر پر کسی سخت چیز کی ضرب لگی ہو میری آنکھیں کھل گئیں مگر ضرب کی وجہ سے میں میری آنکھوں میں اندھیرا چھایا رہا میں کراہ کے سیدھا ہوا تو میں نے دیکھا بیلا میرے بیڈ پر کھڑی تھی اور اس کے ہاتھ میں لوہے کا راڈ تھا شاید اس نے وہی میری کمر پر مارا تھا مجھے منہ سے خون نکلتا ہوا محسوس ہوا شاید شدید اندرونی چوٹ لگی تھی میں نے کچھ بولنا چاہا مگر زبان نے ساتھ نہ دیا بیلا نے اپنا پیر میرے سینے پر رکھا اور ایک اور ضرب لگا نشانہ اس بار میرا کندھا تھا مجھے اپنا بازو ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا تھا میری آواز گھٹ کے رہ گئی میں نے بیلا کی جانب دیکھا اس کے بال بکھرے تھے اور آنکھیں غصے سے سرخ تھیں وہ غصے کی شدت سے ہانپ رہی تھی اس نے ایک بار پھر مجھے مارنے کے لئے راڈ بلند کیا اور میں نے ہاتھوں کی مدد سے اپنا چہرہ چھپا لیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں نے فیصلہ کیا اور اپنے ہاتھ چہرے سے ہٹا لیے اور آنکھیں بند کرلیں کیونکہ اس بار اس کا نشانہ میرا سر تھا اگر وہ دس کلو کا راڈ میرے سر میں لگتا تو میری موت یقینی تھی جب کافی ٹائم میرے سر میں راڈ نہ لگا تو میں نے آنکھیں کھولیں بیلا تیزی سے بیڈ سے اتری اور باہر جانے لگی راڈ ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا دروازے کے ساتھ میری دو سال کی محنت روبوٹ کھڑا تھا بیلا نے اس نازک روبوٹ کو راڈ کے ایک ہی وار سے سینکڑوں ٹکڑوں میں تقسیم کردیا اور باہر نکل گئی جبکہ میں بے جان لاش کی طرح اسے جاتے دیکھتا رہ گیا۔

کہتے ہیں جسمانی زخم بھر جاتے ہیں مگر دل پر لگے زخم اس داغ جیسے ہوتے ہیں جو کبھی نہیں مٹتے اگر کسی انسان کے دل کے ساتھ ساتھ اس کے جسم پر بھی زخم لگے ہوں تو جسمانی زخم بھی بھرنے میں وقت لگا دیتے ہیں کندھے کا زخم ایک ہفتے میں ٹھیک ہو گیا تھا مگر کمر میں شدید درد رہنے لگا اس درد کی وجہ سے میں بنا سہارے کے چل بھی نہ پا رہا تھا بیلا سے نہ تو اس دن کے بعد سامنا ہوا اور نہ ہی میں کرنا چاہتا تھا اس نے جو میرے ساتھ کیا تھا یہ تو بہت کم تھا حقیقت میں میری سزا اس سے بھی بڑی ہونی چاہئے تھی۔

آخر میں نے اس سے زندگی کا مقصد چھین کے اسے برباد ہی تو کردیا تھا جس کا مجھے شدت سے پچھتاوا تھا مگر اب کیا ہوسکتا تھا سوائے پچھتاوے کہ میں نے کوشش کی اس سے معافی مانگنے کی مگر خود میں اتنی ہمت پیدا نہ کرپایا کہ اس کے سامنے کھڑا بھی ہو پاؤں آخر جب ضمیر نے بہت زیادہ ملامت کی تو میں نے رات کو سوچ لیا صبح اس کے پاس جا کر معافی مانگوں گا پھر چاہے اس کا جو بھی جواب ہو میں یہی بات اپنے کمرے میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ اچانک مجھے محسوس ہوا میرا وزن کم ہونے لگا ہے میں نے گھبرا کے اردگرد دیکھا تو ٹیبل پر رکھا گلاس اور دیگر چیزیں آہستہ آہستہ اوپر کو اٹھ رہی تھیں اور پھر اچانک مجھے بھی اپنا وجود ہوا میں لہراتا ہوا محسوس ہوا اور میں بیڈ سے تین فٹ اوپر تک اُٹھ گیا میں ہوا میں ہاتھ پیر مارنے لگا اس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں فوراً خیال آیا کہیں اس جہاز میں موجود مصنوعی گریوٹی تو ختم نہیں ہوگی یہ اگر واقعی میں ایسا تھا تو یہ بہت تباہ کن بات تھی اب آہستہ آہستہ بھاری چیزیں جیسے کہ بیڈ، الماری بھی اپنی جگہ سے اٹھنے لگیں مارے خوف کے

میرا برا حال ہونے لگا میں نے کسی طریقے سے دروازے تک پہنچنے کی کوشش کی مگر گریوٹی شاید بہت ہی کم ہوگئی تھی اس لیے مجھے شدید دشواری کا سامنا تھا بہرحال میں کسی نہ کسی طریقے سے دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا اس سے پہلے کہ میں دروازہ کھولتا شاید گریوٹی واپس آ گئی اور میں دھڑام سے زمین پر گرا اور کمرے کی تمام اشیاء بھی دھماکے سے زمین پر آن گریں میری کمر میں پہلے ہی شدید درد تھا چھ فٹ اونچائی سے گرنے پر رہی سہی کسر بھی پوری ہوگئی مجھے اپنے حلق میں خون کی کڑواہٹ محسوس ہونے لگی مجھ میں حرکت کرنے کی سکت باقی نہیں رہی تھی لیکن جب مجھے بیلا کا خیال آیا تو کسی انجانے جذبے کے تحت میں اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی تکلیف کو نظر انداز کرکے بیلا کے کمرے تک پہنچا میں جیسے ہی دروازے پر پہنچا دروازہ کھولا اور بیلا باہر نکل آئی اس کے ماتھے پر چوٹ کا نشان تھا۔

''یہ کیا ہورہا ہے'' اس نے اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے مجھ سے دریافت کرتے ہوئے کہا حالات اتنے سنگین تھے کہ اسے اپنی ناراضگی کب کی بھول گئی تھی میرے خیال میں گریوٹی ایک دم صفر ہوگئی تھی میں نے رک رک کر کہا کیونکہ چوٹ اپنا اثر دکھا رہی تھی۔

''اب کیا ہوگا کیا پھر تو ایسا......'' بیلا نے اتنا ہی کہا تھا کہ ایک دفعہ پھر مجھے اپنا وجود بے وزن ہوتا محسوس ہوا میرے ساتھ بیلا بھی زمین سے اوپر اٹھنے لگی جس نے گھبرا کے میرا ہاتھ تھام لیا جواب میں میں نے بھی اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا ہمارے وجود اس بار کچھ زیادہ ہی اوپر اٹھنے لگے اس کے ساتھ کمروں کے الیکٹرونک دروازہ خود بخود کھلنے اور بند ہونے لگے پورے شپ میں سائرن کی تیز آواز گونجنے لگی ہمارے وجود اتنے اٹھ گئے تھے کہ ہمارے سر گیلری کی چھت سے ٹکرانے لگے اس کے ساتھ ہی ہمیں یکدم جھٹکا لگا اور ہم دونوں نیچے آن گرے میں نیچے اور بیلا میرے اوپر گری تھی اس لیے اسے کچھ خاص چوٹ نہ لگی تھی مگر مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرے جسم سے جان نکل گئی ہو۔

''تم ٹھیک تو ہو'' بیلا نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا تو میں نے سر ہلا دیا کیونکہ بولنے کی سکت مجھ میں نہیں رہی تھی دروازے ابھی بھی خود بخود بند اور کھل رہے تھے سائرن بدستور بج رہا تھا اچانک میرے ذہن میں ایک بات آئی تو میں نے بیلا کو مخاطب کیا۔

''میرے خیال میں پریوگریوٹی کا زیرو ہوجانا دروازوں کا خود بخود کھلنا کسی تکنیکی خرابی کی وجہ سے ہے اور اس تکنیکی خرابی کا تعلق ضرور کنٹرول روم سے ہوگا۔''

''لیکن اگر مسئلہ کنٹرول روم میں ہے تو ہم کیا کرسکتے ہیں اس کا دروازہ نہ تو پہلے ہم کھول سکتے تھے نہ اب'' بیلا نے بے بسی سے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

''دیکھو یہ تمام الیکٹرونک ڈور خود بخود کھل اور بند ہورہے ہیں وہ بھی یقیناً الیکٹرونک ڈور ہے اگر وہ بھی کھل اور بند ہورہا ہے ہمارے لیے ایک امید ہے اور پھر ہوسکتا ہے وہاں ہمیں اپنے سب سے بڑے اس بے وقت کے جاگنے کے مسئلے کا حل بھی مل جائے'' میں نے کہا تو بیلا کی آنکھوں میں بھی امید کی چمک پیدا ہوئی اور پھر ہم دونوں ہمت کرکے کنٹرول روم کی جانب دوڑ پڑے یکدم پھر ہمارے قدم زمین سے اٹھ گئے ہم پانچ فٹ اوپر اٹھے اور پھر یکدم زمین پر گرے اس بار بیلا بھی کمر کے بل زمین پر گری اور اس کے منہ سے چیخ نکل گئی لیکن میں فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور اسے بھی سہارا دے کر اٹھایا ایک بار پھر ہم دونوں ہمت کرکے دوڑ پڑے کنٹرول کے دروازے پر پہنچے تو ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی کیونکہ وہ دروازہ بھی خود بخود کھل اور بند ہورہا تھا میں نے بیلا کو وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور خود دروازہ بند ہونے سے پہلے اندر داخل ہوگیا وہاں دیواروں پر بڑی بڑی اسکرینیں نصب تھیں جو چل رہی تھیں سوائے ایک کے یہ یقیناً وہی مشین تھی جو اس شپ کے خودکار سسٹم کو کنٹرول کرتی تھی۔

میں نے اسے آن کرنے کی کوشش کی مگر بری طرح ناکام رہا میں نے اس مشین کا کیبل دیکھا تو میں حیران رہ گیا اس مشین کے ساتھ ایک سلیپنگ باکس بھی

منسلک تھا جس میں موجود انسان ایک نوجوان تھا جس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا تھا وہ یقیناً اس شپ کا کپتان رہا ہوگا جیسے باقیوں سے الگ اس کمرے میں سلایا گیا تھا تاکہ وہ اس شپ کے دیگر لوگوں سے قبل ہی ہوش میں آجائے تاکہ ان کے جاگنے سے پہلے شپ کو بہتر طریقے سے کنٹرول کرسکے۔

مگر چونکہ مشین بند ہوگئی اس لیے وہ بھی زندگی کی بازی ہار گیا تھا شاید اس میں آکسیجن کی ترسیل بند ہوگئی تھی ورنہ اگر سلیپنگ باکس خراب ہوا ہوتا تو وہ خودکار انداز میں کھل جاتا مگر باکس نہ کھل سکا اور اس کی موت واقع ہوگئی۔

میں اس مشین کو ٹھیک کرنے لگا کیونکہ یہی تو میری جاب تھی اس سے پہلے وہ مشین آن ہوتی گریوٹی پھر زیرو ہونے لگی۔

لیکن میں نے مشین کو مضبوطی سے پکڑلیا میں نے جوں ہی آخری کیبل کو مشین سے منسلک کیا مشین آن ہوگئی اور میں نے خوشی سے ہاتھ چھوڑ دیئے گریوٹی یکدم واپس آگئی اور میرا ہوا میں اٹھا ہوا وجود ایک بار پھر زمین کی جانب تھا لیکن اس دفعہ درد خوشی کی لہر میں بہہ گیا تھا اب سب ٹھیک ہوگیا تھا میں نے یہ خوشخبری بیلا کو دینی چاہی مگر میں مڑا تو میں نے دیکھا دروازہ بند ہوچکا تھا میرے ہاتھ کے طوطے اڑ گئے میں نے بہت کوشش کی مگر دروازہ نہ کھل سکا اور اچانک میری نظر دروازے کے ساتھ منسلک چھوٹی سی اسکرین اور مائیک پر پڑی میں نے اسکرین آن کی اور مائیک اٹھایا میں نے اسکرین پر دیکھا بیلا دروازے پر پریشانی کے عالم میں کھڑی ہے۔

''ہیلو بیلا کیا تم مجھے سن سکتی ہو'' میں نے مائیک پر کہا تو بیلا حیران ہوئی پھر سر ہلا دیا کیونکہ میں اس کی آواز سننے سے قاصر تھا۔

''دیکھو بیلا سب ٹھیک ہوگیا ہے جو مشین میں خرابی تھی وہ دور کردی گئی ہے مگر اب یہ دروازہ نہیں کھل رہا کیونکہ یہ خودکار نظام سے منسلک ہے اور اپنے وقت پر ہی کھلے گا اس سے پہلے کھولنے کے لئے اس تمام خودکار نظام کو بند کرنا ہوگا اور جیسے ہی یہ نظام بند ہوا ہم یہ شپ نہیں سنبھال پائیں گے اور شپ شاید تباہ ہوجائے'' میں نے کہا تو بیلا کچھ بولی لیکن میں سمجھ نہ پایا وہ کیا کہہ رہی ہے لیکن پریشانی اس کے چہرے سے واضح تھی اور پھر اچانک میں نے دیکھا وہ رونے لگ گئی ہے اور ساتھ ہی ہاتھ کے اشارے سے مجھ سے معافی بھی مانگ رہی تھی شاید اب اسے بھی وہ کیمرہ دکھائی دے رہا تھا جس کی مدد سے میں اسے دیکھ رہا تھا۔

''بیلا میں جانتا ہوں میں کوئی اچھا انسان نہیں ہوں اور تمہارے قابل تو کبھی بھی نہیں رہا میں جانتا ہوں میں نے ناقابل معافی جرم کیا ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ تمہیں دیکھتے ہی مجھے تم سے محبت ہوگئی تھی میں بے بس ہوگیا تھا اپنے جذبات کے آگے اور......'' اس سے آگے میں کچھ بھی نہ کہہ پایا میری آنکھوں سے لگاتار آنسو بہنے لگے میں نے دیکھا بیلا بھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی اس طرح نہ جانے کتنے گھنٹے گزر گئے میرے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہ تھی بیلا بھی نیم بے ہوشی کی سی کیفیت سے دوچار دروازے پر ہی بیٹھی ہوئی تھی میں نے اس مشین کا کمانڈ سسٹم کھولا اور اس سلیپنگ باکس کو کھول کر اس میں سے کپتان کی لاش باہر نکالی۔

اچانک میری نظر اس کے گلے میں پڑی چین پر پڑی جس میں ایک بڑے سائز کی چابی تھی میں نے وہ چین فوراً اس کے گلے سے اتاری اور اس کا جائزہ لیا تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی وہ واقعی اس دروازے کی چابی تھی یعنی اسے چابی سے کھولنا ممکن تھا میں چابی لیکر دروازے کے پاس گیا وہاں ایک چھوٹا سا سوراخ تھا جو کہ چابی کے سائز کا تھا میں نے اس میں چابی ڈالی اور گھمانے ہی لگا تھا کہ میرے ذہن میں ایک خیال آیا تو میرا خوشی سے تمتماتا چہرہ ایک دم پتھریلا ہوگیا میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا واپس آیا اور مشین کے کمانڈ سسٹم کو چیک کرنے لگا اور جو میں نے سوچا اس کی تصدیق ہوگئی تھی۔

میں نے کچھ دیر اسکرین کو دیکھا اور اپنے دل میں پیدا ہونے والے جذبات کو سختی کے ساتھ کچل دیا میں نے انتہائی فیصلہ کرلیا میں دروازے کی طرف گیا اور دروازہ کھولا تو بیلا نیم بے ہوشی کی کیفیت میں سو رہی تھی اس وقت وہ دنیا کی سب سے خوبصورت لڑکی لگ رہی تھی اس کے چہرے پر پھیلی معصومیت دیکھ کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوگئی میں نے اسے آرام سے اٹھایا وہ شاید بے ہوشی کی حالت میں تھی اس لیے اس نے معمولی حرکت کی اس کی آنکھ نہ کھلی میں نے اسے آرام سے کپتان والے سلیپنگ باکس میں لٹایا اور اس کے دونوں بازوؤں میں باکس کے اندر موجود سوئیاں لگادیں تو اس کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے باکس خود بخود بند ہوگیا وہ ایک بار پھر ایک طویل نیند میں جا چکی تھی اور میں اس کے ساتھ گھٹنوں کے بل بیٹھ کے دھاڑیں مار مار کے رونے لگا۔

2194ء آرتھ 2 پرنسز بیلا کی آنکھ کھلی اس نے دیکھا سلیپنگ باکس کھلا ہوا تھا وہ جلدی سے باہر نکلی اس نے دیکھا وہ کنٹرول روم میں تھی میں تو کنٹرول روم کے باہر سو رہی تھی اور جونی کنٹرول روم میں قید ہوگیا تھا پھر میں یہاں کیسے آگئی وہ حیرت سے سوچنے لگی پھر اچانک وہ چونکی اور تیزی سے باہر نکل کے جونی کے روم تک پہنچی لمبی نیند کی وجہ سے اسے چکر آرہے تھے وہ روم میں پہنچی تو اس نے دیکھا جونی وہاں نہیں تھا۔

''ویلکم پرنسز بیلا جین'' کمرے میں جونی کی آواز ابھری تو پرنسز نے خوش ہوکر مڑ کے دیکھا مگر وہاں جونی نہیں تھا اس کا بنایا ہوا وہ روبوٹ بول رہا تھا جسے وہ پہلے توڑ چکی تھی روبوٹ نے اپنا مشینی ہاتھ آگے بڑھایا اس کے ہاتھ میں ایک ڈائمنڈ کی رنگ اور ایک سیاہ جلد کی ڈائری تھی۔

پرنسز نے دونوں چیزیں اس کے ہاتھ سے لے لیں اور ڈائری کھول کے پڑھنا شروع کیا اس میں اس شپ پر جونی کے اٹھنے سے لیکر بیلا کے اٹھانے اور درمیان کے واقعات کے بعد شپ کی کمانڈ سسٹم میں خرابی تک تمام واقعات کو ترتیب سے لکھا گیا تھا۔

ڈائری میں لکھا تھا کہ شپ کے کمانڈ سسٹم کا تمام نظام خودکار تھا اور اس میں موجود تکنیکی خرابی کا سب سے پہلے میں شکار ہوا اور میرا سلیپنگ باکس خراب ہوگیا جس کے نتیجے میں میں اٹھ گیا کنٹرول روم میں جانے پر مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ میں کپتان کے باکس میں تمہیں سلا سکتا ہوں اس لیے میں نے اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لئے تمہیں اس میں سلا دیا تمہیں سلانے کے ایک سال بعد مجھ پر ایک نیا انکشاف ہوا کہ تم سے جھگڑے کے دوران جو مجھے اندرونی چوٹ لگی تھی وہ کینسر میں تبدیل ہوچکی ہے میڈیکل مشین کے مطابق یہ لاعلاج مرض ہے۔

''میں نے اس حقیقت کو قبول کرلیا ہے یہ رنگ میں تمہیں کافی عرصے سے دینا چاہتا تھا اور مانا کہ تمہارے معیار کی ہرگز نہیں ہے اگر اچھا لگے تو ایک بار ضرور پہن لینا تمہیں تمہاری نئی دنیا مبارک ہو، تم مضبوط ہی رہنا کیونکہ اس نئی دنیا کی تم پہلی حکمران ہوگی اور نئی دنیا کو ایک مضبوط حکمران چاہئے باقی رہا میرا مسئلہ تو میں روز روز خون کی الٹیاں کرکے تھک گیا ہوں، روڈی مشین ضرور ہے لیکن اس نے ایک اچھا دوست ہونے کے ناطے مجھے ایک معقول مشورہ دیا ہے اور میں اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اس شپ سے چھلانگ لگا کے ناختم ہونے والے خلا میں جارہا ہوں لیکن میں نہ بھی رہا مگر تم پھر بھی مجھے ہر پل اپنے ساتھ محسوس کروگی کیونکہ میں نے تم سے واقعی بے حد محبت کی ہے۔''

بیلا نے اتنا ہی پڑھا کیونکہ وہ ہکا بکا رہ گئی تھی دوسرے ہی لمحے وہ دھاڑیں مار مار کے رونے لگی ادھر شپ اپنی منزل کی طرف گامزن تھی کیونکہ اگلے 48 گھنٹوں میں وہ منزل پر پہنچنے والے تھے مگر پرنسز روئے جارہی تھی کیونکہ شاید وہ بھی دل کے کسی نرم گوشے سے جونی کو چاہنے لگی تھی۔

سنگ چور

شیخ ثناء اللہ۔دریا خان

زرد رنگ کا ایک چھوٹا سا سانپ اپنا کام کرکے نکل چکا تھا۔ عام معلومات کے مطابق سانپ جتنا چھوٹا ہوگا اتنا ہی زہریلا ہوگا۔ اور یہ حقیقت ہے اس حقیقت سے کوئی انکار نہی کرسکتا۔

خوف وہراس کی دنیا میں تہلکہ مچاتی دل ودماغ سے محو نہ ہونے والی شاہکار کہانی

''انسان بھی بہت عجیب شے ہے، اپنے علم پر اتنا نازاں رہتا ہے مگر حقیقت میں اسے آنے والے کل تک کا علم نہیں ہوتا۔''لاج کی پیشانی پر آئے بال اس نے نہایت ملائمت سے پیچھے ہٹائے اور ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ بازوؤں کو ساکت کیے اس اس کا رخ اب باہر کی طرف تھا۔ دروازے تک پہنچ کر اس نے مڑ کر دوبارہ لاج کی طرف دیکھا۔ گہری نیلی آنکھیں جھپکنے سے عادی تھیں۔ زندگی ان آنکھوں میں ناپید تھی۔ پل بھر لاج کو دیکھنے کے بعد وہ باہر نکل گیا۔

''نگہت ماسی! ناشتہ لے آؤ، رات بھی کچھ کھائے پیئے بغیر سوگئی تھی میں۔'' سویرے تڑکے لاج ٹیبل بجاتے ہوئے بولی۔

''کھانے کا تو پتہ نہیں مگر پینے کا تو سفید جھوٹ مت بولو۔'' ازابیل کرسی گھسیٹ کر جمائی

لیتے ہوئے آ بیٹھی۔

''بس کرو میری ازل کی دشمن، میں کیوں جھوٹ بولوں گی، مما دیکھیں اس کو۔'' لاج تنگ کر بولی۔

''صبح صبح بحث مت کرو تم دونوں۔'' مما نے ان دونوں کو گھر کا اور ساتھ ہی اورنج اسکوائش کے دو گلاس بھر کر ان کے سامنے رکھے۔

''آپ سمجھ رہی ہیں، میں جھوٹ بول رہی ہوں۔'' ازابیل ٹیبل پر ہاتھ مار کر اٹھی اور تیزی سے اندر کمروں کی طرف چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی لاج نے کندھے اچکا کر اسکوائش کا گلاس ہونٹوں سے لگایا۔ مما اس کے لئے سلائس پر جام لگانے لگیں۔ ابھی سلائس پلیٹ میں رکھا ہی تھا کہ کسی نے ڈائننگ ٹیبل کے عین بیچ میں گلاس پٹخا۔ سب کی نظریں دودھ کے خالی اس گلاس پر تھیں۔ جسے ازابیل نے لاکر ٹیبل پر پٹخا تھا۔

''لاج بیٹا! اگر پی لیا تھا تو اس میں جھوٹ بول کر ازابیل کو تنگ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ پتہ نہیں، تم دونوں بہنوں کا کیا بنے گا؟ غلطی ہوگئی میرے سے، جو ایک ہی گھر میں منگنی کردی تم دونوں کی۔ پتہ نہیں مسز صدیقی کا کیا حال ہوگا۔'' مما نے اخبار پڑھتے ہوئے گلاسز کے شیشے میں سے انہیں گھورا سب ہی خاموشی سے دوبارہ ناشتہ کرنے میں مگن ہوگئے۔ مگر آملیٹ توڑتے راج کے ہاتھ بالکل بے جان تھے اور اس کی سوالیہ نظریں گلاس پر جمی تھیں۔ عموماً منہ سے گلاس لگا کر پیا جائے تو سارا دودھ ایک سائیڈ پر آتا ہے اور اسی ایک سائیڈ پر نشان بھی بنتا ہے۔ مگر یہ دودھ تو جیسے درمیان سے پیا گیا تھا۔ گلاس بالکل ایسے خالی تھا، جیسے بارش نہ آنے کے سبب گاؤں کا حوض آہستہ آہستہ نیچے اترتا جاتا ہے۔ دودھ پیا کس نے تھا؟ اور کس انداز میں پیا تھا؟ وہ سوچوں میں محو تھی۔

☆......☆......☆

دوپہر کا ایک بج رہا تھا۔ تیز گرمی کی حدت تارکول کی سڑک کو ناقابل برداشت بنا رہی تھی۔ سڑک کی گرمی جوتوں کی رکاوٹ کو پار کرتی ہوئی اس کے پیروں تک پہنچ رہی تھی۔ آسمان سے آگ برساتا سورج اس کے دماغ کا کام تمام کر رہا تھا۔ اب تو اس میں چلنے کی سکت بھی نہیں رہی تھی۔ تھک ہار کر وہ سڑک کنارے لگے پیڑ کے سائے میں سانس لینے کو رکی۔ شولڈر بیگ کی زپ کھول کر اس میں سے پانی کی بوتل نکالی اور منہ سے لگالی۔ اتنے میں اس کے موبائل کی بیپ بجی۔ ازابیل کا میسج تھا۔ اس کے لیٹ ہونے کی وجہ پوچھ رہی تھی۔ پانی پی کر اس نے جوابی پیغام ٹائپ کرنا شروع کیا۔

''کالج بس چھوٹ گئی تھی آج۔ بھری گرمی میں دوسری بس کا انتظار نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے پیدل چل پڑی۔ راستے میں ہوں، بس آنے والی ہوں، میسج ٹائپ کرکے اس نے موبائل واپس شولڈر بیگ میں رکھا اور درخت سے ٹیک لگا کر ستانے کی غرض سے آنکھیں موند لیں۔ جون کی گرمی میں پیدل چلنے کی وجہ سے اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ کچھ دیر ستانے کے بعد اس نے جوں ہی اٹھ کر چلنا چاہا تو دہشت سے اس کی چیخ نکل گئی۔

کالے رنگ کا ایک خوف ناک ناگ اس کے دونوں پیروں کے گرد بل دے کر انہیں اپنے شکنجے میں کیسے بیٹھا تھا۔ بوکھلاہٹ میں اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر واپس زمین پر گرگئی۔ دھیرے دھیرے سانپ نے اپنا دائرہ پھیلانا شروع کیا۔ اب وہ اس کے پیروں کو کراس کرتا ہوا پنڈلیوں تک آرہا تھا۔ لاج کے منہ سے گھٹی گھٹی چیخیں نکل رہی تھیں۔ دفعتاً ہی موسم نے اپنا رخ بدلا۔ تیز دھوپ کی جگہ ہلکی بدلی نے لے لی۔ مگر اتنا خوشگوار موسم اس کے لئے موت کا سامان تیار کر رہا تھا۔ سانپ اپنا گھیرا وسیع کرتا ہوا اب اس کی گردن تک آن پہنچا تھا۔ اس کی آنکھیں باہر کو ابل پڑی تھیں۔ زبان بھی دوہری ہوکر اپنا دہانہ چھوڑ رہی تھی۔ اس وقت اگر کوئی دیکھتا تو وہ لاج کو ایک ناگن ہی سمجھتا کیونکہ سانپ نے اسے پیر سے لے کر گردن تک اپنے سیاہ وجود کے گھیرا میں لپیٹ رکھا تھا صرف اس کا چہرہ باہر تھا۔ اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ملک الموت اس کے

سامنے آ کھڑا ہوا ہو۔ اپنی زندگی کے گزارے سارے پل کسی فلم کی طرح ایک ایک کر کے اس کی ابلتی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے۔ اس کی اتھل پتھل ہوتی سانسیں دم توڑنے لگیں۔ جب اچانک ہی کسی نے زوردار تھپڑ اس کے منہ پر رسید کیا اس نے آنکھیں کھولیں تو ازابیل دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"میرے پاس آخری راستہ یہی تھپڑ تھا تمہیں جگانے کا۔ بہت جھنجھوڑا مگر تم ہوش میں آ ہی نہیں رہی تھی۔"

"اف...... تو یعنی وہ سب خواب......" وہ بیڈ پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کی سانس ابھی بھی بہت تیز چل رہی تھی۔

"جی میڈم! کوئی خواب ہی دیکھا ہوگا آپ نے ۔ ورنہ بغیر خواب کے تو سوتے میں یوں کوئی پاگل ہی ڈر سکتا ہے۔" ازابیل اب جا کر واپس اپنے بیڈ پر بیٹھ چکی تھی۔ ان دونوں بہنوں کی معمولی نوک جھونک کی طرح ان میں بھی پیار بھری لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ لاج بیڈ پر نیم دراز سی ہو کر بیٹھ گئی۔ اور گلاس میں پانی انڈیلنے لگی۔ ابھی اس نے پہلا گھونٹ ہی بھرا تھا کہ نیچے سے دلخراش چیخ کی آواز آئی ا۔ ان کا کمرہ سیکنڈ فلور پر تھا۔

"یہ تو نگہت ماسی کی چیخ ہے۔ خدا خیر کرے۔" ازابیل نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ اور سیدھا نیچے کی سمت دوڑ پڑی۔ لاج بھی اس کی تقلید میں گلاس رکھتے ہی سیدھا نیچے بھاگی۔ نیچے مما بھی نائٹ گاؤن میں ملبوس حیران پریشان سی کھڑی تھیں۔ نگہت ماسی کے چہرے پر بھی ہوائیاں سی اڑی ہوئی تھیں اور وہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔

"کچن میں ماسی میری گرین ٹی بنانے گئی تو وہاں اچانک ایک عجیب و غریب سانپ نکل آیا بہت مشکل سے ماسی بھاگی وہاں سے اب اشرف مالی ڈھونڈ ا تو نہ جانے کہاں بھاگ گیا وہ سانپ؟" ازابیل اور لاج کو مما نے حقیقت سے آگاہ کیا۔

"س...... سس...... سانپ؟" لاج کی بھوری آنکھوں میں وحشت کے سائے ابھرنے لگے اور اسے اپنا ابھی چند ساعتوں قبل دیکھا جانے والا خواب یاد آنے لگا۔

"بی بی جی! ہر طرف دیکھ لیا ہے۔ سانپ کہیں نہیں ہے۔ شاید لان میں کہیں چھپ گیا ہو۔ اب رات میں ان مصنوعی روشنیوں سے تو نہیں ڈھونڈا جا سکتا ناں۔" اشرف مالی لکڑی کا بڑا سا ڈنڈا تھامے اندر داخل ہوا۔ عین اسی لمحے لاؤنج میں موجود صوفے کے نیچے سے تیز پھنکار کی آواز آئی سب ہی نے بجلی کی سی تیزی سے اس سمت میں دیکھا مگر اشرف مالی نے کچھ زیادہ ہی تیزی دکھائی اور صوفے کے نیچے جھک کر سانپ پر وہیں حملہ کرنے لگا۔

"لاج اور ازابیل اوپر بھاگو۔" مما نے سرعت سے کہا اور سیڑھیوں کی سمت بڑھیں۔ ازابیل بھی تیزی سے سیڑھیوں کی جانب بھاگی۔ سانپ حملے سے بوکھلا کر اب صوفے کے نیچے سے باہر آ چکا تھا۔ نگہت ماسی تو سب سے پہلے سیڑھیاں عبور کر کے اوپری منزل پر پہنچ بھی گئی تھی۔ سب سے آخر میں لاج تھی۔ اس نے جیسے ہی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو مڑ کر واپس سانپ کو دیکھا کہ کہیں اس کے آس پاس تو نہیں پہنچ گیا۔ یہ انسان کی فطرت کے عین مطابق ہے کہ اسے جہاں سے خوف آتا ہے وہ اسی سمت میں بار بار دیکھتا ہے۔ اپنا دھیان وہ خوف والی سمت سے ہرگز نہیں ہٹا سکتا۔

لاج کا بھی یہی حال تھا۔ بچپن میں سیانوں سے سنا تھا کہ مڑ کر نہیں دیکھنا چاہئے، آدمی پتھر کا ہو جاتا ہے۔ لاج کو بھی مڑ کر دیکھنا کافی مہنگا پڑ گیا۔ ازابیل، مما اور نگہت ماسی کی لاکھ آوازوں اور پکارنے کے باوجود وہ اپنا قدم دوسری سیڑھی پر نہ رکھ سکی اور وہیں جامد ہو کر رہ گئی کنکھجورے کی مماثلت رکھنے والا یہ بے انتہا لمبا سانپ عین اس کے خواب والے سانپ جیسا تھا۔ وہ یہی سانپ تو تھا، جس نے خواب میں اس کے وجود کے گرد گھیرا کر کے اسے مارنے کی کوشش کی تھی۔

"بی بی صاحبہ! آپ اوپر جائیں۔" سانپ پہ لکڑی کے ڈنڈے سے پے در پے ناکام وار کرتے ہوئے اشرف نے لاج کو اوپر جانے کا کہا۔ کیونکہ اپنی جان بچاتا ہوا سانپ کبھی بھی کسی کو ڈس سکتا ہے لاج کی طرف دیکھنے

کی یہی پل بھر کی بھول اشرف سے ہوئی تھی۔ اور آن کی آن میں سانپ یہ جا وہ جا...... بعد میں گھنٹوں اشرف اسے ڈھونڈتا رہا مگر نتیجہ ندارد۔

یہ رات ان سب نے جاگ کر گزاری تھی۔ صبح ہوتے ہی شہر کے سب سے ماہر سپیروں کو فون کر دیئے گئے۔ اتنا خطرناک سانپ ابھی بھی گھر کے کسی کونے میں دبکا ہوسکتا تھا۔ اسی لئے مما اس گھر میں سانپ کی عدم موجودگی کے لئے ماہر سپیروں کی تصدیق چاہتی تھیں۔

دوپہر بارہ بجے کے قریب چند ماہر ترین سپیرے ان کے گھر موجود تھے۔ ان کے حلیوں سے ہی وہ کافی غیر معمولی لگ رہے تھے۔ جیسے ناکامی نے کبھی ان کا منہ نہ دیکھا ہو۔

''میرا نام رام پال ہے بی بی میں دستانے کے بغیر جھپٹ کر سانپ کی گردن دبوچ لیتا ہوں۔ زہریلے سے زہریلا سانپ کبوتر کی طرح میری آہنی مٹھی میں آجاتا ہے۔'' رام پال نے اپنے دائیں ہاتھ کی مٹھی بنا کر دکھائی۔

''مجھے بابا گیدڑ سنگھی کے نام سے جانتے ہیں سب لوگ۔ یہ میرا تھیلا ہے۔ اس نے پیراشوٹ کی طرح ایک تھیلا ان سب کے سامنے کیا اس کے اندر پلاسٹک لگا ہوا ہے سانپ چاہے بھی تو اپنا زہر نہیں پھیلا سکتا اور اس تھیلے میں قید ہو کر رہ جاتا ہے۔'' بابا گیدڑ سنگھی نے اپنی زرد آنکھوں میں وحشت لاتے ہوئے کہا۔

باقی دو تین سپیروں نے بھی اپنے اپنے خواص گنوائے۔ کسی طور یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ اگر سانپ اس گھر میں موجود ہے تو بچ کر جا پائے گا۔

''سانپ پکڑنے کے لئے ہمیں ظہر کے وقت کا انتظار کرنا ہوگا کیونکہ جیسا کہ میرے دوسرے سپیرے بھائی جانتے ہیں کہ شدید دھوپ میں سانپوں کی حس کام نہیں کرتی۔ ان کی حس کافی کمزور ہوجاتی ہے۔ یہ دھوپ کی حدت برداشت نہیں کرپاتے۔ ہمیں اسی کا فائدہ اٹھانا چاہئے۔'' یہ ایک نوعمر سپیرا تھا۔ ضرور خاندانی سپیرا ہوگا اور اپنے بڑوں سے یہ علم سیکھتے ہی اور دور بلوغت میں قدم رکھتے ہی اپنا کام سنبھال لیا تھا۔

''آپ کے گھر میں کہیں کوئی ایسا ڈھلوان تو نہیں، جہاں پانی کھڑا ہوا ہو؟ کیونکہ ایسی جگہ سے سانپ کو پکڑنا بہت مشکل ہوتا ہے۔'' بابا گیدڑ سنگھی کے استفسار پر مما نے نفی میں سر ہلایا۔

دیکھتے ہی دیکھتے ظہر کی اذانیں فضاء میں بلند ہونے لگیں۔ تمام سپیروں نے اپنا ساز و سامان سنبھال لیا اور پورے گھر میں پھیل گئے۔ اذانوں کا سلسلہ ختم ہوتے ہی بین کی آوازیں پورے گھر میں گونجنے لگیں۔ ایک خوف اور اسرار کا سا سماں بندھ چکا تھا۔ لاج کو Colours چینل پر دیکھا گیا۔ ''ناگن'' ڈرامہ یاد آنے لگا۔ کچھ ایسا ہی سین تھا ادھر بھی۔

''سنو! کہیں اب ایسا تو نہیں، کہ شیوانگی اپنے اصل روپ میں آجائے گی؟ یوں تو سب کو پتہ چل جائے گا کہ گھر کی بہو ''ناگن'' ہے۔ یا پھر شاید ردھرا ایک بار پھر آکر اس کا راز فاش ہونے سے بچالے۔''

ازابیل کی حس مزاح پھڑکی سپیروں کی موجودگی میں اس کا خوف بالکل ختم ہوچکا تھا۔ جیسے مرغی کے پروں میں چھپ کر، اپنی ننھی گردن باہر نکال کر چوزہ دور بیٹھی بلی کو اپنی ننھی آنکھوں سے بغیر کسی خوف کے تکتا رہتا ہے۔ اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ اس کی ماں (مرغی) اسے بچالے گی۔ بالکل ایسے ہی ازابیل کو یقین تھا کہ اتنے ماہر سپیروں کے ہوتے ہوئے سانپ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

کیچڑ سے گندھے ہوئے بالوں والے رام پال نے اپنے سر پر دھاری دار کپڑے کی پگڑی پہن رکھی تھی۔ اور گلے میں سپیروں کا مخصوص بین اور مالائیں جھول رہی تھیں۔ اس کے کندھے پر لٹکتی جھولی میں لازماً سانپوں کی پٹاریاں ہوں گی۔ فضاء میں بین کی مدھر دھن رقص کررہی تھی۔ سب ہی کی نظریں متلاشی تھیں۔ بین کی سحر انگیز دھن تھمنے کا نام نہ لے رہی تھی۔ بالآخر انہیں وہ نظر آہی گیا۔ جس کا انتظار تھا۔ سانپ اب مقابلے کے لئے عین تیار تھا۔ اپنا چوڑا سا پھن پھیلائے ننھی ننھی آنکھوں سے وہ باری باری سب کو دیکھ رہا تھا۔ سانپ کے نظر آتے ہی بین

کی آوازوں میں تیزی آ گئی۔ تمام سپیروں کے گال کسی غبارے کی طرح پھولے ہوئے تھے۔ وہ بین کو آواز کی لے پر گھمار ہے تھے۔ مگر حیرت انگیز طور پر سانپ مکمل ہوش وحواس میں کھڑا تھا۔

بین بجاتے ہوئے سپیروں کی آنکھوں میں اب سوال جنم لے رہے تھے کہ آخر یہ سانپ مست ہو کر قابو کیوں نہیں آ رہا؟ ریلنگ پر ہاتھ سختی سے جمائے کھڑی لاج کی آنکھوں میں اب حیرت کے ہلکورے ابھر رہے تھے۔ یہ سانپ ہو بہو اس کے خواب میں آنے والے سانپ جیسا تھا۔ اتنی مماثلت کیسے ہو سکتی ہے؟ وہ ورطہ حیرت میں گم تھی۔ بین بجانے کی کوشش بے سود جا رہی تھیں۔ کیونکہ نہ تو سانپ جھوم رہا تھا اور نہ کسی طرح ہتھیار ڈالنے کے موڈ میں نظر آ رہا تھا۔

بالآخر تنگ آ کر رام پال نامی سپیرا آگے بڑھنے لگا وہ بین بجاتا جا رہا تھا۔ اور ساتھ ساتھ اپنے قدموں کو سانپ کی جانب بڑھائے جا رہا تھا اب اس کے اور سانپ کے بیچ کچھ ہی انچ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ جب رام پال نے ہاتھ بڑھا کر سانپ کو قابو کرنا چاہا، مگر عین اسی لمحے سانپ کا چوڑا پھن تیزی سے حرکت میں آ کر جھکا، اور رام پال کے بڑھتے ہوئے ہاتھ پر اپنا زہر چھوڑ دیا۔ بین رام پال کے ہاتھوں سے گر گیا، اور وہ بے سدھ ہو کر وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔ بین کی آوازیں اب تھم گئیں تھی، کیونکہ باقی سپیرے بھی بین چھوڑ کر رام پال کو سنبھالنے میں لگ گئے تھے۔ ازابیل، نگہت، ماسی اور مما بھی تقریباً بھاگتی ہوئی نیچے آئی تھیں۔ سانپ گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو چکا تھا۔ جیسے کسی نے منتر پڑھ کر اسے اڑن چھو کر دیا ہو۔ لاج بھی آخری سیڑھی سے اتر کر اب رام پال کے پاس آ گئی تھی۔ رام پال کی آنکھیں اوپر کو چڑھنے لگی تھیں۔

''اتنا زہریلا سانپ؟'' نوعمر سپیرا جیسے کچھ جانچ سا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے رام پال کا ہاتھ پگھلنے لگا، جیسے تیز آگ پر رکھ دیا ہو۔ تمام سپیروں کے ہوش اڑ گئے۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹے رام پال کا ہاتھ تیزی سے گل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ کی جلد پگھل پگھل کر ہڈی سے نیچے گر رہی تھی۔

''س.........س......سنگ چور......'' وحشت سے پھٹتی آنکھوں کے ساتھ رام پال نے ٹوٹے ٹوٹے فقرے ادا کیے اور اس کی گردن ایک سمت کو لڑھک گئی۔ لاج اور ازابیل ایک دم چیخنے لگیں۔ رام پال کی لاش لگ بھی تو اتنی خوف ناک رہی تھی۔ سارا جسم صحیح سلامت مگر ہاتھ استخوانی روپ دھار چکا تھا۔ سپیرے اب اس کے بے جان وجود کو اٹھا رہے تھے۔ اور فرش پر پگھلی ہوئی اس کی جلد کسی پگھلی ہوئی موم بتی کی طرح لگ رہی تھی۔

اب اس گھر میں پہلے سے بڑھ کر خوف کی فضا قائم ہو چکی تھی جانے والے سپیروں نے مڑ کر اس گھر کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ مما کے بار بار پوچھنے کے باوجود کسی سپیرے نے بھی لفظ ''سنگ چور'' کے بارے میں کوئی وضاحت پیش نہیں کی تھی۔ مما بھی تھک ہار کر اب بیٹھ گئی تھیں اور یہ گمان کر لیا تھا کہ شاید سپیرے رام پال کی جان لینے کے بعد سانپ ادھر کا رخ نہ کرے مگر پھر بھی اس گھر میں خوف کا یہ عالم تھا کہ کوئی بھی کسی کمرے میں ایک منٹ کے لئے بھی اکیلا نہ رہتا تھا۔

آہستہ آہستہ کر کے وقت کی دھول نے اس پراسرار واقعے پر گرد جما دی۔ اور دھیرے دھیرے یہ واقعہ سب کے ذہنوں سے مٹتا چلا گیا اور سب کچھ بالکل پہلے جیسا ہو گیا، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

☆......☆......☆

رات کے اس سمے بھی ماحول پر دن کے اجالے چمک رہے تھے پورا گھر رنگ برنگی روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ ہرے، پیلے، سبز اور اورنج کلر کے دیدہ زیب کپڑوں میں ملبوس لڑکیاں یہاں سے وہاں تتلیوں کی طرح پھر رہی تھیں۔ ایک کونے میں ڈھولک کی تھاپ پر رقص جاری تھا۔ بل کھاتی اونچی سیڑھیوں کی ریلنگ لال تازہ گلاب کی لڑیوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ ایک معطر قسم کی خوشبو دل ودماغ کے ہوش اڑائے جا رہی تھی۔ سیڑھیوں سے اوپر دوسرے فلور پر اس کمرے کے داخلی دروازے کی تو پھولوں سے کچھ زیادہ ہی ڈیکوریشن کی گئی تھی کمرہ جتنا

باہر سے خوب صورت لگ رہا تھا۔ اس سے کہیں زیادہ اندر سے خواب ناک معلوم ہو رہا تھا۔ پورا فرش موتیے کے پھولوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ کھڑکیوں پر پھولوں کی وزنی لڑیوں کے بھاری پردے لگائے گئے تھے۔ سنگھار میز کی سجاوٹ کچھ اس طرح کی گئی تھی کہ اس کی ساری لکڑی سرخ شیفون کے باریک کپڑے اور سفید پھولوں کے امتزاج سے ڈھکی ہوئی تھی۔ صرف شیشہ نظر آ رہا تھا۔ جس میں سامنے صوفے پر دو پریوں جیسی معصوم سی لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ پھولوں کے زیورات پہنے اور ہاتھوں پر تازہ مہندی لگائے وہ بالکل موم کی بنی ہوئی کوئی گڑیا لگ رہی تھیں۔

''لاج تمہیں ممانی بلا رہی ہیں نیچے لان میں۔''

دروازہ کھلنے پر سفید شلوار قمیض اور پیلے پٹکے میں اس کا پھوپھی زاد فرحان بے حد پیارا لگ رہا تھا۔ وہ اندر آتے ہی سجی سنوری لاج اور ازابیل کے پاس آ دھمکا۔

''کیا مطلب؟ ازابیل نیچے نہیں جائے گی؟'' پیلے باریک گھونگھٹ میں سے لاج نے اپنی کاجل لگی بڑی بڑی آنکھیں اوپر اٹھائیں۔

''نہیں...... انہیں تم سے کچھ بات کرنی ہے، مہمانوں کی وجہ سے اوپر نہیں آ سکتی۔ مجھے بولا تھا کہ پہلے لاج کو بلالاؤ۔ پھر ازابیل کو لڑکیاں لے آئیں گی۔'' فرحان سنگھار میز کے سامنے اپنے بال درست کرتا ہوا بولا۔

''لاج تم جاؤ۔ مما کو کوئی ضروری کام ہوگا۔ ورنہ یوں کبھی نہ بلاتیں۔'' ازابیل نے ہلکی سی سرگوشی کی۔ دلہن کا فطری نروس پن آج اس پہ چھایا ہوا تھا۔

لاج نے اپنا انگرکھا سنبھالا اور اٹھ کھڑی ہوی۔ فرحان کے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی وہ جوں ہی کمرے سے باہر آئی تو ایک دم فرحان نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا۔

''ادھر سے نہیں میڈم! ادھر پیچھے کے راستے سے چلتے ہیں یہاں بہت ہجوم ہے۔ ساری خواتین نے تمہیں اسٹیج پر جانے سے قبل ہی دیکھ لیا تو چارم ختم ہوجائے گا۔'' فرحان نے سینے پر ہاتھ باندھے اب اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''تمہارا کوئی علاج نہیں۔'' لاج نے اسے گھورا، اور پچھلی جانب کے راستے کی طرف چل پڑی۔ فرحان بھی اس کے پیچھے چل پڑا لان کی طرف اترنے والے آخری زینے کے پاس ایک قدآدم آئینہ آویزاں کیا گیا تھا۔ جس میں لان میں لگے درختوں اور پودوں کا عکس ہر وقت جھلملاتا رہتا تھا۔ تاہم لان میں چھائے رات کے اندھیرے کے سبب، اب اس میں صرف سیڑھیاں اور اس سے ملحقہ پورشن ہی نظر آ رہا تھا۔ جس میں بمشکل گھونگھٹ سنبھالتی لاج سیڑھیاں اتر کر لان میں چلی گئی تھی۔ مگر آئینے میں نظر آنے والا اس کے عقب میں چلنے والا یہ نوجوان فرحان ہرگز نہ تھا جاتے وقت اس نوجوان نے مسکراتے ہوئے شیشے میں دیکھا تھا نیلے آسمان جیسی اس کی آنکھوں کی تاب آئینہ لا نہ سکا اور اس میں ایک واضح دراڑ ترچھے رخ میں پڑ گئی۔ آئینہ سچ بے شک بولتا ہے مگر ہوتا تو نازک ہے ناں......

☆......☆......☆

''لاج...... ازابیل...... چلو بیٹا، سب انتظار کر رہے ہیں نیچے آپ دونوں کا۔'' براؤن سلکی طرز کی طرح دار ساڑھی پہنے مما اندر داخل ہوئیں۔ ان کے پیچھے ہی سجی سنوری نوعمر لڑکیوں کا ایک ریلا امڈ آیا۔ غالباً یہ سب انہیں نیچے لے جانے کے لئے آئی تھیں۔

''لاج تو نیچے آپ کے پاس......'' ازابیل کہتے کہتے رک گئی۔ کیونکہ مما کا فون بج اٹھا تھا۔ ازابیل نے نگاہیں واپس نیچے جھکا لیں اور مما کال پر کسی سے بات کرنے لگیں۔

''کیا......؟ اوہ نو بیٹا، میں ناراض ہوجاؤں گی۔ لاج اور ازابیل کو کتنا دکھ ہوگا۔ کل بھی نہیں آ سکتے کیا؟ فرحان بیٹا، کیسا باس ہے تمہارا؟ جو دو دن کی چھٹی پر آفس سے نکال دے گا۔'' مما اور بھی نہ جانے کیا کچھ بول رہی تھیں اور پتھرائی آنکھوں کے ساتھ مما کو تکے جا رہی تھیں۔ فرحان تو سرے سے ہی ان کے گھر نہیں آیا تھا، وہ کوئٹہ میں جاب کے سلسلے میں مقیم تھا۔ تو پھر یہ کون تھا؟

☆......☆......☆

یہ پورے چاند کی رات تھی۔ آج اسے ان جنگلوں میں بھٹکتے ہوئے نہ جانے کتنے دن بیت چکے تھے۔ بھوک پیاس سے اس کا برا حال تھا جنگلی پھل اسے زندہ تو رکھے ہوئے تھے مگر اس کا پیٹ نہیں بھرتے تھے۔ پیلا ریشمی جوڑا اب میلا چکٹ ہوچکا تھا۔ خاردار جھاڑیوں کے تنکے ابھی بھی اس کے جوڑے میں اٹکے ہوئے تھے۔ درخت کے تنے سے لگی وہ دھیرے دھیرے اونگھ رہی تھی۔ اب اسے اندھیروں سے خوف نہیں آتا تھا۔ ابھی اسے آنکھیں بند کئے کچھ ہی منٹ ہوئے تھے کہ اسے اپنے آس پاس ایک مانوس سی سرسراہٹ سنائی دی۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور لاشعوری طور پر اپنا دایاں پاؤں آگے کردیا۔ کچھورے کی مانند ایک بے حد لمبا سانپ نمودار ہوا اور اپنا چوڑا پھن اس کے پاؤں پر رکھ دیا۔ ایک تسکی سی اس کے منہ سے نکلی۔ مگر سانپ پر اس کا اثر ندارد تھا۔ اپنے وجود کو سمیٹتا ہوا ساتھ والے درخت کے ساتھ بیٹھ گیا۔ چاند ہولے سے بدلی میں چھپا اور جب دوبارہ نمودار ہوا تو درخت کے ساتھ ایک نوجوان بیٹھا تھا جس نے اپنی لمبی پتلی آنکھوں میں سرمہ ڈال رکھا تھا۔ اور سر کے بالوں کو اکٹھا کر کے عین کھوپڑی کے سامنے جوڑا بنایا ہوا تھا۔

''تھک گئی ہو نا گیشورا؟'' نوجوان لب کشاہ ہوا۔

''میں ناگیشورا نہیں ہوں۔ مجھے اس جنگل سے نکال دو۔ مجھے میرے لوگوں میں واپس جانے دو۔'' نقاہت کے مارے اسے سے رویا بھی نہیں جارہا تھا۔

''اگلے چاند کے جنم پر تم مان جاؤ گی کہ تم میری ناگیشورا ہو۔ تمہاری ان سیاہ آنکھوں میں جب نیلاہٹ دوبارہ اترے گی، تب تم مجھے پہچان لوگی۔'' نوجوان اپنے پتلے پتلے سرخ ہونٹوں سے مسکراتے ہوئے بولے جارہا تھا۔

☆......☆......☆

یہ غیر ملکی کمپنیاں چونکہ اپنے تئیں کسی غیر اخلاقی کام میں ملوث نہیں ہونا چاہتی لہٰذا سانپوں کے حقوق کا مکمل خیال رکھتے ہوئے مخصوص سپیروں کو دو دن کے ایک ورکشاپ میں باقاعدہ تربیت بھی فراہم کی جاتی ہے تاکہ وہ سانپ کے شکار کے دوران، سانپ پر کسی قسم کی زیادتی نہ کریں اور خود بھی محفوظ رہیں چند سال قبل جب سندھ میں غیر ملکی کمپنیوں نے جوگیوں کی خدمات حاصل کی تھیں، اس کے بعد ناروے کے ایک اخبار میں سانپوں پر مبنی ایک دلچسپ اسٹوری شائع ہوئی تھی، جس میں سنگ چور سانپ کا ذکر نمایاں طور پر تھا۔ تاہم اب یہ سانپ ناپید ہوچکا ہے اور شاید ہی کسی کے پاس موجود ہو۔'' کیمرہ مین وقار احمد کے ساتھ نائلہ ظفر، چولستان ڈاکیومنٹری فلم اب اختتام پذیر ہوچکی تھی اور اس کے فوراً بعد ہی ملکہ ترنم نور جہاں ساڑھی کے پلو سے کھیلتے ہوئے لہک لہک کر گانا گارہی تھیں۔ ''میں تیرے سنگ کیسے چلوں سجنا تو سمندر ہے، میں ساحلوں کی ہوا۔''

کپڑا جلنے کی بو ازابیل کے نتھنوں تک پہنچی تو چونک کر اس نے اپنے ہاتھ میں تھمی استری کی طرف دیکھا جہاں سے شدید دھواں اٹھ رہا تھا۔ ''سنگ چور...... سنگ چور...... سنگ چور......'' اس کے کانوں میں اب ایک ہی لفظ گونج رہا تھا۔

''کیا پاگلوں والی باتیں کررہی ہو ازابیل تمہارا مطلب ہے کہ لاج کو وہ سنگ چور سانپ لے گیا ہے۔'' فواد اکتا کر بولا۔

''میرا خیال نہیں، میرا یقین ہے۔ لاج کے خواب میں آیا تھا وہ اس کے بعد ہمارے گھر میں آکر بسیرا کرلیا تھا، لاج کو ہر وقت اپنے آس پاس کسی کی موجودگی کا احساس ہوتا تھا اور سب سے بڑھ کر وہ مہندی والی رات...... جب وہ فرحان کے روپ میں آکر لاج کو لے گیا حالانکہ فرحان نے تو سرے سے شادی میں شرکت ہی نہیں کی تھی۔'' ازابیل معاملے کی تہہ تک پہنچنا چاہ رہی تھی۔

''کیا تمہیں یہ سب لاج نے بتایا تھا؟'' فواد نے استفسار کیا۔

''نہیں...... اس کی ڈائری نے...... وہ سب کچھ اپنی ڈائری میں لکھا کرتی تھی۔ آج یہ ڈاکیومینٹری دیکھی

تو اچانک سے مجھے وہ سب کچھ دوبارہ یاد آ گیا۔ مجھے اپنی بہن کو واپس لانا ہے فواد۔'' ازابیل بالکل رونے ہی تو لگ گئی تھی۔

''اچھا لاؤ، مجھے یہ ڈائری دو۔ یہ سب پڑھ کر میں اپنے طور پر سنگ چور سانپ کے بارے میں معلومات اکٹھی کرتا ہوں۔ لیکن اگر ایسا ہے بھی تو ہمیں کس طرح پتہ چلے گا؟ کیونکہ اس نسل کے تو بہت سارے سانپ ہوں گے ہم یہ کیسے پتا لگائیں گے کہ لاج کے غائب ہونے کی وجہ، کون سا سانپ ہے؟'' فواد کی واقعی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

''تمہیں کچھ پتہ لگانے کی ضرورت نہیں ہے فواد۔ لائیں بھابھی، یہ ڈائری مجھے دیں لاج کو میں خود واپس لے کر آؤں گا۔'' دروازے میں کھڑا طٰہٰ نہ جانے کب سے ان کی باتیں سن رہا تھا اب متانت سے چلتا ہوا ان کے برابر صوفے پر آ کر بیٹھ گیا۔

''مگر طٰہٰ! تمہاری شادی ہے اگلے مہینے، تمہاری توجہ ادھر ہونی چاہئے۔'' ازابیل نے سرعت سے کہا تو فواد نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کون سی شادی؟ آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں یہ شادی کیوں کر رہا تھا؟ کیونکہ میں لاج کو بے وفا سمجھ چکا تھا اور ایک بے وفا لڑکی کے پیچھے اپنی پوری زندگی کیوں برباد کرتا؟ مہندی کی رات اچانک غائب ہونے والی لڑکیوں کو عموماً ایسا ہی سمجھا جاتا ہے اور بھابھی! مجھے تو آپ سے شکوہ ہے کہ آپ نے اتنی بڑی سچائی مجھ سے چھپائی کیوں؟ لاج پراسرار طور پر غائب ہوگئی اور میں سمجھتا رہا کہ وہ کسی کے ساتھ......'' طٰہٰ نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''اطلس اور اس کے گھر والوں سے میں خود معذرت کرلوں گا۔'' طٰہٰ نے ازابیل کے ہاتھوں میں پکڑی ڈائری کو آہستہ سے تھاما اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ جبکہ فواد اور ازابیل ایک دوسرے کو بے یقینی کی نظروں سے دیکھتے رہے۔

☆......☆......☆

8 جولائی 1992ء

''مجھے پورا یقین ہے کہ دودھ کا گلاس میں نے نہیں پیا اور نہ ہی نیچے گرا۔ ورنہ کارپٹ پر کوئی تو نشان ہوتا۔ اور اتنے عجیب اور پراسرار انداز میں پیا کس نے ہے کہ دودھ ایک ہی برابر مقدار میں گلاس میں نیچے اترتا رہا۔ لبوں سے لگائے گئے گلاس کا نشان عموماً ایک ہی طرف ہوتا ہے مگر یہاں تو معاملہ ہی کوئی اور......''

طٰہٰ حیرت سے اوراق پلٹتا جا رہا تھا۔ اس پر حقیقتوں کے دراب کھل رہے تھے لاج کس قدر ٹرانس کی کیفیت میں تھی اور وہ مکمل لاعلم رہا تھا۔ اب ڈائری کا آخری صفحہ آ چکا تھا۔ اس کے بعد ڈائری کے تمام اوراق خالی تھے۔

24 فروری 1993ء

''آج میرا دل نہ جانے کیوں گھبرا سا رہا ہے۔ شام ہوتے ہی مہندی کا فنکشن شروع ہو جائے گا سب کہہ رہے ہیں کہ ایسے موقعوں پر سب دلہنوں کا دل گھبراتا ہے مگر میں انہیں کیسے سمجھاؤں کہ میرے دل کی حالت کچھ اور قسم کی ہے۔ جیسے کچھ ہو جائے گا۔ جیسے بہت بڑی تباہی منہ کھولے کھڑی ہو۔ ابھی ازابیل چائے کا کپ رکھ کر گئی ہے میرا چائے بھی پینے کو دل نہیں کر رہا۔ ایک دھڑکا سا دل کو لگا ہوا ہے۔'' اس کے بعد ڈائری کے تمام اوراق ان چھوئے تھے طٰہٰ کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ کاش لاج اسے کچھ تو باخبر رکھتی۔ ایک موہوم سی حسرت اس کے دل میں جاگی۔

سہ پہر کے تین بج رہے تھے واش روم سے شاور کا تیز پانی گرنے کی مسلسل آواز آ رہی تھی۔ بیڈ پر ایک چھوٹا سا سوٹ کیس تیار پڑا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی واش روم کا دروازہ کھلا اور طٰہٰ اپنے گیلے بالوں کو تولئے سے خشک کرتا ہوا باہر آیا۔

''طٰہٰ میرا چارجز نہیں مل رہا تھا۔ تمہارے پاس تو نہیں۔ اس ٹائم کہاں جانے کی تیاری ہے؟'' فواد جو اپنے کسی کام سے اس کے پاس آیا تھا۔ اب اپنا مدعا بھول کر اس کی تیاری کی بابت پوچھ ڈالا۔

''جہاں مجھے جانا چاہئے۔'' بالوں میں برش پھیر

کر اس نے سوٹ کیس اٹھایا اور باہر نکلنے لگا تو سامنے راستے میں ازابیل اس کا راستہ روکے کھڑی تھی۔

"تم اکیلے نہیں جاؤ گے۔ ہم بھی تمہارے ساتھ جائیں گے۔" ازابیل نے سپاٹ انداز میں کہا۔

"مگر......" وہ مزید کچھ بولنا چاہتا تھا جب فواد نے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"دیکھو طٰہ...... نہ تو ازابیل اپنی بہن کو اکیلا چھوڑ سکتی ہے اور نہ میں اپنے بھائی کو......" فواد کے ٹھوس دلائل پر طٰہ نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اس لڑکی میں کچھ ایسا ضرور ہے جو اس سانپ کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔" خیر عالم لاج کی تصویر کو بغور دیکھتے ہوئے بولے۔

"مگر ایسا کیا ہو سکتا ہے؟ میری بہن میں تو کچھ بھی ایسا نہیں تھا۔ آپ بس اس سنگ چور سانپ کو پکڑ لیجیے تاکہ میری بہن واپس آسکے۔" ازابیل کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

"دیکھیں بی بی! اس نسل کے سانپ اب نہیں ملتے۔ بہت ہی کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ اگر ایسا کوئی سانپ یا ناگ ہمارے ہاتھ لگ جاتا تو اس کی کینچلی کے ذریعے آرام سے لاج تک پہنچا جا سکتا ہے۔" خیر عالم نے لاج کی تصویر اب ٹیبل پر رکھ دی۔

"کوئی تو راستہ ہوگا۔" طٰہ سوال کناں ہوا۔

"اس کے لئے ہمیں ایک جڑی بوٹی کی تلاش کرنا ہوگی۔ سنگ چور پر بین کا جادو اثر نہیں کرتا۔ نہ ہی یہ بین کی تال پر قابو میں آتا ہے لیکن اس خاص جڑی بوٹی کی بو اسے کھینچ لائے گی، وہ جہاں کہیں بھی ہوا جیسے رات کی رانی کے پھول کی خوشبو سانپوں کو دیوانہ کرتی ہے ویسے ہی یہ جڑی بوٹی سنگ چور سانپوں کو انتہائی پسند ہے اس کی تلاش کے لئے ہمیں کسی انتہائی قدیم اور گھنے جنگل میں جانا ہوگا۔" خیر عالم بولتے جا رہے تھے۔ تین گھنٹے بعد ان کی گاڑی خیر عالم کی راہ نمائی میں گھنے جنگل کی جانب رواں دواں تھی خیر عالم شعبہ وائلڈ لائف کے ایوارڈ یافتہ تھے۔ خاص طور پر سانپوں کے بارے میں ان کے علم سے ہر کوئی بخوبی آگاہ تھا اسی لئے فواد اور طٰہ نے رسمی سپیروں کی بجائے خیر عالم کو ترجیح دی تھی۔

کچھ گھنٹے کی مسافت کے بعد ان کی گاڑی ایک نہایت ہی قدیم اور گھنے جنگل کے عین بیچوں بیچ آرکی۔ دیو قامت درخت اس قدر گھنے تھے کہ دن میں بھی رات کا سماں لگ رہا تھا انہوں نے گاڑی کی فل لائٹس آن کر دیں۔

"وہ جڑی بوٹی یہیں کہیں آس پاس ہی ہے۔" خیر عالم نے ناک سیکوڑتے ہوئے کہا اور ایک خاص سمت چل پڑے۔ کچھ دیر کی تلاش کے بعد گھنی جھاڑیوں کے پیچھے سے بالآخر وہ جڑی بوٹی ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئے خیر عالم کے سونگھنے کی حس واقعی حیران کن حد تک تیز تھی۔

"ہم اس جڑی بوٹی کو زیادہ دیر تک اپنے ہاتھوں میں نہیں رکھ سکتے۔ کیونکہ سنگ چور سانپ عنقریب آجائیں گے یہاں پر بھاگو جلدی۔" خیر عالم سبک رفتاری سے بھاگے اور ایک نہایت قدیم درخت کے عین نیچے وہ جڑی بڑی رکھ دی۔ اور خود واپس کار کی طرف بھاگے اب وہ سب لوگ کار کے شیشے اوپر چڑھائے، دروازوں کو لاک کیے دور سے جڑی بوٹی کا نظارہ کر رہے تھے۔

"اس جڑی بوٹی کی یہ خاصیت ہے کہ اپنی شاخ سے ٹوٹتے ہی اس کی خوشبو دور دور تک پھیل جاتی ہے ورنہ شاخ پر لگی جڑی بوٹی کی خوشبو قید رہتی ہے اب تم لوگ دیکھنا کیسے ابھی کچھ دیر میں سنگ چور سانپ یہاں اکٹھے ہو جائیں گے ازابیل آپ اپنے گھر میں اس سانپ کو بغور دیکھ چکی ہیں کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ اتنے سانپوں میں سے اس ایک سانپ کو پہچان لیں گی؟" خیر عالم نے سوالیہ کناں نظروں سے ازابیل کو دیکھا۔

"جی! میں کوشش کروں گی۔" وہ تھوک نگل کر بولی۔

"شیطان آپ کو اس سانپ کی پہچان کروانے میں کافی رکاوٹ پیدا کرے گا۔ آپ کو بہکائے گا لیکن آپ نے ہوش مندی کا مظاہرہ کرنا ہے۔" خیر عالم نے

شیشوں کے آر پار دیکھتے ہوئے کہا۔

''شیطان ؟ یہ کون سا نیکی بدی کی جنگ ہے جو شیطان آئے گا۔'' فواد نے بھنوئیں سکیڑیں۔

''نہیں فواد صاحب! شیطان صرف نیکی بدی کے درمیان نہیں ہوتا غلط اور صحیح کے درمیان بھی ہوتا ہے۔ ہر غلط کے ساتھ شیطان کی طاقت ہوتی ہے اور ہر صحیح کے ساتھ نیکی کی...... بعض دفعہ صحیح اور سچ کو چھپانے کے لئے شیطان مختلف شکوک وشبہات کا سہارا لیتا ہے ہمیں ہر وقت شیطان اور اس کی طاقت سے الرٹ رہنا چاہئے وسوسہ ڈالنے والوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں شیاطین الجن کو تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو گمراہ کرنے کی قدرت دی ہے پہلی قسم اس شیطان کی ہوتی ہے جو انسان گمراہ کرتا ہے۔

دوسری قسم کے شیطان انسانوں کو گمراہ کرتے ہیں یا گمراہی کی ترغیب دیتے ہیں اور بے شک دوسری قسم کے شیاطین ہم اپنی آنکھوں سے اس دور میں دیکھ رہے ہیں جیسے خدائی خدمت گار کا بھیس بدل کر معصوم انسانوں کو لوٹنا اور......'' بولتے بولتے خیر عالم کو اچانک بریک سا لگ گیا اور بجلی کی سی تیزی سے انہوں نے اپنی نظریں جنگل میں ادھر ادھر دوڑائیں۔ زمین پر بکھرے سوکھے پتوں میں سرسراہٹیں واضح طور پر محسوس کی جا رہی تھیں فواد، ازابیل، اور طٰہٰ بھی خیر عالم کی باتوں کے سحر سے ایک دم نکلے اور انجانی سمتوں میں دیکھنے لگے بہت بڑے بڑے سانپ جڑی بوٹی کے گرد جمع ہو رہے تھے دل کو ہلا دینے والا منظر...... خیر عالم کے علاوہ باقی سب کی رگوں میں خون جمنے لگا تھا۔

''تو یہ سنگ چور سانپ ہیں۔'' ازابیل دل ہی دل میں سہمی۔ خیر عالم بھی نہایت محویت سے سانپوں کو دیکھ رہے تھے۔

''ازابیل...... اس سانپ کو پہچانیں جو آپ کے گھر آیا تھا۔'' خیر عالم نے گردن موڑ کر ازابیل کی طرف دیکھا جس کے جواب میں ازابیل نہایت غور سے ایک ایک سانپ کو تاڑتی نظروں سے کھوجنے لگی۔

''اچھا دیکھیں! وہ جو درخت کی ٹوٹی ہوئی ٹہنی کے پاس، جڑی بوٹی کے بائیں طرف سانپ ہے ناں وہ آئی تھنک اپنی عمر کے سو برس مکمل کر چکا ہے یا کرنے والا ہے۔'' خیر عالم نہایت محویت سے بولے۔

''اوہ مائی گاڈ...... میں تو سمجھا کہ وہ تین چار سانپ ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر چڑھے ہوئے ہیں تو وہ صرف ایک سانپ ہے۔'' فواد حیرت سے چیخا۔ جس کی وجہ سے ازابیل کی توجہ بھی ادھر مبذول ہوئی۔

''یہی...... یہ...... یہی......'' ازابیل سے کچھ بھی نہیں بولا جا رہا تھا۔ وہ بس کانپتے ہاتھوں سے اسی کی طرف اشارہ کر رہی تھی، جس کی بابت ابھی خیر عالم بتا رہے تھے۔

''بھابی! کیا آپ کو یقین ہے؟'' طٰہٰ سرعت سے بولا۔

''سو فیصد......'' جذبات کے مارے ازابیل کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

خیر عالم کے چہرے پر اب تشویش اور فکر کے سائے لہرانے لگے تھے کیونکہ ان کا مقابلہ سنگ چور سانپ سے نہیں بلکہ سنگ چور ناگ سے ہونے والا تھا۔ سب کے منع کرنے کے باوجود وہ کار کا دروازہ کھول کر باہر نکلے اور نیچے جھک کر کچھ اٹھایا اگلے ہی لمحے وہ بڑے ماہرانہ طریقے سے ایک درخت پر چڑھنے لگے سب ناسمجھی سے خیر عالم کی کارروائی کو دیکھ رہے تھے جو اپنی جیب سے موبائل نکالے اب کچھ ٹائپ کر رہے تھے تھوڑی ہی دیر میں طٰہٰ کے موبائل کی مسیج ٹون بجی اس نے مسیج پڑھنا شروع کیا۔

''میں نے نیچے جھک کر جو پتھر اٹھایا ہے اس کے ساتھ بندھی ڈوری کا دوسرا سرا اس جڑی بوٹی کے ساتھ منسلک ہے میں آہستہ آہستہ اس جڑی بوٹی کو اپنی طرف کھینچوں گا تمام سانپ اور وہ ناگ کشش زدہ ہو کر میری طرف آئیں گے اور جڑی بوٹی کو پانے کی کوشش کریں گے حصول کی اس جنگ میں یقیناً وہ ناگ ان سب سانپوں پہ سبقت لے جائے گا۔ آپ لوگ چاہیں تو واپس جا سکتے ہیں۔'' طٰہٰ نے مسیج پڑھ کر سنایا تو سب نے

نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ اپنے محسن خیر عالم کو اکیلا کبھی بھی نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

طٰہٰ نے "NO" لکھ کر پیغام خیر عام کے نمبر پر بھیج دیا جسے پڑھ کر خیر عالم نے کندھے اچکائے اور ڈوری کو آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچنا شروع کیا۔ سانپوں کے ہجوم میں ایک کلبلاہٹ سی مچ گئی وہ دیوانہ وار جڑی بوٹی کے پیچھے آنے لگے ناگ بھی اپنے وجود کے دونوں اطراف میں لگے بے تحاشہ کانٹوں کو سمیٹتا ہوا آگے بڑھنے لگا اب جڑی بوٹی درخت کے بالکل قریب پہنچ گئی تھی۔ خیر عام نے اسے آہستہ آہستہ زمین سے بلند کرنا شروع کیا۔ تمام سانپ اپنے پھن اٹھا کر ہونق بنے بلند ہوتی جڑی بوٹی کو دیکھ رہے تھے اسی اثناء میں ناگ نے ایک زوردار پھنکار ماری اور اپنے وجود کو اچھال کر درخت پر چڑھنے کی کوشش کی جس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی ہو گیا تھا اس کی دیکھا دیکھی باقی سانپ بھی درخت پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگے۔ مگر تب تک جڑی بوٹی ناگ کے گلے میں پھنس کر اپنا کام دکھا چکی تھی۔

خیر عالم نے گوشت کے ساتھ چپک جانے والا ایک ان دیدہ محلول جڑی بوٹی پر پہلے سے لگا کر رکھ دیا تھا۔ ناگ نے جونہی اسے نگلنے کی کوشش کی وہ اس کے حلق کے ساتھ چپک گئی ناگ کو سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ وہ اپنے بے ہنگم وجود کو درخت پر چڑھنے والے سانپوں پر بری طریقے سے مار رہا تھا جس کی وجہ سے سانپ لڑھک کر نیچے گر رہے تھے۔

سنگ چور ناگ بہت بے چین لگ رہا تھا۔ خیر عالم نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے درخت کی پچھلی سائیڈ پر چھلانگ ماری۔ ڈوری ابھی بھی ان کے ہاتھ میں ہی تھی پہلے سے تیار ایک بڑے سے تھیلے کا انہوں نے منہ کھولا اور ڈوری کو کھینچتے ہوئے تھیلے میں ڈالنے لگے۔ سنگ چور ان کی طرف کھنچا چلا آ رہا تھا۔ سانس گھٹنے کی وجہ سے وہ بے دم سا ہو گیا تھا۔ اب خیر عالم نے لوہے کی ایک نوکیلی اسٹیک کا استعمال کیا اور اس سے سنگ چور ناگ کی گردن دبوچ کر تھیلے میں ڈالنا شروع کر دیا، باقی سانپ خطرے کی بو سونگھ کر اب واپس اپنے بلوں کو لوٹ رہے تھے سانپ کے سمجھنے کی حس انسان سے کہیں زیادہ تیز ہوتی ہے۔

☆......☆......☆

"نہیں! اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے میرے کچھ دوستوں نے بتایا ہے کہ ایک بار وہ اسپتال کے کسی کمرے کے پاس سے گزرے جہاں ایک مریض بڑی زوردار آواز سے چیخ و پکار کر رہا تھا اور اس کی چیخیں اتنی دلدوز و جگر پاش تھیں کہ قلب و جگر کو پارہ پارہ کر رہی تھیں۔ وہ جب اس کے کمرے میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ اس مریض کا سارا جسم مکمل طور پر شل ہو چکا ہے وہ کروٹ لینے کی کوشش تو کر رہا ہے مگر اپنے اس ارادے میں کامیاب نہیں ہو رہا۔ انہوں نے آن ڈیوٹی میل نرس سے اس کے چیخنے چلانے کا سبب دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ اس کی آنتیں تلف ہو چکی ہیں اور دوپہر اور شام کے ہر کھانے کے بعد اس کو بدہضمی اور پیٹ کی تکلیف ہو جاتی ہے۔

میرے دوستوں نے اس سے کہا کہ اس مریض کو ثقیل اور بھاری غذا نہ دیا کریں اسے گوشت اور چاول کھانے سے بچا کر رکھیں۔ تو میل نرس نے کہا۔ آپ جانتے ہیں؟ کہ ہم اسے کیا کھلاتے ہیں؟ ہم ناک میں نالی لگا کر اس کے ذریعے اس کے پیٹ میں دودھ پہنچانے کے سوا کچھ بھی نہیں کھلاتے۔ یہ ساری تکالیف اسے صرف دودھ ہضم کرنے کے لئے ہیں۔" تو یہ ہوتی ہے اصل تکلیف......

لاج کی حالت تو پھر بھی بہت بہتر ہے انشاءاللہ جلد ریکور کر جائیں گی ہمیں اپنی تکلیف کا مقابلہ ہمیشہ ان لوگوں کی تکلیف سے کرنا چاہئے جو ہم سے زیادہ بدتر حالت میں ہوتے ہیں۔ پھر ہمیں اپنی تکلیف بہت چھوٹی لگنے لگی گی۔" ڈاکٹر سجاد نہایت رسانیت سے بے تحاشہ روتی ازابیل کو تسلی دے رہے تھے۔ جب عین اسی لمحے دروازہ تڑاخ سے کھلا اور مما بوکھلائی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔

"کیا ہوا میری بچی کو؟ کہاں ہے میری لاج؟ مجھے اس سے ابھی ملنا ہے، مجھے اس کے پاس لے چلو۔"

’’آپ لوگ انہیں مریضہ کے پاس لے جائیں لیکن دھیان رہے کہ صرف دور سے دیکھنا ہے کل تک انشاء اللہ وہ بات کرنے کے قابل ہوجائیں گی ڈاکٹر سجاد نومی کرسی سے اٹھے اور اگلے مریضوں کو دیکھنے کے لئے چل پڑے۔
نقاہت زدہ چہرے پر آکسیجن ماسک لگائے وہ صدیوں کی فاقے زدہ لگ رہی تھی چہرے کی ہڈیاں ابھر کر باہر کو آئی ہوئی تھیں۔
’’میری بچی......‘‘ مما منہ پر ہاتھ رکھ کر رونے لگ پڑیں۔
’’بس کچھ ہی گھنٹے کی بات ہے، اس کے بعد یہ آپ لوگوں سے بات کرنے کے قابل ہوجائیں گی۔‘‘ ڈیوٹی پر ایستادہ نرس کہہ کر ٹک ٹک کرتی باہر چلی گئی۔ وہ پورا دن آنکھوں میں نکل گیا...... گھڑی کی سوئیاں ٹک ٹک کرکے آگے بڑھتی گئیں۔ صبح ابھرنے والا سورج اب آہستہ آہستہ کرکے ڈوب رہا تھا۔ پو پھوٹتے ہی رزق کی تلاش میں نکلنے والے پرندے اپنے بچوں کے لئے دانہ چونچ میں دبائے، شام کے سرمئی اندھیروں میں اب اپنے آشیانوں کو لوٹ رہے تھے۔
’’مما میں نہیں جانتی وہ ناگ میرے پیچھے کیوں پڑا ہے۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ مجھے بہت ڈر لگتا ہے مما۔‘‘ وہ مسلسل روئے جارہی تھی۔
’’اتنا رونا تمہاری صحت کے لئے ٹھیک نہیں ہے لاج، پلیز چپ کرجاؤ۔‘‘ طٰہ جو کتنی ہی دیر سے اسے روتا دیکھ رہا تھا بالآخر بول ہی اٹھا تھا۔
’’تم نے اطلس کو چھوڑ کر ٹھیک نہیں کیا طٰہ، مجھے اپنا آپ مجرم لگ رہا ہے۔‘‘ آنسو پونچھتے ہوئے اب وہ طٰہ سے مخاطب تھی۔
’’اطلس کی شادی تو ہوبھی گئی اور وہ بہت خوش ہے اپنے شوہر کے ساتھ۔ پھر تم کیوں خواہ مخواہ......‘‘ اس کے موبائل کی بیل بج اٹھی۔ بات ادھوری چھوڑ کر اس نے فون کان سے لگایا مخاطب کی بات سن کر اس کے چہرے کے رنگ اڑتے جارہے تھے۔
’’لاج اٹھو...... آپ سب لوگ بھی اٹھیں۔ ہمیں ابھی خیر عالم کے پاس پہنچنا ہے۔‘‘ طٰہ نے تیزی سے کہا اور لاج کو سہارا دے کر کھڑا کرنے لگا۔
’’مگر ہوا کیا ہے......‘‘ ازابیل نے ورطہ حیرت سے پوچھا۔
’’سنگ چور بھاگ گیا ہے۔ اپنے تھیلے میں نہیں ہے وہ۔ خیر عالم کا کہنا ہے کہ لاج کو لے کر جلدی یہاں پہنچیں کیونکہ وہ لاج کے پیچھے ضرور آئے گا۔‘‘ طٰہ اب گاڑی اسٹارٹ کررہا تھا سب گاڑی میں بیٹھ چکے تھے اور گاڑی فراٹے بھرنے لگی تھی۔
یہ ایک نیم تاریک سا کمرہ تھا۔ خیر عالم زمین پر آلتی پالتی مارے بیٹھے تھے پٹاریوں اور تھیلوں سے مزین اس کمرے میں خیر عالم کی آواز گونج رہی تھی جسے بھی غور سے سن رہے تھے۔
’’جنان البیوت‘‘ یہ گھریلو سانپ ہوتے ہیں جو چھوٹے اور ہلکے قسم کے ہوتے ہیں حضرت ابولبابہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے گھریلو سانپوں کو مارنے سے منع فرمایا ہے علاوہ ان سانپوں کے جن کی دم کٹی ہوئی ہو اور جس کے اوپر والے حصے پر سفید لکیریں ہوں کیونکہ یہ دونوں قسم کے سانپ بینائی کو ختم کردیتے ہیں اور حمل کو گرادیتے ہیں (رواہ البخاری و مسلم، وابوداؤ)
’’الطیفتیان‘‘ وہ سانپ جس کی پشت پر دو سفید لکیریں ہوں۔ ’’الابتر‘‘ وہ سانپ ہے جس کی دم چھوٹی ہو۔ نصر بن شمیل کا کہنا ہے کہ ’’الطیفتیان‘‘ زرد رنگ کا سانپ ہے جس کی دم کٹی ہوئی ہوتی ہے نیز اگر اس سانپ کی طرف حاملہ عورت دیکھ لے تو اس کا حمل گرجاتا ہے۔
’’کتاب الحشرات‘‘ میں ابن خالویہ نے لکھا ہے کہ میں نے ابن عرفہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ’’جان‘‘ اس سانپ کو کہا جاتا ہے جو چلتے وقت سر اٹھا کر چلے یہ تمام سانپ یہاں اس وقت میرے پاس ان پٹاریوں اور تھیلوں میں قید ہیں کبھی کسی کی جرأت نہیں ہوئی بھاگنے کی مگر سنگ چور کا معاملہ ان سب سے الگ ہے وہ یہاں سے نہ جانے کیسے فرار ہوگیا ہے۔
بہر حال وہ لاج کے پیچھے عنقریب یہاں پہنچنے

والا ہے اس سے پہلے مجھے یہ جاب مکمل کرنا ہوگا۔ جس میں سنگ چور ناگ کے لاج کے پیچھے پڑنے کی وجہ سمجھ آجائے گی۔“

سب خاموش بیٹھے تھے سب کے لبوں میں موجود لفظوں نے جیسے دم توڑ دیا تھا۔ خیر عالم کے سامنے اب آگ کا بڑا سا الاؤ دہک رہا تھا۔ آنکھیں بند کئے وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک نہ جانے کیا کچھ پڑھتے رہے۔ اس کے بعد آنکھیں کھول کر وہ آگ کے شعلوں میں جیسے کچھ کھوجنے کی کوشش کرنے لگے۔ ”تم کون ہو لڑکی؟“ آگ کے دہکتے شعلوں میں کچھ دیکھنے کے بعد اب وہ اپنی آنکھیں لاج پر مرکوز کئے ہوئے تھے۔ جوان کے اچانک ایسے سوال سے گھبرا سی گئی۔ باقی سب لوگوں کے چہروں پر بھی حیرت کی شکنیں ابھریں۔

”کیا مطلب؟ یہ لاج ہے۔ آپ کیسا سوال کررہے ہیں؟“ طٰہٰ سے رہا نہ گیا اور وہ فوراً بول پڑا۔

”میں جو دیکھ رہا ہوں، وہی کہہ رہا ہوں۔ آپ لوگ یہاں آ کر دیکھیں۔“ خیر عالم کے کہنے پر طٰہٰ، فواد، ازابیل اور مما اٹھ کر خیر عالم کے اردگرد آ کر بیٹھے۔ لاج میں اٹھنے کی ہمت ہی نہیں تھی۔ وہ وہیں گم صم سی بنی بیٹھی تھی۔

سب نے جوں ہی آگ کے شعلوں میں دیکھا۔ ان کی آنکھیں حیرت سے کھلتی چلی گئیں۔ سرخ شعلوں کے وسط میں ایک شبیہ سی جمی ہوئی تھی۔ جس میں لاج کی تصویر کے سامنے ایک کنکھجورے کی طرح کا سانپ پھن پھیلائے بیٹھا تھا۔ قابل غور بات یہ تھی کہ تصویر میں لاج کی آنکھیں بالکل نیلے ہیرے کی طرح جامد، ساکت آنکھیں، ان آنکھوں میں زندگی نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ البتہ لبوں پر ہلکی سی مسکان تھی۔ سب ہی لوگ کبھی تصویر کو، تو کبھی سامنے بیٹھی لاج کو بے یقین نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ کسی کو بھی اپنی بصارت پر یقین نہ آ رہا تھا۔

”یہ تو لاج کی تصویر ہے، مگر آنکھیں......“ فواد کو کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا۔

”ہاں یہ آنکھیں اس نے خود ایسی کی تھیں۔ You Cam Makeup کے ذریعے...... یہ App اس نے موبائل پر ڈاؤن لوڈ کی تھی پھر آنکھوں کا کلر چینج کیا تھا سب نے اس کی اس تصویر کی بہت تعریف کی تھی اس کی نیلی آنکھیں بالکل قدرتی لگ رہی تھیں۔ اس کے بعد یہ تصویر اس نے کافی عرصہ تک اپنے موبائل کے وال پیپر پر بھی لگائے رکھی تھی۔“ ازابیل متحیر سی بولتی چلی جارہی تھی۔

”یہ کون ہے جس نے میری بچی کا روپ دھارا ہے؟“ مما نخوت سے بولیں۔ جس پر لاج تڑپ کر کھڑی ہوئی اور نفی میں سر ہلانے لگی آنسو اس کی آنکھوں سے متواتر گررہے تھے۔

”ابھی پتہ چل جائے گا۔“ خیر عالم نے سرعت سے بین اٹھایا اور بجانے لگے۔ نیم تاریک کمرے میں بین کی آواز گونجنے لگی۔ تقریباً آدھے گھنٹہ گزرنے کے باوجود بھی لاج پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ تو خیر عالم نے وہ خاص جڑی بوٹی نکالی جس کی خوشبو سے سنگ چور سانپوں کی نسل دیوانہ ہوجاتی ہے۔

”آپ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے؟ کیوں الٹے راستے پر آرہے ہیں؟ میرا اللہ جانتا ہے میں لاج ہی ہوں یہ تصویر میں نے ہی App کے ذریعے بنائی تھی میں دیکھنا چاہتی تھی کہ مجھ پر نیلی آنکھیں کیسی لگتی ہیں۔“ ابھی لاج اتنا ہی بول پائی تھی کہ کوئی چیز زوردار دھماکے سے اس پر آن گری۔ اور وہ لڑکھڑا کر زمین پر گرگئی سب ایک دم بوکھلا گئے۔

”اتنا بڑا کنکھجورا......“ فواد نے گھبرا کر اپنے کھلے منہ پر ہاتھ رکھا۔

”یہ کنکھجورا نہیں، سنگ چور ہے۔ کنکھجورا اتنے بڑے سائز کا نہیں ہوتا۔ آپ سب لوگ پیچھے چلے جائیں۔ ہم سے غلطی ہوگئی ہم نے لاج کو انہی سانپوں میں سے ایک سمجھ لیا۔“ خیر عالم گویا سنگ چور سے مقابلے پر اتر آئے۔

لاج کے منہ سے گھٹی گھٹی چیخیں نکل رہی تھیں۔ سانپ اب اپنا وجود آہستہ آہستہ اس پر سے اٹھا رہا تھا۔

”تم بیچ میں مت آؤ بالک ورنہ پچھتاؤ گے

۔میری ناگیشورا کو ہرگز مجھ سے دور کرنے کی کوشش مت کرنا۔'' وہ اب ایک خوب صورت نوجوان تھا۔

''میں جانتا ہوں کہ اپنی عمر کے سو سال گزار کر تم نے انسان کا روپ دھارن کرلیا ہے لیکن ایک بات جان لو کہ انسان ،انسانوں کے لئے بنے ہیں۔ یہ تمہاری ناگیشورا نہیں ،یہ لڑکی لاج ہے، آدم زاد لڑکی ہے یہ...... اس کی تصویر والی نیلی آنکھیں تم نے کہیں دیکھ لی ہوں گی ،اسی لئے تم اس کے پیچھے آئے ہوناں۔'' خیر عالم اب اصل وجہ تک پہنچ چکے تھے۔

''ہاں...... برسات کے موسم میں گیلی مٹی کا مزہ لینے کے لئے میں ان کے گھر کی کیاری میں بیٹھا تھا ساتھ ہی ان کی کرسیاں اور میز پڑے تھے۔'' سنگ چور ناگ سب بتاتا جارہا تھا اور لاج کے دماغ میں ماضی کی آندھیاں چلنے لگیں۔

☆......☆......☆

''نہیں فوزیہ! میں پارٹی میں نہیں آرہی، گیسٹ آئے ہوئے ہیں۔ ہم لوگ کل بلال کی منگنی کے لئے نکل رہے ہیں۔'' وہ سامنے سے آتے بلال کو دیکھ رہی تھی جو اسی کی طرف آرہا تھا۔ بارش کے بعد ہرے بھرے لان کا سرسبز منظر بہت صحت افزاء لگ رہا تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا بہت بھلی معلوم ہورہی تھی گھاس پر ننھے ننھے قطرے ابھی بھی موجود تھے۔

''لاج دیکھو...... کامران نے مجھے ڈریسز کی کچھ تصویریں whatsapp کی ہیں ان میں سے کل کے لئے کون سا ڈریس خریدوں میں۔'' بلال وہیں ٹھنڈی گھاس پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ وہ لان میں ہمیشہ کرسیوں کی بجائے گھاس پر ہی بیٹھا کرتا تھا۔ لاج بھی وہیں اس کے ساتھ آکر بیٹھ گئی۔ خوب صورت اور رنگ برنگے پھولوں سے مزین کیاری ان کے دائیں طرف تھی ہلکی ہوا میں ادھر سے ادھر لہلہاتے پھول بہت خواب ناک لگ رہے تھے۔ فوزیہ ابھی بھی ہولڈ پر تھی، اس نے فون واپس کان سے لگایا۔

''فوزیہ میں تمہیں بعد میں کال کرتی ہوں ،بائے۔'' فون اس نے وہیں دائیں طرف اپنے پہلو میں گھاس پر ہی رکھ دیا اور بلال کے ساتھ ڈریس سلیکٹ کرنے کے لئے Pic دیکھنے لگی۔

اس کے موبائل کا ایل سی ڈی بیک لائٹ ٹائم تقریباً 30 سیکنڈ تھا چنانچہ 30 سیکنڈ کے لئے اس کے موبائل کا وال پیپر روشن رہا۔ اپنے آدھے سے زیادہ دھڑ کو کیاری کی ٹھنڈی مٹی پر لمبائی کی صورت میں پھیلائے نیم ایستادہ اس نے چونک کر اسکرین پر موجود اس کی نیلی آنکھوں والی تصویر کو دیکھا تھا اور پھر دیکھتا ہی رہا تھا۔

☆......☆......☆

''یہ میری ناگیشورا ہے،اس کی نیلی آنکھوں نے مجھے بتایا ہے کہ یہی میری ناگیشورا ہے وہ بھی بالکل ایسی ہی تھی۔'' سنگ چور ناگ کھوسا گیا۔

''وہ نیلی آنکھیں محض ایک تصویر تھی، جو اس نے خود بنائی تھی ورنہ حقیقت اس کے برعکس ہے، یہ تمہاری ناگن نہیں ہے، بلکہ ایک عام آدم زادی ہے۔'' خیر عالم اس ناگ کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کررہے تھے کہ اتنے میں کمرے میں تیز سرسراہٹوں کی آوازیں آنے لگیں۔ نہ جانے کہاں سے ڈھیروں سانپ نکل نکل کر کمرے میں اکٹھے ہورہے تھے۔ ان میں سنگ چور نسل کے بھی تھے لیکن انتہائی کم...... دوسری نسلوں کے سانپ زیادہ تھے۔ خیر عالم اس اچانک افتاد سے بوکھلا سے گئے۔

سنگ چور ناگ کے لبوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ ابھری، کمرے کا منظر کچھ اس طرح تھا کہ ناگ کے پیچھے لاج، اور ناگ کے سامنے فواد، طہٰ ،مما، ازابل اور خیر عالم کھڑے تھے۔ سانپ کیڑے مکوڑوں کی طرح تیزی سے رینگتے ہوئے ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اتنے میں کمرے میں ازابیل کی دلخراش چیخ گونجی وہ اپنا پیر پکڑے ہوئے آہستہ آہستہ نیچے زمین پر گررہی تھی۔ سب بوکھلا کر اس کی طرف بھاگے۔

زرد رنگ کا ایک چھوٹا سا سانپ اپنا کام کرکے نکل چکا تھا۔ (عام معلومات کے مطابق سانپ جتنا چھوٹا

ہوگا اتنا ہی زہریلا ہوگا) ازابیل کے منہ سے نیلا ہٹ مائل جھاگ نکلنا شروع ہوگیا۔ فواد پاگلوں کی طرح اس کو جھنجھوڑ کر ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ دوسری طرف خیر عالم کو سانپوں نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ انہیں فرار کا کوئی راستہ نہ نظر آ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کمرے کی زمین پر سانپوں کا فرش بچھا ہے۔ خیر عالم نے بے بسی سے کمرے کے بائیں کونے میں رکھے ایک بڑے سے پنجرے کی طرف دیکھا جہاں نیولے بری طرح سے کلبلا رہے تھے۔ جیسے باہر آنے کے لئے بے چین ہوں۔

''ہم میں سے کسی کو جا کر وہ پنجرہ کھولنا ہوگا، ورنہ یہ سانپ ہم سب کو ختم کر دیں گے، میں اکیلا اتنے ڈھیر سانپوں کا مقابلہ ہرگز نہیں کر سکتا۔'' خیر عالم نے گلا پھاڑ کر چیختے ہوئے کہا کیونکہ سانپوں کی تیز پھنکاریں کمرے میں گونج رہی تھیں۔ ازابیل بے جان ہو چکی تھی، اس کی گردن ایک طرف کو لڑھک چکی تھی۔ مما نے اسے زندگی سے ہاتھ دھوتا دیکھ کر ایک دل ہلا دینے والی چنگھاڑ ماری اور دیوانہ وار سانپوں کی طرف بھاگ کر انہیں پیروں تلے کچلنے کی ناکام کوشش کرنے لگیں۔

یہ غلط کہا جاتا ہے کہ محبت اندھی ہوتی ہے محبت اندھی تو صرف ماں کی ہوتی ہے باقی محبتیں تو محبوب کو بدلتا دیکھ کر اپنا راستہ بھی بدل لیتی ہیں مگر ماں کی محبت اور اولاد کے لئے بالکل اندھی ہوتی ہے اسی اندھی محبت میں انہیں سانپوں کے خوفناک ڈھیر میں اپنے ننگے پیروں پر زعم ہوا، اور وہ اپنے پیروں سے ہی انہیں کچلنے لگیں۔

نتیجتاً سانپوں نے بھی اپنا بچاؤ کرتے ہوئے پھن اٹھا کر مما پر تین چار وار کئے سانپ کا تو ایک ہی وار انسان کے لئے کافی ہوتا ہے، جب تین چار سانپوں نے انہیں ڈسا تو وہ وہیں ڈھیر پر گر گئیں۔ سانپوں کا سیاہ ڈھیر ان کے وجود کو ڈھانپ رہا تھا۔ ان کے اوپر نیچے، دائیں بائیں ہر طرف سانپ سپڑ سپڑ کرتے پھر رہے تھے۔ اتنے میں کمرے میں جیسے ایک بھونچال سا آ گیا، پنجرہ کھل چکا تھا اور نیولے کمان سے نکلے تیر کی طرح سانپوں کی طرف بڑھے فواد وہیں پنجرے کے پیچھے پسینے سے تربتر کھڑا تھا۔

''بھاگو یہاں سے۔'' سانپوں کو نیولوں سے الجھتا دیکھ کر خیر عالم تیزی سے بیرونی دروازے کی طرف بھاگے۔ سانپ تیزی سے لہولہان ہو رہے تھے سنگ چور ناگ بھی اب نیولوں سے مقابلہ کر رہا تھا۔ اس کا دھیان لاج پر سے ہٹ چکا تھا۔ جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لاج بھاگ کر طٰہٰ اور خیر عالم کے ہمراہ آ گئی تھی۔ افراتفری اور ہوش اڑنے کا عالم اتنا شدید تھا کہ ان کا دھیان مما اور ازابیل کی طرف کم اور اپنی طرف زیادہ تھا۔ کمرے سے نکلتے وقت بیرونی دروازے کے پاس رک کر طٰہٰ ایک پل کو رکا اور مڑ کر پیچھے فواد کی طرف دیکھا جو ابھی بھی پنجرے کے پاس ہی پھنسا ہوا تھا۔ اس کے سامنے سانپوں اور نیولوں کا ڈھیر آپس میں گتھم گتھا تھا۔

''لاج تم خیر عالم صاحب کے ساتھ جاؤ، میں فواد کو لے کر آتا ہوں۔'' طٰہٰ کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے تھے۔ جوں ہی وہ کمرے کے اندر واپسی کے لئے مڑا تو اس کی آنکھوں نے ایک ناقابل یقین منظر دیکھا۔ تھوڑی دیر پہلے دیوار کے ساتھ جم کر کھڑا ہونے والا فواد اب آہستہ آہستہ نیچے گر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی پتلیوں میں خون اتر رہا تھا اور منہ سے سفید جھاگ...... سنگ چور البتہ منظر سے غائب تھا۔

''طٰہٰ چلو یہاں سے...... طٰہٰ بھاگو پلیز......'' فواد کی حالت دیکھ کر لاج روتے ہوئے طٰہٰ کو بازو سے پکڑ کر کھینچنے لگی۔ جبکہ طٰہٰ ہسٹریائی انداز میں ان کے ساتھ کھنچتا چلا گیا کچھ دیر بعد ہی ان کی گاڑی تیزی سے سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔ ان کا رخ غیر ارادی طور پر ویران جھونپڑیوں والی بستی کی طرف تھا۔ جہاں اب کوئی نہیں جاتا تھا۔

یہ ایک گھاس پھوس سے بنی معمولی سی جھونپڑی تھی۔ جس کی تمام دیواریں گیلی تھیں۔ فرش بھی تر تھا۔ کونے میں پانی کا مٹکا رکھا تھا۔ جس کے اوپر مٹی کا پیالہ انودھا دھرا تھا۔ فرش کے عین درمیان دو انسانی وجود آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''تم جانتی ہو؟ ناگیشورا کون تھی؟ میری پتنی...... شکل وصورت میں ہو بہو تمہارے جیسی تھی۔ ایک بار ہم انسانوں کی بستی میں کسی مکان میں تھے کہ وہاں اچانک زلزلہ آیا اور ایک بڑی سی دیوار ہمارے اوپر گر گئی۔ میں تو وہاں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا مگر میری ناگیشورا اس کی زد میں آ گئی اور میں نے اسے ہمیشہ کے لئے کھو دیا۔ اس کے کافی عرصے بعد جب میں نے تمہاری نیلی آنکھیں تصویر میں دیکھی تو مجھے لگا کہ میری ناگیشورا واپس آ گئی ہو۔ نیلی آنکھوں میں تو تم بالکل میری ناگیشورا لگ رہی تھی۔ اس وقت میرے ذہن میں آیا کہ تمہیں اپنے ساتھ اپنے جہان میں لے چلوں۔ اس کے لئے مجھے چاند کے تیرہ جنموں کا انتظار کرنا تھا۔ اور چاند کے ہر جنم پر بہت معمولی سا زہر تمہارے اندر اتارنا تھا تاکہ تم آہستہ آہستہ اپنا انسانی روپ چھوڑ دو۔ اور ناگن روپ اختیار کرو، بارہ جنموں تک تو یہ عمل ہوگیا مگر آخری یعنی تیرہویں جنم پر اس خیر عالم نے مجھے قابو کر کے میری طاقتیں زائل کر کے تمہیں مجھ سے چھین لیا۔ لیکن دیکھو! بھگوان کو بھی تمہارا اور میرا ملن منظور تھا۔'' لاج مسکراتے ہوئے سنگ چور ناگ کی ساری باتیں سن رہی تھی۔ اس کے بعد وہ لاج کی پیشانی پر بوسہ کرنے کے لئے آگے کو جھکا، جس پر وہ ہاتھ سے اسے روک کر ہولے سے پیچھے کو ہٹی۔

''میں پردہ گرا آؤں۔'' اس نے جھونپڑی کے دروازے کی طرف اشارہ کیا جہاں بوسیدہ ٹاٹ کا پردہ اوپر کو اٹھا ہوا تھا۔ سنگ چور ناگ سرخ ہونٹوں پر تبسم بکھیرتا ہوا اسے دیکھنے لگا۔ وہ خراماں خراماں چلتی ہوئی پردے تک آئی۔ اپنی بغل میں سے لائٹر نکال کر آن کیا اور اسے اپنی پشت کی جانب پیچھے جھونپڑی میں اچھال دیا۔ دیواریں اور فرش پہلے ہی مٹی کے تیل سے تر تھے گھاس پھوس کی بنی جھونپڑی میں آگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔

وہ تیزی سے جھونپڑی سے باہر بھاگ آئی مگر تب تک اس کا دوپٹہ آگ پکڑ چکا تھا۔ پہلے سے منتظر طٰہٰ اور خیر عالم نے کمال دماغی سے کام لیتے ہوئے آگ بجھائی۔ حاضر دماغی جیت چکی تھی۔ سنگ چور شعلوں کی نذر ہو چکا تھا اور یہ لوگ گاڑی میں بیٹھ کر اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھے۔

☆......☆......☆

''کیا آپ نے قدرت کی تخلیق میں کوئی کمی دیکھی لاج؟ اگر کسی میں کوئی کمی ہے بھی، تو اس میں ایک ایسی خوبی قدرت ضرور رکھتی ہے جو کسی دوسرے میں نہیں ہوتی، آپ کسی کو کوئی چیز بنا کر پیش کریں اور وہ شخص آگے سے اس میں کوئی ردوبدل یا ترمیم کرے تو اس کا مطلب یہی لیا جائے گا کہ وہ آپ کی بنائی گئی چیز سے مطمئن نہیں......قدرت نے آپ کی آنکھیں بہت پیاری بنائی ہیں۔ اس کے باوجود آپ نے ......'' لاج کی حد درجہ شرمندگی دیکھ کر خیر عالم چپ سے ہو گئے۔

''میں نے تو بس یونہی......'' لاج منمنائی۔

''غلطی کا سب سے بڑا نقصان یہی ہے کہ اسے بس یونہی کہہ کر ٹال دیا جاتا ہے۔ ہمارے دین میں آئی بروز کا بنوانا، بال نوچنا، جسم گدوانا، یہ سب گناہ کیوں ہے؟ کیونکہ اللہ کی تخلیق کسی ترمیم کی محتاج نہیں، اس نے ہمیں بہترین صورت میں پیدا کیا ہے، آج کل لینسز لگا کر خود کو عارضی خوبصورتی دینے والے لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ اصل خوب صورتی وہی ہے جو دائمی ہے، جو ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے گی، جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہے۔'' گاڑی سے اترتے وقت خیر عالم لاج کے لئے سوچوں کے نئے در کھول کر چل دیئے تھے۔

یہ مانا معصیت میں مجرمانہ تھوڑی لذت ہے
مگر اس پالنے والے سے یہ کیسی بغاوت ہے

اپنے مالک...... اپنے اللہ کو ناراض کرنے والا، شرافت طبع سے محروم ہے۔ ورنہ اگر طبیعت شریف ہو تو کوئی غلام اپنے محسن کو ناراض نہیں کرتا، خیر عالم کے جانے کے بعد اس نے وضو کیا اور عصر کی نماز پڑھنے لگی کہ۔

''پالنے والے سے قطع تعلق اچھی چیز نہیں۔''

☠

بھوت

مریم فاطمہ۔کراچی

ہر سو اندھیرا مسلط تھا ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا کہ اچانک ایک درد ناک، ہولناک، خوفناک اور دل کو پارہ پارہ کرتی نسوانی چیخ نے قرب و جوار کو دھلا کر رکھ دیا کہ پھر……

رات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی دل پر سکتہ طاری کرتی آسیبی کہانی

ھاسٹل کے کمرے کا دروازہ کھلا اور لیزا اپنا سوٹ کیس لے کر اندر داخل ہوئی۔اندر پہلے سے تین لڑکیاں موجود تھیں۔تینوں اسی کی طرف دیکھنے لگیں۔''ہیلو میرا نام لیزا ہے۔'' اس نے جھجکتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔

''ہیلو ہم سب تمہاری روم میٹس ہیں میرا نام شینا ہے ایک لڑکی نے جس کے بال کندھے تک کٹے ہوئے تھے مسکرا کر بولی۔''میں سوزی ہوں، ایک لمبے بالوں والی لڑکی بولی۔''اور میں ہلیری۔'' تیسری نے بھی مسکراتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔لیزا کو لگا کہ ساری لڑکیاں بہت اچھی ہیں وہ شیلف میں اپنا سامان رکھنے لگی۔

اچانک ہی اس کے ہاتھ پر ایک بڑی سی مکڑی گر گئی تو اس نے ایک چیخ ماری اور اپنا دل پکڑ لیا۔اس کا سانس بری طرح پھول رہا تھا اس نے اپنے کپڑوں کی

جیب سے دوائی کی شیشی نکالی اور ایک گولی منہ میں ڈال لی۔ تینوں لڑکیاں اس کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

"لیزا تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" سوزی نے پوچھا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔ دراصل میرا دل کمزور ہے کوئی بھی ایسی ویسی بات ہوجائے تو میری طبیعت خراب ہوجاتی ہے۔ یہ دوائی اسی لئے ہے۔ میں تم لوگوں کو یہی بتانا چاہتی تھی کہ تم لوگوں کو اس بارے میں خاص خیال رکھنا ہوگا۔" لیزا نے جواب دیا اب اس کی طبیعت پہلے سے بہتر لگ رہی تھی۔ اور تھوڑی ہی دیر میں وہ بالکل ٹھیک ہوگئی۔

رات کا وقت تھا وہ چاروں سونے کی تیاری کررہی تھیں۔ باہر اس وقت بارش ہورہی تھی۔ بارش کا تیز شور اندر کمرے تک سنائی دے رہا تھا۔ ایسے میں لائٹ بھی چلی گئی۔ "آ......آ......ں۔" چاروں نے اندھیرے سے ڈر کر چیخ ماری۔ "لائٹ کس نے بند کی۔" ہلیری نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"کسی نے بند نہیں کی موسم کی وجہ سے کچھ خرابی ہوئی ہے۔" سوزی نے جواب دیا۔

ہوا اور پھر اندھیرے میں عجیب آوازیں نکال کر شینا ڈرانے لگی۔ "میں ایک آتما ہوں اور میں تمہیں جان سے مارڈالوں گی۔" شینا نے آواز بدل کر کہا۔ اور پھر ہلیری نے چیخ ماری۔

"سوزی دیکھ لو اسے یہ ڈرا دھما کر مجھے مار دے گی منع کرواسے پلیز!" ہلیری التجائیہ لہجے میں بولی۔

"شینا پلیز! شرارت مت کرو۔" سوزی نے مسکرا کر اسے منع کیا۔ وہ بھی اس ساری صورت حال سے لطف اندوز ہورہی تھی لیکن شینا سوزی کے منع کرنے پر بھی باز نہ آئی اور اپنے بستر سے نکل کر پہلے ہلیری کو گدگدایا اور پھر سوزی کو چھیڑنے لگی۔

وہ دونوں اندھیرے میں سوزی کے اچانک اپنے نزدیک آنے پر گھبرا کر چیخ پڑیں۔

لیزا اس ساری صورت حال سے بہت پریشان ہورہی تھی۔ کچھ دیر تک تو برداشت کرتی رہی اور پھر انہیں ٹوکا۔ "دوستو! پلیز اتنا شور مت کرو اگر کمرے سے باہر آواز گئی تو ہماری شکایت ہوجائے گی۔" لیزا نے کہا۔

لیکن لڑکیوں پر کوئی اثر نہیں ہوا بلکہ وہ مزید قہقہے لگانے لگیں۔

"لیزا کیا تمہیں اندھیرے میں اپنے پاس کچھ محسوس ہورہا ہے۔" شینا نے لہجے کو بے حد پراسرار بناتے ہوئے کہا۔

"کیا ہے میرے پاس۔" وہ بوکھلا کر بولی تو اچانک ہی شینا نے چپکے سے آکر اسے گدگدایا تو وہ بے چاری ڈر کے مارے چیخ پڑی۔ تینوں لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

"اف کتنی شریر ہو تم لوگ۔" لیزا اپنے ڈر پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

بہر حال تھوڑی ہی دیر میں لائٹ دوبارہ آگئی تو لیزا نے سکھ کا سانس لیا کہ ان تینوں کی شرارتیں تو بند ہوئیں۔

☆......☆......☆

رات کا وقت تھا لیزا اپنے کمرے میں سونے کے لئے آرہی تھی۔ ہاسٹل میں اس وقت گہری خاموشی تھی۔ شاید ساری لڑکیاں سوچکی تھیں۔ اچانک ہی لیزا کو اپنے پیچھے کسی کے ننگے پاؤں دوڑنے کی آواز سنائی دی اس نے پلٹ کر دیکھا کوئی نہ تھا۔ وہ ایک بار پھر چل پڑی۔ اب کی بار کسی لڑکی کے ہنسنے کی آواز آئی۔ لیزا پر خوف طاری ہونے لگا۔ "کون ہے؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"لیزا کہاں جارہی ہو میرے پاس آؤ۔" جواب میں کسی لڑکی کی سرگوشی سنائی دی۔ "کون ہو تم اور سامنے کیوں نہیں آتیں۔" لیزا نے ایک دفعہ پھر پوچھا۔

اچانک ہی اس کے پیچھے سے ایک بدشکل لڑکی جس کے لمبے بال کھلے ہوئے تھے اور وہ سفید کپڑوں میں ملبوس تھی نکل کر سامنے آگئی تو لیزا کے حلق سے ڈری ڈری چیخ برآمد ہوئی۔ اور وہ الٹے قدموں واپس بھاگی۔

اسے اپنے پیچھے اس لڑکی کے پکارنے کی آواز سنائی دی۔ ''رک جاؤ لیزا۔'' لیکن وہ نہ رکی اور جس طرح منہ اٹھا بھاگتی گئی۔ بھاگنے کے دوران لیزا کو اسی لڑکی کے قہقہے لگانے کی آواز سنائی دی۔

اچانک ایک جگہ آ کر لیزا کا پیر مڑا اور وہ کراہتی ہوئی نیچے گر گئی۔ اور پھر وہ خوف ناک لڑکی معلوم کہاں سے نکل کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی لیزا کا خوف سے سانس رکنے لگا۔ اس نے اپنا دل پکڑ لیا اس کا سانس بے تحاشہ پھولنے لگا۔ وہ اپنے کپڑوں کی جیب میں دوائی ٹٹولنے لگی۔

وہ خوف ناک لڑکی اس کے اوپر جھکتی چلی گئی اس کے ساتھ ہی لیزا کی آنکھ کھل گئی۔ تو وہ فلک شگاف چیخ مار کر بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئی یہ سب ایک خواب تھا اس نے دراصل خواب دیکھا تھا۔ وہ پسینے میں شرابور تھی۔

باہر بارش ابھی بھی جاری تھی۔ اس کا سانس بری طرح پھول رہا تھا اس نے اپنا دل پکڑ لیا۔ اور ایک ہاتھ سے اپنی دوائی نکال کر اٹھالی۔

اس کے چیخ مارنے سے تینوں لڑکیاں اٹھ بیٹھی تھیں ''کیا ہوا لیزا تم ٹھیک تو ہو ناں؟'' ہلیری نے دریافت کیا۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں برا خواب دیکھ لیا تھا تم لوگ سو جاؤ۔'' لیزا نے اپنا سانس بحال کرتے ہوئے جواب دیا۔ اور پھر وہ سب دوبارہ سونے کے لئے لیٹ گئیں۔

لیزا کو اس ہاسٹل میں آئے ہوئے اب دو ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔ سوزی، شینا اور ہلیری ویسے تو اچھی لڑکیاں تھیں لیکن شریر بہت تھیں اور ہر وقت لیزا کے ساتھ شرارت کرتی رہتیں۔

لیزا کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ اس وقت تینوں لڑکیاں سو رہی تھیں کمرے میں مناسب روشنی تھی لیزا نے ایک نظر ان کے سوئے ہوئے وجود پر ڈالی اور پھر ایک گہری سانس لیتے ہوئے خود بھی بستر پر بیٹھ گئی پہلے تو اس نے شیلف میں سے اپنے پڑھنے کے لئے ایک کتاب نکال کر اسے پانچ منٹ پڑھا اور پھر اسے نیند آنے لگی تو وہ کتاب بند کر کے سونے کے لئے لیٹ گئی۔

ابھی اسے لیٹے ہوئے پانچ منٹ ہی گزرے تھے اور ابھی نیند بھی نہ آنے پائی تھی کہ اسے اپنے پاس سے کسی لڑکی کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ ''لیزا کیا کر رہی ہو؟ میرے پاس آؤ۔'' اس نے گھبرا کر پلٹ کر دیکھا لیکن وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ وہ دوبارہ سے سونے

اللہ تعالیٰ سب کی سنتا ھے

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے فرمایا: کابل کے جنگلات میں جنگلی جانوروں کی بڑی کثرت تھی ان کی وجہ سے باغات وکھیتی کو سخت نقصان پہنچتا تھا۔ ایک مرتبہ لوگوں نے جانوروں کو گھیر کر جنگل میں آگ لگادی۔ جب آگ کی تپش نے چاروں طرف سے حیوانوں کو گھیر لیا تو ان کے ریوڑ میں سے ایک سُور (خنزیر) باہر آیا اور اکیلے سُور نے آسمان کی طرف اپنا منہ اٹھا کر چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ اس خنزیر کا اپنی مظلومیت پر بلکنا تھا کہ آسمان ابر آلود ہو گیا اور آناً فاناً موسلا دھار بارش برسنے لگی۔ جنگل کی آگ اسی وقت بجھ گئی اور آگ میں گھرے جانور بچ کر وہاں سے نکل بھاگے۔

یہ واقعہ بیان کر کے حضرت مدنی نے فرمایا: اے مسلمانو! کیا تم اس درجہ مایوس ہو گئے ہو کہ وہ پروردگار جو خنزیر جیسے ناپاک کی فریاد سنتا ہے تو پھر کیا وہ تمہاری دادرسی نہیں کرے گا؟ یقیناً کرے گا۔

لہٰذا کیسی بھی حالت ہو دعا کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے۔ (برکات دعا)

(ایس حبیب خان-کراچی)

کی کوشش کرنے لگی۔

اچانک ہی اس کی چادر کسی نے ایک جھٹکے کے ساتھ اس پر سے اتار پھینکی تو وہ بری طرح ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''کون ہے؟ کون ہے؟'' وہ بے اختیار بولی۔

اب جو سامنے دیکھا تو تین بدشکل لڑکیاں کھڑی تھیں اس نے زوردار چیخ ماری۔ ''بچاؤ...... بچاؤ۔'' اس کے ساتھ ہی اسے سوزی، ہلیری اور شینا کے ہنسنے کی آواز سنائی دی ان تینوں لڑکیوں نے اپنا ماسک اتارا تو اسے پتا چلا کہ دراصل وہ کوئی چڑیل وغیرہ نہیں بلکہ وہ تینوں ماسک پہنے ہوئے ہیں۔

''معاف کرنا لیزا یہ سب ان دونوں کا آئیڈیا تھا'' سوزی نے بری طرح ہنستے ہوئے کہا۔ لیزا کچھ دیر تک حیرت سے ان تینوں کی شکلیں دیکھتی رہی اور پھر اپنا تکیہ اٹھا کر انہیں مارنے کو دوڑی۔

☆......☆......☆

''دوستو! اسکول میں تفریح تو کوئی نہیں ہے۔'' شینا نے کہا۔ وہ تینوں اس وقت کیفے ٹیریا میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ ''ہاں یہ تو ہے۔'' ہلیری نے بھی اس کی تائید کی۔

''ارے رہاں ایک آئیڈیا'' سوزی نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔ ''ہم چل کر پرنسپل صاحب سے بات کرتے ہیں کہ ہمارے اسکول میں تفریح کے لئے بھی کچھ ہونا چاہئے۔'' سوزی نے مزید کہا اور ہلیری شینا اور لیزا کو اپنے ساتھ کھینچتی ہوئی پرنسپل صاحب کے آفس تک لے آئی۔ ''مے آئی کم ان سر۔'' ان چاروں نے مودبانہ لہجے میں کہا۔

''لیس کم ان۔'' پرنسپل نے انہیں اندر آنے کی اجازت دی۔ تو وہ چاروں آگے پیچھے کر کے اندر داخل ہو گئیں۔ ''بیٹھیں پلیز۔'' پرنسپل نے کہا۔ تو وہ چاروں ان کے سامنے پڑی کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔

''سر دراصل ہم آپ سے یہ درخواست کرنا چاہتے ہیں کہ اسکول میں تفریح کرنے کے لئے بھی کچھ ہونا چاہئے۔'' سوزی نے کہا۔

''ہاں یہ بات تو ہے۔ میں بھی اس بارے میں ہی غور کر تا رہا ہوں اسپورٹس کا پریڈ کیسا رہے گا۔'' انہوں نے سوچتے ہوئے کہا تو لڑکیاں خوش ہو کر مسکرانے لگیں۔

''یا پھر اگر میں اسکول میں ایک بھوت بنگلہ بنوادوں تو؟'' پرنسپل صاحب نے مزید کہا تو سوزی، ہلیری اور شینا بے حد خوش ہوئیں۔ ''جی بے شک یہ تو بہت ہی اچھا آئیڈیا ہے۔'' شینا مسکراتے ہوئے بولی۔

دراصل پرنسپل صاحب ایک مشہور مصنف بھی تھے اور ڈراؤنی کہانیاں لکھا کرتے تھے اس لئے ان کے دماغ میں بھوت بنگلے کا خیال آگیا تو بس پھر طے سمجھو میں بہت جلد اسکول میں بھوت بنگلے کا کام شروع کروادوں گا۔'' پرنسپل صاحب ان تینوں کے مسکراتے اور کھلکھلاتے چہرے دیکھ کر بولے۔

جبکہ لیزا کو یہ آئیڈیا پسند نہ آیا۔ وہ بچپن سے ہی ایسی چیزوں سے ڈرا کرتی تھی۔

اور پھر اگلے روز پرنسپل صاحب نے پورے اسکول میں یہ اعلان کر دیا کہ اسٹوڈنٹس کی تفریح کا دھیان رکھتے ہوئے میں اسکول میں ایک بھوت بنگلہ بنوا رہا ہوں ساری لڑکیاں بہت خوش ہوئیں۔

اور پھر چند مہینوں تک اسکول کے ایک حصے میں بھوت بنگلہ بن کر تعمیر ہو گیا۔ سوزی، ہلیری اور شینا ساتھ میں مل کر بھوگ بنگلے کی سیر کر کے آئیں تو وہاں کے قصے لیزا کو بھی سنانے لگیں۔ ''سچ میں بہت ہی پراسرار جگہ ہے تم بھی ہمارے ساتھ چلو بہت مزہ آئے گا۔'' شینا پرجوش لہجے میں بولی۔

''نہیں بھئی مجھے تو ڈر لگتا ہے اور پھر ویسے بھی میرا دل بہت کمزور ہے۔ میں نہیں جاؤں گی۔'' لیزا نے صاف انکار کر دیا۔

''اب چلو بھی لیزا وہ جگہ ایسی بھی کوئی ڈراؤنی نہیں ہے۔'' سوزی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''اور ویسے بھی جب ہم ساری اکٹھی جائیں گی تو ڈر نہیں لگے گا۔'' ہلیری نے بھی سمجھایا۔

پہلے تو لیزا منع کرتی رہی لیکن پھر ان کی ضد کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور چلنے کے لئے رضامند ہوگئی۔

☆......☆......☆

اس وقت وہ چاروں بھوت بنگلے کے باہر کھڑی تھیں ۔''دوستو! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' لیزا نے ایک بار پھر کہا تو ان تینوں نے اس کا ہاتھ کھینچا اور اسے اندر لے گئیں۔ اور بہت کم روشنی تھی اور اندھیرا زیادہ تھا وہ لوگ تھوڑا آگے چلیں تو ایک سر کٹا بھوت ان کے سامنے ہاتھ میں کلہاڑی لئے آ کھڑا ہوا لیزا سمیت ان سب نے چیخ ماری اور جلدی سے آگے بڑھیں لیزا کی طبیعت وہاں کے بھوت دیکھنے سے خراب ہو رہی تھی اس کا سانس پھولنے لگا اور پھر اس نے اپنا دل دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

ان تینوں کو تھوڑا آگے چل کر محسوس ہوا کہ لیزا ان کے ساتھ نہیں ہے۔''ارے لیزا کہاں رہ گئی؟'' سوزی نے دریافت کیا اور پھر وہ تینوں واپس پیچھے آئیں تو لیزا کو زمین پہ گرا ہوا پایا۔''کیا ہوا لیزا؟'' وہ تینوں ایک ساتھ بولیں۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' لیزا نے کہا۔

''تم نے اپنی دوائی کھائی؟'' شینا نے پوچھا۔

''ہاں لیکن پھر بھی طبیعت سنبھلنے میں نہیں آ رہی ۔'' لیزا نے بتایا۔

''ہم سے غلطی ہوئی ہے ہمیں اسے یہاں لانا ہی نہیں چاہئے تھا۔'' ہلیری متفکر لہجے میں بولی۔

''ایسا کرتے ہیں کسی کو بلا کر لاتے ہیں۔'' سوزی نے کہا وہ اور ہلیری کسی کو بلانے چلی گئی جب تھوڑی دیر تک وہ واپس نہ آئی تو شینا کو لیزا کی فکر ہونے لگی اور وہ اسے تسلی دے کر خود بھی وہاں سے ان دونوں کو ڈھونڈنے کے لئے چل پڑی۔

ذرا سی دیر میں وہ تینوں اسکول ٹیچرز کے ساتھ واپس لوٹ آئیں مگر اب اس جگہ لیزا نہیں تھی۔

''ارے لیزا کہاں چلی گئی؟'' ہلیری نے حیرت سے دریافت کیا۔

''لیزا؟ لیزا کہاں ہو تم؟'' شینا نے آواز دے کر پوچھا۔ لیکن جواب میں بالکل خاموشی تھی۔

''یہ سب کیا ہے؟ کیا تم تینوں ہمیں بے وقوف بنا رہی ہو؟'' ایک ٹیچر نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''نہیں ایسا نہیں ہے لیزا کی واقعی طبیعت خراب ہے وہ ابھی یہیں تھی۔'' سوزی روتی شکل بنا کر بولی۔

''ہاں لیکن وہ اب کہیں ہے؟'' ٹیچر نے غصے سے کہا۔

''وہ ضرور یہیں کہیں ہوگی ہم اسے ڈھونڈتے ہیں۔'' شینا نے کہا اور پھر ٹیچرز سمیت ان تینوں نے سارا بھوت بنگلہ دیکھ ڈالا لیکن وہاں سوائے بھوتوں اور چڑیلوں کے کچھ بھی نہیں تھا پرنسپل صاحب تک بھی یہ بات پہنچ گئی لیزا کو پورے ہاسٹل میں تلاش کیا گیا لیکن وہ نہ ملنی تھی نہ ملی۔''سمجھ نہیں آتا آخر اسے آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی۔'' پرنسپل نے متفکر لہجے میں ان تینوں سے کہا۔ وہ تینوں پرنسپل کے سامنے کرسیوں پر بیٹھی رو رہی تھیں۔''سر پلیز! کچھ کیجئے کسی بھی طرح اسے ڈھونڈ لے۔'' سوزی روتے ہوئے بولی۔

''گھبراؤ مت میں پولیس کو فون کرتا ہوں۔'' پرنسپل صاحب نے کہا اور پولیس کو فون کر کے بلا لیا پولیس نے بھوت بنگلے اور سب کے کمرے کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ لیکن کوئی ثبوت نہ ملا۔ پولیس بھی ناکام و نامراد واپس لوٹ گئی اور اس طرح پورے اسکول میں لڑکیوں پر بھوت بنگلے کا خوف سوار ہوگیا۔ اور ایسی بہت سی افواہیں پھیل گئیں کہ یہ بنگلہ دراصل آسیب زدہ ہے۔

☆......☆......☆

لیزا کو لاپتہ ہوئے دو دن گزر چکے تھے پولیس اپنا کام کر رہی تھی لیکن ابھی تک کوئی سراغ نہ مل سکا تھا اس وقت رات کے بارہ بج رہے تھے تمام لڑکیاں اپنے اپنے بستروں میں مزے سے نیند کے مزے لوٹ رہی تھیں۔ لیکن وہ تینوں ابھی تک جاگ رہی تھیں۔''میں لیزا کے بغیر بہت اداس ہو رہی ہوں۔'' سوزی نے کہا۔''اور میں بھی'' ہلیری نے بھی بچوں کی طرح

رونے والے انداز میں کہا۔

''ہم سب ہی اس کے چلنے جانے سے اداس ہیں۔'' شینا نے ایک آہ بھرتے ہوئے کہا کہ اچانک ہی انہیں کمرے کے باہرے سے کسی لڑکی کی سرگوشی سنائی دی جیسے کوئی کسی کو مدد کے لئے بلا رہا ہو اور پھر ایک نسوانی قہقہہ سنائی دیا۔ ''اوہ خدایا یہ کیسی آواز تھی۔'' ہلیری نے کانپتے ہوئے پوچھا۔ ''چلو چل کر دیکھتے ہیں۔'' سوزی نے بستر سے نکلتے ہوئے کہا۔

''ہاں چلو چلتے ہیں۔ شینا بھی جھٹ سے بولی۔

''کہیں پاگل تو نہیں ہوگئیں تم لوگ یہ آواز ضرور بھوت بنگلے کے بھوت کی ہے اس نے پہلے لیزا کو غائب کیا اور اگر اب ہم وہاں گئے تو ہماری بھی خیر نہیں۔'' ہلیری نے انہیں روکا لیکن انہوں نے اسے نظر انداز کردیا اور اسے بھی اپنے ساتھ لے کر بھوت بنگلے تک آ گئیں۔ ''آوازیں وہیں سے آ رہی تھیں۔ وہ تینوں ڈرتے ڈرتے اندر داخل ہوئیں اندر بہت معمولی روشنی تھی اسی لڑکی کی پھر قہقہہ لگانے کی آواز سنائی دی وہ تینوں بری طرح سہم گئیں۔ ''کون ہے؟ باہر آؤ۔ ہم تم سے نہیں ڈرتے۔'' سوزی نے ہمت کر کے اس آواز کو للکارا۔ ''سوزی پلیز! اسے یہاں مت بلاؤ۔'' ہلیری نے سوزی کو ٹوکا کہ اچانک ہی ایک بھیانک شکل کی لڑکی حلق سے ڈراؤنی آوازیں نکالتی ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی ان تینوں کے منہ سے بے ساختہ چیخیں نکلنے لگیں۔ اس بھیانک لڑکی نے انہیں دھکا دے کر زمین پر گرادیا۔ اور پھر اپنا بایاں ہاتھ فضا میں بلند کیا۔ جس میں ایک چھری تھی وہ تینوں چلانے لگیں تب ہی وہ لڑکی اپنا سیدھا ہاتھ چہرے تک لے گئی اور اس نے اپنا ماسک اتار پھینکا۔ اب ان کے سامنے کوئی اور نہیں بلکہ لیز کھڑی تھی۔ ''کیا؟ لیزا تم؟'' شینا نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں میں۔ میں نے تم لوگوں کو بھوت بن کے ڈرایا۔'' لیزا نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''لیکن کیوں؟'' سوزی نے دریافت کیا۔

''کیوں سے تمہارا کیا مطلب ہے اتنی بھولی تو نہیں ہو تم لوگ۔ جب سے میں اس ہاسٹل میں آئی ہوں تم لوگ مجھے ڈراتی دھمکاتی رہتی ہو۔ تم لوگوں کی شرارتیں بند نہیں ہوتی تم لوگوں نے مجھے اتنا ستایا، اس کے باوجود بھی کہ میرا دل کمزور ہے اور میں اس کی دوائی بھی کھاتی ہوں میں نے تم لوگوں سے بدلہ لینے کی سوچی جس دن تم لوگ مجھے بھوت بنگلے میں لے کر گئیں میں نے طبیعت خرابی کا ڈرامہ کیا اور جب تم لوگ میرے پاس سے ہٹیں تو میں وہاں سے غائب ہوگئی میں تم لوگوں کو ڈرانا چاہتی تھی تم سے بدلہ لینا چاہتی تھی جیسا کہ تم لوگوں نے مجھے ستایا میرا انداق بنایا لیکن اب تم نہیں بچوگی۔'' اتنا کہہ کر لیزا ہاتھ میں چھرا لے کر آگے بڑھی تب ہی اچانک ایک لال بیگ لیزا کے ہاتھ پر گر گیا تو اس نے چیخ مار کے اسے ہٹایا لیکن اب اس کی طبیعت خراب ہو چکی تھی ویسے بھی کیڑے مکوڑوں سے تو اسے بے حد ڈر لگتا تھا وہ بری طرح ہانپ رہی تھی اس نے اپنا دل پکڑ رکھا تھا۔

لیزا، سوزی گھبرا کر چیخی اور پھر وہ تینوں جلدی جلدی اسے اس کی دوائی کھلانے لگیں دوائی کھانے کے بعد اس کی طبیعت سنبھلی۔ ''لیزا کیا ہم پھر سے دوست نہیں بن سکتے۔'' شینا نے پوچھا۔

''تم لوگ اس سب کے باوجود بھی مجھ سے دوستی کرنا چاہتی ہو کہ میں نے ابھی تمہیں جان سے مارنے کی کوشش کی۔'' لیزا نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہم تب بھی تم سے دوستی کرنا چاہتی ہیں غلطی سب سے ہوتی ہے تم اسے اگر غلطی ہوئی ہے تو ہم سے بھی ہوئی ہے ہم نے تمہارا اس طرح خیال نہیں رکھا جیسے ہمیں رکھنا چاہئے تھا۔'' سوزی نے کہا اور پھر ان تینوں نے لیزا کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ ''چلو لیزا ایک نئی شروعات کریں۔'' ہلیری نے کہا پہلے تو لیزا جھجکی لیکن پھر اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیا۔

رولوکا

تحریر: اے وحید

آخری قسط

وہ واقعی پراسرار قوتوں کا مالک تھا، اس کی حیرت انگیز اور جادوئی کرشمہ سازیاں آپ کو دنگ کر دیں گی

اور میں نے سرور کو مخاطب کیا سرور اپنے لئے کچھ سوچو اور زندگی کے اصول پر زندہ رہنے کے لئے عمل کرو۔ اس کا نام زندگی ہے تم جس لڑکی سے محبت کرتے ہو اسے دیکھتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ کیا وہ اس سے پہلے ہمارے لئے تکلیف دہ ثابت نہیں ہوئی۔ نسرین کی موت ایک بہت بڑا نقصان ہے جس کی کسی صورت بھی تلافی ممکن نہیں۔ ہر ایک لڑکی کو سلمٰی تصور کر لینا عقلمندی نہیں بلکہ غلطی ہے۔ ہم دونوں کافی دیر تک گفتگو کرتے رہے یکایک سرور نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ دادا اس چاند کو دیکھو خدا نے چاہا تو یہ کل مکمل بدر کا چاند بن جائے گا کل اس کی روشنی بھی اپنے عروج پر ہوگی اور پھر اسی رات میں نے ایک مہ جبین کو ان کھنڈروں میں سے گزرتے دیکھا چاندنی رات میں میری نظریں اس جانے والی کو کافی دور تک دیکھتی رہیں۔ چودھویں شب کا چاند کامل اپنی نورانی کرنیں زمین کی طرف پھینک رہا تھا۔ ہر طرف نور ہی نور پھیلا ہوا تھا۔ مگر میرے دل پر ہیبت طاری ہو رہا تھا۔ پھر سرور بولا۔ میں نے اپنے لئے سلمٰی کی آنکھوں میں موجزن سمندر دیکھا ہے ہم دونوں کے درمیان تقدیر کا منحوس سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ کوئی شیطانی قوت ہمارے خلاف کام کر رہی ہے کہ ہم آپس میں نہ مل سکیں لیکن میں ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ روح سلمٰی کی آمد نے میرے اندر نئی قوت بخش دی ہے۔ اس نے میرے ارادے میں مضبوطی اور یقین میں استقلال پیدا کر دیا ہے۔ گو وہ علیحدہ ہو چکی ہے مگر مجھے اس سے ملنے کا اشتیاق ہے۔ میں نے اس کی نم آلود آنکھوں میں پاک محبت کے شفاف چشمے ابلتے دیکھے ہیں۔ خواہ وہ ان دنوں اپنے جسم سے محروم کیوں نہ ہو...... لیکن میں اس کا قرب حاصل کرنے کی کوشش ضرور کروں گا۔ خواہ میری راہ کس قدر کٹھن کیوں نہ ہو۔ جو قدم سلمٰی کی تلاش میں آگے بڑھے گا وہ واپس نہ ہٹ سکے گا۔ میں سلمٰی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور بہت سی باتیں ہیں جو میں فی الحال زبان پر نہیں لا سکتا۔

(اب آگے پڑھیں)

"**روح** سلمٰی کی آمد نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ اس کے آنے اور بتلانے سے ایک بڑا راستہ کھل گیا ہے...... وہ تاریک پردہ جو آج تک میری آنکھوں پر پڑا ہوا تھا وہ اب اتر چکا ہے۔ دادا یقین کرو کہ اب میں سلمٰی کو اس کے اصلی خدوخال میں دیکھ رہا ہوں۔ اب میں جانتا ہوں کہ وہ کس قدر مضبوط ارادے کی عورت ہے۔ میں اس کے لئے سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ کامیابی یا ناکامی...... یہ سب مقدر کے پھل ہیں...... میں زندگی بھر اپنا کھیل ہنستے ہنستے کھیلتا رہوں گا۔"

☆......☆......☆

روح سلمٰی کی جستجو سے قبل سرور نے چاہا کہ وہ مجھے اپنا ذاتی اثاثہ دے کر خود سے علیحدہ کر دے۔ اس کے لئے وہ ایک پرونوٹ لکھنے کے لئے بھی آمادہ تھا۔ لیکن میں نے علیحدگی سے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ میں اب تک جس معزز خاندان سے وابستہ رہا ہوں۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں کسی قیمت پر بھی قطع تعلق نہیں کر سکتا۔ میں نے کہا سرور تمہارے دادا کو نہ دولت کی ضرورت ہے اور نہ آرام کی۔ میری نظر میں سونا پتھر کے برابر ہے۔ میں صرف ایک وفادار خادم کی طرح اپنی زندگی کے آخری ایام ان ہی قدموں میں گزار دینا چاہتا ہوں۔ میں نے مان لیا کہ آپ کی راہ کٹھن اور دشوار ہے۔ میں بوڑھا ہونے کے باعث شاید ان تکالیف کو برداشت نہ کر سکوں لیکن آقا زادے یہ ایک باوفا غلام کے امتحان کا وقت ہے۔ میں ہر مصائب برداشت

کروں گا۔ میں ان کمزور ٹانگوں سے برابر چلتا رہوں گا۔ تم مجھے اپنی ہر منزل پر شانہ بشانہ دیکھو گے...... میں نے چاہا تھا کہ آپ جھمیلوں سے بچ جائیں لیکن ہماری تقدیر میرے یاس انگیز منصوبوں پر ہنس رہی تھی۔ قسمت ہمارا مذاق اڑا رہی تھی چونکہ میری دانست میں آپ نے اب اپنا آخری قدم اٹھالیا ہے اور اس داؤ پر اپنا سب کچھ لگادیا ہے۔ ایسی حالت میں میرا آپ کے قدموں سے دور ہوجانا بہت ہی مشکل ہے۔ میں اپنی ایسے وقت میں علیحدگی کو اپنے لئے کلنک کا ٹیکہ سمجھتا ہوں۔ سرور...... خدا کے لئے ایسا مت کرو کہ میں روسیاہ ہوکر مروں۔''

''دادا۔ میں تو خوشی سے خود ہی اجازت دے رہا ہوں۔''

''لیکن میں اس بات کو کسی حالت میں بھی منظور نہ کروں گا، مروں گا تو آپ کے قدموں میں اور زندہ رہوں گا تو آپ کے سایہ میں میری ایسی موت بھی اچھی اور ایسی زندگی بھی اچھی۔''

غرض یہ کہ میں نے اس کو اس قدر مجبور کیا کہ سرور خاموش ہوگیا۔ ان دنوں ہم روح سلمٰی کی تلاش میں بصرہ کے قریب پہنچ چکے تھے۔

سرور کو یہی بتلایا گیا تھا کہ بصرہ کے جنوب کی طرف جو میدان پھیلا ہوا ہے...... وہاں سے بھٹکتی ہوئی روحوں کا گزر ہوتا ہے...... ابھی وہ میدان دو روز کی مسافت پر تھا۔

ایک رات جبکہ ہم ایک شاداب پہاڑی کے دامن میں ٹھہرے ہوئے تھے...... تھک چکے تھے۔ سرور کے لیٹ جانے کے بعد میں بھی آرام کررہا تھا۔

نیلے اور صاف آسمان پر چاند نکلا ہوا تھا۔ رات خاموش تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا موت نے اس رات دنیا کو اپنی آغوش میں لے کر غیر معمولی سکوت پیدا کردیا ہے۔

ستاروں بھرے آسمان پر شہاب ثاقب اس رات کثرت سے گزر رہے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا آتشی ناگ ایک دوسرے کا تعاقب کررہے ہیں۔ سرور اپنی عادت کے مطابق خاموش تھا۔ اسی لئے میں بھی خاموش پڑا آسمان کے آتشی کھیل دیکھ رہا تھا...... اچانک کسی عورت کی آواز نے اس رات کی گہری خاموشی کے طلسم کو توڑ دیا۔ سرور نے بھی اس کو سنا اور وہ بے تاب ہوکر مجھ سے پہلے ہی اٹھ بیٹھا۔

''دادا...... سنا تم نے......؟''

''ہاں کسی عورت کی آواز تھی...... ہوسکتا ہے کہ ہمارے قریب میں کوئی بھٹکتی ہوئی روح ہو۔''

دوبارہ پھر کسی نے اپنی درد بھری آواز میں کہا۔

''آجاؤ...... آجاؤ...... آجاؤ......''

''سنا؟'' سرور نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

''ہاں آواز بالکل صاف ہے اور زیادہ دور بھی نہیں ہے......''

سرور نے کہا۔ ''دادا ممکن ہے کہ روح کے بجائے کوئی مظلوم عورت کسی کو اپنی مدد کے لئے پکار رہی ہو...... آؤ اسے تلاش کریں۔''

''سرور رات کے وقت اس میدان میں جہاں روحوں کا قیام یقینی ہے ایسی باتوں کو اہمیت دینا دانشمندی نہیں۔ نہ جانے کس کی روح ہے اور کس حال میں ہے خدا معلوم وہ کس کے انتظار میں ہے اور کسے بلا رہی ہے۔''

''ہمیں ان باتوں کو نظر انداز کرکے اسے تلاش کرنا چاہئے...... آؤ اٹھو...... یقین ہے کہ ہم کو اس کی تلاش میں زیادہ دور نہیں جانا پڑے گا۔''

چنانچہ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر سرور کے ساتھ ہولیا۔

تیسری مرتبہ پھر وہی پر سوز آواز سنائی دی۔

''آجاؤ...... آجاؤ...... آجاؤ۔''

''دادا۔ اس طرف ہم کو چلنا چاہئے......'' اس نے پہاڑی کی طرف اپنی انگلی اٹھائی۔

ہم دونوں سامنے والی پہاڑی کی طرف روانہ ہوگئے۔ خیال تھا کہ کوئی عورت اسی کی پشت کی طرف موجود ہے...... چنانچہ ہم رات کی چاندنی میں اپنی

آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہر طرف دیکھتے اور آگے بڑھتے رہے یہاں تک ہم اس پہاڑی کے قریب پہنچ گئے۔ اس پہاڑی کے نچلے حصے کو توڑ کر کسی نے پتھر حاصل کئے تھے۔ ہم آگے بڑھتے رہے یکایک وہی آواز بالکل قریب سے بلند ہوئی۔ ''آجاؤ...... آجاؤ...... آجاؤ۔''

''اس طرف دادا...... اسی جگہ وہ ہوگی۔''

ایک تکونی چٹان دائیں طرف موجود تھی۔ آواز اسی کی پشت کی جانب سے بلند ہوئی تھی۔ چنانچہ ہم بڑی تیزی کے ساتھ اس طرف لپکے اور وہاں پہنچ گئے۔

دو بڑے پتھروں کے درمیان ایک عورت پڑی کراہ رہی تھی۔ چاندنی اپنی کرنوں سے اس کے تمام جسم کو اجاگر کر رہا تھا۔ اس کی دونوں آنکھیں بند تھیں۔ وہ زور زور سے سانس لے رہی تھی۔ یکایک اس کے ہونٹوں پر جنبش پیدا ہوئی اس نے کہا۔

''آجاؤ...... آجاؤ...... آجاؤ۔''

سرور جھکا ہوا بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''دادا...... ام الاجل......'' سرور چلایا۔

بڑھیا نے پھریری لی۔ اس کی دونوں آنکھیں کھل گئیں۔ چاندنی میں یوں معلوم ہو رہا تھا کہ گویا ان سے نور ضائع ہو چکا ہے۔ اس کے دونوں استخوانی بازو لرزتے ہوئے بلند ہوئے اور اس کے بعد اس نے کہا۔

''تم آگئے سرور......''

''ہاں۔ میں آگیا ہوں...... یہ کیا حال ہے۔''

''میں جا رہی ہوں بیٹا...... وہاں...... جہاں سے آئی تھی۔ جانا یقینی ہے بیٹھ جاؤ...... میرے پاس بیٹھ جاؤ...... گواہ رہنا...... لوگوں نے مجھے ام الاجل...... ہلاکت کی ماں یا موت کے نام سے یاد کیا ہے لیکن میں پھر بھی موت سے محفوظ نہ رہ سکی۔ میں جانتی ہوں کہ یہ کس کی شرارت تھی۔ میرے خلاف جس دشمن نے زہریلا پروپیگنڈا کیا میں اسی کی بدولت ان ناموں سے مشہور ہوگئی اور برابر لوگوں کے ہاتھ دکھ اٹھاتی رہی...... ہلاکت کا ذمہ دار ایک بوڑھا ہے۔ بوڑھا ناگ...... جس شیطان کی آنکھیں سانپ کی آنکھ سے مشابہ ہیں۔''

''میں جانتا ہوں اس شیطان کو...... وہ مجھ سے بھی مل چکا ہے۔ میرے لئے اس نے خودکشی کا مطالبہ کیا تھا وہ واقعی ابلیس کا چیلا معلوم ہوتا ہے......''

''بری موت مرے گا وہ بھی...... زہریلا ناگ ڈسنے سے باز نہیں رہتا...... لیکن س کا زہراب اس کے لئے بھی سم بن جائے گا۔''

اس نے اپنی زبان نکال کر اپنے سوکھے ہوئے ہونٹوں کو چاٹا۔ اس کے بعد اس نے کہا۔

''سمی رامیس سے ملاقات ہوئی یا نہیں......'' اس نے سرور کی طرف دیکھا......

''مل چکا ہوں...... وہ تو سلمٰی کے نام سے بار بار مل چکی تھی۔''

''...... سلمٰی...... سلمٰی...... ہاں وہی سمی رامیس تھی...... اسے بھی ہلاک ہونا پڑا...... لیکن سرور اس کی روح ابھی اس دنیا میں بھٹک رہی ہے۔ وہ بے چین روح ہے...... بے تاب روح...... سلمٰی ایک باوفا لڑکی تھی۔ اس کی روح سے بھی وفا کی امید رکھو۔ کوشش کرو...... تو روح سلمٰی سے بھی ملاقات ہو سکتی ہے۔ روح سلمٰی......''

''میں اسی کی تلاش میں ادھر آیا ہوں...... سنا ہے کہ بہت سی روحیں کسی شعلے کے گرد گھومتی ہیں اور ان گھومنے والی ارواح میں روح سلمٰی بھی موجود ہے۔''

''یقیناً ہے...... اور میری روح کو بھی اسی جگہ رہنا چاہئے...... سنو سرور میں تمہیں راز کی بات بتلاتی ہوں اسی لئے میں تمہیں یاد کر رہی تھی اور مرنے سے قبل مل لینا چاہتی تھی...... میں تھوڑی دیر کی مہمان ہوں صد شکر ہے کہ میری آرزو پوری ہوگئی۔ تمہیں سلمٰی کا انتظار کرنا چاہئے وہ دوبارہ ملے گی...... اور یقیناً ملے گی...... سرور اس بار تم نے اس غریب کو مظلوم اور ستم رسیدہ لڑکی کے روپ میں دیکھا ہے...... اس کی آواز میں سوز ہوگا۔ اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں غم پوشیدہ ہوں گے۔ اس کی آہوں میں جگر پاشیاں ہوں گی...... لیکن دوبارہ وہ اپنے پہلے روپ میں نہ ملے گی۔ روح سلمٰی پورے جلال کے عالم میں اس دنیا میں نمودار ہوگی۔ وہ ایک ایسی

چنگاری ہوگی جو دشمن کے خرمن حیا کو خاکستر کردے گی۔ وہ اپنی مظلومیت کے انتقام کے لئے اپنے رومان کی تکمیل کی خاطر اپنی محبت کی امنگوں کو بارآور دیکھنے کے لئے شعلہ جوالہ بن کر آئے گی......

روح سلمٰی یقیناً بدلہ لے گی اور تمہاری اس دنیا میں تہلکہ مچادے گی۔ تم اس کی واپسی کا انتظار کرو...... ضرور انتظار کرو۔ یہ گھڑیاں خواہ کس قدر طویل کیوں نہ ہوں۔ ان میں خلش بھی ہوتو برداشت کرو...... مگر سلمٰی کی واپسی کا انتظار کرو...... ایسا نہ ہو کہ وہ جلال بن کر آئے اور تمہیں تلاش کرے لیکن تم اسے نہ مل سکو اگر ایسا ہوا تو اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔ اس کی تمناؤں کا خون ہوجائے گا۔ اس کو پھر مدتوں تمہارا انتظار کرنا پڑے گا۔ وعدہ کرو کہ تم اس کے تصور میں ڈوب کر خود کو اس قدر جامد بنالو گے کہ دنیا کے بڑے بڑے انقلاب کائنات کے اثرات کچھ بھی تم میں تبدیلی پیدا نہ کرسکیں گے۔

اگر تم ٹھوس پتھر کی طرح اس کے تصور میں غرق ہو کر ایک جگہ پڑے رہے تو وہ خود تمہیں تلاش کرلے گی۔"

سرور نے کہا۔ "اے ماں میں نے تو محض اس کے لئے اپنا آرام بھی ترک کردیا ہے۔ میں ان دنوں بھی اسی روح کی تلاش میں ہوں۔"

"مت تلاش کرو...... اسے...... اس سے فائدہ کیا ہوگا...... سنو...... تم میں اور اس میں زمین آسمان کا بعد ہے...... بلا ضرورت خود کو خطرے میں مت ڈالو......"

اچانک پہاڑی پر سے ایک وزنی پتھر بڑی تیزی کے ساتھ لڑھکتا ہوا نیچے آیا اور وہ قریب المرگ ام الاجل کے سینے پر آ کر ٹھہرا۔

بڑھیا کی ہلکی سی چیخ بلند ہوئی...... ہم نے اس کے سینے سے اس پتھر کو اٹھایا۔

ام الاجل نے آخری مرتبہ سرور کی طرف دیکھا۔

"لو میں چلی...... میرا آخر سلام بچو...... آخری...... خدا حافظ......"

ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے دم توڑ دیا۔

پہاڑی کی چوٹی پر سے شیطانی قہقہے گونجے۔ "آ ہا ہا ہا...... قہ قہ قہ...... مرگئی...... مرگئی۔ آفت کی پرکالہ۔"

میں نے اور سرور نے اس طرف دیکھا...... وہی شیطان سیرت ناگ چشم بوڑھا کسی کوہستانی بھوت کی طرح اپنے دونوں بازو پھیلائے خوشی کا اظہار کررہا تھا۔

سرور نے غصے کی حالت میں پتھر اٹھا اٹھا کر اس طرف پھینکے۔

اس نے دوبارہ قہقہے لگائے اور وہ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے دوسری طرف کو چل دیا......

ام الاجل مرچکی تھی ہم دونوں نے اس کے لئے اسی جگہ قبر تیار کی اور اس میں اس کو لٹا کر اوپر سے بند کردیا۔ جس وقت ہم کام سے فارغ ہوئے رات ختم ہوچکی تھی۔ ہمیں س ناگ چشم بوڑھے کے خلاف بہت ہی غم وغصہ تھا کاش وہ ہم میں سے کسی کو بھی اگر مل جاتا تو نہ جانے اس سے کس طرح پیش آتے۔

سورج طلوع ہونے میں ابھی کچھ وقت باقی تھا۔ ہم آرام کرنے کے لئے دراز ہوگئے۔

دوپہر کے بعد میں بیدار ہوا۔ سرور ابھی تک بے خبر سورہا تھا۔ اسے اس حال میں سوتا دیکھ کر میرا دل پھٹا جارہا تھا۔ نہایت ہی ناز ونعم میں اس نے پرورش پائی تھی۔ لیکن آج اس کا وہی نازک جسم جو کبھی گدوں پر ہوتا تھا پتھروں پر پڑا تھا۔

میری آنکھوں سے آنسو گرنے لگے میں نے دونوں ہاتھ بلند کئے اور اس کے لئے دعا مانگی۔ "الٰہی اس پر رحم فرما...... اس کے غم اس کی تکلیف اور اس کی اذیت اب حد سے سوا ہوچکی ہے......"

میں نے ابھی اپنی دعا ختم نہ کی تھی کہ سرور نے آنکھیں کھول دیں۔ "کیوں دادا یہ کیسی دعا مانگی جارہی ہے؟"

"یوں ہی بیٹا......"

میں نے دعا ختم کرلی اور سرور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا۔ "دادا مجھے آپ سے آنکھیں چار کرتے شرم آتی ہے۔ واقعی آپ نے میرے لئے بہت تکلیفیں

اٹھائی ہیں...... خدا ہماری حالت پر رحم کرے۔"

میں نے کہا......

"سرور مجھے اپنی تکلیفوں کا کچھ خیال نہیں ہے۔ البتہ اس کا ضرور دکھ ہے کہ اس وقت تم خود تکلیفیں اٹھا رہے ہو۔ اب ان کا خاتمہ ہونا چاہئے۔"

"خاتمہ تو ضرور ہوگا۔ کبھی بھی کوئی ہمیشہ یکساں حال میں نہیں رہا۔" سہ پہر کے بعد ہم بصرہ کی طرف روانہ ہوگئے اور شام تک پیدل ہی چلتے رہے پھر ٹھہر گئے۔

جس میدان میں روحوں کی تلاش میں ہمیں پہنچنا تھا وہ اب زیادہ دور نہیں تھا۔ لیکن میں یہ ضرور سوچ رہا تھا کہ نہ جانے سلمٰی کی روح سے ملاقات ہوتی بھی ہے یا نہیں...... میں نے ام الاجل کی آخری باتیں سرور کو یاد دلائیں اور اس کو بتلایا کہ اس مرنے والی بڑھیا کے خیال کے مطابق آپ کا سلمٰی کی روح سے ملنا بے مقصد اور بے نتیجہ ہے۔ خود بڑھیا نے بی سلمٰی کی طرح تم کو اس کام سے روکنا چاہا ہے۔"

سرور نے کہا۔ "دادا اب وہ میدان زیادہ دور نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ ہماری آسانی سے ملاقات ہو جائے اگر ایسا ممکن نہ ہوا تو پھر دیکھا جائے گا۔"

☆......☆......☆

ہم نے بصرہ میں پہنچ کر ایک معمولی سا مکان کرایہ پر لے لیا تھا۔ کیونکہ ہم نہیں جانتے تھے کہ ہمیں یہاں ابھی کتنے عرصہ قیام کرنا تھا۔ سرور نے اس جگہ پہنچ کر اپنے اخلاق کا کچھ اس قسم کا مظاہرہ کیا کہ جو لوگ ہمارے پڑوس میں تھے وہ بہت جلد امید سے مانوس ہو چکے تھے ہمیں یہاں آئے اگرچہ پورا ایک ہفتہ گزر چکا تھا لیکن ہنوز اس میدان میں جو کہ جنوب کی طرف تھا۔ کسی روح سے ملاقات نہ ہوئی تھی وہ وقت جب کہ بادصرصر کے جھونکے تیزی سے گزرتے محسوس ہوتے اس ویران میدان میں بہت سے چرخ کھانے والے بگولے بھی نظر آ جاتے تھے سرور انہیں بغور دیکھنے لگتا لیکن یہ معلوم کرنا ہمارے لئے آسان نہ تھا کہ یہ بگولے ہیں یا بھٹکتی ہوئی ارواح یا کچھ اور ایک روز دوپہر کے وقت جب کہ ہم دونوں آفتابی تمازت سے بچنے کے لئے ایک درخت کے سائے میں بیٹھے لق و دق میدان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اچانک تین بگولے نمودار ہوئے اور وہ چرخ کھاتے ہوئے ایک طرف کو قطار کی صورت میں بڑھتے دیکھے گئے...... اچانک ہم نے رونے کی آواز سنی۔ اس وقت ہمارے پڑوس میں کوئی شخص بھی نہ تھا۔ سرور بے تابی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے میری طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے سنا دادا۔"

"ہاں کسی کے رونے کی آواز تھی۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ یقیناً کسی روح کی آواز ہے۔ دیکھئے نا اس جگہ تو کوئی بھی موجود نہیں ہے۔" وہ سی وقت ان ہی بگولوں کی طرف تیزی سے لپکا۔ میں نے اس آواز کو خاص اہمیت نہیں دی اور نہ اس پر یقین کیا کہ یہ بگولے روحیں ہیں۔

میں اپنی جگہ خاموش کھڑا ابھی غور ہی کر رہا تھا کہ اچانک ایک عجیب قسم کا خیال ذہن میں آ گیا۔ چنانچہ میں اپنی جگہ سے تیزی سے بھاگا اور اس قدر تیز بھاگا کہ سرور سے بھی آگے نکل کر ان بگولوں کے پاس پہنچ گیا۔ میرے ہاتھ میں دو پتھر تھے۔ سرور عقب میں چیخ رہا تھا۔ "کیوں دادا تم نے کیا دیکھا ہے؟"

میں نے سرور کو جواب دیئے بغیر ان دونوں پتھروں کو ایک ایک کر کے اپنی قوت کے ساتھ ان بگولوں پر کھینچ مارا۔

میرے دونوں پتھر بگولوں کے درمیان میں گھس کر شاید دوسری طرف نکل گئے تھے۔ میرا تجربہ کامیاب رہا۔ کیونکہ میں نے ہائے ہائے کی درد بھری آواز کو سنا۔ اور تینوں بگولے نہایت ہی تیزی و سرعت کے ساتھ دور ہوتے چلے گئے۔

سرور میرے پاس پہنچ چکا تھا۔ اس نے پشت کی طرف سے میرے دونوں کاندھوں کو پکڑ لیا۔

"دادا۔ واقعی عجیب خیال اس وقت تمہارے دل میں پیدا ہوا۔ اب ہم کو پوری طرح سے یقین ہو چکا ہے

کہ یہ ویران میدان ارواح کی عام گزرگاہ ہے۔ میرے خیال میں پتھر پھینکتے وقت کراہنے کی آوازوں کو آپ نے بھی سن لیا ہوگا۔ میری نظریں ان ہی بگولوں کے تعاقب میں تھیں۔" میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ایک قطار میں تینوں بگولے جو اس طرف بڑھ رہے تھے۔ ضرور روحیں تھیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے اپنا شبہ دور کرنے کے لئے ان کو صدمہ پہنچایا ہے۔"

سرور بھی اسی طرف دیکھ رہا تھا۔

ہماری چند دنوں کی کوشش کے بعد یہ بات تو پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اس میدان میں روحوں کا گزر ہے۔ لیکن نہ کسی روح کو اس کے اصلی روپ میں دیکھ سکے۔ اور نہ ان میں سے کسی سے ہم کلام ہو سکے تھے۔

چند دنوں کے بعد سرور نے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ اس نے بتلایا کہ اب وہ اسی راستہ پر ان کا تعاقب کرنا چاہتا ہے۔

میں نے سرور کو منع کیا اور اس کو یاد دلایا کہ خود سلمٰی اور ام الاجل نے اس کو ایسا کرنے سے منع کیا تھا۔ لہٰذا اسے اس قسم کی غلطی نہ کرنی چاہئے۔

اس وقت سرور کا چہرہ غصے میں تمتمایا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ "لیکن آخر اس میدان میں بگولوں کے دیکھنے سے ہمیں کیا حاصل ہوگا۔ اس طرح تو میں سلمٰی کی روح کو شناخت بھی نہ کرسکوں گا۔ کیونکہ میں ان دونوں چٹانوں کے درمیان پہنچ جاؤں۔ جہاں وہ شعلہ روشن ہے ممکن ہے کہ وہاں سلمٰی کی پاک روح سے بھی ملاقات ہو جائے۔"

میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "سرور خدا کے لئے ایسا نہ کرو۔ خود پر اور مجھ پر رحم کرو۔ شاید تمہیں یہ علم نہیں ہے کہ ہمارا ان روحوں سے راستہ مختلف ہے جو اپنا جسم چھوڑ چکی ہیں۔ وہ مقام ان کی پوشیدہ قیام گاہ ہے۔ وہاں پہنچ کر خلل انداز ہونا خطرہ سے خالی نہ ہوگا۔"

سرور نے کہا۔ "اتنی محنت کرنے کے بعد خطروں کے احساس کے باعث اس بڑے اور ضروری کام کو ادھورا چھوڑ دینا محض حماقت ہے..... حماقت۔"

میرے منع کرنے کے باوجود سرور اس طرف بڑھنے لگا۔ مجبوراً مجھے بھی اس کا ساتھ دینا پڑا۔ شام کے وقت جب کہ ہر طرف اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ ہم وہاں پہنچ گئے۔ جہاں پرانے معبدوں کے کھنڈر اور دیگر قسم کی ٹوٹی پھوٹی عمارتوں کے آثار موجود تھے..... مجھے یہ معلوم ہو چکا تھا۔ عہد قدیم میں اس مقام پر شہر پٹیرا موجود تھا اور اس کے عجائبات دنیا کے ہر حصے میں مشہور تھے۔ میں نے وہاں پہنچ کر بغور ہر شے کو دیکھا۔ چٹانوں کو کاٹ کاٹ کر پتھر حاصل کئے گئے تھے۔ اور اس جگہ ایسے گہرے گڑھے بھی تھے جن کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا تھا کہ کبھی یہاں زمین دوز مکان بھی تھے۔

چونکہ تاریکی بڑھتی جارہی تھی۔ اور ہم اس وقت ایک ایسے مقام پر پہنچ گئے تھے کہ جہاں کئی ہری گھاٹیاں بھی موجود تھیں۔ سرور کی ضد کے باعث ہم کو اس رات اسی جگہ ٹھہرنا پڑا۔

رات کے وقت ہم نے عجیب وغریب آوازوں کو سنا کبھی رونے کی آواز آجاتی تھی اور کبھی قہقہے بلند ہو جاتے تھے جوں جوں رات گزرتی جارہی تھی دہشت زدگی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ اس جگہ ہو کا عالم تھا ہم دونوں میں سے اس رات کسی کی بھی آنکھ نہ لگ سکی۔ کبھی اس جگہ گہری خاموشی طاری ہو جاتی تھی۔ اور کبھی طوفان سا برپا ہو جاتا تھا۔ خدا خدا کرکے رات ختم ہوئی سرور نے کہا۔ "دادا رات تو آپ نے بہت کچھ سنا ہوگا۔"

"ہاں بہت کچھ سن چکا ہوں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ بے شمار روحیں موجود ہیں۔"

بہت سی ٹوٹی پھوٹی قبریں بھی موجود تھیں۔ جنہیں دیکھ کر یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس شہر کو عرصہ تک قبرستان کی حیثیت سے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ نہ جانے یہاں سے کس قدر انقلابی سیلاب گزر چکے تھے۔

اندھیری رات کا ہیبت ناک نظارہ بڑے بڑے سورماؤں کا دل دہلا دیتا تھا۔ یوں تو وہاں بہت سی باتوں کو سنا جا چکا تھا لیکن ان میں سلمیٰ کی آواز ابھی تک سننے میں نہ آئی تھی۔

جب رات کا صرف ایک تہائی حصہ باقی رہ گیا۔ اس وقت ایک جگہ ہولناک سناٹا چھا گیا۔ ہم دونوں خاموش بیٹھے تھے۔ ابھی رات باقی تھی کہ ہم نے چند کتوں کی آوازوں کو سنا۔ اس وقت یوں محسوس ہوا کہ گویا وہ آپس میں کھانے کی کسی چیز کے لئے جھگڑ پڑے ہیں۔ اس وقت ہمارے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ کچھ دیر تک دلوں کو بے چین کردینے والی بھونکنے کی آواز برابر آتی رہی۔ اس کے بعد پھر سکوت طاری ہوگیا۔ خدا خدا کرکے رات کی سیاہی کم ہونے لگی۔ اور وہاں کی چیزیں دکھائی دینے لگیں۔ اس وقت ہوا بھی رکی ہوئی تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہر شے پر جمود طاری ہوگیا ہے۔ ہم اپنی جگہ سے اٹھے اور اس طرف کو بڑھنے لگے۔ جس طرف سے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں...... ایک کھڈ کے قریب پہنچ کر میں نے سرور کو بازو سے پکڑ کر روک لیا...... وہاں چند سیاہ رنگ کے کتے موجود تھے اور وہ کسی مردے کو لپٹے ہوئے تھے۔ میں نے آہستہ سے کہا وہ دیکھئے کتے کسی کی لاش کو کھا رہے ہیں۔''

سرور ٹھٹھک کر ٹھہر گیا۔ اور اس نے اس طرف دیکھا چند کتے مردہ لاش سے لپٹے ہوئے اس کا گوشت نوچ رہے تھے۔ اور تھوڑی بلندی پر بھوکے کوے شور مچا رہے تھے۔ کتوں نے لاش کا پیٹ پھاڑ ڈالا۔ سرور کی ہلکی سی چیخ نکلی۔

اس نے کہا۔ ''دادا وہی شیطان بوڑھا؟''

میں نے کچھ جھک کر اس طرف دیکھا...... واقعی اس کھڈ میں ناگ چشم بوڑھے کی لاش پڑی تھی جس کا پیٹ پھٹا ہوا تھا کتے اس کی تکا بوٹی کرنے میں مصروف تھے۔ لیکن ابھی اس شیطان کا منحوس چہرہ اس طرح سلامت تھا وہ اگر مر چکا تھا لیکن چشم ناگ کی طرح چمکنے والی دو آنکھیں اس کے چہرہ پر ابھی تک کھلی ہوئی تھیں۔

ہم نے بغور اس کی طرف دیکھا یوں معلوم ہوتا تھا کہ اس قابل رحم حالت میں بھی وہ ہمیں غیض وغضب کی حالت میں گھور رہا ہے۔

سرور نے دبی ہوئی آواز میں کہا۔ ''دادا یہ شیطان دوسروں پر موت و ہلاکت مسلط کرنے میں خوش ہوتا تھا لیکن اس وقت یہ خود موت کے بے رحم ہاتھوں میں پارہ پارہ ہورہا ہے۔ یقین ہے کہ یہ خطرناک کتے اس بوڑھے کی ہڈیوں کے سوا اور کچھ بھی نہ چھوڑیں گے۔''

میں نے کہا۔ ''بیٹا ام الاجل کا کہنا ٹھیک ثابت ہوا۔ اس نے مرتے وقت یہ پیشن گوئی کی تھی کہ ناگ چشم بوڑھا بھی زیادہ عرصہ زندہ نہ رہے گا...... جو اس نے کہا تھا وہ آج پورا ہوگیا۔ موت کا مطالبہ کرنے والا شیطان خود ہی بحالت کسمپرسی وادی ہلاکت میں پہنچ گیا اس وقت پر خدائی قہر اور آسمانی عذاب نازل تھا اس کی روح جہنم میں داخل ہوچکی ہوگی۔'' ہم دونوں سہمے ہوئے تھے۔ اس نظارہ کو دیکھ کر آگے بڑھنے لگے...... وہ دونوں پہاڑیاں جن کے درمیان تنگ راستہ جاتا تھا۔ اس وقت میرے سامنے تھیں سرور نے اس طرف انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''وہ دیکھو دادا۔ دونوں پہاڑیاں نظر آرہی ہیں......'' میں نے اپنی بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''واقعی دونوں پہاڑیاں نظر آرہی ہیں۔ لیکن میرا کہنا مانو تو بس اسی جگہ سے لوٹ چلو سلمیٰ اور ام الاجل کی ہدایت پر تمہیں عمل کرنا چاہئے۔''

''نہیں نہیں۔ میں محبت کے امتحان میں فیل ہونا پسند نہیں کرتا محض ایک مفروضہ خطرہ کے پیش نظر میں اپنی اس طویل مہم کو نامکمل چھوڑ دوں۔''

اس نے تیزی سے قدم اٹھانے شروع کردیئے۔ اس کے بشرے سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ ناراض ہوگیا ہے۔

میں نے دوبارہ سرور سے کہا۔ ''بیٹا اب بھی وقت ہے مجھے تو ان کو دیکھنے سے خوف معلوم ہورہا ہے۔ میں اس وقت اپنے ضمیر کی آواز سن رہا ہوں...... تم یقیناً خطرے کی طرف بڑھ رہے ہو۔''

”مجھے بڑھنا ہی چاہئے خطرہ تو کائنات کے ہر حصے میں پایا جاتا ہے......“

دونوں پہاڑیاں بھوتوں کی طرح خاموش کھڑی ہماری آمد کا انتظار کررہی تھیں...... دوپہر کے بعد جب کہ دھوپ تیز تھی۔ ہم وہاں پہنچ گئے...... میں نے اس کو ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھانے کی کوشش کی۔

”کچھ دیر آرام کرلو سرور...... اب ہم پہنچ تو گئے ہیں۔“

اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”دادا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا آپ تھک گئے ہیں، خیر بیٹھ جایئے۔“

میں تنے سے کمر لگا کر بیٹھ گیا۔ میرے پاس ہی سرور بھی بیٹھ چکا تھا۔ لیکن اس کی نظریں ان دونوں پہاڑیوں کی طرف لگی ہوئی تھیں وہاں نحوست سی برس رہی تھی اسی دوران میں ہم نے متعدد بگولوں کی اس طرف جاتے دیکھا۔

سرور پوری توجہ کے ساتھ ان چیزوں کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر تک ستانے کے بعد اس نے کہا۔ ”دادا اگر اجازت ہو تو میں گھوم آؤں ابھی آجاؤں گا ممکن ہے کہ سلمٰی کی روح سے ملاقات ہوجائے۔“

”لیکن اتنی عجلت کیوں ہے......“

”میں چاہتا ہوں کہ میری یہ مہم جلدی ختم ہوجائے میں اب تھک چکا ہوں اور گھبرا سا رہا ہوں...... جو ہونا ہے بس جلدی ہوجائے۔“ اچانک اس کا سر جھک گیا میں نے اس کو آہستہ آہستہ کہتے سنا۔

”یاسمین اللہ کو پیاری ہوگئی۔ نسرین نے بھی ہمارا ساتھ چھوڑ دیا۔ سلمٰی نے کچھ حق وفا ادا کیا تھا۔ لیکن وہ بھی میری اس منحوس زندگی میں میرا ساتھ نہ دے سکی۔ قصر احمر جل کر راکھ ہوگیا...... امید کا یقین دلانے والی ام الاجل بھی اس دنیا سے روٹھ کر خدا معلوم کہاں سدھار گئی ہے ایک ایک کر کے سب ساتھ چھوڑ گئے۔ لیکن میرا کام ابھی تک پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

میں نے کہا۔ ”سرور بیٹا میری بات مانو ان تمام جھمیلوں کو چھوڑ کر میرے ہمراہ اپنی اسی بستی میں واپس چلو۔ اور دوسری شادی کرلو۔ یہ کام کرانا میرا کام ہے مجھے امید ہے کہ جب تمہاری نئی زندگی شروع ہوگی تو غم و الم کی گھٹائیں خود بخود چھٹ جائیں گی۔

”شادی...... واہ دادا...... واہ۔ جب دل ہی بجھ گیا تو اس شادی سے کیا لطف حاصل ہوگا۔“

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا میں نے دوبارہ اس کو بیٹھانا چاہا۔ اس نے کہا۔ ”نہیں آپ آرام کریں...... میں جلد واپس آجاؤں گا۔“

اس وقت اس کے چہرہ پر عجیب کیفیت طاری تھی۔ اس کی آنکھیں یہ ظاہر کررہی تھیں کہ گویا وہ کسی گہری فکر میں ڈوبا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ آگے بڑھا۔ اس کے بعد میں بھی اس کے عقب میں چل پڑا۔ جس وقت ہم دونوں ان پہاڑیوں کے درمیان میں سے گزر کر آگے بڑھے اس وقت مجھے یوں محسوس ہوا کہ گویا ہم کسی گرم مقام سے نکل کر اچانک سرد خانے میں پہنچ گئے ہیں۔ سرور کی نظریں سامنے ہی لگی ہوئی تھیں۔ اس جگہ موت کی گہری خاموشی طاری تھی۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ کہیں کہیں بھدی شکل والے ایسے پرندے نظر آتے تھے کہ جن کی آنکھیں دیکھ کر دہشت ہوتی تھی۔ کسی بوڑھے جھینگر کی نہ ختم ہونے والی پراسرار آوازیں جن کو سن کر اگرچہ میرے پاؤں ڈگمگانے لگے تھے۔ لیکن سرور ان چیزوں سے بے پرواہ تھا۔ وہ چپ چاپ بہت ہی سرعت کے ساتھ بڑھتا جارہا تھا۔

ایک گھنٹے کے بعد ہم اس مقام پر پہنچ گئے جہاں سے تنگ راستے کا آغاز ہوتا تھا۔ میں نے آگے کی طرف دیکھا ادھر دھواں دھواں سا دکھائی دیا یوں معلوم ہوتا تھا کہ آج یہ تنگ راستہ تاریک ہوجائے گا۔

اس جگہ پہنچ کر سرور کی رفتار اس قدر تیز ہوگئی کہ میرے لئے اس کا ساتھ دینا دشوار ہوگیا جب ہم دونوں کے درمیان فاصلہ بڑھنے لگا تو میں نے بھاگنا شروع کردیا۔ اس طرح ہم نے اس تنگ راستہ کا ایک فرلانگ کے قریب حصہ طے کرلیا اچانک سرور نے ایک روشنی کی

طرف اشارہ کیا۔ میں نے بھی کافی فاصلے پر نارنجی رنگ کے ٹمٹماتے ہوئے شعلے کو دیکھ لیا۔ اس وقت پھر سکوت طاری تھا کہ کائنات کی ہر شے پوری طرح منجمد ہو کر رہ گئی ہے۔ میرے دل کی دھڑکن زوروں پر تھی شعلے کی روشنی نے میرے خطرہ کو پورے شباب پر پہنچادیا تھا...... اس طرف سے ایک فاختہ کو پرواز کرتے دیکھا۔ جو آگے جا کر نہ جانے کہاں گم ہوگئی۔

''مت آؤ اس طرف مت آؤ''

اس غیر متوقع آواز کی دہشت سے میں گھبرا کر گر پڑا۔ سرور نے میرے گرنے پر بھی پلٹ کر نہیں دیکھا۔ میں خود ہی وہاں سے اٹھا فاصلہ بڑھ چکا تھا۔ دوبارہ پھر کسی نے کہا۔ ''اس طرف مت آؤ''

''رک جاؤ سرور۔ خدا کے لئے رک جاؤ۔ کیا پہچانتے نہیں کہ یہ سلمٰی کی آواز ہے وہی لہجہ ہے۔''

''ہاں دادا۔ سلمٰی کی آواز ہے۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ وہ اس وقت اسی جگہ موجود ہے۔ اب شعلے اور سرور کے درمیان کچھ زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر تیزی سے بھاگا۔ ایک منحوس تاریک مقام میرے سامنے تھا اور شعلہ بھی ٹمٹما رہا تھا...... میں سرور سے لپٹ گیا۔ ''خدا کے لئے اسی جگہ ٹھہر جاؤ بیٹا۔''

''مجھے چھوڑ دو دادا۔ مجھے چھوڑ دو۔'' وہ چیخا۔

''نہیں نہیں۔ میں کسی حالت میں بھی تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔'' میں نے خوشامد کی۔

''گستاخی معاف...... اس نے بڑی سختی کے ساتھ مجھے اس طرح دھکیلا کہ میں گر پڑا...... وہ آگے بڑھ گیا۔

پہاڑ پر گڑگڑاہٹ کی آواز بلند ہوئی۔ اچانک میرے اور سرور کے درمیان ساتھ والی چٹان کا بڑا حصہ آپڑا...... میں بدحواس ہوگیا...... میں نے چٹان پر چڑھنا شروع کیا۔ تاکہ میں خود کو سرور کے پاس پہنچادوں۔ میں اوپر پہنچ گیا۔ سرور کافی آگے جا چکا تھا اور پراسرار شعلہ رقص کر رہا تھا...... میں اسی جگہ سے چلایا۔ ''خدا کے لئے سرور ذرا ٹھہر جاؤ۔ مجھے بھی اپنے پاس پہنچ جانے دو۔'' میں نے دوسری طرف اترنے کی کوشش کی...... گڑگڑاہٹ کی آواز اس مرتبہ اور شدت کے ساتھ سنائی دی۔

میں کود پڑا۔ اس کے فوراً ہی بعد میں نے سرور کی دردبھری چیخ کو سنا۔ گھبرا کر سامنے کی طرف دیکھا شعلہ اس کے سر پر معلق تھا۔ اور اس کا قد تاڑ کے درخت کی طرح تیزی سے بلند ہو رہا تھا...... یہ ایک ایسا ہوش ربا نظارہ تھا کہ جس پر میں یقین نہ کرسکا۔ خیال ہوا کہ یا تو میرا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ اور یا پھر میں فریب نظر کا شکار ہوگیا ہوں۔ میں نے اپنی دونوں آنکھوں کو ملتے ہوئے دوبارہ اس طرف دیکھا۔ سرور کئی گز لمبا ہو چکا تھا۔ وہ پھیل رہا تھا۔ میں نے دوبارہ اس کی چیخ کو سنا۔

''میں آیا میرے بیٹے ...... یہ کیا ہو رہا ہے خداوندا......''

''دادا مجھے معاف کر دینا...... الوداع...... خدا حافظ......''

''محبت کی بقا کے لئے...... فنا کو اپنا رہا ہوں دادا۔''

اس وقت میری آنکھیں پھٹی جا رہی تھیں۔ دل ڈوبا جا رہا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ گویا میرے ہاتھ پاؤں کا دم نکلنے والا ہے۔ یکایک نارنجی شعلے کا رنگ سبزی مائل ہوگیا۔ اور میں نے اپنے نور نظر لخت جگر سرور کو کسی بوائلر کی طرح پھٹتے دیکھا۔

میں نے دونوں ہاتھوں سے اس روح فرسا منظر کو دیکھ کر چہرہ ڈھانپ لیا۔ اس کے گرنے کا دھماکہ سنائی دیا۔ میری چیخ نکل گئی۔ ہاتھوں کو ہٹا کر اس طرف دیکھا سرور گر چکا تھا وہ بے حس وحرکت اور خاموش تھا، میں نے بھاگ کر اس کے پاس پہنچنے کی کوشش کی لیکن اس سے پہلے ہی ایک زوردار دھماکے کے ساتھ دونوں چٹانیں پھٹ گئیں۔ ایک پتھر میرے سر پر لگا اور میں بے ہوش ہوگیا۔

☆......☆......☆

دوسرے روز میں امدادی کیمپ میں تھا۔ سر پر پٹی چڑھی ہوئی تھی۔ میرے علاوہ اس کیمپ میں اور بھی زخمی

آدمی موجود تھے۔ جو اسی پہاڑی حصے کے دوسری طرف رہائش رکھتے تھے۔ دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ اس جگہ ایک پرانا چھوٹا سا آتش فشاں پہاڑ تھا۔ جو کل ٹھیک شام کے پانچ بجے پھٹ گیا ہے اس حادثے میں قریب قریب دوسو آدمی ہلاک اور سینکڑوں زخمی ہوگئے ہیں میں اسی حالت میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ ڈاکٹر تیزی سے میرے پاس پہنچ گیا......''آپ لیٹے ہیں ابھی لیٹے رہیں۔''

''ڈاکٹر میں اپنے اس لڑکے کی تلاش میں ہوں جو چٹانوں کے درمیان والے تنگ حصے میں داخل ہوگیا تھا...... میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''اوہ...... وہ...... وہ تو مرگیا...... بڑے میاں اب صبر کرو۔ البتہ اس کی لاش ابھی تک محفوظ ہے۔''

''مجھے اس کے پاس پہنچادیجئے۔''

''آیئے......'' ڈاکٹر مجھے اپنے ہمراہ لے کر ایک مقام پر آ گیا۔

''آہ...... اس جگہ میرے سرور کی لاش بے گور و کفن ابھی تک پڑی ہوئی تھی۔ اس کا دبلا پتلا جسم کئی گنا لمبا نظر آ رہا تھا۔ وہ جگہ جگہ سے پھٹ گیا تھا...... سرور کی شکل اس قدر تبدیل ہو چکی تھی کہ اس کا پہچاننا مشکل تھا۔ اس کا لباس تار تار ہو چکا تھا۔ چار ڈاکٹر اس کی لاش کا معائنہ کرنے میں مصروف تھے...... میں اس پر گر پڑا اور اس کے منور چہرہ کو چومنے لگا۔ بڑے ڈاکٹر نے مجھے جبراً کھینچ کر اس لاش سے علیحدہ کردیا۔

کچھ دیر بعد میں نے اپنے حواس درست کرتے ہوئے پوچھا۔ ''یہ کیا ہوا ڈاکٹر؟ اس کا قد اس قدر کس طرح بڑھ گیا۔ اس کا جسم پھٹ کیسے گیا......''

ڈاکٹر نے افسردگی کے لہجے میں کہا۔ ''بڑے میاں یہ اس مقام پر اپنی غلطی سے خود ہی چلا گیا تھا کہ جہاں ہوا کا دباؤ صفر کے برابر تھا۔ کسی ایسے مقام پر جہاں ہوا کا دباؤ صفر کے برابر ہو۔ ہر جسم کا یہی حشر ہوسکتا ہے۔ زلزلے نے وہ جگہ بھی تباہ کردی ہے۔ ہم بمشکل تمام وہاں سے اس لاش کو نکال کر لاسکے ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''تو پھر اس کا جسم کیونکر سلامت رہا......''

ڈاکٹر نے اپنا ہیٹ اتارتے ہوئے کہا۔ ''میں نے ابھی بتلایا ہے کہ نا کہ آتش فشاں پہاڑ کے پھٹنے سے زلزلہ آ گیا تھا جس کے باعث وہ حصہ تباہ ہوگیا۔ اب وہاں ہوا کا دباؤ معمول کے مطابق ہو چکا ہے۔''

سرور کی موت جن عجیب اور حیرت ناک ماحول میں ہوئی۔ میں اسے کبھی بھی فراموش نہ کرسکا۔ اس بڑے خاندان کا آخری چراغ بھی میرے سامنے گل ہوگیا۔ جس کے ساتھ میں عہد میں وابستہ ہوا تھا۔

مرحوم سرور کو اس ہلاکت انگیز خطرہ سے بچانے کے لئے میں نے پوری پوری کوشش کی۔ اس کا غصہ بھی برداشت کیا ناراضگی بھی مول لی۔ لیکن اس کے باوجود میں اسے محفوظ نہ رکھ سکا اس غریب کی موت پر آپس کے مشورے کے بعد ڈاکٹروں نے یہی رپورٹ پیش کی کہ متوفی سرور ایک ایسے مقام پر پہنچ جانے کے باعث ہلاک ہوگیا۔ جہاں ہوا کا دباؤ صفر کے برابر تھا۔

تیسرے روز اس کو دفنا دیا گیا۔ میں نے اس کی یاد قائم رکھنے کے لئے اس کا خوب صورت مقبرہ بنوا دیا۔ چند دنوں کے بعد مجھے یہ معلوم ہوگیا کہ اس سے قبل فرداً فرداً کچھ اور لوگ بھی اس مقام پر پہنچ کر اسی طرح ہلاک ہو چکے تھے اور ان کے متعلق بھی ڈاکٹر صاحبان کی یہ ہی رائے تھی۔

اور پھر وہ غمزدہ روح اپنی درد بھری روداد سنا کر اونچی آواز میں سسکنے لگی تو رولوکا نے اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا اور گویا ہوا۔ ''محترم روح اب خاموشی اور صبر کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ جو لوگ چشم پوشی سے کام لیتے ہیں وہ خود کو ہلاکت میں ڈال لیتے ہیں۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔ اگر دیکھا جائے تو سرور نے خود کو ہلاکت میں ڈالا۔ خیر میں آپ کے سکون کے لئے دعا کرتا رہوں گا۔'' اتنے میں اذان فجر سنائی دی تو وہ روح اچانک غائب ہوگئی اور رولوکا اس جگہ سے واپس آ گیا۔

☆......☆......☆

رات کے دو بجے کا وقت تھا۔ میری بھابھی کچن سے پانی پی کر نکلی تھیں۔ میں بھی واش روم جانے کی غرض سے اٹھی تو کمرے کی کھڑکی میں ان پر نظر پڑ گئی۔ میں کھڑکی کی اوٹ سے ان کا بغور جائزہ لینے لگی۔ وہ بہت دھیمے دھیمے انداز میں چل رہی تھیں۔ اور سارے ماحول میں عجیب سی تیز تیز سانس لینے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میرا کمرہ بھابھی کا کمرہ اور کچن تقریباً آمنے سامنے تھے۔ اور کھڑکی کی اوٹ سے وہ مجھے بالکل واضح طور پر دکھائی دے رہی تھیں۔ میری نظروں نے کچن سے کمرے تک بھابھی کا تعاقب کیا ویسے تو کسی کی ٹوہ میں رہنا انتہائی غیر اخلاقی حرکت ہے اور پھر میری بھابھی تو تھیں بھی بہت ملنسار، ہنس مکھ، پیار کرنے والی، ہمدرد، ذمہ دار لیکن جب سے وہ اس گھر میں بیاہ کر آئی تھیں میں نے عجیب عجیب باتیں محسوس کی تھیں جس نے مجھے ان کی ٹوہ میں لگا دیا تا۔

سب سے پہلی بات تو یہ کہ ان میں بھابیوں والا تو شاید مادہ ہی نہ تھا۔ تقریباً سب بھابھیاں ہی آپ کے بھائیوں کو گھر کے اچھے برے باتوں کی شکایتیں لگاتی ہیں۔ ساس اور نندوں سے جھگڑا کرتی ہیں۔ جیٹھانی یا دیورانی کے رشتے کو خوب زور و شور سے دشمنی ڈال کر نبھاتی ہیں یا پھر انہی رشتوں میں اپنے مفاد کے لئے کبھی دوست بھی بن جاتی ہیں۔ کبھی گھر کے کاموں پر بھی جھگڑا ہو جاتا ہے۔ کبھی کچن کی ذمہ داریوں سے جان چھڑانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

غرض کوئی نہ کوئی تماشا چلتا ہی رہتا ہے۔ لیکن ہمارے گھر میں ایسا کچھ بھی نہ تھا۔ یعنی میری تین بھابھیاں تھیں۔ چھوٹی دو بھابھیاں لڑاکا تھیں لیکن بڑی بھابھی کا مخلصانہ رویہ ہمیشہ انہیں بھی راہ راست پر لے آتا تھا۔ بڑی بھابھی نے کبھی کسی سے جھگڑا نہ کیا کبھی کوئی آرزو نہ کی کھانے پر اعتراض نہ کیا، ہر کام کو دل و جان سے آگے بڑھ کر کیا۔ کبھی کسی کے منہ کی طرف نہ دیکھا کہ کوئی دوسرا کام کرے وہ تھک گئی ہیں۔

رشتوں کا احترام کیا، بڑوں کو عزت دی،

فرمان خدا

اے لوگو! نیکیوں کا حکم دیتے رہو۔ برائیوں سے روکتے رہو قبل اس کے کہ وہ وقت آئے جب تم مجھ سے دعائیں کرو اور میں تمہاری دعائیں قبول نہ کروں۔ تم مجھ سے مانگو اور میں تمہیں نہ دوں تم مجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں۔ (القرآن)

(عبدالجبار رومی انصاری۔ قصور)

چھوٹوں سے پیار کیا، میں تو کبھی کبھی ان کے اس سارے رویے کو دیکھ کر اپنے باقی گھر سے کچھ زیادہ ہی حیران ہو جاتی تھی۔ اتنا پیار تو کوئی اپنے سگوں سے بھی نہ کرتا ہوگا۔

بہر حال جو بھی تھا میں خوش تھی کہ سب اچھے سے ہو رہا ہے لیکن چار پانچ ہفتوں سے گھر میں عجیب و غریب واقعات ہو رہے تھے۔ ایک دفعہ رات کے بارہ بجے کا وقت تھا جب میں نے دیکھا کہ باہر صحن میں وہ کھڑی کسی سے باتیں کر رہی ہیں۔ لیکن باتوں کی آوازیں تو تھوڑی بہت آ رہی تھیں۔ لیکن دوسرا کوئی ذی روح ارد گرد نظر نہ آ رہا تھا۔ میں نے بہت جائزہ لیا۔ بہت غور کیا لیکن سب کچھ میری سمجھ سے باہر تھا۔ میں نے اس حوالے سے گھر میں کسی سے بات نہ کی کہ سب خواہ مخواہ پریشان ہو جائیں گے۔ یوں بھی گھر کا ماحول اتنا پرسکون تھا کہ میں وہ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

پھر ایک رات یوں ہوا کہ سب سوئے تھے میں نے خود بھابھی کو صحن میں چلتے پھرتے ہوئے اپنے کمرے میں جاتے دیکھا۔ میں نے سوچا کہ شاید وہ واک کر رہی ہیں اور پھر کچھ دیر بعد وہ اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ ان دنوں احسن بھائی کسی کام کے سلسلے میں اٹلی گئے ہوئے تھے۔ میں کچھ دیر بعد اٹھ کر بھابھی کے کمرے کی طرف گئی۔ دروازے کو ہلکا سا دھکا دیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا، میں مایوس لوٹ رہی تھی کہ اسی کمرے میں کھڑکی کی اوٹ سے مجھے روشنی کی ایک لہر نظر آئی۔

کمرے کی کھڑکی کھلی تھی۔ میں آہستہ آہستہ کمرے کی کھڑکی کی طرف بڑھ کر اندر کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ میری بھابھی کمرے میں کھڑی کسی نامعلوم سائے سے باتیں کررہی تھیں۔ میں نے دیکھنے کی بہت کوشش کی لیکن مجھے سوائے سائے کے کچھ نظر نہ آیا پھر چند لمحے بعد میں نے جومنظر دیکھا میری تو گھگھی بندھ گئی۔

بھابھی بغیر قدم اٹھائے جس جگہ کھڑی تھیں بغیر ہلے دیکھتے ہی دیکھتے بستر پر نیم دراز ہوگئیں۔ بس میں نے انہیں ایک لمحہ وہاں کھڑے دیکھا اور پھر دوسرے لمحے میں بستر پر لیٹے ہوئے پایا۔ نیند کی وجہ سے میری آنکھیں چندھیانے لگیں۔ سب کچھ میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ میں نے یہی سوچ کر ذہن کو جھٹک دیا کہ شاید نیند کے عالم میں مجھے ایسا محسوس ہوا ہے۔

ایک دن بھابھی بازار ضرورت کا کچھ سامان لینے گئیں۔ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ ان کے جانے کے بعد میں نے خود دروازہ بند کیا۔ میں گھر کے کام کاج میں مصروف تھی۔ چھوٹی دونوں بھابھیاں اپنے میکے گئی ہوئی تھیں۔ دو گھنٹے گزر گئے۔ بھابھی نہ آئیں، میں گھر میں اکیلی تھی نہ بھابھی آئیں اور نہ میں نے دروازہ کھولا ،میں کسی کام سے بھابھی کے کمرے میں گئی تو وہ اپنے کمرے میں سوئی ہوئی تھیں۔ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ میں انہیں تیزی سے جھنجھوڑنے لگی۔

''بھابھی آپ کب آئیں؟ میں نے تو دروازہ نہیں کھولا۔''

وہ آرام سے مسکرا کر کہنے لگیں۔

''پڑوسیوں کی چھت سے آئی ہوں۔ راستے میں باجی رضوانہ نے اندر بلا لیا۔ تھوڑی دیر ان کے ہاں بیٹھی تو سوچا کہ شاید تم سو نہ گئی ہو۔ دن کا وقت ہے تو چھت سے چلی آئی۔ کیوں خیریت؟'' بھابھی ساتھ والی کا حوالہ دیتے ہوئے بولیں۔

''ہاں خیریت، آپ کافی دیر تک گھر نہیں آئیں تو میں پریشان ہوگئی اس لئے پوچھ رہی تھی اور آپ کے کمرے میں دیکھنے چلی آئی۔

میں نے بہانہ بنا کر ٹال دیا اور کمرے سے باہر آ گئی۔ باہر آ کر میں نے چھت کے دروازے کی طرف دیکھا تو وہ بند تھا لیکن میں ان سے مزید کوئی بات نہ کر سکتی تھی کیوں کہ اگر میں یہ کہتی کہ بھابھی دروازہ تو بند ہے تو انہوں نے جواب میں یہ کہہ دینا تھا کہ انہوں نے آنے کے بعد بند کر دیا تھا۔ پہلے کھلا تھا اور میں یقین سے نہیں کہہ سکتی کیونکہ چھت پر آنے جانے کے دوران شاید لاپروائی ہوگئی ہو اور باجی رضوانہ سے پوچھنا بے کار سی بات تھی کیونکہ وہ بھابھی کی کافی کلوز دوست تھیں۔ انہوں نے بھی یہ ہی کہہ دینا تھا کہ بھابھی ان کے یہاں آئی تھیں اور پھر چھت سے ہی نیچے گئی تھیں۔ میں عجیب سی کشمکش کا شکار تھی۔ بھابھی کچن کا کام کرتیں تو منٹوں میں کئی کئی کھانے تیار ہو جاتے، تھوڑی دیر میں وہ سارے گھر کی جھاڑ پونچھ، صفائیاں اکیلے ہی کر دیتی تھیں اور کبھی کسی پر اعتراض نہ کرتیں۔

☆......☆......☆

اگست کا آخری ہفتہ چل رہا تھا اور آج کل لوگ روزوں کی روٹین سے ہٹ کر اور عیدالفطر سے فارغ ہو کر نیند کے مزے لوٹنے میں مصروف رہتے۔ رات کو ذرا دیر سے بھی سوتے تو صبح سویرے اٹھنے کی ٹینشن نہ ہوتی۔ رمضان المبارک اور عیدالفطر یوں تو خیر و عافیت سے گزر گئے تھے لیکن ہر ایک کے حالات اتنے ٹھیک نہ تھے۔ ہر ہفتے کوئی نہ کوئی انہونی ہو رہی تھی۔

ایک دن تو حد ہی ہوگئی۔ میں نے دیکھا کہ آدھی رات کا وقت تھا اور بھابھی گھر کا دروازہ کھول کر کہیں باہر جا رہی تھیں۔ میں سخت حیران ہوئی کہ اس وقت ایسا کون سا کام ہے جو وہ آدھی رات کو اکیلی گھر سے باہر جا رہی ہیں۔ میں بھی ان کے پیچھے چل پڑی۔ میں دبے دبے پاؤں ان کے پیچھے جا رہی تھی۔ لیکن انہوں نے بالکل بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ شاید انہیں اپنے پیچھے میری موجودگی کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔ حالانکہ ان کے پیچھے چلنے کے دوران مجھے اینٹ سے ٹھوکر بھی لگی۔ بھابھی نے ادھر ادھر مڑ کے بھی

دیکھا۔ میں ایک دیوار کی اوٹ میں اپنا وجود سمیٹ کر کھڑی ہوگئی۔ پھر وہ دوبارہ سے پہلے والی سمت چلنے لگیں۔ یہاں تک کہ وہ چلتے چلتے اپنے گھر کی سڑک سے نکل کر باہر والی سڑک پر چلتے چلتے اس جگہ جا کھڑی ہوئی تھیں جہاں پر یہ سڑک ایک چوراہے پر جا کر ختم ہوتی تھی۔ یہاں سے چار سڑکیں مختلف سمتوں کو نکل رہی تھیں۔ میری تو ایک دفعہ سرسری نظر بھابھی کے بالوں پر پڑی۔ ان کے بال کھلے تھے اور سر پر دوپٹہ بھی نہ تھا۔ مجھے ان کے بال ضرورت سے زیادہ لمبے محسوس ہوئے۔ لیکن یہ بات اس وقت میرے لئے اتنی اہم نہ تھی جتنا کہ بھابھی کا اس وقت گھر سے نکل کر بیچ چوراہے میں آ کر کھڑا ہونا تھا۔

مجھے شک سا ہونے لگا کہ بھابھی کو کہیں رات کو سوتے میں چلنے کی عادت تو نہیں ہے۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کیونکہ وہ پہلے بھی ایک دو دفعہ ایسا کر چکی تھیں۔ اب اس چوراہے کے بیچوں بیچ کھڑے ہو کر ہماری ایک دوسرے سے چھپنے کی کوئی وجہ نہ بنتی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر بھابھی سے ساری صورتحال جاننے کی کوشش کی۔ اس سے پہلے کہ میں ان کو چھوتی وہ ایک دم میری طرف مڑ پڑیں۔ بس ان کے مڑنے کی دیر تھی اور میری حالت یوں تھی جیسے میرے جسم سے آخری سانس تک بھی نکل گئی ہو۔ وہ میری طرف دیکھ رہی تھیں اور میرا وجود جو چند لمحے پہلے ساکت ہوگیا تھا زور زور سے تھرتھرانے لگا۔

☆......☆......☆

اس علاقے میں یہ پانچواں واقعہ تھا اور تقریباً چھ ہفتوں سے لگاتار رات کے آدھے پہر کسی نہ کسی گھر کی ایک جواں سال لڑکی اچانک غائب ہوجاتی۔ سارے شہر میں تلاش کیا جاتا۔ ہر جگہ جہاں عقل کام کرتی پتہ کروایا جاتا لیکن کچھ بھی پتہ نہ چلتا۔ رات بھی ہفتے کی ہوتی تھی۔ سارا شہر عجیب الجھن کا شکار تھا۔

ایسا کیوں ہو رہا تھا۔ کچھ پتہ نہ چل سکا تھا۔ پہلے پہل تو اتنا شور شرابہ نہ ہوا لیکن جب معاملہ ہفتہ وار روٹین بن گیا اور ہر ہفتے کی رات کے آدھے پہر لڑکی غائب ہوجاتی اور پھر لاکھ ڈھونڈنے سے بھی پتہ نہ چلتا کہ آخر لڑکی کدھر گئی۔ زمیں کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ سارا علاقہ سخت پریشانی میں گھرا ہوا تھا کہ جواں سال کی لڑکی ہی کیوں؟ اور اس کے لئے ہفتے کا دن ہی کیوں مخصوص ہے؟ اور وہ بھی پانچ چھ ہفتوں سے لگاتار تواتر سے ایسا ہو رہا تھا۔

سب لوگ پریشان تھے کہ آخر کون سی ایسی طاقت ہے جو یہ کام کر رہی ہے۔ ہر ایک کے ذہن میں سوال تھا کہ جو کوئی بھی ایسا کر رہا ہے اس بات کے پیچھے اس کا خطرناک مقصد کیا ہے۔

☆......☆......☆

''کک...... ک...... کو...... کون ہو تم......؟''

میرا وجود جو اس بھیانک چہرے کو دیکھ کر بالکل ساکت ہوگیا تھا۔ اب خوف کے مارے تھرتھر کانپنے لگا تھا۔ سارا علاقہ اس وقت سنسان تھا۔ چوراہا ہونے کے باوجود رات کے اس پہر جب دو ڈھائی کا ٹائم تھا۔ سڑک چاروں طرف سے سسان تھی۔ بہت ہی کم ٹریفک تھی۔ کافی دیر بعد کوئی ایک آدھ ٹرک یہاں سے گزر رہا تھا۔ سارا شہر سائیں سائیں کر رہا تھا۔

''تمہاری بھابھی اور کون......؟'' وہ بولیں اور میری آنکھوں کے سامنے سے جیسے اندھیرا گزر کر روشنی ہوگئی تھی۔ میرے سامنے میری بھابھی کھڑی تھیں اور وہ بھیانک چہرے والی بلا یا عورت نجانے کدھر چلی گئی تھی۔ بہر حال وہاں پورے علاقہ میں میرے اور بھابھی کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ تو پھر وہ کون تھا؟ میں کچھ سمجھ نہ پائی تھی۔ ہاں البتہ بھابھی کو اپنے سامنے پا کر میرے کچھ حواس بحال ہوئے تھے۔ ورنہ میں تو بے ہوش ہی ہونے والی تھی۔ لیکن کئی سوال اس وقت ذہن و دل پر سوار تھے اور میں پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

''بھابھی آپ رات کے تقریباً ڈھائی بجے کا وقت ہو رہا ہے اور آپ یہاں بیچ چوراہے میں، وہ بھی اکیلی۔ خیریت تو ہے نا، کوئی مسئلہ تو نہیں۔'' میں نے ایک ساتھ کئی سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔

''وہ میں سو رہی تھی تو مجھے ایسا لگا کہ دروازے پر کوئی ہے مجھے لگا شاید تمہارے بھائی جان آ گئے ہیں۔''

(احسن بھائی ان دنوں چھٹیوں پر آئے ہوئے تھے)

لیکن جب میں نے دروازہ کھولا تو باہر کوئی نہیں تھا لیکن مجھے کچھ فاصلے پر کسی انسان کا سایہ محسوس ہوا اور میں اس کے پیچھے چل پڑی کہ شاید تمہارے بھائی ہی کھڑے ہیں اور بس اسی چکر میں یہاں تک آ گئی۔'' بھابھی بتانے لگیں۔

میں حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگی ان کی ہر بات میری سمجھ سے باہر ہوتی تھی۔ احسن بھائی ان دنوں واقعی چھٹیوں پر آئے ہوئے تھے اور رات کو لیٹ آتے تھے۔ لیکن آدھی رات کو کسی کو ڈھونڈنے یا دیکھنے کے لئے اس کے پیچھے آنکھ بند کر کے چلے جانا بڑی عجیب سی بات تھی۔ بھابھی سے مزید سوال کرنا بے کار تھا کیونکہ ان کے پاس ہر بات کا کوئی نہ کوئی جواب ضرور ہوتا تھا۔ وہ بڑے مناسب اور نپے تلے حساب میں بات کرتیں کہ کچھ پوچھنا بے کار ہی لگتا۔ ویسے بھی گھر کے باقی سارے معاملات میں وہ ہمارے ساتھ اچھی تھیں۔ سارے گھر کا خیال رکھتیں۔ ساری ذمہ داریاں احسن طریقے سے نبھاتیں۔ احسن بھائی کو ہر لحاظ سے خوش رکھتیں۔ دادا ابو کی دوائیاں دینے کی ذمہ داری بھی ان کے سر پر تھی۔ آج کل دادا ابو گاؤں گئے ہوئے تھے۔

میری بھابھی اتنی اچھی تھیں تو پھر اس طرح کے سوالات کرنے سے سب کتراتے تھے۔ سوائے میرے کیونکہ شاید میری نظر گہری تھی۔ وہ بات جس پر کسی کا بھی دھیان نہ ہوتا۔ میری ٹھیک ٹھاک نظر ہوتی۔ ویسے بھی جو سارے حالات تھے۔ میں ہر وقت تجسس کا شکار رہتی۔

''ذرا تم میرے ساتھ چلو میں تمہیں ایک چیز دکھاتی ہوں۔'' بھابھی بولیں۔

''کیا چیز......؟'' میں حیران ہو کر بولی۔

''تم آؤ تو سہی......'' بھابھی میرے ہاتھوں کو تقریباً دباتے ہوئے اور قائل کرنے کے انداز میں بولیں اور چوراہے کو کراس کرنے کے بعد دوسری طرف سڑک کے ساتھ گھنا جنگل تھا۔ وہ مجھے وہاں لے کر چل پڑیں اور میں سوالیہ مورت بنی ان کے ساتھ چل پڑی۔ جیسے ہی ہم جنگل میں داخل ہوئے میرا دل گھبرانے لگا۔

''بھابھی گھر چلیں۔ مجھے آگے نہیں جانا۔'' میں ڈر کر بولی۔

''ارے پاگل! کیا ہوگیا ہے تمہیں، ادھر آؤ تو سہی۔''

''بھابھی دیکھیں گھر بہت دور رہ گیا ہے اور گھر والے بھی اس بات سے بے خبر ہیں اور اگر کوئی جاگ گیا تو......؟''

''کوئی بھی نہیں جاگتا تم بے فکر رہو۔''

''کیا مطلب......؟'' میں نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''میرا مطلب ہے رات کے اس پہر سب گہری نیند سو رہے ہیں۔ کوئی نہیں جاگے گا۔''

''لیکن بھابھی آگے جنگل ہے اور شہر کے حالات سے تو آپ اچھی طرح سے واقف ہیں نا۔''

''ہاں بابا میں جانتی ہوں سب، بس تھوڑا آگے جانا ہے۔'' بھابھی بدستور میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے اصرار کرنے لگیں۔ پھر میں نے ان کے ساتھ آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ عجیب پر ہول سا ماحول تھا۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ ہر طرف جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں۔ ہر طرف کانٹے تھے۔ گھنے درخت بھی تھے، ذرا سے بھی کپڑے کسی جھاڑی سے الجھتے یوں لگتا کہ شاید کسی غیر مرئی طاقت نے اپنے گھیرے میں لے لیا ہے۔ خیر ہم لوگ آگے ہی آگے بڑھ رہی تھیں۔ میں کیا بڑھ رہی تھی بس بھابھی ہی مجھے گھسیٹے جا رہی تھیں۔ راستے میں ایک دم مجھے کسی کے ہنسنے کی آواز آئی۔ مارے خوف کے ایک دم میرے قدم ڈگمگا گئے۔

''بھابھی یہ ہنسنے کی آواز کیسی؟'' میں نے بھابھی سے کہا۔ لیکن وہ تو بدستور بھاگے جا رہی تھیں۔ ہم تقریباً ایک کلومیٹر چل چکے تھے۔ میری پسلیاں بھی تیز تیز چلنے کی وجہ سے درد کر رہی تھیں۔

’’بس بھابھی میں مزید نہیں چل سکتی۔‘‘ میں نے بھابھی کے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا اور گھاس پر ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ میری سانس بہت پھولی ہوئی تھی۔

’’بس چند قدم اور پھر بس......‘‘ بھابھی مسکراتے ہوئے بولیں۔ ان کے چہرے پر سانسوں میں کوئی تھکان نہ تھی۔ میں سخت حیران ہوئی وہ اپنا رخ میری طرف موڑ کر کھڑی ہوگئیں اور میں آنکھیں بند کرکے ستانے لگی۔ ساتھ ہی میری آنکھ لگ گئی۔ مجھے ایک سفید لباس میں ملبوس روحانی چہرے والے بزرگ نظر آئے جو مجھ سے یہ کہنے لگے۔

’’بیٹی جتنی جلدی ہوسکے یہاں سے چلی جاؤ۔ یہاں تمہاری جان کو خطرہ ہے۔‘‘ بس اتنا سا منظر میں نے دیکھا اور میری آنکھ کھل گئی۔

میری ہارٹ بیٹ کافی تیز ہورہی تھی۔ بھابھی کی ابھی بھی میری جانب کمر تھی۔ میں نے بھابھی کو سر سے پاؤں تک دیکھا ان کے بال سر سے پاؤں تک تو نہیں البتہ گھٹنوں تک تھے۔ لیکن جیسے ہی میری نظر بھابھی کے ہاتھوں کی انگلیوں سے ناخنوں پر پڑی میری تو چیخیں نکل گئیں۔ ان کے ہاتھ کے ناخن انگلیوں سے بھی زیادہ بڑے تھے۔ میں نے تو سرپٹ بھاگنا شروع کردیا۔ لیکن میری بدقسمتی۔ میں نے ابھی چند قدم ہی بڑھائے تھے کہ کوئی جال سا میرے بدن پر آگرا اور اس کے بعد میرے بدن سے مارے خوف کے جان بھی جاتی رہی۔ میں ہر چیز سے بیگانہ ہوکر بے ہوشی کے عالم میں چلی گئی۔

☆......☆......☆

ایمان کی عمر تو نہ اتنی تھی لیکن بچپن سے اس کا ذہن کچھ مذہبی سا تھا۔ ہوش سنبھالنے سے لے کر آج دن تک جب کہ وہ تیرہ برس کی ہوگئی تھی۔ اس کو نماز پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ سات سال کی عمر سے ہی وہ نماز سیکھنے کے ساتھ ساتھ پابند نماز بھی ہوگئی تھی۔ وہ پانچ وقت کی نماز باقاعدگی سے پڑھتی تھی۔ ایمان کے گھر والے خود تو اتنے مذہبی نہ تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا اس پر کرم تھا اور آج کل جب شہر کے حالات گڑبڑ ہونے لگے تھے اور ہفتہ وار ہر ہفتے ہی رات کو کسی گھر سے لڑکی غائب ہوجاتی تھی اور پھر لاکھ ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتی تھی۔ اس کے گھر والے انہیں دارالامان، اسپتالوں، اسٹیشن اور ساری جگہ چھان مارتے لیکن کچھ حاصل نہ ہوتا تو سب تھک ہار کر بیٹھ جاتے اور اب تو تقریباً چھ ہفتوں سے یہ معمول سا بن گیا تھا۔

ایمان بھی شہر کے باقی لوگوں کی طرح اس صورتحال سے سخت پریشان تھی وہ ان دنوں پڑھ رہی تھی۔ وہ دعا کرتی کہ اس شہر پر بنی پریشانی کا خاتمہ ہو اور جن لوگوں کی بیٹیاں کھوگئی ہیں اللہ انہیں صبر دے اور جلد از جلد ان کی بیٹیوں سے ملادے۔ پھر اچانک ایک دن ایسا ہوا کہ ایمان جو نہایت ہی نیک لڑکی تھی۔ وہ بھی غائب ہوگئی۔ اس کے سب گھر والے بھی سخت پریشان ہوگئے۔ پولیس کا ناقہ اور مضبوط کردیا گیا۔ گھر میں انیلا کو ایمان کی سب سے زیادہ فکر تھی۔

☆......☆......☆

جب مجھے ہوش آیا تو میں ایک عجیب سے غار میں لیٹی ہوئی تھی۔ غار بہت بڑا تھا۔ میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ میں پتھر کی ایک سیدھی لمبی اور چوڑی سل پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے حواس بحال کرتے ہوئے اپنے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لیا۔ غار خالی پڑا تھا۔ کوئی ذی روح مجھے اپنے اردگرد نظر نہ آیا۔ ہاں جہاں میں لیٹی تھی وہاں میرے بائیں طرف قطار میں چند تابوت پڑے تھے۔ میں خوف سے تھرتھرانے لگی اور جلدی سے غار سے باہر جانے کا راستہ تلاش کرنے لگی۔ غار بہت بڑا تھا اور مجھے اس سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہ آیا اور جو تھوڑا بہت کوئی راستہ نظر آیا تو وہاں گہرا اندھیرا تھا۔ البتہ روشنی کی کچھ لکیریں غار میں اونچائی کی طرف غار کے اوپری حصے میں پڑی دراڑوں میں سے آرہی تھیں۔ میں اس جگہ واپس آگئی جہاں تابوت پڑے تھے۔ میں بھابھی کے بارے میں

سوچنے لگی۔ کہ آخر وہ کون ہیں شروع دن سے ہی وہ مجھے عام انسانوں جیسی نہیں لگی تھیں۔ ایک انسان ہونے کے باوجود ان کی روزمرہ روٹین میں مجھے ان کی شخصیت کوئی جادوئی سی لگی تھی۔

''بھابھی آخر کون ہیں کوئی انسان یا بلا......؟''

میں دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ اچانک میرا ذہن تابوتوں کی طرف راغب ہوا اور میں آگے بڑھ کر تابوت دیکھنے لگی۔ میں جس صورتحال سے گزر رہی تھی اس میں پھنس کر میرا خوف کافی حد تک دور ہوگیا تھا یا پھر یہ اللہ کی ذات پاک کی مجھ پر مہربانی تھی۔

میں نے آگے بڑھ کر ایک تابوت کھولا۔ تابوت بڑے آرام سے کھل گیا۔ لیکن تابوت میں پڑا وجود دیکھ کر میری ہوائیاں اڑ گئیں۔ تابوت میں موجود لڑکی میری دوست تانیہ تھی۔ ہم لوگ ایک ہی کلاس میں پڑھتے تھے۔ وہ شاید بے ہوش تھی اور میں بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔ تانیہ تقریباً چھ ہفتوں سے لاپتہ تھی۔ اور اس کو ابھی تک تلاش کیا جا رہا تھا۔ میں نے اسے زور زور سے جھنجھوڑنا شروع کردیا لیکن وہ بے سدھ پڑی تھی۔ بعد میں فوراً دوسرے تابوت کی طرف بڑھی اور اس کا ڈھکن اٹھانے لگی اور مجھے یقین ہوگیا کہ باقی گمشدہ لڑکیاں بھی یہاں ہیں لیکن اس سے پہلے کہ میں ڈھکن اٹھاتی کسی نے پیچھے سے آکر مجھے گھسیٹا اور اس کی طرف دیکھ کر میری چیخیں دبی کی دبی رہ گئیں۔ سامنے بھابھی کھڑی تھیں۔

''ارے یہ تم کیا کر رہی ہو؟ ابھی اس کو دیکھنے کا وقت نہیں آیا۔'' وہ قہقہہ لگا کر مسکرانے لگیں۔

''کون ہو تم......؟ اور کیا چاہتی ہو اور میری بھابھی کدھر ہیں؟'' مجھے ابھی بھی بھابھی کے آسیبی ہونے کا یقین نہ تھا۔ ابھی بھی موہوم سی آس میرے دل میں تھی کہ بھابھی کا ذہن و دل کسی شیطانی قوت کے قبضہ میں ہو۔

''تمہاری بھابھی تو ہوں میں۔''

''جھوٹ بول رہی ہو تم......'' میں غصے سے بولی۔

''میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں اور اب تمہارے انجام سے پہلے میں تمہیں اپنی ساری حقیقت بتاتی ہوں کہ میں کون ہوں؟''

بھابھی کہنے لگیں اور میں حیران و پریشان ان کا منہ دیکھنے لگی۔ اس وقت وہ نارمل حالت میں موجود تھیں۔

''میں ایک ہندو لڑکی ہوں۔ میرا نام شالنی ہے۔ میری شادی میرے پہلے جنم میں وکرم سے ہوئی تھی۔ ہم دونوں نے ہمیشہ ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائی تھیں۔ سات جنم ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کا وعدہ کیا لیکن ایک ہوائی حادثے میں ہم دونوں مارے گئے اور یوں ہمارا پیار پہلے جنم میں ادھورا رہ گیا۔ ہماری آتماؤں نے دوسرے جنم میں ملنے کا وعدہ کیا اور یوں ہم اپنے دوسرے جنم کا انتظار کرنے لگا۔ جب میرا دوسرا جنم ہوا تو میں ایک ناری کے روپ میں دنیا میں آئی اور وکرم جانور شاید گھوڑے کے روپ میں دنیا میں آیا۔ دوسرے جنم میں پھر ہماری بدقسمتی اڑے آگئی اور ہمارا ملاپ نہ ہوا۔

تیسرا جنم پھر ہمارے لئے برا ثابت ہوا۔ جب وہ انسان کے روپ میں ایک خوب صورت فرد تھا تو میں جانور کے روپ میں دنیا میں آئی۔ ہمارا پھر ملاپ نہ ہوسکا۔

چوتھے جنم کے بارے میں، میں نے یہ سوچا کہ یہ شاید خوشیوں کا دور لائے گا۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے پیار کو پھر ٹھیک انجام نہ ملا کیونکہ جب میرا جنم ہوا تو وہ مرچکا تھا اور جب اس کا جنم ہوا تو میں مرچکی تھی۔

پانچوں جنم پر حالات کو چھوڑا لیکن بدقسمتی نے ساتھ پھر بھی نہ چھوڑا۔'' پانچویں جنم میں وہ ایک بچہ تھا اور میں اس کی نانی دادی کی عمر کی تھی۔

اور چھٹے جنم میں، میں ایک بچی تھی اور وہ میرے نانا دادا کی عمر کا تھا۔ یونہی بدقسمتی کے ہاتھوں ہمارے چھ جنم بے کار گئے۔

ساتویں جنم سے ہمیں بڑی آشائیں وابستہ تھیں کیونکہ اس میں ہم دونوں کا جنم قریب قریب کے زمانوں میں انسان کے روپ میں ہوا اور ہماری مخالف جنسیں بھی پہلے جیسی تھیں۔ یعنی میں مادہ اور وکرم نر میں

تھا۔'' میں اس کی باتیں بہت غور سے سن رہی تھی۔
''ہم اپنے آخری جنم میں پھر ایک دوسرے سے نہ مل سکے اور تیرہ سال کی عمر میں ایک کار ایکسیڈنٹ میں میری موت واقع ہوگئی اور وکرم اس دنیا میں تنہا رہ گیا۔ میرا آخری جنم اختتام پذیر ہوچکا تھا اور وکرم آخری جنم میں ابھی زندہ تھا وہ جوانی کی طرف بڑھ رہا تھا اور میری آتما کو یہ بات کسی طور گوارا نہ تھی کہ میرا سات جنموں کا پیار کسی اور کا ہوجاتا اس کے بعد میں نے اپنے سات جنم پورے کرنے کے بعد شیطان دیوتا کی مدد سے انسانی روپ لینے کی کوشش کی، ابھی میں مکمل طور پر انسانی روپ نہیں دھار سکی کیونکہ ابھی شیطان دیوتا کا عمل پورا نہیں ہوا اور جیسے ہی شیطان دیوتا کا عمل پورا ہوگا میں مکمل انسانی روپ میں آجاؤں گی اور پھر وکرم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میرا ہوجائے گا۔'' وہ جوشیلی ہوکر کہنے لگیں۔
''لیکن اس سارے قصے سے میرے بھائی کا کیا تعلق ہے۔ اور اس لڑکی کا کیا تعلق ہے جو تابوت میں بند ہے۔ اور میرے شہر کا......؟'' میں نے جذباتی ہوکر کئی سوال اکٹھے کرڈالے۔
''تعلق ہے..... تمہارے بھائی کا ہی تو تعلق ہے۔''
''کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں۔''
''مطلب یہ کہ تمہارا بھائی ہی تو وکرم ہے۔ میرا وکرم، میرا پیار..... میرا سب کچھ.....''
''میرے بھائی..... احسن بھائی......؟'' یہ کیا کہہ رہی ہو تم احسن بھائی تمہارے وکرم کیسے ہوسکتے ہیں؟ ہم لوگ تو مسلم ہیں اور تم نے بتایا کہ تم ہندو ہو۔''
''تم نے ٹھیک کہا کہ تم اور تمہارا بھائی مسلم ہیں لیکن پہلے کے جنموں میں وہ ہندو تھا اور پہلے جنم میں تو ہماری شادی ہوئی تھی اور ہم لوگ ایک ہوائی حادثے میں مارے گئے۔ اس کے بعد ہمارا اب تک ملن نہ ہوپایا لیکن اب ایسا نہیں ہوگا۔ میں اپنا پیار کسی اور کا نہیں ہونے دوں گی۔''
''تم ایسا کیسے کرسکتی ہو؟ میرا بھائی ایک مسلم ہے اور تم ہندو اور وہ بھی ایک آتما۔'' میں اس کی باتیں سن کر آگے ہی چکرائی ہوئی تھی۔ اب تلملانے لگی۔
''بتاتی ہوں...... میں تمہیں ساری بات بتاتی ہوں اور حقیقت میں تمہیں ساری بات بتانے اور تمہارے ذریعے اپنا شیطانی عمل انجام تک پہنچانے کے لئے ہی تمہیں یہاں لائی ہوں۔''
میں اس کی باتیں حیرانگی سے سن رہی تھی پھر اسی دوران ایک بہت بڑا دیوہیکل وجود اس غار میں داخل ہوا اور پھر انسانی قدامت کے بندے جنہوں نے عجیب طرز کی وردیاں پہن رکھی تھیں اس کے پیچھے ایک قطار میں آرہے تھے۔ اور وہ ایک اونچے پتھر پر بیٹھ گیا۔ پتھر اپنی بناوٹ کے لحاظ سے ایک تخت سے مشابہ تھا۔ شاید وہی شیطانوں کا دیوتا تھا سب باری باری اسے آگے بڑھ کر نمستے نمستے بولتے اور دونوں طرف قطار میں تخت کے اردگرد کھڑے ہوتے جاتے۔ اس دیوہیکل وجود کو دیکھ کر میرا دل کانپنے لگا۔
''یہ اب میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟'' میں نے دل ہی دل میں سوچا اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پر بھروسہ کرتے ہوئے قرآنی آیات کا ورد شروع کردیا۔ میری بھابھی یا شالنی جو بھی کہیے شیطان دیوتا کے شیطانی عمل کے ذریعے آتما سے انسانی روپ یا پھر شیطانی روپ کیسے دھارنا چاہتی تھی۔ مجھے مزید بتانے لگیں۔
''جب مجھے ہر طرح سے یقین ہوگیا کہ اب مجھے میرا پیار آسانی سے نہیں مل سکتا تو مجھے کچھ اور ہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ پھر میں نے شیطانوں کے بڑے دیوتا سے ملاقات کی اور اسے سارا قصہ سنایا۔'' انہوں نے دیوہیکل کی جانب دیکھتے ہوئے کہا جو کچھ فاصلے پر تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ ''اس نے ساری صورتحال کا جائزہ لیا سارے حالات و واقعات کو سنا اور میری پہلی جنم بھومی سے لے کر اب تک کی جنم کنڈلی دیکھی۔ شیطان دیوتا کے کہنے کے مطابق میں اپنے سات جنم پورے کرچکی ہوں اور مجھے نئی زندگی نہیں مل سکتی۔ میں ایک آتما ہوں اور ایک انسان کا روپ مجھے صرف اسی صورت میں مل سکتا ہے کہ اگر میں شیطان دیوتا کے کہنے

کے مطابق سات لڑکیوں کو ہر ہفتے کے روز یہاں لاؤں اور پھر چاند کی چودھویں رات شیطان دیوتا کی بلی چڑھادوں۔''

''ایسا کرنے سے شیطان دیوتا کا کیا فائدہ ہوگا؟''

''ایسا کرنے سے شیطان دیوتا کی عمر ایک ہزار سال اور بڑھ جائے گی اور مجھے میرا پیارا وکرم مل جائے گا۔''

''تم کیا سمجھتی ہو کہ ایسا کرنے سے تمہیں تمہارا پیار مل جائے گا۔'' میں ساری شیطانی چال سمجھ رہی تھی۔ شیطان دیوتا اپنی عمر بڑھانے کے لئے اسے استعمال کررہا تھا۔ میں بھابھی کی اصلیت بھی جان چکی تھی۔

''ہاں مجھے سو فیصد یقین ہے اور اب تو ہمارا کام بھی تقریباً مکمل ہو چکا ہے کیونکہ چھ لڑکیاں میں پہلے ہی جادو کے عمل سے یہاں لاچکی ہوں میں دن کو ضرورت کی لڑکیوں پر نظر رکھتی ہوں اور رات کو جادو کے زور سے اسے اور اس کے گھر والوں کو گہری نیند سلادیتی ہوں اور پھر بے ہوش لڑکی کو یہاں لے آتی ہوں۔ اس وقت ایک شیطانی کارندہ بھی میرے ساتھ مدد کے لئے جاتا ہے۔''

میرے ذہن میں وہ سارا منظر گھوم گیا جو بھابھی کے ساتھ مجھے نظر آتا تھا۔

''وکرم کی بہن ہونے کے ناتے میں تمہیں تو شیطان کی بلی نہیں چڑھانا چاہتی تھی لیکن تم خود ہی میرے پیچھے چلی آئی ہو اور تمہاری عمر بھی تیرہ سال ہے تو میں نے سوچا کیوں نہ موقع سے فائدہ اٹھایا جائے اور آج سے ٹھیک چھ دن بعد جو ہفتہ آئے گا اس دن شیطان دیوتا کے علم کے مطابق آخری جنم ہے اس عمل کے حساب سے کامیابی کا زینہ بنے گا کیونکہ آخری جنم ہی شیطانی عمل کے لئے استعمال ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ پہلے جنم میں ہم دونوں مر گئے تھے۔ کسی ایک کا زندہ ہونا ضروری ہے۔ دوسرے اور تیسرے میں جنس کا فرق آرہا ہے۔ جنس انسانی ہونی ضروری ہے۔ چاہے ایک مر بھی چکا ہو۔ چوتھے میں زمانے کا فرق ہے اور جنم شروع شروع ہونے سے پہلے آگے کا فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ پانچویں اور چھٹے جنم میں عمروں کا فرق ہے۔ جس کی وجہ سے عمل بے کار جاتا ہے۔ لیکن ساتواں جنم ہمیں بے شک ملا نہ سکا لیکن ساتویں جنم میں ایسی باتیں ہیں جو ہمارے لئے کارآمد ثابت ہوئیں۔

پہلی تو یہ کہ ہم ایک ہی زمانے میں پیدا ہوئے۔ دوسری یہ کہ ہماری جنس انسانی تھی یعنی مرد اور عورت (جانور کا روپ نہ تھا) ایک ہی زمانے میں پیدائش کی وجہ سے ہماری عمروں میں بھی خاص فرق نہ تھا۔ لیکن ایک ہفتے کو چاند کی چودھویں رات کو میری ایک کار ایکسیڈنٹ میں تیرہ سال کی عمر میں موت واقع ہوگئی۔ ہم مل نہیں سکے لیکن یہ ایک ایسا جنم تھا جس میں مجھے وکرم سے آخری جنم کے بعد بھی ملایا جاسکتا تھا۔ جس کے لئے مجھے شیطانی روپ لینا پڑتا تھا۔

شیطان دیوتا کی دی گئی شکتیوں سے میں کبھی کبھی انسانی روپ دھارنے لگی تو میں نے اپنا ایک شیطانی خاندان پیدا کیا اور جاپ کے ذریعے تمہارے بھائی سے راہ و رسم بڑھائے اور پھر شیطانی خاندان کے ذریعے رشتہ طے کرکے تمہارے بھائی سے شادی کرلی اور جب میں تمہارے ساتھ ہوتی تھی میں اس وقت انسانی روپ میں ہوتی تھی لیکن جب شیطان دیوتا کی طرف سے دی گئی شکتیاں میرے پاس ختم ہونے لگتیں۔ تو مجبوراً مجھے تمہارا گھر چھوڑنا پڑتا۔ اس وجہ سے تمہیں مجھ پر کئی بار شک بھی گزرا لیکن میں نے تمہیں بہانہ بنا کر ہمیشہ ٹال دیا۔ لیکن اب مجھے کسی بہانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اب میں اپنا مقصد حاصل کرنے والی ہوں صرف چند دن کی بات ہے۔''

میں اس کی باتیں سنتی رہی۔ میرا دماغ چکرانے لگا تھا۔ پھر وہ وہاں سے چلی گئی۔ آج تو وہ بھائی کو سب گھر والوں کو گہری نیند سلا کر آئی تھی۔

☆......☆......☆

دن یونہی آہستہ آہستہ گزرنے لگے۔ میں ان کو سبق سکھانے اور ان سے چھٹکارا پانے کے لئے کچھ بھی نہیں کرسکتی تھی۔ کیونکہ وہ طاقتور شیطان تھے اور میں ایک لڑکی کوئی مرد بھی ہوتو اتنے بڑے شیطان کا مقابلہ نہ

کر سکے۔ مجھے وہاں سے نکلنے کا بھی کوئی راستہ نہ تھا۔ ہر طرف پہرے دار تھے اور لڑکیاں ساری بے ہوشی کی دوا کی وجہ سے سوئی ہوئی تھیں۔ پھر وہ تابوت بھی وہاں سے کہیں دور لے گئے مجھے ہفتے کے روز تک وہیں غار میں رکھا گیا۔ کھانا مجھے بالکل ایسا ہی دیا جاتا جو نارمل/ عام انسانوں کی خوراک ہوتی ہے شاید اس لئے کہ وہ مجھے اپنے مقصد کے لئے زندہ رکھنا چاہتے تھے۔ یہاں میرے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا۔ لیکن علم کا ہتھیار موجود تھا۔ اسلامی تعلیم کا ہتھیار جو شاید اس وقت میرے کام آسکتا تھا۔ میں نے ہاتھوں سے زمین کا کچھ حصہ صاف کیا اور نماز کے لئے جگہ بنائی۔ غار میں ایک چھوٹا سا غسل خانہ بنا ہوا تھا۔ وہاں میں منہ ہاتھ دھوتی اور وضو بھی کر لیتی۔ میں ویسے بھی پابند نماز تھی یہاں بھی میں نے یہ معاملہ برقرار رکھا اور نماز سے فارغ ہو کر زبانی یاد کی ہوئی قرآنی آیتیں اور سورتیں پڑھتی رہتی تا کہ جادو کا اثر زائل ہو۔

اور دوسری تمام لڑکیاں اور میں یہاں سے بازیاب ہو کر جلد از جلد نکل جائیں۔

بالآخر وہ دن بھی آ گیا جب اچھے برے کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ آج ہفتہ تھا۔ چاند کی چودھویں رات بھی تھی اور تیرہ تیرہ سال کی سات لڑکیاں بھی شیطان کی بلی چڑھنے کے لئے تھیں۔ وہی دیو ہیکل شخص پھر سے غار میں نمودار ہوا آج وہ غار کے راستے سے نہیں آیا تھا بلکہ اپنے جادو کے زور سے نمودار ہوا تھا اپنی تمام شکتیوں کے ساتھ۔ چاند پورے جوبن پر تھا۔ تابوت بھی وہاں لائے گئے تھے۔ شاید انہیں کہیں اور لے جا کر ان پر کوئی عمل کرتے رہے تھے کیونکہ مسلسل بند رہنے سے تو موت واقع ہو سکتی تھی اور میں شالنی کی وجہ سے کسی سحر میں بندھی تھی۔ میرا وجود اکثر مجھے جکڑا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ مجھے تابوت میں بند نہیں کیا گیا تھا۔ شیطان نے ساری لڑکیوں کا خون پینا تھا اور اس کے بعد شالنی کو شیطان سے انسانی روپ مل جانا تھا اور میرا بھائی بھی۔

لیکن سچ تو یہ ہے کہ شیطان اپنا اصلی روپ کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ بہت خوش تھی اور خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھی۔ آخری بلی میری چڑھنی تھی وہ میرے پاس آئی اور مجھ سے مرنے سے پہلے میری آخری خواہش پوچھنے لگی۔

''کہو پیاری نند! تمہاری اس دنیا سے جانے سے پہلے آخری خواہش کیا ہے؟''

''مجھے چھوڑ دو تم اپنی فکر کرو۔ تم خوش ہو رہی ہو کہ آج تمہیں ہمارے خاتمے کے بعد سب کچھ مل جائے گا۔ تمہاری زندگی بھی اور میرے احسن بھائی بھی؟''

''ہاں مجھے آج میری زندگی اور میرا پیارا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مل جائے گا؟''

''یہ تمہاری بھول ہے۔ تم نے کبھی یہ سوچا ہے کہ تمہاری قسمت کیوں خراب ہے اس لئے کہ تمہاری نیت ہی خراب ہے۔ اگر تمہاری نیت اچھی ہوتی تو تمہارے ساتھ کچھ برا نہ ہوتا۔ اور اگر ہوتا بھی تو ایک جنم میں ہوتا دوسرے میں نہ ہوتا۔ تیسرے میں ہوتا لیکن افسوس تمہاری بری نیت تمہاری قسمت کے سات جنم میں آڑے آتی رہی۔ کہتے ہیں کہ جو انسان اچھے ہوتے ہیں ان کے ساتھ کبھی برا نہیں ہوتا اور کبھی آزمائش کے طور پر اللہ ان پر کوئی مشکل ڈال بھی دیتا ہے تو صبر سے کام لیتے ہیں تو اللہ ان پر اپنے کرم کے دروازے کھول دیتا ہے اور اگر کوئی برائی کرے اور اس کے بعد توبہ کر لے تو اللہ ان پر بھی اپنا کرم کرتا ہے۔ اور اگر ایک انسان برا کام کرے اور پھر اس سے باز بھی نہ آئے اور جب اس کے ساتھ برا ہو تو یہ کہے کہ اس کی قسمت خراب ہے۔ ایسا کہنا غلط ہے کیونکہ برا کرنے والوں کے ساتھ برا ہی ہوتا ہے۔

قسمت کبھی اچھی یا بری نہیں ہوتی انسان کے اعمال سب کچھ ہوتے ہیں۔ تم کہتی ہو کہ تمہاری قسمت خراب ہے۔ میں کہتی ہوں کہ تمہارے اعمال خراب ہیں اور یقیناً پچھلے جنموں میں تم نے کچھ برا کیا ہو گا جو تمہیں ہر جنم میں رسوائی ملی اور جو تم نے میرے گھر میں آ کر ہمارے گھر والوں کو فریب دیتی رہی یہ ایک دھوکہ ہی

تمہارے سات جنموں پہ بھاری پڑتا ہے۔ تمہاری بداعمالیاں ہی تمہارے سامنے آئی ہیں۔ کیونکہ یہ تو طے ہے کہ اچھے اعمال سے آپ کی نہ صرف قسمت اچھی ہوتی ہے بلکہ آپ کی بری قسمت بھی بری تقدیر پر بھی اچھی بن جاتی ہے اوراس کے برعکس برے اعمال سے آپ کے نصیب بگڑ جاتے ہیں بلکہ اچھے نصیب بھی ڈھل جاتے ہیں۔اورآپ کی اچھی قسمت بھی بری بن جاتی ہے۔''

''اپنی بکواس بند کرو۔ میں اسی لئے تو ایک اپنی کوشش سے اپنی قسمت بنارہی ہوں۔ میں تم سب لڑکیوں کا شیطان کے ہاتھوں خاتمہ کرکے زندہ ہوکر انسانی روپ میں آجاؤں گی اور...... اور......'' وہ جھومنے لگی۔

''تم ایسا ہرگز نہیں کرسکوگی جورحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔''میں زوردار آواز میں بولی۔

چاند افق پر دودھیا روشنی کے ساتھ مکمل روشن تھا۔شیطان کے سامنے ایک رقص پیش کیا گیا جو وردی میں ملبوس افراد نے کیا یہ رقص مور کے رقص سے مشابہ تھا جس کا شیطان بہت دلدادہ تھا۔اور ہر جشن کے موقع پر شیطانی کام سے پہلے وہ یہ رقص دیکھا کرتا تھا۔ پھراس نے شراب کی بوتلیں ہی بوتلیں اپنے اندر انڈیل ڈالیں اور پینے کے بعد زمین پردے ماریں۔طاؤس جن نشے کی حالت میں دھت تخت سے اتر کر پہلے تابوت کی طرف بڑھنے لگا اس نے ایک ایک لڑکی کا باری باری خون پیتا تھا میری روح تک لرز اٹھی۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور دل ہی دل میں اللہ کو یاد کیا اور قرآنی آیات کاورد کرنے لگی۔

مجھے وہی بزرگ جو پہلی دفعہ جنگل میں ملے تھے۔دوبارہ بولے۔

''بیٹی یہ شیطان لڑکی کی شہ رگ کاٹ کر خون پیئے گا تم اسے پہلے ہی اس لڑکی کے خون کے چھینٹے اس شیطان کے اوپر ڈالوگی تو یہ شیطان کسی کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔جلدی کرو بیٹا......''

''کیا بابا! میں سمجھی نہیں......؟''میں نے دل ہی دل میں بات کی۔

''بیٹا جلدی کرو۔اس لڑکی کی کلائی پر کٹ لگا کر خون کے چھینٹے شیطان پر ڈالو۔اس کے جادو کا زور اس سے ٹوٹے گا۔''

''مطلب......؟''میں پھر بولی۔

''مطلب یہ کہ لوہا، لوہے کو کاٹتا ہے، جو خون پینے سے یہ ہزار سال جئے گا اس کے چھینٹے اس کے جسم کے بیرونی حصے کو جلا کر بھسم کردیں گے۔ بالکل ایسے ہی جیسے زہر سے زہر کو مارا جاتا ہے۔اس کی زندگی میں ہی اس کی موت ہے۔''

''اورشالنی......؟''

''جیسے ہی شیطان کا خاتمہ ہوگا اس کے ساتھ ہی اس کا بھی خاتمہ ہوجائے گا۔جلدی کرو بیٹا۔وقت نہیں ہے۔'' بابا نے بات پر زور دیا۔

میں جلدی سے تابوت کی طرف بڑھی دوسری طرف سے دیوہیکل شیطان آرہا تھا اس نے آگے بڑھ کر تابوت کا ڈھکن کھولا اور میں بھی ہمت کرکے تابوت کے پاس جاپہنچی۔ شیطان نے ایک جھٹکے سے اٹھا کر مجھے دور پھینک دیا۔میرا سر دیوار کے ساتھ جا کر لگا اور میں چکراگئی۔

''بیٹا ہوش کرو اور لڑکی کی کلائی پر ضرب لگا کر شیطان پر خون کے چھینٹے ڈالو۔'' بابا بدستور بولے جارہے تھے۔میں ہمت کرکے آگے بڑھی۔شیطان اس کا خون پینے کے لئے ہوش میں لانے کی کوشش کررہا تھا کیوں کہ اس کا وجود ساکت تھا۔ پہلے تابوت میں میری دوست تانیہ تھی۔ وہ اسے جھنجھوڑ کر خون کو حرکت میں لانا چاہتا تھا۔تاکہ مزے لے کر خون پیئے۔

میں نے تانیہ کا ہاتھ تھاما لیکن مجھ میں اس کا خون بہانے کی ہمت نہ تھی۔

''جلدی...... بیٹا جلدی...... ہمت کرو۔شیطان نے خون پی لیا تو اس کی طاقت کئی گنا بڑھ جائے گی اور پھر کچھ بھی نہیں ہوسکے گا۔''

میں نے اس کا ہاتھ تھاما۔ میں ہمت مجتمع کررہی

تھی اور آنکھیں بند کر کے اللہ کا نام لینے لگی۔ میری آنکھ کھولنے سے پہلے ہی جیسے کسی انجانی قوت نے میرے ہاتھ میں ہتھیار دے دیا ہو۔ میں نے جیسے ہی آنکھ کھولی چاقو میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے تانیہ کی کلائی پر ہلکا سا کٹ لگایا تو خون کی دھار بہہ نکلی۔ میں نے ہاتھ میں خون جمع کر کے ایک ہی آن میں چھینٹا، پاس کھڑے شیطان کے بدن پر دے مارا۔

بس چند قطروں کا شیطان کے جسم پر پڑنا تھا کہ اس کا وجود کانپنے لگا اور وہ چیخنے لگا۔ چھینٹوں والی جگہ کو آگ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا وہ پھر ڈولتے قدموں کے ساتھ دوسرے تابوت کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ نشے کی حالت میں صرف چنگھاڑ رہا تھا۔ پہلے والے تابوت کا خون اب اس کے لئے موت بن گیا تھا۔ جادو کا زور تھوڑا ٹوٹا تو پہلے والی لڑکی یعنی تانیہ ہوش میں آ گئی اور میرے ساتھ میری مدد کرنے لگی۔ شالنی اپنی جگہ تڑپنے لگی۔

''بیٹا جلدی کرو، شیطان کی طاقت کو زائل کرو اور دوسری لڑکی کی کلائی سے خون نکال کر چھینٹے مارو کیونکہ دوسری لڑکی کا خون پینے سے شیطان کی پہلے جتنی طاقت پھر سے بحال ہو جائے گی۔'' بابا کی آواز آئی۔

شیطان ڈولتے وجود کے ساتھ دوسرے تابوت تک پہنچ چکا تھا۔ تانیہ نے شیطان کی ٹانگ کھینچی اور وہ لڑکھڑا کر نیچے گر پڑا۔ شیطان نے اپنے کارندوں کو شروع میں ہی آگے بڑھنے سے منع کر دیا تھا اسے اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا۔

میں نے دوسرا تابوت کھولا اور بے ہوش لڑکی کی کلائی کی رگ کاٹ کر جلدی سے خون کے چھینٹے شیطان کے جسم پر دے مارے تو وہ اور زیادہ جھلس گیا اور زیادہ تڑپنے لگا۔ دوسرے تابوت سے بھی لڑکی باہر آ گئی۔ شالنی مزید تڑپنے لگی۔

پھر یونہی تابوت سے نکلنے والی لڑکیوں اور میں نے تیسرے، چوتھے، پانچویں، چھٹے تابوت میں سے لڑکیوں کی رگ کاٹ کر شیطان پر خون کے چھینٹے مارے، وہ بالکل جھلس گیا تھا۔ شالنی بھی قریب المرگ تھی۔ لیکن ا بھی ساتویں لڑکی کا خون بہانا باقی تھا اور وہ میں تھی۔

میں چاقو سے جلدی سے اپنی رگ کاٹنے لگی تو چھ کی چھ لڑکیاں میرے دائیں بائیں گھومنے لگیں اور پھر میرے قریب آ کر کھڑی ہو گئیں اور مجھ سے چاقو چھین لیا۔

''ہم اپنی محسنہ کا ایک قطرہ بھی خون بھلا کیسے بہنے دے سکتی ہیں جس نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر ہماری جان بچائی ہے۔'' سب یک زبان ہو کر بولیں۔

''بیٹا یہ ضروری ہے۔ اس شیطانی عمل کا توڑ صرف یونہی ہو سکتا ہے۔'' میرے کانوں سے بابا کی آواز ٹکرائی۔ اب بابا کی آواز سب نے سنی تھی۔

''ہم اپنا مزید خون بہانے کے لئے تیار ہیں۔'' ان میں سے چند بولیں۔ اور باقیوں نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔

''نہیں...... شیطانی عمل کو ختم کرنے کے لئے ساتویں لڑکی کا خون بہانا ضروری ہے۔'' بابا نے زور دیا۔

میرے پاؤں کے نیچے کانچ کے ٹکڑے پڑے تھے جو شیطان نے شراب پی کر بوتلیں توڑی تھیں میں نے جلدی سے اپنے پاؤں ان پر رکھ دیئے اور میرے پاؤں سے خون رسنے لگا۔ جیسے ہی لڑکیوں کی نظر میرے پاؤں پر پڑی۔ سب نے کہا۔

''ارے ہماری محسنہ! یہ تم نے کیا کیا؟''

''جلدی سے شیطان کو اس پر دھکا دے دو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بھسم ہو جائے گا اور ساتھ شالنی بھی۔'' بابا کی آواز سارے غار میں گونج رہی تھی۔

میں پیچھے ہٹ گئی۔ سب لڑکیوں نے آگے بڑھ کر شیطان کو کانچ کے خون سے بھرے ٹکڑوں پر گرا دیا۔ شیطان پوری طرح جھلس گیا تھا۔ شیطانی شکتیوں کا خاتمہ مکمل طور پر ہو گیا تھا۔ جادو کا اثر زائل ہو گیا تھا۔ شالنی بھی مر چکی تھی۔ سب لڑکیوں کی کلائیاں اور میرے پاؤں بالکل ٹھیک ہو گئے تھے۔ جو کچھ دیر پہلے زخمی تھے اور اللہ کی مہربانی سے ہم سب لڑکیاں خیر خیریت سے بحفاظت اپنے گھروں کو روانہ ہوئیں۔

میں جب گھر پہنچی اور مجھے احسن بھائی نے دیکھا

تو فوراً مجھے گلے لگالیا اور بولے۔

''ایمان تم...... کدھر کھوگئی تھی تم، کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا تمہیں۔ ہم نے تو پتہ نہیں کیا کیا نہیں سوچ لیا تھا۔'' وہ مجھے چومنے لگے۔ گھر والے سارے باری باری میری بلائیں لینے لگے۔ پھر میں نے گھر والوں کو ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔

میں نے بزرگ کے نظر آنے والی بات گھر والوں سے کی اور ان کا حلیہ بھی بتایا تو میری امی نے مجھے بتایا کہ یہ وہ بزرگ ہیں جن کے ہاتھوں انہوں نے بیعت کی تھی۔ یعنی ان بزرگ نے پریشانی کے عالم میں اللہ کے حکم سے مجھے راستہ دکھایا تھا۔

میرے احسن بھائی جو جادو کے زیر اثر شالنی یعنی انیلا بھابھی کے عشق میں گرفتار ہوگئے تھے اور اس سے شادی کرلی تھی۔ اب ہوش میں آگئے تھے اور ساری بات سمجھ گئے تھے کیوں کہ جادو کا اثر ٹوٹ چکا تھا۔ انیلا بھابھی جو کہ درحقیقت شالنی چڑیل تھی۔ جو گھر بھر کی بہت فکر کرتی تھی۔ میرے غائب ہونے کے بعد احسن بھائی کو اپنے قبضے میں کرنے کے لئے ایک دو دن گھر رہی اور جب اسے اپنے مقصد کے پورے ہونے کا یقین ہوگیا تو وہ وہاں سے غائب ہوگئی۔

گھر والوں نے بھی اس کی جادوئی شخصیت کو بھانپ لیا تھا۔ ہم سب نے اللہ کا شکر ادا کیا اور شکرانے کے نفل بھی ادا کیئے۔

☆......☆......☆

کئی دن سے حکیم وقار محسوس کررہے تھے کہ رولوکا کچھ زیادہ ہی کھویا کھویا سا ہے۔ اور پھر ایک روز حکیم وقار نے رولوکا سے پوچھ لیا۔ ''حکیم کامل اگر آپ کو برا نہ لگے تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کئی روز سے کچھ زیادہ ہی کھوئے کھوئے سے ہیں۔''

حکیم وقار کی بات سن کر رولوکا کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ جسے حکیم وقار نے واضح طور پر محسوس کیا اور پھر رولوکا کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سامنے کرسی پر بیٹھالیا تو رولوکا گویا ہوا۔ ''حکیم صاحب دراصل کئی دن ہوگئے میرے استاد کی روح متواتر میرے خواب میں آرہی ہے اور استاد کا کہنا ہے کہ اب تم دہلی سے فوراً اپنے گاؤں پہنچو کیونکہ اب تمہاری ضرورت تمہارے گاؤں والوں کو پڑگئی ہے۔''

پھر رولوکا بولا۔ ''اور یہی غم مجھے کھائے جارہا ہے، میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں پارہا کہ آپ کو اور یہاں کے لوگوں کو میں چھوڑ کر چلا جاؤں۔ دراصل آپ سے مجھے دہلی میں جتنی محبت ملی ہے وہ میرے سگے بھائی سے بھی نہ ملتی۔

خیر میری التجا کے پیش نظر کل رات میرے استاد گویا ہوئے۔ ''میرے فرمانبردار شاگرد تم اپنا دل چھوٹا نہ کرو...... کچھ دنوں کے لئے دہلی کو خیر باد کہہ دو اس کے بعد پھر تمہاری ضرورت دہلی والوں کو ہوئی تو تم دوبارہ اس جگہ آجانا۔''

یہ سن کر حکیم وقار کی آنکھوں میں بھی نمی تیرنے لگی اور رولوکا سے بولے۔ ''حکیم صاحب میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں مداخلت کرسکوں......'' اور اس کے ساتھ ہی حکیم وقار کی آواز رونده گئی۔ اس کے بعد رولوکا بولا۔ ''حکیم صاحب یہ میری انگوٹھی رکھ لیں اور حسب ضرورت اس انگوٹھی میں موجود پتھر کو آپ انگوٹھے سے رگڑیں گے تو مجھے پتہ چل جائے گا۔'' ''میں ایمرجنسی میں آنے کی کوشش کروں گا۔''

رات ہوئی تو حکیم وقار نے مطب کے سارے لوگوں کو کھانے پر جمع کیا اور جب سارے لوگ کھانا کھاچکے تو حکیم وقار بولے۔ ''میرے عزیزو! دراصل آج رات حکیم کامل صاحب حسب ضرورت دہلی سے دور جارہے ہیں۔'' یہ سنتے ہی سارے لوگ ہکا بکا ہوگئے۔ اور پھر افسردگی کے ساتھ ساتھ سب نے رولوکا سے مصافحہ کیا اور اس جگہ سے چلے گئے۔

اس کے بعد حکیم وقار اور رولوکا دونوں بغل گیر ہوئے اور حکیم وقار نے نم آنکھوں سے رولوکا سے مصافحہ کیا اس کے بعد حکیم وقار نے رولوکا کو اس کے کمرے میں چھوڑا اور اس طرح رولوکا نے غیبی حالت میں دہلی کو خیر باد کہہ دیا۔ خدا حافظ۔

گمنام درندہ

ایس امتیاز احمد-کراچی

درندے کی آواز سنتے ہی جیسے پورے جنگل میں تهلکه مچ گیا جنگل کے سارے جانور سهم کر رہ گئے تھے کئی تو ڈر و خوف کی وجه سے اپنے گھونسلوں سے نیچے گر پڑے لیکن پھر......

ایک خوفناک اور خونی درندہ کی وحشت ناک کہانی جس کے منہ انسانی خون لگ چکا تھا

میرے چچا نظام الدین مرحوم محکمہ جنگلات کے انچارج کے ساتھ ہی ایک ماہر شکاری بھی تھے۔ انہیں ڈائری لکھنے کا بہت شوق تھا، ان کی ڈائری سے ایک واقعہ کشید کرکے قارئین کی نظر کررہا ہوں۔

☆......☆......☆

میں جب وسطی ہندوستان کے ضلع متھرا کی تحصیل مہابل شیر میں محکمہ جنگلات کے انچارج کی حیثیت سے تعینات ہوا تو مقامی لوگوں کا ایک وفد مجھ سے ملنے آیا۔ اس کا سربراہ ایک بوڑھا تھا جو شاید مقامی آبادی کا سب سے معزز شخص تھا۔ اس نے ایک عرضداشت میرے سامنے رکھی اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ”سرکار آپ اس خون خوار درندے کو ختم کرادیں۔ ہمارے بال بچے آپ کی جان و مال کو دعائیں دیں گے۔“

میں نے عرضی پڑھ ڈالی۔ وہ کسی درندے کے بارے میں تھی جو انسانی خون کا پیاسا تھا۔ مرد عورتوں اور بچوں کو اٹھا کر لے جاتا تھا اور انہیں چیر پھاڑ کر کھا جاتا تھا۔ انسانوں کے علاوہ مویشیوں اور جنگلی جانوروں کو بھی نہ چھوڑتا تھا۔ کسی نے اسے دیکھا نہیں تھا۔ وہ مہابل شیر سے ملحقہ جنگل میں رہتا تھا اور قرب وجوار کی بستیوں کو اس نے اپنی خون آشامی کا مرکز بنا رکھا تھا۔ مقامی لوگوں نے اس جنگل کا نام درندے کا جنگل رکھ چھوڑا تھا۔

وفد کے کسی شخص نے چونکہ اسے دیکھا نہیں تھا اس لئے نہیں بتا سکتا تھا کہ وہ کس قسم کا ہے۔ اس کا جسم کیسا ہے شکل وصورت کیسی ہے اس جنگل میں خوف ناک جانور مثلاً شیر، چیتا، بھیڑیا وغیرہ بھی تھے لیکن وہ وہاں برسوں سے تھے اور انہوں نے کسی انسان کو نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ یہ درندہ چند ماہ سے میدان میں آیا تھا ۔اس لئے دیہاتیوں کا خیال تھا کہ وہ شیر، چیتا یا بھیڑ یا نہیں ہوسکتا بلکہ کوئی اور ہی بلا ہے۔

میں نے وفد والوں کے پریشان چہروں پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ ''فکر نہ کرو۔ میں اسے جلد از جلد ختم کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔''

''وہ بہت خطرناک ہے سرکار......'' بوڑھے نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ ''نہیں وہ تو جنگل کا محافظ ہے۔'' اچانک میرے قریب بیٹھے ہوئے ایک فارسٹ گارڈ نے بوڑھے کی بات کاٹ کر کہا پھر وہ مجھ سے انگریزی میں مخاطب ہوا۔

''سر کچھ لوگ جنگل کی لکڑیاں غیر قانونی طور پر کاٹ کر لے جاتے ہیں اور انہوں نے اپنی چوری پر پردہ ڈالنے کے لئے درندے کا ہوا کھڑا کر دیتے ہیں تا کہ دوسرے لوگ لکڑی نہ کاٹ سکیں، رہا سوال انسانوں کا اور جانوروں پر حملے کا تو جنگل میں بے شمار خونخوار جانور ہیں انہیں جب موقع ملتا ہے بستی کے قریب جا کر کسی اکیلے کو اٹھا کر لے جاتے ہیں لیکن یہ بات عام نہیں ہے۔''

''تم نے اسے دیکھا ہے؟'' میں نے گارڈ سے پوچھا۔

''ن...... نہیں...... دیکھا تو نہیں ہے میرا خیال ہے وہ چوپایہ ہے۔'' گارڈ نے قدرے تذبذب سے کہا۔

''ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ لکڑی چرانے والوں نے درندے کا ہوا کھڑا کر رکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا وجود نہیں ہے۔'' میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا تو اس کے چہرے سے گھبراہٹ ٹپکنے لگی اور وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ اپنی کمزوری چھپانے کی کوشش کر رہا ہے تا کہ اس پر فرائض سے غفلت برتنے کا الزام نہ لگے اتنے سارے لوگ جھوٹ نہیں بول سکتے۔ کوئی درندہ ہے ضرور لیکن کیا ہے یہ کسی کو علم نہیں ہے ممکن فارسٹ گارڈز کو اس کا علم ہو کہ وہ شیر، چیتا اور کوئی خونخوار جانور ہے لیکن چونکہ اس سے مقابلہ نہیں کر سکتے یا اسے ختم نہیں کر سکتے اس لئے اس کے وجود سے ہی انکار کرتے ہیں۔

میری پوزیشن ایسی تھی کہ فارسٹ گارڈز سے بنا کر رکھنی پڑتی تھی ورنہ کسی وقت بھی میری جان خطرے میں پڑ سکتی تھی مشکل اور خطرناک حالات میں یہی لوگ میرا ساتھ دے سکتے تھے یہ سب سوچ کر میں نے ان لوگوں سے کہا۔

''دیکھو یہ خوف ناک درندہ صرف سرکاری املاک کا محافظ ہے بلکہ وہ سور، ہرن اور دوسرے جانوروں سے تمہارے کھیتوں اور فصلوں کو بھی محفوظ رکھتا ہے وہ ان کا بھی دشمن ہے جو تمہیں نقصان پہنچاتے ہیں بہر حال میں انتظام کروں گا کہ وہ بستیوں میں نہ آسکے اور تم لوگ بھی جنگل میں دور ہو تو بہتر ہے۔''

میرا جواب سن کر دیہاتیوں کے منہ لٹک گئے اور وہ مایوسی سے سر جھکائے ہوئے چلے گئے ان کے جانے کے بعد فارسٹ گارڈ بھی چلا گیا تو میں پروگرام بنانے لگا کہ کس طرح اس مسئلے کا حل نکالا جائے۔

یہ وادی نہایت دلکش مناظر سے بھرپور تھی

اور سارا سال موسم خوشگوار رہتا تھا صرف جون سے ستمبر تک موسلا دھار بارش رہتی تھی۔ جو سالانہ تقریباً تین سو انچ ہوتی تھی ان دنوں راستے دشوار ہوجاتے تھے اور خاصی تکلیف ہوتی تھی البتہ علاقہ جنگلی درندوں سے محفوظ رہتا تھا کیونکہ نہ جانور اپنے مسکنوں سے نکل سکتے تھے نہ انسان اِدھراُدھر پھرتے تھے یہی وجہ تھی کہ دیہاتیوں کے بقول خوف ناک درندے اور فارسٹ گارڈ کے مطابق ''جنگل کے محافظ'' کی خونخوار کی کوئی اطلاع نہ ملی لیکن مون سون ختم ہوتے ہی ایک روز خبر آئی کہ درندہ ایک سات سالہ یا آٹھ سالہ بچے کو بستی کے مضافات سے اٹھالے گیا۔ میں اس کے بارے میں ابھی منصوبہ بندی کررہا تھا کہ آٹھ دس روز بعد ایک اور حادثے کی اطلاع ملی۔

اب تو میرے لئے مزید انتظار کرنا مشکل ہوگیا اور میں فارسٹ گارڈ کو لے کر اس کی تلاش میں چل پڑا میں اس کی ہچکچاہٹ اور بددلی کو واضح طور سے محسوس کررہا تھا کہ لیکن اسے میرے حکم کی تعمیل کے سوا چارہ نہ تھا۔ اوپر تلے دو واردا تیں ہوچکی تھیں اور قدم اٹھانا اس کا فرض بن چکا تھا۔ اس کے علاوہ میں نے گول مول لفظوں میں اس کی ہمت کو للکارا بھی تھا کہ اسی کے وطن اور ذات کے آدمی ایک نادیدہ درندے کا شکار بن رہے تھے اور جب میں اپنی جان پر کھیلنے کا تہیہ کرچکا تھا تو اسے بزدلی نہیں دکھانی چاہئے تھی۔ ان سب باتوں کے باوجود گارڈ یہ ناخوشگوار فرائض انجام دینے کے لئے خوش نظر نہیں آرہا تھا۔

ہم ایک شکستہ سڑک پر پیدل چلے جارہے تھے جس کا نام سیواجی روڈ تھا کہ ایک پیامبر دوڑتا ہوا آیا اور اس نے بتایا کہ وہ درندہ ایک قریبی گاؤں سے ایک بارہ سالہ لڑکی کو اٹھا کرلے گیا ہے یہ سنتے ہی ہم نے اپنا رخ اس گاؤں کی طرف موڑ دیا وہاں پہنچے تو ایک سوگوار ہجوم ہمارا منتظر تھا لیکن کوئی بھی میرے سوالوں کا تسلی بخش جواب نہ دے سکا انہوں نے صرف وہ جگہ بتائی جہاں سے درندہ لڑکی کو اٹھا کرلے گیا تھا۔

میں گارڈ کو لے کر خون کے نشانات دیکھتے ہوئے جنگل میں داخل ہوگیا ہم دونوں کے پاس بندوقیں تھیں اور ہم جنگل میں دور تک نکل گئے ایک جگہ پہنچ کر آگے بڑھنے کا راستہ مفقود نظر آیا کیونکہ گھنی اور لمبی لمبی جھاڑیوں کے ایک دوسرے سے گڈمڈ جھنڈ تھے۔ ہمیں لمبا سا چکر کاٹنا پڑا اور جب ہم جھاڑیوں کی دوسری طرف پہنچے تو میرے قدم رک گئے سامنے ہی لڑکی کی لاش نچی ہوئی پڑی تھی وہ خون میں نہائی ہوئی تھی پنڈلیوں اور پیٹ کا گوشت غائب تھا اور چہرہ پہچانا نہ جاتا تھا۔

لاش پر نظر پڑتے ہی میرے جسم میں جھرجھری آگئی اور نادیدہ درندے کے خلاف آنکھوں سے غم وغصہ کی چنگاریاں نکلنے لگیں لیکن میں نے ہوش کو جوش پر غائب رکھا اور غور کیا تو خیال آیا کہ درندہ کوئی نہایت اور موٹی کھال کا جانور ہے کیوں کہ جھاڑیوں کے یہ جھنڈ ایسے نہیں تھے کہ ان میں سے ہوکر کوئی نرم ونازک کھال کا جانور دوسری طرف نکل جاتا۔ یہ خیال آتے ہی میرا شبہ ریچھ یا گینڈے پر گزرا کہ ان ہی جانوروں کی کھال غیر معمولی موٹی ہوتی ہے لیکن جب میں نے آگے بڑھ کر لاش کو غور سے دیکھا تو مجھے اپنا شبہ کمزور نظر آیا کیوں کہ چہرے اور گلے پر پنجوں کے جو نشان تھے وہ ریچھ یا گینڈے کے نہیں ہوسکتے تھے بلکہ شیر کے پنجوں سے ملتے جلتے تھے اب میرے ذہن میں دوسری بات آئی کہ کسی شیر کو انسانی خون کی چاٹ پڑگئی ہے اور وہ انسانوں کا دشمن ہوگیا ہے کیونکہ ہر شیر انسان کو اٹھا کر نہیں لے جاتا جب تک وہ انسان کے خون کا مزہ نہیں چکھتا ہے اس پر حملہ نہیں کرتا ہے اور یہ مزا اتفاقاً یا کسی حادثے سے ہی اس کے منہ کو لگتا ہے یہی خیال لئے میں آس پاس اس درندے کے نشانات تلاش کرنے لگا۔

میں نے گارڈ کو محتاط رہنے کے لئے کہا اور خود دبے پاؤں جھاڑیوں میں جھانکنے لگا اچانک ایک جھاڑی میں کچھ سرسراہٹ سی محسوس ہوئی اور میں نے۔

سانس روک کراسے غور سے دیکھنے لگا چند لمحوں بعد مجھے ایک جانور کی پشت نظر آئی اس کا رنگ سیاہی مائل یا خاکستری تھا۔ میں نے قدم بڑھایا ہی تھا کہ وہ نگاہوں سے اوجھل ہوگیا اب میرے شبے کو تقویت ملی کہ درندہ ریچھ ہوسکتا ہے، گینڈا بھی نہیں اور شیر یا چیتا تو قطعی نہیں۔

میں اس کی تلاش میں دیر تک جھاڑیوں میں جھانکتا ہوا پھرتا رہا لیکن وہ دوبارہ نظر نہ آیا، سورج بھی ڈوب رہا تھا اس لئے میں نے واپسی کا ارادہ کیا اتنے میں بستی والے لاش کی تلاش میں آ پہنچے اور انہوں نے اشکبار آنکھوں سے لڑکی کی مسخ شدہ لاش اٹھائی ہمارا کیمپ اس مقام سے پانچ میل دور تھا بستی والوں کے پاس لاٹھیوں اور کلہاڑیوں کے علاوہ لالٹینیں بھی تھیں انہوں نے ایک لالٹین مجھے دے دی اور میں گارڈ کے ساتھ کیمپ کی طرف چل پڑا۔

چند روز تک کوئی نیا حادثہ رونما نہ ہوا، میں صبح بندوق اٹھائے کسی نہ کسی فارسٹ گارڈ کو ساتھ لئے درندے کی تلاش میں نکل جاتا کھانے پینے کا سامان اور پانی ہمارے ساتھ ہوتا اور دن بھر جنگل میں پھرتے رہتے۔ شام ڈھلتے ہی تو اپنے ہیڈ کوارٹر میں لوٹ آتے۔

اچانک ایک روز خبر ملی کہ درندے نے ایک قریبی گاؤں پر حملہ کرکے ایک دس سالہ لڑکے کا اپنی درندگی کا نشانہ بنایا ہے میں کوسٹ گارڈز کو سارا ؤ اور رام جی کو ساتھ لے کر فوراً وہاں پہنچا تو وہاں بچوں اور عورتوں کی آہ و بکا سے ایک شور برپا تھا سارے مرد لاٹھیاں لئے درندے کی تلاش میں گئے تھے۔

بے وقوفوں نے ہمارا انتظار بھی نہ کیا گارڈ نے عورتوں کو گھر کا۔ میں نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر ہم بھی مردوں کے پیچھے روانہ ہوگئے۔ وہ لوگ ہمیں جنگل میں مل گئے اور حادثے کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ مرد کھیتوں پر کام کرنے گئے تھے۔ گاؤں میں صرف عورتیں اور بچے تھے کچھ بچے کھیل رہے تھے درندے کا لقمہ بننے والا بچہ جو اپنی ماں کا اکلوتا لڑکا تھا دوڑتے ہوئے ذرا جنگل سے قریب چلا گیا اچانک درندہ اس پر جھپٹا اور اسے اٹھالے گیا شاید وہ جنگل کے سرے پر ہی گھات لگائے بیٹھا تھا۔ لڑکے کی لاش جنگل میں قریب ہی مل گئی درندے نے اس کا صرف تھوڑا سا گوشت ہی کھایا تھا جن بچوں نے درندے کو ایک نظر دیکھا تھا ان کا بیان تھا کہ وہ چوپایہ تھا اور اس کا رنگ قدرے سیاہ یا خاکستری تھا اس سے زیادہ وہ اور کچھ نہ بتا سکے۔

میں نے بڑے غور وخوص کے بعد ایک فیصلہ کیا کہ جنگل میں ایک جگہ بکری کو درندے کے چارے کے طور پر باندھ دیا لیکن مختلف مقامات پر کئی روز تک بچھڑوں اور بکریوں کو باندھے رکھنے کے باوجود درندے نے انہیں چھوا تک نہیں اس سے ثابت ہوا کہ درندہ صرف آدم خور ہے اس کے ساتھ ہی ایک بات انکشاف کے طور پر سامنے آئی کہ درندہ صرف چھوٹی عمر کے لڑکے اور لڑکیوں کو اٹھالے جاتا ہے مردوں اور عورتوں پر ہاتھ نہیں ڈالتا ہے اس سے یہ ثابت ہو رہا تھا کہ وہ زیادہ طاقت ور نہیں ہے اور کوئی چھوٹا سا جانور ہے ورنہ وہ جوان مردوں اور عورتوں کو بھی اٹھالے جاتا۔

میں فوراً ڈسٹرکٹ آفیسر سے ملنے گیا وہ ایک ہندو ایس آر آرتھر تھا اسے ساری صورت حال بتائی اور اس سے مدد طلب کی ہم دونوں نے سوچ بچار کرکے مسلح افراد کی پارٹیاں ترتیب دیں ہر پارٹی کا سربراہ ایک فارسٹ گارڈ تھا اور ساری پارٹیاں جنگل میں گھومنے لگیں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کئی مہینوں تک کوئی واردات نہیں ہوئی درندہ اتنا کائیاں تھا کہ کہیں دبکا رہا۔ اس سے یہ اندازہ ہوا کہ وہ محض انسانی گوشت پر ہی تکیہ نہیں کرتا بلکہ عام گوشت خور بھی ہے دراصل وہ جانوروں کے گوشت سے شکم پری کرتا ہے اور منہ کا مزا بدلنے کے لئے یا مشغلے کے طور پر انسانی گوشت کو استعمال کرتا ہے۔

دن گزرتے گئے اور مون سون پھر آ لگا ہمیں اطمینان ہوا کہ اب تین ماہ تک انسانی جانیں درندے کے ہاتھوں محفوظ رہیں گی یہ تین مہینے مرہٹی زبان سیکھنے میں گزارے۔ نہ صرف ٹوٹی پھوٹی بولنے لگا بلکہ کچھ کچھ پڑھنے اور لکھنے بھی لگا لیکن اس تمام عرصے میں درندے کا خیال کبھی میرے ذہن سے محو نہ ہوا بلکہ میں مون سون ختم ہوتے ہی فوری اقدامات' کے منصوبے بناتا رہا کیوں کہ مجھے یقین تھا کہ بارش ختم ہونے پر درندہ ایک روز بھی انتظار نہیں کرے گا اور فوری طور پر اپنے انسانی شکار کی تلاش میں نکلے گا اور یہ شکار لازماً کسی بدنصیب ماں باپ کا معصوم بچہ ہوگا اس تصور سے میرا خون کھول اٹھتا اور میں دانت پیسنے لگتا۔ میری واحد خواہش اس وقت یہ تھی کہ اب اسے کسی ماں کے لخت جگر یا باپ کے دلارے کو اٹھالے جانے کی مہلت نہ دوں ورنہ لعنت ہے میری زندگی پر۔

برسات رکتے ہی میں نے جنگل کے عین وسط میں اپنا کیمپ لگادیا اور شکار پارٹیاں چاروں طرف پھیلا دیں۔

فارسٹ گارڈ میرے دایاں اور بایاں بازو تھے میں انہیں ساتھ لے کر جنگل میں گشت کرنے لگا قرب وجوار کی بستیوں میں اعلان کرادیا تھا کہ اگر خدانخواستہ درندہ کسی بچے کو اٹھالے جائے تو اس کا پیچھا نہ کیا جائے اور ہمیں فوراً مطلع کیا جائے۔

ایک روز میں اپنے کیمپ سے گشت کرتے کرتے کوئی پانچ میل دور نکل گیا ابھی راستے میں ہی تھا کہ اطلاع ملی کہ کیمپ سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر درندہ ایک لڑکی کو اٹھالے گیا یہ سنتے ہی ذہن میں جھنجھلاہٹ کی ایک لہر دوڑ گئی اور درندے کی ہوشیاری پر پیچ وتاب کھا کر رہ گیا اسے علم تھا کہ شکار پارٹیاں کافی فاصلوں پر تھیں اور کیمپ میں بھی کوئی نہ تھا اس لئے اس نے قریب آ کر اور میدان خالی پا کر وار کیا۔ میں اور میرے دونوں ساتھی اس گاؤں کی طرف دوڑتے ہوئے گئے۔

اس وقت صبح کے نو دس کا عمل تھا۔ ہماری ہدایات کے مطابق گاؤں والوں نے درندے کا تعاقب نہیں کیا تھا بلکہ دم سادھے بیٹھے تھے حتیٰ کہ لڑکی کے والدین بھی چپکے چپکے سسکیاں لے رہے تھے گاؤں والوں نے ہر طرف سناٹا کر رکھا تھا تا کہ ہمیں درندے کو تلاش کرنے میں آسانی رہے۔ میں ان کو صبر وحوصلے کی داد دیتے ہوئے وہ جگہ دیکھی جہاں سے درندہ لڑکی کو اٹھا لے گیا تھا۔ وہاں خون کا ایک قطرہ بھی نہ تھا کچھ فاصلے پر جھاڑیوں کے جھنڈ تھے اس خیال سے کہ درندہ لڑکی کو وہیں لے گیا ہوگا میں کو سارا راؤ اور رام جی کو لے کر آگے بڑھا۔

جنگل میں داخل ہوتے ہی ایک خاردار جھاڑی میں کپڑوں کے ٹکڑے الجھے ہوئے ملے اور ہم ان ہی کی رہنمائی میں آگے بڑھے میں نے نظر سیدھ میں گاڑ رکھی تھی کو سارا راؤ نے دائیں طرف کی اور رام جی نے بائیں طرف کی جھاڑیوں کو نظر میں لے رکھا تھا۔

اچانک ایک جگہ گارڈ ٹھٹک گیا اور اس نے مجھے اشارہ کیا۔ میں پنجوں کے بل چلتا ہوا اس کے پاس گیا تو دائیں طرف کی گھنی جھاڑی کچھ ہلتی ہوئی نظر آئی آنکھوں پر زور ڈالا تو ایک چھوٹے سے انسانی جسم کا تھوڑا سا حصہ دکھائی دیا اور چپڑ چپڑ کی دھیمی دھیمی آواز سنائی دی ہم تینوں بیک وقت مستعد ہوگئے میں نے دونوں کو وہیں ٹھہرنے کو کہا اور خود بلی کی طرح آگے بڑھا، میں جھاڑی سے کوئی دس قدم کے فاصلے پر رک گیا اور شست باندھ لی۔ خطرہ تھا کہ اگر جھاڑی کے قریب گیا تو ممکن ہے سرسراہٹ یا قدموں کی آہٹ ہو اور وہ موذی درندہ خبردار ہوجائے۔ میں ان لمحوں میں خود کو زندگی اور موت کے دوراہے پر محسوس کر رہا تھا لیکن مجھے زندگی کی طرح موت بھی عزیز تھی۔

میری نظر کے سامنے وہ معصوم بچے گھوم رہے تھے جن کی آوازیں ہمارے کانوں میں گونج رہی تھیں۔ بستی والوں کے سوگوار چہرے اور سہمے ہوئے بچے نگاہوں کے سامنے ابھر رہے تھے۔ آپ مجھے اس درندے کو ختم کر دینا تھا یا اس کے ہاتھوں خود مر جانا تھا۔

میں اگلے لمحات کے بارے میں ابھی کوئی فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ اچانک جھاڑی زور سے ہلی اور ایک سیاہ گٹھڑی سی فضاء میں جست لگا کر میری طرف تیزی سے لپکتی ہوئی نظر آئی۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں حواس باختہ نہ ہوا اور میں نے اس پر گولی چلا دی وہ سیاہ گٹھڑی سی ڈگمگا کر نیچے گرنے لگی پھر معاً سنبھل کر میری طرف آئی میں نے اس پر تابڑتوڑ دو گولیاں اور چلا دیں اور وہ دھم سے زمین پر گر پڑی۔

یہ سب اتنی تیزی سے ہوا تھا کہ اپنے بھرپور تجربے کے باوجود میں نہ جان سکا کہ وہ درندہ جانوروں کی کون سی قسم تھی اور جب اس کے قریب جا کر دیکھا تو وہ چیتا تھا میں حیرت سے اسے دیکھنے لگا عام چیتوں کی طرح اس کے جسم پر ایک بھی دھاری نہیں تھی۔ خاکستری رنگ کے سوا کسی اور رنگ کا ایک معمولی سا دھبہ بھی نہ تھا۔

میں قدرت کی اس صناعی پر اتنا دنگ تھا کہ گارڈز کے قریب آ کر کھڑے ہونے کی بھی خبر نہ ہوئی انہوں نے اسے ناپا تو وہ سات فٹ ساڑھے سات انچ کا نکلا۔ اس سے مجھے اور بھی تعجب ہوا کہ وہ جست لگا کر فضا میں بلند ہوا تھا تو ایک چھوٹی سی گٹھڑی نظر آتی تھی جس کا حجم بہ مشکل چار مربع فٹ ہوگا اس کی عمر درمیانہ لگتی تھی لیکن پٹھے نہایت سخت اور مضبوط تھے۔

گولیوں کی آواز سن کر پارٹیوں کے لوگ اور بستی والے بھی بھاگم بھاگ پہنچ گئے۔ مردہ چیتے کو دیکھ کر انہیں حیرت بھی ہوئی اور اطمینان بھی نصیب ہوا لڑکی کی لاش کو اس کے ورثاء نے اٹھا لیا اور سب چلنے لگے تو میں وہیں کھڑا ٹکٹکی باندھے اس درندے کو دیکھتا رہا اور سوچتا کہ کاش اس سے مڈبھیڑ اس وقت ہوتی جب اس نے پہلے انسان کو اپنی لذت دہن کا شکار بنایا تھا۔

مورتیاں

طارق محمود۔ کامرہ اٹک

اچانک باز نے اپنا نوکیلا پنجہ خنجر مارنے والے کی آنکھوں پر مارا تو س کی بھیانک اور دلدوز چیخ نے قرب و جوار کو دہلا کر رکھ دیا، اب وہ دونوں بینائی سے اندھا ہوچکا تھا مگر پھر......

صدیوں پرانی ایک ایسی کہانی جو کہ پڑھنے والوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دے گی

ہلکی ہلکی برف باری ہورہی تھی سارا پہاڑی سلسلہ برف سے ڈھکا ہواتھا، وہ چاروں برف سے بچاؤ کا مکمل لباس پہنے ایک دوسرے سے بندھے آنکھوں پر گاگلز چڑھائے ایک چوٹی کی طرف چڑھتے جارہے تھے چوٹی سے تھوڑا ہی نیچے ایک کھلی جگہ پر پہنچتے ہی درمیان والے نے ایک آلہ سا نکالا اور اس پر لگے چند بٹن دبانے سے جب اس کی اسکرین روشن ہوگئی تو وہ پہاڑی کے ساتھ بیٹھ کر کے اس آلہ کی اسکرین کو غور سے دیکھا تو اسکرین بالکل سفید روشنی دینے لگتی اس نے وہ آلہ ادھر ہی رکھ دیا اور باقی تینوں کی طرف دیکھ کر دستانے پہنے ہاتھوں سے دو انگلیاں بمشکل اٹھا کر انہیں وکٹری کا نشان بنا کر دکھایا تو وہ تینوں تقریباً بھاگتے ہوئے اس کے پاس آگئے اور ایک دوسرے سے خوشی سے گلے ملنے لگے۔

انہوں نے اپنے وزنی بیگ اتار کر ایک چھجے دار چٹان کے نیچے رکھ دیئے اور اس کے پاس بیٹھ کر انہوں نے پانی کی بوتل سے چند گھونٹ پانی پیا اور ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر اشارے کرنے لگے، اس کے بعد انہوں نے اپنے اپنے بیگ سے کھدائی کرنے والے ہتھیار اور ان کے دستے نکال کر ان کو جوڑ لیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد وہ باری باری اس چٹان کے نیچے سے برف ہٹا رہے تھے انہیں کافی مشکل پیش آ رہی تھی لیکن وہ لگے رہے کچھ دیر بعد برف ہٹتے ہی ایک غار کا دہانہ نظر آنے لگا ان چاروں میں اس غار کو دیکھ کر بجلی سی بھر گئی اور وہ چاروں تیزی سے برف ہٹانے لگے۔ برف ہٹاتے ہٹاتے ان میں سے ایک رک گیا اچانک ایک جگہ سے برف ہٹتے ہی ایک انسان کا چہرہ نظر آنے لگا اس آدمی کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ نیچے بیٹھ کر ہاتھوں سے احتیاط سے برف ہٹانے لگا باقی تین بھی اس کے پاس آ کر برف کو ہٹانے لگے۔

آہستہ آہستہ برف میں دبی باڈی سامنے آ گئی جس کا چہرہ دیکھتے ہی ان چاروں میں سے ایک نے بھاگ کر بیگ سے ٹارچ نکالی اور غار کے اندر کی طرف بھاگ اٹھا، باقی تینوں اس جسم کو نکال کر غار کے اندر اٹھا کر لے گئے انہوں نے بھی اپنے اپنے بیگ سے ٹارچ نکال لی اب غار کے اندر سے چیخنے اور رونے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

وہ تینوں بھاگتے ہوئے غار کے اندر داخل ہوئے جہاں دو لاشیں اور پڑی تھیں اور ایک لاش کے سر کی طرف بیٹھ کر وہ آدمی روئے جا رہا تھا وہ تینوں اس کے پاس پہنچ کر لاش کو پہچانتے ہی اس کو دلاسہ دینے لگے۔

جب کچھ دیر بعد رونے والا کچھ سنبھل گیا تو اس نے تینوں لاشوں کو اکٹھا کرنے کا کہا، جس لاش پر وہ رو رہا تھا جب اس لاش کو اٹھایا گیا تو اس کے نیچے ایک ڈائری پڑی نظر آئی، تینوں لاشوں کو اکٹھا رکھ کر اس آدمی نے وہ ڈائری اٹھا کر پاکٹ میں ڈال لی اب وہ سب لاشوں کے پاس افسردہ کھڑے تھے۔

رونے والا اب بھی آنسو بہا رہا تھا برف باری رک گئی تھی موسم کھل گیا تھا اب وہ چاروں افسردہ چہروں کے ساتھ کھڑے تھے چاروں ہی نوجوان تھے شاید وہ سوچ رہے تھے کہ اب کیا کریں۔

”خیر چلو ان کو عزت سے دفنا دیں۔“

اس نے پھر کہا اور وہ تینوں ان لاشوں کو قبروں جیسے گڑھے کھود کر دفنانے لگے ان کو دفنانے کے بعد وہ چاروں جو کچھ بھی ان کو دعا یاد تھی ہاتھ اٹھا کر پڑھنے لگے۔

اچانک کسی بڑے پرندے کی پروں کی کی آواز آئی اور پھر ایک بڑا سا باز ان کے سروں کے قریب سے پرواز کرتا ہوا غار سے باہر اڑتا چلا گیا، وہ چاروں اچانک اس افتاد سے سراسیمہ ہو گئے اور زمین پر بیٹھتے چلے گئے۔

☆......☆......☆

شہباز کا باپ شہروز خان ایک مہم جو تھا پہاڑوں پر قیمتی پتھر باز اور نایاب پرندے پکڑنا اس کی مہم ہوتی تھی وہ جب بھی کامیاب لوٹتا تھا تو شہباز کو گھماتا پھراتا اور جو کچھ شہباز کہتا اسے خرید کر دیتا لیکن اس دفعہ شہباز دیکھ رہا تھا کہ جب سے اس کا باپ مہم سے واپس آیا ہے افسردہ اور پریشان ہے شہباز پندرہ سال کا ہو چکا تھا میٹرک میں پڑھ رہا تھا وہ اپنے والد کا موڈ خوب سمجھتا تھا اس کی ماں مہتاب اور شہباز نے شہروز خان سے بہت پوچھا لیکن اس نے اداس ہونے کی وجہ نہ بتائی آخر کوئی پریشانی اس کے دل پر اٹیک کا سبب بنی۔

شہباز اور اس کی ماں اس دنیا میں اکیلے رہ گئے کچھ وقت تو ان کا جیسے تیسے گزر گیا لیکن جب حالات تنگ ہوئے تو شہباز نے کوئی چھوٹی موٹی نوکری تلاش کرنا شروع کر دی اس نے چائے کے ہوٹل اور بڑی دکانوں پر نوکری کی لیکن اس نے پہلے کبھی کام نہیں کیا تھا اسی لئے اس کے ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے جنہیں دیکھ کر اس کی ماں رو پڑی۔

اور اسے دوسرے شہر ایک چمکدار بڑا سا پتھر جو کہ بہت ہی قیمتی نظر آتا تھا دے کر شہروز خان کے ایک سنار دوست کے پاس بھیج دیا۔ ”یہ لو بیٹا تمہارے باپ نے

مشکل وقت کے لئے دیا تھا ہوسکتا ہے اس سے کچھ اچھے پیسے مل جائیں تو کوئی چھوٹا سا کاروبار ہی شروع کر سکو۔“

شہباز نے وہ پتھر اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اس نے اپنی ماں سے وہ پتھر لیا جو کہ ایک عام مرغی کے انڈے جتنا تھا اور اس کے اندر قدس قزح جیسے رنگ تھے شہباز اس پتھر کو لے کر ماں کی دعائیں لیتا ہوا لمبے سفر پر روانہ ہوگیا۔

بلوچستان کا ریتلا علاقہ تھا شہباز کا گاؤں بھی ایک صحرائی گاؤں تھا جس کے پاس سے قافلے گزرتے تھے لیکن اس نے کسی قافلے کا انتظار نہ کیا بلکہ اپنے گدھے اور کچھ کھانے کے سامان کمبل وغیرہ لے کر ماں کے بتائے ہوئے راستہ پر چل پڑا وہ جلد سے جلد اپنے باپ کے دوست سنار کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔

جب وہ گھر سے نکل رہا تھا تو ایک باز اڑتے ہوئے نیچے کی طرف لپکا اور اس کے گھر کے دروازے پر آبیٹھا اس کی تیز نظریں شہباز کا پیچھا کر رہی تھیں، جب شہباز کافی دور چلا گیا تو اس باز نے شہباز کے گھر کی طرف ایک الوداعی نگاہ ڈالی اور ہوا میں پرواز کر گیا اب اس کا رخ شہباز کی طرف تھا۔

شہباز گدھے پر سوار ماں کے سمجھائے ہوئے راستے پر رواں دواں تھا، شام سے پہلے اس نے راستے میں کوئی پڑاؤ نہ کیا بلکہ کھانا تک نہ کھایا، بس پانی سے گزارہ کرتا رہا۔

شام تک وہ ماں کے بتائے ہوئے ایک ٹیلہ تک پہنچا تو اسے سکون آیا اس نے وہاں پڑاؤ کیا گدھا ایک جھاڑی کے ساتھ باندھ کر اس نے کھانا کھایا اور اس کے پاس ہی کمبل بچھا کر لیٹ گیا۔

اسی وقت اس کے اوپر سے باز پرواز کرتا ہوا گزر گیا، شہباز نے سر اٹھا کر ایک لمحہ باز کی طرف دیکھا اور پھر آنکھیں بند کرلیں ابھی اسے لیٹے کچھ دیر ہی ہوئی تھی کہ اس کا گدھا دولتی جھاڑنے لگا اور پھر زور لگا کر رسی توڑنے کی کوشش کرنے لگا شہباز جلدی سے اٹھ بیٹھا اس نے پاس ہی رکھی کلہاڑی اٹھالی جو کہ اس کی ماں نے اسے اپنی حفاظت کی غرض سے دی تھی۔

شہباز ایک مہم جو کا بیٹا تھا اسی لئے خطرے کو جلد بھانپ گیا، اس نے کلہاڑی سونت کر ادھر ادھر دیکھا۔

اچانک ٹیلہ کے اوپر سے ایک بھیڑیا چھلانگ لگا کر اس کے اوپر آ گرا، شہباز اس افتاد کے لئے تیار نہ تھا، بھیڑیا کے خونخوار پنجے اس کے کھدر کے کپڑے کو پھاڑتے ہوئے اس کی پیٹھ پر چند خراشیں ڈال گئے، شہباز گر کر جلدی سے اٹھ بیٹھا، اس کی کلہاڑی کچھ دور جا گری، بھیڑیا لڑھکتا ہوا گدھا کے قریب چلا گیا، گدھا اب گم صم ہوگیا تھا شاید اس نے بھیڑیا کو قریب دیکھ کر اپنے آپ کو مردہ سمجھ لیا تھا۔

شہباز نے جب یہ صورت حال دیکھی تو وہ پریشان ہوگیا کیونکہ گدھا نہ صرف اس کے سفر کی سواری تھا بلکہ وہ اس کے سفر کا ساتھی بھی۔

بھیڑیا کبھی گدھے کی طرف دیکھتا اور کبھی شہباز کی طرف خونخوار دانت نکالتا شہباز نے ایک بہادرانہ قدم اٹھایا اور کلہاڑی کی طرف چھلانگ لگائی ادھر بھیڑیا بھی اس پر جھپٹا اسی وقت فضاء میں باز کی چیخنے کی آواز گونج اٹھی باز کسی فائٹر جہاز کی طرح بھیڑیا پر حملہ آور ہوا اور اس کی ایک آنکھ کو نقصان پہنچاتا ہوا اوپر اٹھ گیا۔

بھیڑیا اچانک اس حملہ سے سنبھل نہ سکا اور اپنی دائیں آنکھ ضائع کرا بیٹھا، آنکھ ضائع ہوتے ہی اس کے منہ سے کان پھاڑنے والی آوازیں نکلنے لگیں، ادھر شہباز نے کلہاڑی اٹھا کر اس پر حملہ کر دیا، بھیڑیا باز کے وار سے سنبھل بھی نہ پایا تھا کہ کلہاڑی اس کی پیٹھ پر لگتے ہی اندر دھنس گئی۔

اسی وقت باز نے بھیڑیا کی دوسری آنکھ کو نشانہ بنایا اور اپنے خونخوار پنجے اس کی دوسری آنکھ میں مار کر پرواز کر گیا بھیڑیا چکراتے ہوئے ریت پر لوٹ پوٹ ہونے لگا شہباز نے باز کی طرف ممنونیت سے دیکھا کیونکہ وہ اس کا محسن تھا ویسے بھیڑیا کو اکیلے قابو کرنا شہباز کے بس میں نہ تھا۔

گدھا رسی تڑانے کے لئے پھر سے زور لگانے لگا تو شہباز نے آگے بڑھ کر گدھے کی گردن پر ہاتھ پھیر

کرا سے شانت کیا اس کے چند ساعت بعد ہی شہباز نے پڑاؤ اٹھالیا اب وہ کہیں آگے پڑاؤ کرنا چاہتا تھا اب باز اس کے ساتھ تھا کبھی اس کے کندھے پر بیٹھ جاتا تو کبھی اس کے اوپر ان کے ساتھ ساتھ اڑتا رات کے آخری پہر بستی کی ایک چھوٹی سی سرائے میں شہباز نے کچھ گھنٹوں کے لئے آرام کیا اور پھر وہاں سے سرائے کے مالک سے آگے کا راستہ معلوم کرکے پھر سے چل پڑا۔

راستہ میں پھر رات آئی لیکن اس دفعہ وہ چوکس رہا اور کچھ گھنٹے آرام کرکے چل پڑا باز، اس کے ساتھ ساتھ تھا شہر میں داخل ہونے سے پہلے شہباز کو دو ٹھگ مل گئے تھوڑا ہی راستہ وہ شہباز کے ساتھ چلے اور اسے کسی طرح لوٹنے کا پروگرام بنانے ہی والے تھے کہ ایک پولیس گشتی پارٹی اس طرف آ گئی صبح کا وقت تھا ان ٹھگوں نے بھاگنے ہی میں عافیت جانی لیکن اتنا اچھا شکار جانے کا دکھ انہیں بار بار ہو رہا تھا۔

شہباز شہر میں داخل ہوگیا اور اپنے والد کے دوست امیر الدین سنار کا گھر جلد ہی تلاش کرلیا کیونکہ وہ اس شہر کا مشہور سنار تھا۔

امیر الدین نے شہباز کو خوش دلی سے خوش آمدید کہا اور جب اسے پتہ چلا کہ اس کا دوست شہباز کا باپ اس دنیا کو چھوڑ کر جاچکا ہے تو اسے سچ میں بہت افسوس ہوا۔ ''شہباز تم آرام کرو سفر سے کافی تھک گئے ہوگے اس کے بعد باقی باتیں کریں گے۔'' یہ کہہ کرامیر الدین نے اپنی بیٹی شہانہ کو آواز دی جو کہ خوب صورت اور سلجھی ہوئی باتونی لڑکی تھی۔

شہانہ بیٹا شہباز کو کونے والا کمرہ دکھادو اور اس کی صفائی وغیرہ بھی دیکھ لینا۔'' امیر الدین نے اپنی بیٹی سے کہا تو اس نے مسکرا کر شہباز کی طرف دیکھا۔

''ٹھیک ہے ابا جان۔''

شہانہ نے شہباز کو اس کا کمرہ دکھایا اور پھر اس کے ساتھ اس کا تھوڑا سا سامان بھی اندر رکھوانے لگی ساتھ ہی وہ چپڑ چپڑ باتیں بھی کررہی تھی یہی کہ وہ کہاں سے آیا ہے کیوں آیا ہے کیا اس کے پاس سونا ہے جو کہ اس کے ابو کو بیچنا چاہتا ہے وغیرہ وغیرہ لیکن شہباز جب اس کی باتوں کے جواب میں خراٹے بھرنے لگا تو اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا اور وہ مسکراتے ہوئے شہباز کی طرف گھورتے ہوئے باہر چلی گئی۔

☆......☆......☆

شام کو شہباز کا لایا ہوا پتھر امیر الدین ہاتھوں میں الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا اور کسی گہری سوچ میں تھا، آخر اس نے سر جھٹکا شاید وہ کسی فیصلے تک پہنچ چکا تھا۔ ''شہباز بیٹا بات یہ ہے کہ یہ پتھر بہت ہی قیمتی ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ یہاں اس کی کوئی قیمت تمہیں مل سکے۔'' شہباز امیر الدین کی بات سن کر پریشان ہوگیا کہ اب کیا ہوگا کیونکہ وہ تو بڑے بڑے خواب دیکھ کر آیا تھا۔

''ہاں ایسے ہے کہ تم اس پتھر کو اپنے پاس حفاظت سے رکھو...... تم دو ہی گھر کے فرد ہو تو ایسے کرو کے اپنی ماں کو بھی ساتھ لے آؤ یہاں گھر ملنا کوئی مشکل نہیں...... تم میرے ساتھ آ کر سونے اور جواہرات کا کام سیکھو مجھے بھی ان دنوں ایک شاگرد کی اشد ضرورت ہے اور تمہاری بھی ضروریات پوری ہوتی رہے گی اور کام بھی سیکھ لوگے۔''

شہباز کو امیر الدین کی بات اچھی لگی لیکن وہ اپنی ماں سے بات کرنا چاہتا تھا دو تین وہ شہانہ کے ساتھ گھوم پھر کر شہر کے تفریحی مقام دیکھتا رہا دونوں نے خوب شرارتیں کیں شہباز کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ وہاں سے ایک دن کے لئے بھی جائے لیکن جانا بھی ضروری تھا دونوں نے آنکھوں میں آنسو بھرا الوداع کہا ایک دوسرے کو۔

شہباز ایک قافلہ کے ساتھ گیا اور کچھ دنوں بعد اپنی امی اور گھریلو ضرورت کا سامان گدھے ریڑھے پر لاد کر واپس امیر الدین کے پاس پہنچ گیا اس کی والدہ نے امیر الدین اور اس کے گھر والوں کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے مشکل وقت میں ان لوگوں کا ساتھ نہ چھوڑا۔

''بہن کیسی باتیں کرتی ہیں شہروز خان میرے بچپن کا دوست تھا میں اس مشکل گھڑی میں اس کی فیملی کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔'' امیر الدین نے غم زدہ لہجے میں

کہا۔ اس کے بعد امیر الدین اور شہانہ ان دونوں کو چھوڑنے ان کے کرایہ کے گھر تک گئے جس کا کرایہ امیر الدین نے اپنے ذمہ لیا تھا۔

''امیر الدین چچا کہہ رہے تھے کہ یہ جو پتھر ہمارے پاس ہے بہت قیمتی ہے اگر آپ اجازت دیں تو میں اسے کسی بڑے شہر بیچنے کے لئے لے جاؤں۔'' شہباز نے امی کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے کہا۔

''نہیں بیٹا اس پتھر کو سنبھال کر رکھ لیتے ہیں امیر الدین بھائی نے اتنی نیکی کی ہے تو تمہیں چاہئے کہ دکان پر ان کا ہاتھ بٹاؤ اور دل لگا کر کام سیکھو۔''

اور پھر شہباز دل لگا کر کام سیکھنے لگا ایک تو اس کی ضرورت تھی۔ دوسرا اسے کام سیکھنے کی لگن تھی اور تیسرا شہانہ چاہتی تھی کہ شہباز اس کے باپ کے سامنے سرخرو ہو۔

☆......☆......☆

وہ چار گھوڑسوار تھے منہ پر ڈھاٹے باندھے کندھوں پر رائفل لٹکائے صحرا کی ریت چھان رہے تھے جب بھی کوئی راستے میں بستی یا سرائے وغیرہ آتی وہ وہاں سے کسی خان کے بارے میں لوگوں کو اس کا حلیہ بتا کر معلومات لیتے لیکن شاید خان کو وہاں کوئی نہ جانتا تھا۔ ''مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ اس نے بابا کو اپنا غلط پتہ بتایا ہوا تھا۔''

ایک گھوڑے سوار نے باقی تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا آگے سے انہوں نے سر ہلا دیئے اور پھر وہ آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اب کس طرف جانا چاہئے جب ان کا آپس میں طے ہو گیا تو انہوں نے گھوڑے ایک طرف دوڑا دیئے۔

شہباز نے پانچ سال کے عرصہ میں ہیرے جواہرات اور سونے کے بہت سے رموز بہت اچھی طرح سیکھ لئے اس دن شہباز اسکی امی بہت ہی خوش تھے ور دوسری امیر الدین اس کی فیملی بلکہ خاص طور پر شہانہ بہت خوش تھی۔ ''شہباز اب تو تم سنار بن گئے ہو۔ اپنی امی کو میرے رشتہ کے لئے بھیجوں ناں۔''

''ذرا صبر اب اتنی بھی کیا جلدی ہے مجھے ذرا سونے کے زیورات بنانا تو اچھی طرح سے سیکھنے دو۔''

''جب تم نے اتنا کچھ سیکھ لیا ہے تو وہ کون سا مشکل ہے۔'' شہانہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''تمہیں کیا پتہ پگلی میری خواہش ہے کہ پہلے اپنی امی کو ایسے کنگن بنا کر دوں اور اپنی بیوی کو ایسا سونے کا ہار سیٹ بنا کر دو کہ سارا زمانہ دیکھے۔'' شہباز کی بات سن کر شہانہ کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی اور وہ میٹھے سپنوں میں کھو گئی۔

☆......☆......☆

وہ چاروں گھوڑسوار اسی حلیہ میں ایک گاؤں کے ایک گھر کے سامنے کھڑے تھے۔ ''آپ لوگ جس خان کو ڈھونڈ رہے ہیں اس کا گھر یہی ہے۔'' ان کے سامنے کھڑے ایک بوڑھے آدمی نے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن بابا یہاں تو تالا لگا ہوا ہے۔'' ان چاروں میں سے اگلے والے نے جو کہ ان کا سردار لگتا تھا دروازہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''...... بیٹا تم چاروں نے اپنے آپ کو خان کا دوست کہا ہے لیکن...... تم لوگ تو اس سے کافی کم عمر ہو اور پھر تم کیسے دوست ہو تمہیں یہ تک نہیں پتا کہ خان فوت ہو چکا ہے اسے تو فوت ہوئے بھی پانچ سال سے اوپر ہو گئے ہیں۔'' بوڑھے آدمی نے حیرت سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ چاروں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے کہ اب کیا جواب دیں۔

''بابا یہ بہت لمبی بات ہے ہم لوگ بھی پانچ چھ سال بعد ہی اس طرف آئے ہیں بس ان سالوں میں ہماری ملاقات نہیں ہو سکی اس لئے ہمیں نہیں پتا۔'' انہوں نے بابا کو مطمئن کرنے کے لئے چند اور باتیں بنائیں اور پھر اس سے خان کے بیوی بچوں کے بارے میں پوچھا۔

''وہ لوگ تو اس کے فوت ہونے کے کچھ ماہ بعد ہی یہاں سے چلے گئے تھے اور مجھے نہیں پتا کہ وہ کہاں گئے۔''

''ٹھیک ہے بابا آپ کی بڑی مہربانی آپ نے

ہماری اتنی مدد کی۔‘‘ یہ کہہ کر وہ چاروں بابا کو سلام کر کے ایک طرف گھوڑے بڑھا لئے گئے جبکہ بابا نے ان لوگوں کو کچھ دیر اس کے پاس آرام کرنے کے لئے کہا لیکن وہ جلدی میں ہیں کا بہانہ کر کے چلے گئے۔

جب گھوڑے ہلکا دوڑاتے ہوئے ایک سمت جانے لگے تو خان کے گھر میں لگے ایک بیری کے بڑے سے درخت پر بیٹھا باز ان لوگوں کو گھور رہا تھا ان کے جاتے ہی اس نے ان کے پیچھے ایک اڑان بھری اور پھر وہ واپس آ کر بیری پر بیٹھ گیا۔

☆......☆......☆

شہباز جب رات بستر پر سونے لگا تو کپڑے بدلتے ہوئے اسے ایسا لگا کہ جو کپڑے اس نے پہنے ہیں ان کی جیب میں کچھ کاغذ سے کڑکڑائے ہو اس نے جلدی سے جیب کے اندر ہاتھ ڈالا اور وہ کاغذ نکال لئے یہ کپڑے آج ہی اس کی امی نے ایک بکس میں سے نکالے جو کہ شہباز ا باپ رات کو پہن کر سوتا تھا شہباز نے جب وہ سوٹ دیکھا تو اسے اپنے باپ کی یاد آ گئی اور اس نے وہ سوٹ رات پہننے کے لئے لے لیا اور اب اسی سوٹ کی جیب میں سے چند کاغذ نکل آئے تھے جن پر پین سے کچھ لکھا تھا۔ اس نے لکھائی پہچان لی جو کہ اس کے باپ کی تھی شہباز چارپائی پر چڑھ کر ان کاغذوں کو ترتیب دے کر پڑھنے لگا۔

’’شہباز میرے بیٹے میں جو کچھ لکھ رہا ہوں اگر یہ کاغذات تمہیں مل گئے تو ان کو غور سے پڑھنا قصہ کچھ زیادہ لمبا نہیں ہے تم جانتے ہو کہ میں اور ارباز دوست ہیں اور ہم مہم جو ہیں ارباز کو ایک پہاڑی آدمی ملا کیسے ملا کہاں ملا یہ لمبی کہانی ہے اس پہاڑی آدمی نے ہمارے ساتھ ایک قیمتی پرندوں کو پکڑنے کی مہم میں کام کیا تو اسے ہمارا طریقہ بہت پسند آیا اس مہم سے واپسی پر طورخان پہاڑی آدمی نے ہمیں ایک خزانہ کے بارے میں بتایا جو کہ ان کے پہاڑی علاقہ کی ایک پہاڑی غار میں تھا اس کی بات سن کر ہم لوگ اس خزانے کی تلاش کے لئے پلان بنانے لگے۔

طورخان نے اس خزانہ میں سے آدھا حصہ مانگا جو کہ کچھ دیر کی بحث و مباحث کے بعد ہم کو ماننا پڑا لیکن ہم جب اس کے علاقہ میں پہنچے تو پہاڑوں پر برف ہی برف تھی اور طورخان نے اس خزانے کے بارے میں تو ہمیں بتا دیا لیکن پوری بات نہ بتائی وہاں جا کر اس نے ہمیں گائیڈ کیا اور خود وہ اپنی بستی میں چلا گیا تا کہ ان لوگوں کو اس غار کی طرف آنے سے روکے جس میں کہ خزانہ تھا وہ جتنا بھی خزانہ تھا وہ وہاں سے نکالنا ہماری ذمہ داری تھی طورخان بعد میں ہم سے اپنا حصہ لے لیتا۔

ہم اس غار تک پہنچ گئے ہم نے وہ خزانہ بھی پا لیا جو کہ سونے کی ڈیڑھ ڈیڑھ فٹ کی بارہ مورتیوں کی شکل میں تھا ہمارے پاس لکڑی کے دو صندوق تھے ہم نے وہ مورتیاں ان دونوں صندوق میں رکھ لیں ان دونوں صندوق کے نیچے برفانی گاڑی جیسی لکڑی لگی تھی جو کہ برف پر ہلکا سا کھینچنے پر پھسل پھسل جاتی ہے، ہم چار آدمی تھے میں نے ایک صندوق کے ساتھ بندھا بیلٹ اپنی کمر سے باندھا جبکہ ارباز خان نے دوسرے صندوق کو ہلکا سا دھکا دیا تا کہ وہ پھسل کر غار سے باہر نکل جائے اور اسے آسانی سے اوپر سے نیچے اتارا جاسکے کہ وہ صندوق پھسلا تو ضرور لیکن ہمارے دو ملازموں کو گراتا ہوا غار سے نکل کر نیچے کی طرف پھسلنے لگا شاید ارباز خان نے دھکا کچھ زور سے دے دیا تھا۔

میں اس صندوق کو پکڑنے کے لئے بھاگا تو میرے ساتھ بندھا ہوا صندوق بھی آنے لگا جس کا مجھے دھیان ہی نہ رہا کیونکہ یہ سب اچانک ہوا تھا اب مجھے نہیں پتا کہ ارباز خان نے جان کر صندوق کو زور سے کھسکایا یا پھر اس سے غلطی سے زور کا دھکا لگا وہ صندوق تیزی سے برف پر پھسلتا ہوا پہاڑی سے نیچے جانے لگا اور میں اس کے پیچھے غار سے نکلا ہی تھا کہ اچانک پہاڑی کی چوٹی سے برف کا ایک ریلا آیا اور غار کے منہ پر ایسے گرا کہ غار کا منہ بند ہو گیا۔

برف کا ریلا غار کے منہ پر ہی جم گیا ورنہ اگر وہ اپنے ساتھ پہاڑی پر پڑی مزید برف لے کر میری طرف آتا تو میرا ابھی بچنا بہت مشکل ہوتا میں برف کے

اس صندوق کے پیچھے بھاگتے ہوئے کچھ ہی دور تک آیا تھا کہ مجھے پیچھے ایک شور سنائی دیا میں نے بھاگتے ہوئے پلٹ کر دیکھا تو میرے اوسان خطا ہوگئے کیونکہ پہاڑی کی چوٹی سے بہت سے پہاڑی قبیلہ کے آدمی اتر رہے تھے اور وہ اترتے ہوئے میری طرف اشارے کر رہے تھے میں ان کو دیکھ کر اتنا ڈرا کہ وہاں سے بھاگنے میں ہی عافیت سمجھی لیکن میں بہت ہی مشکل سے وہاں سے بھاگ کر گاڑی تک پہنچا۔

ارباز خان، ملازموں اور دوسرے صندوق کا خیال تک مجھے نہ آیا ہاں جو صندوق میری کمر کے ساتھ بیلٹ سے بندھا تھا میرے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ اسے کھولوں کیونکہ مجھے اپنی موت صاف نظر آرہی تھی میں اس صندوق کو بمشکل گھسیٹتا ہوا گاڑی تک لایا اور وہاں سے ایک کٹر نکال کر اس کا بیلٹ کاٹ کر اسے گاڑی میں لوڈ کردیا میں بیٹھنے ہی والا تھا کہ مجھے ایسا لگا کہ جیسے میرے بائیں کندھے میں مرچیں سی بھر گئیں میں نے پلٹ کر دیکھا تو ایک آدمی کو اپنی طرف بھاگتے ہوئے پایا جس کے ہاتھ میں ایک کمان تھی تب میں نے بائیں کندھے پر ہاتھ لگایا تو ایک تیر کو کندھے میں پیوست پایا۔

میں نے زور لگا کر اسے کھینچ لیا میں مہم جو ہوں اس لئے درد تو بہت ہوا لیکن برداشت کرلیا اس صندوق میں چھ مورتیاں تھیں جو کہ مکمل سونے سے بنی تھیں۔ دوسرے صندوق اور ارباز خان لوگوں کا کیا بنا مجھے نہیں پتا میں وہاں سے بھاگ آیا میرا زخم دو تین دن تک میڈیکل ٹریٹ منٹ سے ٹھیک ہوگیا لیکن کبھی کبھی ایک چبھن سی محسوس ہوتی ہے میں نے اس زخم کی طرف دھیان نہ دیا لیکن اس تیر پر شاید کوئی زہر وغیرہ لگا تھا جس نے مجھے کسی اندرونی بیماری میں مبتلا کردیا ایک ڈاکٹر کو دکھایا ہے جس نے میرے کچھ ٹیسٹ لئے ہیں یہ بات میں نے تم لوگوں سے چھپائی ہے۔

مجھے یاد آیا کہ اس سے پچھلی مہم پر مجھے ایک باز ملا جو کہ بہت گھائل تھا میں نے اس کا کچھ علاج کیا تو وہ اڑنے کے قابل ہوگیا اور میرا بہت اچھا ساتھی بن گیا اور ایک اچھا مددگار بھی اس نے دو جگہ میری ایسی مدد کی کہ میں خود حیران رہ گیا اور مجھے ایسا لگنے لگا کہ اس باز کے اندر کوئی نیک روح یا پھر وہ کوئی جن ہے کیونکہ اسے خطرے کا بہت جلد احساس ہوجاتا ہے میرے ساتھ وہ دو دن گھر بھی گزار چکا ہے۔

تمہیں یاد ہوگا افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ باز بھی اس غار میں برف گرنے سے قید ہوکر رہ گیا کاش کہ وہ ہوتا تو تمہارا بہت اچھا دوست و مددگار ہوتا کیونکہ میرے بعد تمہیں ایک ایسے ہی مددگار کی ضرورت ہے میں نے اس صندوق کو ایک کنویں میں دفنا دیا ہے میرا اسے استعمال کرنے کا ارادہ ڈگمگا رہا تھا کیونکہ ان مورتیوں کے پیچھے تین جانیں ضائع ہوئیں جو کہ میرے سامنے ہوئیں نہ جانے اور کتنی ہوئی ہوں گی مجھے بھی بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی۔

''میں نے اس کنویں اور صندوق کا راز ایک ایسی چیز میں بند کردیا ہے جو کہ بظاہر بہت قیمتی معلوم ہوتی ہے لیکن وہ عام سی چیز ہے ایک بے قیمت چیز جسے اس راز سے بہت قیمتی بنا دیا ہے وہ چیز تمہارے سامنے ہوسکتی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ تمہیں ملے ہی نہ اب یہ سب تمہاری قسمت پر ہے۔''

شہباز کو ان کاغذات سے کچھ باتیں معلوم ہوئیں جو کہ اس کو پہلے معلوم نہ تھیں ایک تو یہ کہ اس کے باپ کو دل کا دورہ نہیں پڑا تھا بلکہ اس تیر پہ لگے زہر نے انہیں موت کی دہلیز تک پہنچایا تھا دوسرا اسے یہ بھی پتا چلا کہ وہ باز اس کی مدد کیوں کر رہا تھا اسے یاد بھی آگیا کہ وہ باز ان کے گھر میں رہ چکا ہے اور شہباز اسے اپنے ہاتھ سے گوشت کے ٹکڑے بھی کھلا چکا ہے اسے اپنے باپ کے بارے میں پڑھ کر رونا آیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ اس کے بعد وہ پوری رات سوچتا رہا کہ وہ کون سی ایسی چیز ہے جو کہ نظر تو قیمتی آتی ہے لیکن ہے کم قیمت صبح ہوتے ہی اسے نیند آگئی اور وہ گہری نیند میں کھو گیا دن چڑھے اسے امی نے اٹھایا۔'' بیٹا کام پر نہیں جانا چاچا تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔''

شہباز جلدی سے نہا دھو کر تیار ہوا اور دکان کی طرف چل نکلا لیکن اس کا ذہن الجھا ہوا تھا شام دکان سے نکلتے وقت اس کی نظر ایک بڑے سے ہیرے پر پڑ گئی جس کی جسامت عام ہیروں سے تھوڑی بڑی تھی اور وہ کافی چمکدار اور قیمتی ہیرہ تھا اسے دیکھتے ہی شہباز کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا اسے وہ پتھر یاد آ گیا جو کہ اس کے باپ نے اس کی ماں کو مرنے سے پہلے دیا تھا اور جسے لے کر شہباز اپنے باپ کے دوست امیرالدین کے پاس بیچنے کی غرض سے لایا تھا شہباز وہاں سے سیدھا گھر گیا اور ماں سے اس پتھر کے بارے میں دریافت کیا۔ ''کیوں خیر تو ہے بیٹا...... آج تمہیں اس پتھر کی یاد کیسے آ گئی۔''

''امی بس آپ نے وہ پتھر جہاں رکھا ہے لے آئیں۔'' شہباز نے کہا تو اس کی امی گئی اور وہ پتھر اٹھا کر اس کمرے میں لے آئی۔ شہباز اب ایک زرگر تھا اس نے ماں کے ہاتھ میں پتھر دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ نقلی پتھر ہے یعنی کہ بے قیمت چیز ہے کیونکہ اسے پتا تھا ہیرہ بالکل صاف ہوتا ہے یعقوت دودھ رنگ جیسا ہوتا ہے جبکہ اس پتھر میں تو قوس قزح کے سات رنگ تھے یہ بالکل عام پتھر تھا۔

''بیٹا یہ پتھر بہت قیمتی ہے مجھے نہیں لگتا کہ اس شہر میں اس کی قیمت کوئی ادا کر سکے۔'' شہباز کے ذہن میں امیرالدین چاچا کے پہلے دن کے الفاظ گونجنے لگے اور اس کے چہرہ پر مسکراہٹ آ گئی اس کے دل میں امیرالدین چاچا کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی اگر اس وقت وہ کہہ دیتے کہ یہ تو عام سا پتھر ہے نقلی ہے تو شہباز کا دل ٹوٹ جاتا اور وہ آج نہ جانے کہاں ہوتا لیکن چاچا نے ایک چھوٹا سا جھوٹ بول کر اس کی زندگی سنوار دی۔

شہباز نے پتھر اپنے ہاتھ میں لے لیا اب اس کے ذہن میں اپنے باپ کی باتیں گونج رہی تھیں بظاہر قیمتی لیکن حقیقت میں عام چیز وہ اس پتھر کو گھما پھرا کر دیکھتا رہا لیکن اسے اس پتھر میں کوئی راز کی بات نظر نہ آئی شہباز اس پتھر میں کھو گیا۔

کہ اچانک اس کے کان میں ہلکی سی ایک نسوانی چیخ بلند ہوئی شہباز کے ہاتھ سے وہ پتھر گر گیا اور اس نے جلدی سے پلٹ کر دیکھا۔

اس کے سامنے شہانہ کھڑی ہنس رہی تھی۔ ''شہانہ تم...... تم نے تو میری جان ہی نکال دی تھی۔'' شہباز نے مصنوعی غصہ سے کہتے ہوئے ایک دھپ شہانہ کے کندھے پر لگائی۔ ''کہاں کھوئے ہوئے ہو۔ آج ملے بغیر ہی آ گئے۔'' شہانہ نے گلے کرنے والے انداز میں کہا۔

''کچھ نہیں گھر میں کام تھا اسی لئے جلدی آ گیا...... بیٹھو۔''

وہ دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے شہباز کے ذہن سے پتھر نکل ہی گیا اور جب شہانہ اٹھی اور جانے کے لئے باہر کی طرف چلی تو شہباز کی نظر زمین پر پڑے اس پتھر پر جا لگی جو کہ درمیان سے دو حصوں میں تقسیم ہو چکا تھا شہباز کو اس پتھر کی یہ حالت دیکھ کر بالکل یقین نہ آیا کہ پتھر درمیان میں سے کھل بھی سکتا ہے شہباز پتھر بنانے والے کی مہارت پر عش عش کر اٹھا اتنی خوب صورت سے اس پتھر کو جوڑا گیا تھا کہ ماہر بندہ بھی اندازہ نہ لگا سکتا تھا کہ پتھر کو درمیان سے دو حصوں پر مشتمل ہے اس نے جھک کر پتھر کے دونوں ٹکڑوں کو اٹھا لیا اس نے ایک ٹکڑے کو غور سے الٹ پلٹ کر دیکھا یہاں ایک اور حیران کرنے والی بات اس کی منتظر تھی پتھر کے اس حصہ کے اندر اسی کانچ سے بنی ایک چابی اسے نظر آئی اس نے پتھر کو الٹ کر زمین پر مارا تو وہ شیشہ سے بنی چابی زمین پر جا گری شہباز اب اس بنانے والے کا اور معترف ہوا کہ اس نے اس چابی کو اتنی خوبصورتی سے تراش خراش کر کے پتھر کے اندر فٹ کیا تھا کہ وہ بھی پتھر کا ایک حصہ ہی نظر آتی تھی کوئی بھی اس کی الگ سے شناخت نہیں کر سکتا تھا۔

شہباز نے وہ چابی زمین سے اٹھا لی جب وہ چابی اٹھا کر اس نے آنکھوں کے سامنے کی تو اسے ایک جھٹکا لگا اور وہ باہر کی طرف بھاگا یہ تو اچھا ہوا اس کی امی شہانہ کو اس کے گھر تک چھوڑنے گئی ہوئی تھی ورنہ وہ سمجھتی کہ شہباز آج واقعی پاگل ہو گیا ہے شہباز بھاگتا ہوا

برآمدہ میں لگی وال کلاک تک پہنچا اور اس کو دیوار کے ساتھ ایک میز پر رکھ کر اس کے اوپر چڑھ کر اتار لیا اس کے چہرہ پر تجسس تھا کیونکہ وال کلاک کے نیچے ایک طرف لاک سا بنا تھا جس میں لگنے والی چابی اس کے ہاتھ میں پکڑی شیپ کی تھی شہباز نے جلدی سے وہ چابی اس لاک کو لگادی اور ہلکی سی دائیں طرف گھمانے سے ایک کلک کی آواز سے لاک کھل گیا اس نے لاک کو اپنی طرف کھینچا تو گھڑی کے نیچے ایک خانہ سا کھل گیا جس کے اندر ایک کاغذ رکھا نظر آرہا تھا شہباز نے ہاتھ اندر ڈال کر وہ کاغذ نکال لیا جس پر ایک نقشہ بنا تھا شہباز نے گھڑی اسی طرح دیوار پر لگادی اور میز کو اس کی جگہ پر رکھ کر وہ کاغذی نقشہ اپنے کمرہ میں لے گیا اس نے آرام سے بیٹھ کر اس نقشہ کو جب پڑھا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی وہ نقشہ بہت ہی آسان تھا وہ نقشہ اس کے اپنے گاؤں کا تھا جس میں ابھی بھی ان کا اپنا گھر تھا اس گاؤں کے ایک کونے میں گھروں سے ہٹ کر ایک ٹھاکر کا گھر تھا اس پوری آبادی میں وہیں ایک ٹھاکر تھا جو نہ جانے کیسے اپنے مذہب کے لوگوں کو چھوڑ کر ادھر آباد ہوا جس نے شادی تک نہ کی تھی وہ ایک مزدور آدمی تھا جب بھی کسی کو اس کی ضرورت پڑتی تو اسے بلایا جاتا ورنہ اسے کوئی بلانے کا روادار نہ تھا لیکن وہ پھر بھی اپنے گھر اور اس گاؤں کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھا۔

اچانک وہ ٹھاکر غائب ہوگیا ایک ہفتہ تک اس کی کسی کو ضرورت نہ پڑی اور جب ایک آدمی اس کی ضرورت پڑی تو وہ اسے لینے اس کے گھر گیا کئی دفعہ دروازہ کھٹکانے کے بعد بھی اس ہندو نے دروازہ نہ کھولا اور نہ ہی اندر سے اس کی آواز سنائی دی اب وہ آدمی جمپ لگا کر دیوار کے اوپر چڑھا اسے اندر سے ہلکی ہلکی بدبو آنے لگی تب انکشاف ہوا کہ وہ تو کتنے دنوں سے اپنے گھر میں مرا پڑا ہے اس کی لاش کو جلد سے جلد آبادی سے دور لے جا کر جلا دیا گیا اور ایک رات وہاں سے گزرتے ہوئے ایک آدمی کو پتہ نہیں نظر کیا آیا کہ اس نے شور مچادیا کہ میں نے اس ٹھاکر کو اپنے پیچھے آتے دیکھا ہے پھر تو کچھ اور لوگوں کو بھی ہندو کے گھر میں اور اس کے ارد گرد ٹھاکر نظر آنے لگا تب آبادی کے لوگ اس طرف جانے سے ڈرنے لگے۔

شہباز کے باپ نے وہ صندوق اسی ٹھاکر کے گھر کے کنویں میں جو کہ خشک ہو چکا تھا صندوق چھپا دیا کیونکہ اس کے ذہن میں تھا کہ اس ٹھاکر کی روح کے چکر میں کوئی آدمی اس طرف نہیں جائے گا اسی لئے مورتیوں والا صندوق یہاں محفوظ رہے گا۔

شہباز دو دن تک اس بارے میں خوب سوچ بچار کرتا رہا کہ اس صندوق کو نکالا جائے کہ نہیں دوسری شام جب دکان سے واپس آیا تو گھر میں اس کی امی نے بتایا کہ اس کے دو مہمان منتظر ہیں جو کہ اپنے آپ کو اس کے باپ کا دوست کہتے ہیں شہباز نے اپنی امی کو باپ کی موت اور مورتیوں کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بتایا تھا وہ امی کی بات سن کر سیدھا اس کمرہ میں چلا گیا جو کہ وہ لوگ بطور بیٹھک بھی استعمال کرتے تھے اندر دو بڑی عمر کے آدمی براجمان تھے جو کہ شکل سے پہاڑی علاقہ کے لگتے تھے شہباز نے خوش دلی سے انہیں سلام کیا کیونکہ وہ اس کے ابو کے دوست تھے۔ ''بیٹا ہوسکتا ہے تم نے میرا نام ابو کی زبان سے سنا ہو...... میرا نام طور خان ہے۔''

ان میں سے ایک نے بات شروع کی تو شہباز اس کا نام سن کر چونک اٹھا اس کی سوچ باپ کے خط اور ان مورتیں کی طرف چلی گئی۔

''جی...... ابو نے آپ کا تذکرہ کیا تھا۔'' شہباز نے اپنے آپ کو سنبھال کر کہا۔

''بیٹا بات کچھ لمبی ہے لیکن کرنی بھی بہت ضروری ہے۔'' اس نے ان مورتیوں کی بات چھیڑ دی۔

''بات یہ ہے کہ وہ وجو سونے کی مورتیاں تھیں وہ ہمارے قبیلہ کی مقدس مورتیاں تھیں میں اس وقت لالچ میں آگیا تھا لیکن اب...... اب میں ان مورتیوں کو ان کی جگہ واپس رکھنا چاہتا ہوں۔'' طور خان بات کرتا رہا کمرے میں ایک سناٹا سا چھایا رہا۔ شہباز

سوچنے لگا کہ کیا اس آدمی پر یقین کرنا چاہئے اور کیا اسے ان مورتیوں کے بارے میں بتا کر اس کے حوالے کرنی چاہئے۔ ''اگر آپ آج سے کچھ دن پہلے آتے تو میں کہتا کہ ان مورتیوں کا مجھے کچھ نہیں پتا لیکن اب۔''

''لیکن اب کیا'' طور خان نے شہباز کی بات کاٹ دی۔

''اب مجھے اس راز کے بارے میں پتا چل گیا ہے ہم ساتھ ہی چلیں گے اور وہ مورتیاں وہاں سے حاصل کریں گے...... آپ لوگ اب آرام کریں ہم صبح صبح نکلیں گے۔''

☆......☆......☆

دو تین دن اونٹوں پر سفر کرتے ہوئے شہباز اور دونوں مہمان شہباز کے گاؤں پہنچے انہوں نے کچھ دیر ایک جگہ آرام کیا اور پھر رات کا اندھیرہ پھیلتے ہی شہباز اللہ کا نام لے کر ان کے ساتھ اس ہندو کے گھر میں داخل ہوا جہاں ویرانی پھیلی ہوئی تھی جھاڑیاں اور جڑی بوٹیوں نے گھر کا صحن اور کچھ دیواریں بھی خراب کر دی تھیں شہباز کنوئیں میں اترنے کے لئے پہلے سے سارا انتظام کر کے آیا ہوا تھا۔

ان لوگوں نے اپنے اونٹ گاؤں سے باہر ہی ایک درختوں کے جھنڈ میں باندھ دیئے تھے اور اب بہت احتیاط سے چلتے ہوئے ٹھاکر کے گھر میں اس کنوئیں تک پہنچ گئے انہوں نے لالٹین جو کہ وہ اپنے ساتھ لائے تھے جلائی لیکن اس کی لو ہلکی رکھی تا کہ روشنی دور تک نہ جائے شہباز خود اس کنوئیں میں اترا کنوئیں میں بھی گھاس پھوس کثرت سے تھی شہباز نیچے اترتے ہوئے ڈر بھی رہا تھا کہ کیونکہ کوئی سانپ وغیرہ بھی ہو سکتا تھا۔

جب وہ کنوئیں کی تہہ میں اتر گیا تو اس نے لالٹین کی روشنی بڑھا دی کنوئیں کی تہہ میں سائیڈوں پر کافی اندر تک گڑھے پڑے تھے جو کہ یقیناً پانی کے کٹاؤ سے ہوا تھا لیکن اب تو کنواں بالکل خشک تھا شہباز ایک کدال بھی لایا تھا اس نے آہستہ آہستہ ان گڑھوں میں کدال کی نوک ماری کیونکہ وہ صندوق سامنے کہیں نہ تھا

شہباز نے سوچا اگر وہ صندوق کنوئیں میں ہے تو پھر ان گڑھوں ہی میں دفن ہوگا اور پھر کچھ دیر کی محنت سے اس نے صندوق نکال ہی لیا اس نے مٹی جھاڑ کر اس صندوق کو ہلایا تو اسے دشواری ہوئی کیونکہ صندوق وزنی تھا۔

شہباز نے صندوق کو رسے سے باندھا جس کے ذریعے وہ کنوئیں میں اترا تھا اس نے آواز دے کر اوپر والوں کو بتایا کہ ''صندوق مل گیا ہے میں نے رسے سے باندھ دیا ہے مل کر کھینچو اور پھر رسا نیچے پھینک دینا تا کہ میں اوپر آسکوں۔''

اوپر والے دونوں نے اس کی بات کا جواب کنوئیں میں منہ کر کے دیا تا کہ آواز ادھر ادھر نہ جائے اور پھر وہ رسا کھینچنے لگے صندوق آہستہ آہستہ اوپر جانے لگا

اچانک شہباز کے ذہن میں خیال آیا کہ یہ نہ ہو یہ لوگ صندوق لے کر بھاگ جائیں اور اسے کنوئیں کے اندر ہی چھوڑ جائیں یہ سوچتے ہی اس نے جھرجھری لی اور نہ میں سر ہلا دیا۔

صندوق اوپر پہنچ گیا تھا وہ دونوں مل کر اسے ایک طرف لے گئے اور رسی کھول دی اسی وقت ایک سنسناہٹ جیسی آواز آئی جیسے کسی نے کوئی چیز زور سے پھینکی ہو طور خان کے منہ سے ایک درد بھری سسکی نکلی اور اس کا ہاتھ پیٹھ پر چلا گیا ساتھ ہی وہ جھکتا چلا گیا۔

وہ چاروں گھوڑ سوار شہروز خان کے گھر والوں کو ڈھونڈتے ہوئے ادھر ادھر کی آبادیوں میں گھومتے رہے اور پھر ان کے نہ ملنے پر ایک شام وہ واپس اسی گاؤں میں آگئے جہاں شہروز خان کا گھر تھا انہوں نے گاؤں میں داخل ہونے والے سب راستوں پر اپنی نگاہ رکھی اور پھر شام کے وقت ایک دن تین اونٹ سوار آ کر گاؤں کے باہر ہی درختوں کے ایک جھنڈ میں ٹھہر گئے ان گھوڑ سواروں میں ایک شہروز خان کے دوست ارباز خان کا بیٹا تھا جو کہ اپنے باپ کی برفانی غار سے ملنے والی لاش کے بعد شہروز خان کا دشمن ہو گیا تھا اور اس سے یا اس کی فیملی سے بدلہ لینا چاہتا تھا اس کا اصل مقصد وہ سونے کی مورتیاں حاصل کرنا تھا جو کہ بہت قیمتی تھیں

تھیلا اتار کر گھوڑے کی پیٹھ پر اس زور کی لات ماری کہ گھوڑے کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی۔ اور وہ اتنی تیزی سے بھاگا کہ پھر شریم کو بھی دکھائی نہ دیا۔

شریم تھیلا لے کر ہوٹل کی طرف روانہ ہوگیا۔ شریم ہوٹل پہنچا تو شاہان اس کا انتظار کررہا تھا۔ یہ دیکھو میں تمہارے لئے کیا لایا ہوں۔ شریم نے تھیلا شاہان کے آگے رکھ دیا۔ شاہان نے اس میں سے سونے کی اینٹ کو نکال کر دیکھا تو ہنس کر بولا۔ یہ کس غریب کا سونا ہے۔ شریم۔ شریم نے کہا کہ غریبوں کے پاس سونا نہیں ہوتا۔ یہ تو ایک ڈاکو پر ڈاکہ ڈالا ہے میں نے، پھر ٹھیک ہے شریم نے کہا۔ ویسے بھی یہ سونا ہندوستان سے لوٹ کر یہاں لایا گیا ہے۔ ان بھوکے ننگے انگریزوں کے پاس سونا کہاں سے آسکتا ہے۔ بھلا۔ اچھا تم سناؤ۔ شہزادی سلومی کے ہاں دعوت کھا آئے۔ کیا کیا کھانے تھے وہاں پر۔

شاہان نے شریم کو شہزادی سلومی کی ساری دکھ بھری داستان سنائی کہ کس طرح وہ اور اس کا بھائی وکی قلعے اور قلعے کی جاگیر کے جائز وارث ہیں۔ مگر ان کا چچا وراثت پر قبضہ کرنے کے لئے انہیں مارنا چاہتا ہے۔ اور یہاں اس شہر کے نیچے کہیں شہزادی کے پڑدادا بادشاہ کا خزانہ دفن ہے۔ اس کا چچا بھی اس خزانے کی تلاش میں ہے۔ میں نے تو اس کے چچا سے حامی بھرلی ہے کہ میں اپنے جادو کے زور سے خزانے کی جگہ بتادوں گا۔

وہ کیسے شریم نے کہا۔ شاہان کہنے لگا کہ ناگنی بھی لندن میں ہے۔ آج نہیں تو کل اس سے ملاقات ہوجائے گی۔ وہ اپنے کسی سانپ سے کہہ کر زمین کے خزانے کا حال معلوم کرلے گی۔

اور تم شہزادی کے مکار چچا کو بتادو گے۔ ارے نہیں ایسا نہیں ہے۔ خزانے پر سانپ تو ضرور ہوگا۔ میں نے چچا سے کہہ دیا ہے کہ اسے سانپ کے پاس اکیلے ہی جانا ہوگا۔ اگر وہ جائز وارث ہوا تو سانپ کچھ بھی نہیں کہے گا۔ نہیں تو اسے ڈس لے گا۔ شریم نے پوچھا۔ اور اگر اس چالاک شخص نے سانپ کو کسی ہتھیار سے ہلاک کردیا تو کیا خزانہ اسے دے دو گے۔ شاہان نے کہا۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خزانہ تو ہر حال میں شہزادی سلومی اور اس کے چھوٹے بھائی کو ہی ملے گا میں تو صرف اور صرف یہ چاہتا ہوں کہ بجائے اس کے کہ ہم اس مکار چچا کو ہلاک کریں۔ وہ اپنے آپ سانپ کے ڈسنے سے ہلاک ہوجائے۔

شریم بولا۔ اچھا خیال ہے۔ لیکن یہ تم نے شہزادی سلومی کے ساتھ میری ڈیوٹی کس خوشی میں لگائی ہے۔ شاہان نے کہا۔ شہزادی اور اس کا چھوٹا بھائی اصل وارث ہیں۔ اصل حقدار کو حق مل کر رہنا چاہئے۔ دونوں بہن بھائی بڑے ہی معصوم اور بھولے بھالے ہیں۔ بے چاروں کا سارا قلعے میں کوئی ہمدرد اور سگا نہیں ہے۔ ایک چچا تھا۔ وہ بھی ان کی جان لینے کی فکر میں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ان کا خیال رکھو۔ ناگنی سے ملنے سے پہلے پہلے چچا کہیں زہر دے کر نہ مار دے۔

شریم نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ تم کہتے ہو تو میں ڈیوٹی دے دوں گا۔ ویسے چوبیس گھنٹے ٹینشن میں رہنا ہوگا۔ اچھا کوئی بات نہیں۔ تم نے شہزادی کو میرا بتادیا تھا ناں۔ ہاں میں نے اسے کہہ دیا تھا کہ شریم میرے ایک بھائی کی روح ہے۔ تم بھی یہی بتانا کہ تم روح ہو۔ کیونکہ وہاں سب یہی سمجھتے ہیں کہ روحیں میرے پاس آتی جاتی ہیں۔ ٹھیک ہے ایسا ہی کروں گا۔ اب سوال یہ ہے کہ ناگنی کو کہاں تلاش کیا جائے اس کا ملنا بھی بہت ضروری ہے۔

شاہان نے کہا۔ اسے یامی کو لے کر لندن آنا تھا تاکہ وہ اسے اس کے ماں باپ کے پاس پہنچادے۔ میرا خیال ہے کہ یامی کو اس نے پہنچادیا ہوگا۔ یامی کے گھر کا پتہ بھی مجھے نہ معلوم تھا۔ شریم نے کہا۔ ناگنی کسی نہ کسی سرائے یا ہوٹل میں اتری ہوگی۔ وہ بھی ضرور اس کی تلاش میں ہوگی۔ کیونکہ اسے ابھی میرے ملنے کی تو خبر بھی نہیں ہے۔ شاہان کہنے لگا کہ تم اس کی تلاش زیادہ آسانی سے کرسکتے ہو۔ کیونکہ تم کسی کو دکھائی تو نہیں دیتے اور یوں ہر کسی کے گھر کے اندر جا کر تلاشی لے سکتے ہو۔ شریم نے کہا۔ لیکن تم نے تو میری ڈیوٹی شہزادی سلومی کے ساتھ قلعے میں لگادی ہے۔ میں شہر میں ناگنی کو

تو تلوار کے ایک ہی وار سے سانپ کی گردن اڑا دوں گا۔ شاہان نے کہا۔ کیا آپ وعدہ کرتے ہیں کہ آدھا خزانہ مجھے دیں گے۔ مکار چچا نے شاہان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ میں وعدہ کرتا ہوں اگر تم چاہو تو میں لکھ کر بھی دے سکتا ہوں۔

اب شاہان نے مکار چچا کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے کہا۔ مگر میں نے تو سنا ہے کہ محل کے کچھ اور لوگ بھی اس خزانے کے مالک ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

مکار چچا غصے میں بولا۔ اگر کوئی ایسا شخص ہوگا تو میرے لئے اسے راستے سے ہٹانا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ تم اپنے جادو سے خزانے کا پتہ چلاؤ۔

شاہان یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ میں کل سے اپنا کام شروع کردوں گا اور آپ کو پرسوں ملوں گا۔ چچا نے آہستہ سے کہا۔ ہمیشہ رات کے پچھلے پہر آنا۔ میں نہیں چاہتا کہ ہمارے منصوبے کا کسی دوسرے کو علم ہو۔ ایسا ہی ہوگا۔ شاہان قلعے سے واپس اپنے ہوٹل آ گیا۔ شریم ابھی تک نہیں آیا تھا۔

دوسری طرف شریم شام کے وقت شاہان سے الگ ہوکر جب بینک میں پہنچا تو وہاں بیوپاری اور سوداگر لوگ غدر کے بعد ہندوستان کی لوٹی دولت جمع کرانے آئے ہوئے تھے۔ یہ دولت سونے اور جواہرات کی شکل میں تھی جو ان سوداگروں نے انگریز لٹیروں سے اونے پونے خریدی تھی۔ مصیبت یہ تھی کہ ان لوگوں کے پاس اپنی اپنی دولت کے صرف کاغذات ہی تھے۔ سونا اور جواہرات وہ لے کر نہیں آئے تھے کہ کہیں کوئی ڈاکو نہ لوٹ لے۔ وہ دولت وہ بینک کی ایک شاخ کے تہہ خانے میں جمع کروا کر آئے تھے۔ شریم کافی دیر سوچتا رہا کہ وہ کیا کرے۔ بینک کا خزانچی کچھ دیر بعد آیا۔ اس نے سیف کھولا۔ اور سوداگروں سے کاغذات لے کر رسید لکھ کر دینی شروع کردی۔ روپیہ پیسہ وہاں کہیں بھی نہ تھا۔ کچھ غریب لوگ ایک طرف کھڑے نوٹ گن رہے تھے۔

شریم کسی غریب کو اس کی پونجی سے محروم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ تو ڈاکوؤں کے خزانے پر ڈاکہ مارنا چاہتا تھا۔ اچانک اس نے کیا دیکھا کہ ایک نقاب پوش بینک میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پرانی طرز کا پستول تھا۔ اس نے خزانچی کو پستول دکھایا۔ اس کی گھگھی بندھ گئی۔ ڈاکوؤں نے تھیلا آگے کردیا۔ اس میں سیف میں سے ساری دولت نکال کر ڈال دو۔ خزانچی نے ڈرتے ڈرتے کانپتے ہاتھوں سے لوہے کی الماری کھولی۔ اتفاق سے اس وقت الماری میں سونے کی صرف ایک ہی چھوٹی سی اینٹ پڑی تھی۔ ڈاکو نے اشارہ کیا۔ اسے میرے تھیلے میں ڈال کر تھیلا میرے حوالے کردو۔ خزانچی نے ایسا ہی کیا۔ ڈاکو تھیلا لے کر چھت کے رخ گولیاں چلاتا وہاں سے باہر نکلا اور گھوڑے پر بیٹھ کر رفو چکر ہوگیا۔ شریم کو اسی ڈاکو کی تلاش تھی۔ ڈاکو بڑا خوش تھا کہ آج اس نے لمبا مال مارلیا تھا۔ سونے کی اینٹ دس ہزار پاؤنڈ سے کم نہ تھی۔ وہ گھوڑے کو سرپٹ دوڑائے جارہا تھا۔ شہر میں ان دنوں اتنی خوشیاں اور رونق کہاں ہوا کرتی تھیں بھلا۔ سراؤں میں شمع جلتی تھیں۔ بازاروں میں دور دور گیس کے لیمپ جلا کرتے تھے۔ سردی کی وجہ سے ویسے بھی لندن شہر میں شام کو دھند پھیل جاتی تھی۔ ڈاکو دھند میں غائب ہو چکا تھا۔

مگر وہ شریم کی نظروں سے غائب نہیں ہوسکتا تھا۔ جونہی اس نے دریا کا پرانا پل عبور کیا۔ شریم اس کے پاس پہنچ گیا۔ ڈاکو دریا کے دوسرے کنارے درختوں کے درمیان گھوڑا دوڑائے بھاگا جارہا تھا۔ شریم اس کے ساتھ ساتھ ہوا میں اڑ رہا تھا۔ اس نے ڈاکو کے کان میں کہا۔ یار یہ سونے کی آدھی اینٹ مجھے دے دو۔ ڈاکو نے کان میں کسی آدمی کی آواز سنی مگر اس نے سر کو جھٹک دیا۔ شریم نے پھر اس کے کان میں کہا۔ کیوں بے الو کے پٹھے۔ کیا حال ہے تمہارا۔ ڈاکو نے دوسری بار بھی سر کو جھٹک دیا۔ اب شریم نے اس کے سر پر مکا مارا۔ تو وہ چکر کھا گیا۔ وہ اوپر تکنے لگا۔ شریم نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ابے الو کے پٹھے رکھ دے اس سونے کی اینٹ کو یہاں، ڈاکو بھوت بھوت کہہ کر گھوڑے کو اور تیز کرنے ہی لگا تھا کہ شریم نے ڈاکو کے گلے سے سونے کا

دلچسپی نہیں ہے۔
شاہان نے کہا۔ ''شہزادی تمہارا چچا تمہارا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا۔ تم بے فکر ہوکر اپنے محل میں رہوگی۔''
نہیں نہیں شاہان بھائی تم چچا کو نہیں جانتے۔ وہ محل کے کتنے ہی آدمیوں کو ہلاک کر چکا ہے۔ وہ ہمیں بھی زندہ نہ چھوڑے گا۔
شاہان نے شہزادی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ بہن میں اپنے بھائی شریم کو تمہارے پاس چھوڑ جاؤں گا۔ وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔
شہزادی بولی کہ چچا اسے بھی مار ڈالے گا۔ شاہان نے کہا کہ وہ شریم کا بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔ کیونکہ میرا بھائی شریم ایک روح ہے۔ وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتا۔ اسے تم بھی نہیں دیکھ سکوگی۔ اب بتاؤ سلومی نے تعجب سے شاہان کو دیکھا۔ اسے یاد آ گیا کہ شاہان بہت بڑا جادوگر ہے۔ اور روحیں اس کے قبضے میں ہیں۔ اس نے خوش ہوکر کہا۔ کیا وہ روح ہر وقت میرے پاس رہے گی۔ ہاں ہر وقت وہ تمہارے ساتھ ہوگی۔ اور اگر تمہارے چچا نے تمہیں ہلاک کرنے کی کوشش کی تو شریم کی روح اسے زندہ نہ چھوڑے گی۔ پھر وہ دن تمہارے چچا کا آخری دن ہوگا۔
اتنے میں شہزادی کا رنگ زرد ہونے لگا۔ شاہان نے پلٹ کر دیکھا۔ شہزادی کا مکار چچا بالکونی کی طرف ہی آ رہا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی راز کی بات ہو رہی ہے یہاں اس نے بڑی گہری نظروں سے شاہان اور شہزادی کی طرف دیکھا اور کہا۔
شاہان نے کہا۔ ہم لندن کے موسم اور مصر کے جادوگروں کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔
مکار چچا بولا کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی باہر کا آدمی یہاں آ کر ہماری شہزادی کو مصری جادوگر کی خوفناک باتیں سنائیں۔ پھر اس نے شہزادی سے کہا۔ سلومی بیٹی جاؤ یہ تمہارے آرام کا وقت ہے۔ اچھا انکل۔ شہزادی نے شب بخیر کہا۔ اور شاہان کی طرف ایک خاص انداز میں دیکھتی ہوئی اپنے سونے والے کمرے کی طرف چل دی۔
مکار چچا شاہان کے سامنے بیٹھ کر اس کی شعبدہ بازیوں اور جادوگری کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔ پھر شاہان سے پوچھنے لگا۔ کیا تمہارے پاس کوئی ایسا جادو ہے جو کہ زمین کے اندر دبے ہوئے خزانے کا پتہ بتا سکے۔
شاہان کو سلومی کی باتیں یاد آنے لگیں کہ اس شہر کے نیچے کسی جگہ اس کے دادا کا شاہی خزانہ دفن ہے۔ جس کا شاہی محل کے کسی آدمی کو علم نہیں تھا۔ مکار چچا شاہان نے اس خزانے کے بارے میں پوچھنا چاہا تھا۔ شاہان نے سوچ رکھا تھا کہ جونہی ناگنی سے اس کی لندن میں ملاقات ہوئی۔ وہ اس کی مدد سے زمین کے دفن شدہ شاہی خزانہ کا سراغ لگالے گا اور وہ خزانہ شہزادی اور اس کے بھائی وکی کے حوالے کردے گا۔
لیکن اس نے مکار چچا سے کہا۔ زمین میں دفن کئے ہوئے خزانے کا پتہ چل سکتا ہے۔ لیکن پہلے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ وہ خزانہ کس کا ہے۔ اور اس کا جائز وارث کون ہے۔ جب تک جائز وارث کا علم نہ ہو۔ ہمارا جادو نہیں چل سکتا۔
مکار چچا بھنوئیں سکیڑ کر کچھ سوچتا رہا اس کے بعد شاہان کی طرف دیکھ کر بولا۔ وہ خزانہ ہمارے پڑدادا کا ہے اور میں اس کا جائز حق دار ہوں۔
شاہان نے کہا کہ ہر خزانے پر ایک سانپ بیٹھا ہوتا ہے اور اس کی حفاظت کر رہا ہوتا ہے۔ جب کوئی اس خزانے کا جائز وارث آگے بڑھتا ہے تو سانپ پرے ہٹ جاتا ہے اور اسے خزانہ لے جانے کی اجازت دے دیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی دوسرا آدمی اس خزانے پر قبضہ جمانے کی کوشش کرتا ہے تو سانپ اسے ڈس کر ہلاک کر دیتا ہے۔ کیا آپ یہ شرط پوری کر سکیں گے۔
مکار چچا سوچ میں پڑ گیا۔ پھر سر جھٹک کر بولا۔ اگر تم مجھے اس خزانے کا پتہ بتادو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ آدھا خزانہ تمہیں دے دوں گا۔ یقین کرو کہ خزانے کا سانپ مجھے کچھ بھی نہیں کہے گا۔ مکار چچا یہ سوچ رہا تھا کہ خزانہ تو تلاش کرلیا جائے جب خزانے تک پہنچوں گا

کھانا۔'' اتنا کہہ کر وہ شاہی بگھی میں وکٹر کے ساتھ بیٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔

شریم نے شاہان سے کہا۔ ''کیا تم قلعے میں کھانا کھانے جاؤ گے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ جانا چاہیے۔''

شریم نے کہا۔ ''ابھی تو چل کر لندن کی کسی سرائے یا ہوٹل میں چل کر ٹھہرنے کا بندوبست کرتے ہیں۔ آؤ چلیں میرا خیال ہے کیوں نہ شہر کے سب سے اونچے ہوٹل میں کمرہ لے لیا جائے۔''

بڑا ہی خوب صورت خیال ہے۔ شاہان بولا۔

''ہمارے پاس تو صرف دو چار پونڈ ہی رہ گئے ہیں۔''

شریم نے کہا۔ ''اس کی تم فکر نہ کرو۔ میں ابھی بینک میں جا کر جتنی چاہے رقم اٹھا کر لے آتا ہوں۔''

شاہان مسکرا دیا۔ دونوں کارواں سرائے سے باہر آ گئے۔ شہر کے اخباری رپورٹر وہاں آن پہنچے تھے۔ انہوں نے شاہان کے انٹرویو لینے شروع کر دیئے۔ شاہان بڑی مشکل سے وہاں سے جان چھڑا کر نکل آیا۔ اس نے شہر کے ایک خوب صورت ہوٹل کی تیسری منزل پر دریا کے رخ پر ایک بڑا کمرہ کرائے پر لے لیا۔ شریم نے کہا۔ تم نے شہزادی سلومی کے ہاں کھانے پر جاؤ۔ میں ذرا بینک میں جا کر رقم کا بندوبست کرتا ہوں۔ کیا شام کو بینک کھلا ہوگا۔ شاہان نے کہا۔

شریم بولا۔ آج کل تو ہندوستان سے لوٹے ہوئے جواہرات آ رہے ہیں۔ بینک رات بھر کھلا رہتا ہے۔ میں تمہیں بعد میں شہزادی کے قلعے میں آ کر مل لوں گا۔ میں اس کے محل والے قلعے سے واقف ہوں۔ شریم ہوٹل سے نکل کر بینک کی طرف اور شاہان شہزادی کے پرانے قلعے کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہ شعلہ شہر سے دس بارہ میل دور ایک چھوٹے سے ٹیلے پر واقع تھا۔ ایک خوب صورت درختوں میں گھرا ہوا راستہ اوپر قلعے کے دروازے تک جاتا تھا۔ شاہان بگھی میں تھا۔ قلعے کے دروازے پر مشعلیں جل رہی تھیں۔ دو ملازم شاہان کو قلعے کے اندر شاہی محل میں لے گئے۔ ایک خوب صورت اونچے چھت والے کمرے میں پرانے بادشاہوں کی قد آدم تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ فرش پر قیمتی قالین بچھے ہوئے تھے۔ شہزادی سلومی نے مسکراتے ہوئے شاہان کا استقبال کیا اور اسے اپنے بھولے بھالے چھوٹے بھائی وکی سے ملایا۔ کھانے کی میز پر بوڑھا وکٹر اور دوسرے رشتے دار بیٹھے تھے۔ شاہان شہزادی کے ساتھ بیٹھا تھا۔ کھانے پر شاہان کی جادوگری کے کمالات پر باتیں ہوئیں۔ شاہان زیادہ تر خاموش ہی رہا۔ اور ہوں ہاں میں جواب دیتا رہا۔ شہزادی سلومی کا چاچا بڑا مکار تھا۔ خطرناک آنکھوں میں عیاری جھانک رہی تھی۔

کھانے کے بعد شہزادی نے شاہان کو ساتھ لیا اور محل کی بالکونی میں آ کر بیٹھ گئی۔ نیچے وادی میں رات کا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ یہاں بڑی خاموشی تھی۔ شہزادی نے شاہان کو بتایا کہ میں اور میرا بھائی وکی اس قلعے اور قلعے کی ساری جاگیر کے وارث ہیں۔ یہ ہمارے پڑدادا وکی ہشتم کی طرف سے ہمیں ورثے میں ملا تھا۔ کہتے ہیں کہ وکی ہشتم کا ایک خزانہ بھی ہے۔ جو اسی لندن شہر میں کسی جگہ دفن ہے۔ جس کا کسی کو کچھ بھی علم نہیں ہے۔ اب معاملہ یہ ہے کہ ہمارا چچا ہمارے دونوں بہن بھائی کو راستے سے ہٹا کر خود سارے قلعے اور اس کی جاگیر پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ ہم دونوں بہن بھائی یہاں بہت خطرے میں ہیں۔ ہمیں اکیلا یہاں سے باہر بھی نہیں جانے دیا جاتا۔ کیا تم ہماری مدد کرو گے شاہان بھائی۔

شاہان نے کہا کہ میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔

شہزادی کہنے لگی۔ کیا تم ہمیں یہاں سے نکال کر کسی طرح فرانس ہمارے ایک دور کے نیک دل رشتے دار کے پاس پہنچا سکتے ہو۔

شاہان نے کہا کہ یہ میں بڑی ہی آسانی سے کر سکتا ہوں۔ مگر تم اپنی جائز جائیداد کو کیوں چھوڑ رہی ہو۔

سلومی نے ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی ان کی گفتگو تو نہیں سن رہا۔ پھر وہ آہستہ سے بولی۔ مجھے اپنے چھوٹے بھائی وکی سے بڑی محبت ہے۔ ہمارا ظالم چچا میرے ساتھ میرے بھائی کو بھی ہلاک کر دے گا۔ میں اپنے بھائی کی جان بچانا چاہتی ہوں۔ جائیداد سے مجھے کوئی

بڑے پادری کے حکم پر لکڑیوں کو آگ لگادی گئی۔ شریم بھی چبوترے پر ایک طرف کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ سوکھی لکڑیوں نے بڑی جلدی آگ پکڑ لی۔ شعلے شاہان کے قریب پہنچ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ہی شاہان بھڑکتی ہوئی آگ کے بلند شعلوں میں گم ہوگیا۔ آگ کا یہ الاؤ آدھے گھنٹے تک جلتا رہا۔ ہر ایک کو یقین تھا کہ شاہان کی ہڈیاں بھی باقی نہ رہی ہوں گی۔ وہ راکھ بن کر راکھ میں مل گیا ہوگا۔ لیکن ایسا نہ ہوسکا۔

جب آگ کے شعلے کم ہوئے تو شاہی خاندان والوں اور پادریوں کے منہ سے حیرت سے چیخیں نکل گئیں۔ کیونکہ وہ اپنے سامنے کھمبے کے ساتھ شاہان کو اپنے کپڑے سمیت اسی طرح کھڑے دیکھ رہے تھے۔ جس طرح کہ اسے باندھا گیا تھا۔ شاہان کا ایک بال بھی بیکا نہ ہوا تھا۔ اس کے سارے کپڑے ویسے ہی تھے اور وہ خود زندہ سلامت تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ اگرچہ جس زنجیر سے اسے باندھا گیا تھا۔ وہ سرخ ہوکر پگھل رہی تھی۔

شاہان نے ایک معمولی سا جھٹکا دیا تو زنجیر اس کے جسم سے الگ ہوگئی۔ شاہان آگ کے دہکتے انگاروں میں سے نکل کر باہر آگیا۔ چبوترے پر سارے لوگ اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ ان کے منہ کھلے تھے۔ اور ہاتھ بے اختیار ہوکر تالی بجا رہے تھے۔ پادری سخت غصے میں تھا۔ اس نے بلند آواز سے کہا۔ ”اس کی شعبدہ بازیوں اور جادوگری کے آگے ہم ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔ میں بادشاہ کے حکم پر اس مجرم کو تختے پر چڑھانے کا حکم دیتا ہوں۔“

اسی وقت لکڑی کا ایک تختہ لایا گیا۔ اور چبوترے کے آگے رکھ دیا گیا۔ شاہان نے شاہی خاندان کے لوگوں کو اور ضدی پادریوں کی طرف منہ کر کے کہا۔ ”میں جادوگر نہیں ہوں۔ خدا نے مجھے یہ طاقت دے رکھی ہے اور تم لوگ اپنی ہٹ دھرمی سے باز آجاؤ۔ مجھے تم تختے پر بھی چڑھا دو۔ تو میں تختے پر بھی زندہ رہوں گا۔“

پادری نے چیخ کر کہا۔ ”اسے تختے پر چڑھا دو۔ چار جلاد کالے نقاب پہنے آگے بڑھے۔ انہوں نے شاہان کو ایک تختے پر لٹا دیا۔ پھر اس کا ہاتھ تختے پر رکھ کر اس میں بڑی سی کیل ٹھونکنی شروع کردی۔ کیل شاہان کی ہتھیلی کے اندر نہیں جارہی تھی۔ کیل ٹوٹ گئی۔ جب بھی نئی کیل شاہان کی ہتھیلی پر ٹھونکنے کی کوشش کی تھی وہ ٹوٹ جاتی۔ اور یہی حال اس کے پاؤں کے ساتھ ہو رہا تھا۔ کوئی بھی کیل اس کے جسم میں داخل نہیں ہو رہی تھی۔

اب تو جلاد بھی گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ آخر شاہی خاندان کے ایک بوڑھے وکٹر نے اٹھ کر کہا۔ ”میں اس کی سزا معاف کرتا ہوں۔“ شاہان نے اس آدمی کی طرف دیکھا۔ اس کے قریب ہی سنہری بالوں والی ایک خوب صورت لڑکی بیٹھی تھی۔ یہی شہزادی سلومی تھی۔ شاہان نے کہا۔ ”لیکن آپ نے میری توہین کی ہے۔ میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اگر مجھ میں خدا کی دی ہوئی طاقت نہ ہوتی تو میں جل کر راکھ بن چکا ہوتا۔“

پادری غصے سے اٹھ کر چلے گئے۔ شاہی خاندان کا ایک بوڑھا وکٹر اٹھ کر شاہان کے پاس آیا۔ اور اس کے ہاتھ کو جھک کر غور سے دیکھنے لگا۔ کہ کہیں اس نے کوئی دوا تو نہیں ملی ہوئی۔ شہزادی سلومی نے شاہان سے مسکرا کر کہا۔

”تمہارا نام کیا ہے؟“

شریم بھی قریب ہی کھڑا تھا۔ اس نے اونچی آواز میں کہا۔ ”تم کون ہوتی ہو میرے بھائی کا نام پوچھنے والی۔“ شہزادی اور وکٹر نے چونک کر ارد گرد دیکھا۔

شہزادی سلومی بولی۔ ”یہ کس کی آواز تھی؟“

شاہان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”یہ ایک بدروح کی آواز تھی۔ جو ہمیشہ میرے ساتھ ہوتی ہے اور میری حفاظت کرتی ہے۔ بہرحال میرا نام شاہان ہے۔ اور میں کئی ہزار سال سے سفر کر رہا ہوں۔“

وکٹر شہزادی کا اور شہزادی وکٹر کا منہ تکنے لگی۔ وہ شاہان کو کوئی پاگل شخص سمجھنے لگے۔ جس کے پاس زبردست جادو تھا۔ وکٹر نے شاہان سے ہاتھ ملا کر جاتے ہوئے کہا۔ ”مسٹر شاہان خدا تمہیں صحت دے۔ خدا حافظ۔“ وکٹر نے شہزادی سلومی کو ساتھ لیا اور جانے لگا تھا کہ شہزادی شاہان کے قریب آکر بولی۔

”آج رات کا کھانا میرے ساتھ قلعے میں

''تمہارے سارے ملک کی عدالتیں ایک ساتھ مل جائیں تو بھی میرے سر کا ایک بال بھی نہیں جلا سکتیں۔'' کانسٹیبل نے اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''مسٹر میں تمہیں وارننگ دیتا ہوں۔ اب اگر تم نے جادوگری کی تو میں تمہیں ہتھکڑی ڈال دوں گا۔''

شاہان مسکراتا رہا۔

اتنے میں شریم نے دوبارہ پیالہ اٹھالیا۔ کپ ایک بار پھر میز پر سے غائب ہوگیا۔ کانسٹیبل کو غصہ آ گیا۔ اس نے اپنی جیب سے ہتھکڑی نکال کر شاہان کے ہاتھ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہیں جادوگری کے الزام میں گرفتار کرتا ہوں۔ یہ تین گواہ تمہارے خلاف عدالت میں شہادت دیں گے۔'' تینوں نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ شاہان مسکراتا رہا۔ ''یہ احمق کانسٹیبل اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے اس نے کانسٹیبل کو مزا چکھانے کا سوچا تھا کہ کوچوان نے اندر آ کر کہا۔ ''بگھی سفر کے لئے تیار ہے۔ چلو۔'' تینوں مسافر سرائے سے باہر نکل آئے۔ کانسٹیبل نے شاہان کو ساتھ لیا اور بگھی میں آ کر بیٹھ گیا۔ ہتھکڑی کی وجہ سے شاہان اور کانسٹیبل دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے اور گھوڑے اپنی منزل کی طرف بھاگے جارہے تھے۔ شریم بگھی کے اندر آ گیا۔ وہ سامنے والی سیٹ پر بیٹھی موٹی عورت کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ موٹی عورت نہ تو شریم کو دیکھ سکتی تھی اور نہ ہی اس کا بوجھ محسوس کرسکتی تھی۔ شاہان یہ سمجھ رہا تھا کہ شریم بگھی کے اوپر بیٹھا ہے۔ لیکن جب موٹی عورت کا پرس غائب ہو کر اچانک دوبارہ اس کی گود میں آن گرا تو شاہان سمجھ گیا کہ شریم اس کے ساتھ ہی بیٹھا ہے۔ موٹی عورت نے شور مچادیا کہ ''میرا پرس کہاں گیا؟'' پھر جب شریم نے اس کا پرس واپس اس کی گود میں ڈال دیا تو وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے شاہان کی طرف دیکھنے لگی۔ یہ اسی جادوگر کی کارستانی ہے۔ کانسٹیبل نے شاہان کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''کیا تم باز نہیں آؤ گے۔''

شاہان مسکرادیا اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

صبح ہو رہی تھی۔ بگھی لندن شہر میں داخل ہوگئی اور ایک پرانی کارواں سرائے کے احاطے میں آ کر ٹھہر گئی۔ شریم نے شاہان کے کان میں کہا۔ ''یہ تم کیا کررہے ہو شاہان۔ اس کانسٹیبل سے پیچھا نہیں چھڑاؤ گے۔ میں ابھی اس کی ہڈی پسلی ایک کرنے لگا ہوں۔'' شاہان نے آہستہ سے کہا۔ ''تم تماشہ تو دیکھو۔'' کانسٹیبل نے چونک کر کہا۔ ''یہ تم کس سے باتیں کررہے ہو۔ شاہان نے کہا۔ ''تم جانتے تو ہو کہ میں جادوگر ہوں۔ روحیں میرے قبضے میں ہیں۔ میں ایک روح سے باتیں کررہا تھا۔ کہو تو تمہیں بھی اس سے ملوادوں۔''

''بکواس بند کرو۔'' شاہان کو غصہ تو بہت آیا مگر خاموش رہا۔ کانسٹیبل شاہان کو سیدھا عدالت لے گیا۔ جہاں شام کو مذہبی عدالت نے گواہوں کے بیان لینے کے بعد فیصلہ دے دیا کہ ''شاہان کو پرانے قلعے میں آگ جلا کر ماردیا جائے۔''

شاہان کو لے جا کر قید میں ڈال دیا گیا۔ شریم اس کے ساتھ تھا۔ باہر ایک کانسٹیبل پہرہ دے رہا تھا۔ شریم نے شاہان سے کہا۔ ''میں ان سب کو مار ڈالوں گا۔ انہوں نے اپنے آپ کو کیا سمجھ رکھا ہے۔''

شاہان بولا۔ ''لندن میں ہمیں ناگنی کو تلاش کرنا ہے۔ جب میں آگ میں نہیں جلوں گا تو شہر کے اخبار میں میری تصویر کے ساتھ خبر چھپے گی۔ اسے ناگنی جہاں کہیں بھی ہوگی پڑھ لے گی۔ اور یوں مجھ سے ملنے آجائے گی۔ بس اس لئے میں یہ تماشہ کررہا ہوں۔''

سارے شہر میں شور مچ گیا کہ آج شام ایک جادوگر کو قلعے میں آگ میں ڈالا جارہا ہے۔ لوگ قلعے کی طرف امڈ پڑے۔ پولیس نے بڑی ہی مشکل سے انہیں ادھر ادھر کردیا۔ صرف شاہی خاندان کے کچھ لوگوں کو قلعے میں یہ تماشہ دیکھنے کی اجازت ملی۔ شاہی خاندان کی ایک شہزادہ بھی تھی۔ جس کا نام سلومی تھا۔ شام کو قلعے کے صحن میں لوہے کا ایک کھمبا گاڑھ کر اس کے اردگرد سوکھی لکڑیوں کا ڈھیر لگادیا گیا۔ شاہان کو لے جا کر زنجیر کے ساتھ کھمبے سے باندھ دیا گیا۔ شاہی خاندان کے مہمان ذرا دور چبوترے پر بیٹھے تھے۔

دینی عدالت کے پادری بھی وہاں بیٹھے تھے۔

آدمی کی گود میں بیٹھ جاؤں گا۔ میرا کون سا بوجھ ہے اور مجھے تو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔''

شاہان نے کوچوان کو جا کر ایک سواری کے پیسے دیئے اور بگھی کے اندر جا کر بیٹھ گیا۔ بگھی میں پہلے ہی تین سواریاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان میں ایک پولیس کانسٹیبل تھا۔ ایک بوڑھا تھا جو اخبار پڑھ رہا تھا اور تیسری بھاری اور موٹی عورت تھی جس نے سر پر بڑا سا پھولدار ہیٹ پہن رکھا تھا۔ شاہان کھڑکی کے پاس بیٹھا باہر دیکھ رہا تھا۔ وہ شریم کو دیکھ تو نہیں سکتا تھا۔ لیکن یونہی وہ تسلی کر لینا چاہتا تھا کہ شریم اوپر کوچوان کے پاس بیٹھ گیا ہے کہ نہیں اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کسی طرح سے انہیں تسلی کرے کہ چھت پر کسی نے ٹھک ٹھک کی۔ بوڑھے اور کانسٹیبل نے بگھی کی چھت پر دیکھا کہ یہ آواز کس کی ہے۔ شاہان کو معلوم ہو گیا کہ یہ آواز شریم نے چھت پر ہاتھ مار کر پیدا کی تھی۔ شاہان زیر لب مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ کوچوان نے گھوڑے کو ہلکی سی چابک لگائی اور گھوڑے لندن کو جانے والی سڑک میں روانہ ہو گئے۔ شام ہو گئی تھی۔ رات راستے میں ہی پڑ گئی۔

رات بڑی سرد تھی۔ شریم کو اب واپس ٹھنڈ لگنے لگی تھی۔ بگھی ایک پڑاؤ پر رکی تو شریم نے اس کے کان میں کہا۔ ''گڈ ایوننگ۔'' شاہان مسکرا دیا۔

''یہ تم نے انگریزی کب سے بولنی شروع کر دی۔ میرے ساتھ۔'' شریم نے ہنس کر کہا۔

''جیسا دیس ویسا بھیس۔ یہ لندن ہے۔ یہاں ہم سب کو انگریزی بولنی پڑے گی۔ تم تو دنیا کی ساری زبانیں بول لیتے ہو۔'' میں نے بھی انگریزی سیکھ لی ہے۔ چلو کافی پیتے ہیں۔'' شاہان اور شریم سرائے میں آ کر ایک خالی میز پر بیٹھ گئے۔ شاہان نے دو آدمیوں کے لئے کافی منگوائی۔ بیرے نے حیرانی سے پوچھا۔ مسٹر دوسرا آدمی کہاں ہے؟''

شاہان بولا۔ ''میں اکیلا ہی دونوں کپ پیوں گا۔'' بیرا اپنے سر کو جھٹک کر چلا گیا۔ واپس آ کر اس نے کافی کے دو کپ میز پر رکھ دیئے۔ دوسرے مسافر بھی دلچسپی سے شاہان کی طرف دیکھنے لگے کہ یہ مسافر ایک ساتھ دو کپ کیسے پیئے گا۔ شریم شاہان کے سامنے کرسی پر بیٹھا تھا۔ شریم تم میرے سامنے بیٹھے ہو ناں۔''

''ہاں کیوں کیا بات ہے۔''

''لوگ میرے دوسرے کپ کو دیکھ رہے ہیں۔''

''دیکھتے ہیں تو دیکھیں مجھے ان کی کیا پرواہ ہے۔''

اور شریم نے اپنے آگے رکھا ہوا کپ اٹھا لیا۔ اس کے اٹھاتے ہی کپ غائب ہو گیا جو مسافر میز کو دیکھ رہے تھے۔ وہ حیران ہو کر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ شریم نے دو تین گھونٹ پینے کے بعد کپ واپس میز پر رکھ دیا۔ کپ دوبارہ میز پر ظاہر ہو گیا۔ اب مسافر اور زیادہ پریشان ہو گئے۔ تیسری بار میز پر سے کپ غائب ہوا۔ تو اتفاق سے بیرا وہاں سے گزرا۔ اس نے قریب آ کر شاہان سے پوچھا۔ ''مسٹر دوسرا کپ کہاں ہے۔''

شاہان نے کہا۔ ''وہ سامنے پڑا ہے۔''

بیرا ہنس کر بولا۔ ''مسٹر مجھ سے مذاق کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر تم نے کپ توڑ دیا ہے تو تمہیں اس کی رقم ادا کرنی پڑے گی۔'' اتنے میں شریم نے کپ میز پر رکھ دیا۔ کپ دوبارہ ظاہر ہو گیا۔ شاہان نے کہا۔ ''وہ دیکھو کپ تمہارے سامنے پڑا ہے۔'' سرائے کا نوکر اپنی آنکھ ملتے ہوئے میز پر پڑے ہوئے کپ کو تکنے لگا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کیونکہ اپنی آنکھوں سے اس نے ایک سیکنڈ پہلے دیکھا تھا کہ میز پر سے کپ غائب تھا۔ باقی مسافر بھی حیران تھے۔ موٹی عورت تو شاہان کو دہشت زدہ آنکھوں سے تک رہی تھی۔ جیسے وہ کوئی جن بھوت ہو۔

ان دنوں لندن میں جادوگری کی سزا موت تھی اور جو کوئی عورت یا آدمی جادو کرتے پکڑا جاتا تھا۔ اسے زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ پولیس کانسٹیبل نے شاہان کے پاس آ کر کہا۔ ''اگر تم نے میز پر جادوگری دکھائی تو مجھے مجبوراً تمہیں گرفتار کر کے عدالت میں پیش کرنا پڑے گا۔ اور مذہبی عدالت تمہیں آگ میں جلا ڈالنے کی سزا دے گی۔'' شاہان نے کانسٹیبل کی طرف دیکھ کر کہا۔

اسرار

محمد خالد شاہان۔۔صادق آباد | **قسط نمبر 18**

نقطہ نقطہ لفظ لفظ سطر سطر خوف و ہراس کے لبادے میں لپٹی اپنی نوعیت کی ناقابل یقین اور ناقابل فراموش جسم و جاں کو انگشت بدنداں کرتی اور دلوں کو تھراتی ہوئی خونچکاں بھونچکاں اور لھولھان کھانی جو کہ پڑھنے والوں پر سکتہ طاری کرے گی۔

صدیوں پر محیط سوچ کے افق پر چنگھاڑتی گھٹاٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی کہانی

افسر نے پریشان ہوکر ادھر ادھر دیکھا۔ ’’میرا قلم کون لے گیا ہے۔ کسی نے میرے ہاتھ سے چھین لیا ہے۔‘‘ شریم نے اب اس کے سر پر سے ہیٹ بھی اتار لیا۔ ہیٹ بھی شریم کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہوگیا۔ افسر گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ میرا ہیٹ میرا ہیٹ کون لے گیا۔ دوسرے لوگ بھی اس کے اردگرد آ کر جمع ہوگئے۔ وہ بھی حیران تھے کہ افسر کے سر سے ہیٹ کہاں گم ہوگیا۔ اتنے میں شریم نے موٹے افسر کی باہر نکلی ہوئی توند پر ایک زور کی لات ماری۔ افسر اچھل کر پرے جاگرا۔ اس بے چارے کا خوف کے مارے برا حال ہوگیا تھا۔ اس کے حلق سے کانپتی ہوئی آوازیں نکلنے لگیں جو......جو......بھوت، اب شریم نے اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر سرگوشی میں کہا۔ ’’میں تمہارے باپ کی روح ہوں۔ الو کے پٹھے۔ اس شاہان نامی مسافر کو لندن جانے دے۔ نہیں تو میں تمہاری توند پر ایک اور لات جمارہا ہوں۔‘‘

’’معاف کردو۔ معاف کردو۔ معاف کردو۔‘‘ وہ فرش پر سے کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھا اور شاہان کی طرف دیکھ کر بولا۔ ’’تم جاسکتے ہو۔‘‘ شاہان مسکرا کر وہاں سے آگے چل دیا۔ اتنے میں افسر کی میز پر ہیٹ اور اس کا قلم واپس نمودار ہوگئے۔ شریم نے یہ چیزیں اس کی میز پر واپس رکھ دی تھیں۔ جاتے جاتے شریم کو شرارت سوجھی اور اس نے وہاں کھڑے ایک آدمی کا ہیٹ پکڑ کر فضا میں اچھال دیا۔ اور ذرا بلند آواز میں بولا۔ ’’میں اہرام مصر کی بدروح ہوں۔ تم سب کو ماردوں گا۔‘‘

یہ سن کر وہاں بھگدڑ مچ گئی اور لوگ اٹھ کر دوڑے۔

شاہان نے آہستہ سے کہا۔ ’’شریم مت تنگ کیا کرو، لوگوں کو، شریم ابھی اس کے پاس نہیں آیا تھا۔ پھر وہ شاہان کے پاس آ کر آہستہ سے بولا۔ ’’یونہی ذرا کھیل تماشہ کرنے کو جی چاہا تھا اور وہ ہولے ہولے مسکراتا ہوا شاہان کے ساتھ بندرگاہ سے باہر نکل آیا۔ باہر لندن کو جانے والی بگھی تیار کھڑی تھیں۔ ایک بگھی پر بڑی بڑی بادامی مونچھوں والا بھاری بھرکم کوچوان بیٹھا تھا۔ بگھی میں اور تین سواریاں بیٹھ چکی تھیں۔ اسے صرف ایک سواری کی ضرورت تھی۔ شریم نے کہا۔

’’شاہان اس بگھی میں بیٹھ جاتے ہیں۔ اسے تو ایک سواری کی ضرورت ہے۔ اور تم کیا بیٹھو گے۔‘‘ شریم نے کہا۔ ’’میں تو کسی کو نظر نہیں آتا۔ میرا کیا ہے میں اوپر موٹے کوچوان کے پاس جا کر بیٹھ جاؤں گا۔‘‘ ’’اوپر تمہیں سردی نہیں لگے گی۔ یہاں کا موسم تو بہت سخت ٹھنڈا ہے۔ بلکہ اب تو دو ایک روز میں شاید برف بھی گرنے لگی۔‘‘ شریم بولا۔

’’سردی لگے گی تو بگھی کے اندر آجاؤں گا۔ کسی

اوران ہی کے لئے وہ چھ سال سے ان صحراؤں کی ریت چھان رہا تھا آج ان تین اونٹ سواروں کو دیکھ کر اسے کچھ شک سا ہوا کیونکہ وہ تینوں آبادی میں نہیں گئے تھے اور پھر وہ انتظار کرنے لگا۔

اندھیرہ ہوتے ہی تینوں اونٹ سوار اپنے ساتھ کچھ سامان لے کر گاؤں میں چوروں کی طرح داخل ہوئے تو ارباز خان کے بیٹے کا ماتھا ٹھکنا ان کے پاس اس نے کدال بھی دیکھ لی۔ ''دوستوں لگتا ہے کہ ہمارا انتظار کا وقت ختم ہوا تیار ہو جاؤ اگر میرا شک صحیح ہے تو ہماری منزل قریب ہے۔''

وہ چاروں ان تینوں کا پیچھا کرتے ہوئے اس ٹھاکر کے گھر تک پہنچ گئے اوران تینوں کی نقل وحرکت دیکھنے لگے ارباز خان کا بیٹا اوراس کے دوست ایک مکان کی چھت پر چڑھ گئے جو کہ کنویں سے چندقدم کے فاصلے پر تھا ارباز خان کا بیٹا اب سب سمجھ گیا تھا اور بہت خوش تھا کیونکہ منزل اس کے سامنے تھی جب صندوق اوپر آ گیا اس نے ہاتھ میں خنجر پکڑا اورنشانہ لے کر صندوق کو سنبھالنے والے میں سے ایک کی طرف جھینک دیا خنجر ایک سنسناہٹ کی آواز نکالتا اس آدمی جو کہ طور خان تھا کی پشت میں پیوست ہو گیا۔اس کے جھکتے ہی چاروں نے چھت سے چھلانگیں لگا دیں اوران دونوں پر پل پڑے ان دونوں کے نڈھال ہوکر بے ہوش ہوتے ہی ارباز خان کے بیٹے نے ایک نعرہ مستانہ لگایا اورصندوق پر ایسے گر گیا جیسے کہ وہ کوئی چارپائی ہو اور پھر اچانک شہباز کا خیال آتے ہی اس کو ایک جھٹکا لگا اس نے جلدی سے کنویں میں جھانکا شہباز پہلے ہی اوپر دھینگا مشتی کی آوازیں سن کر محتاط ہو گیا تھا اور لالٹین نیچے چھوڑ کر جڑی بوٹیوں اورگھاس سے لٹکتے ہوئے احتیاط سے اوپر کی طرف آ رہا تھا۔

ارباز خان کا بیٹا کنویں میں جھانک ہی رہا تھا کہ اسے زور سے ایک جھٹکا لگا اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی اوروہ کنویں میں گرتا چلا گیا۔اسی وقت کسی پرندے کی پروں کی پھڑ پھڑاہٹ نے رات کے سناٹے کو چیر دیا ارباز خان کے بیٹے کے نیچے گرتے ہی اس کے تینوں دوستوں نے خنجر نکال لئے اوران کے گرد پرواز کرتے باز کو مارنے لگے لیکن وہ باز ان کے ہاتھ نہ آیا آخر تنگ آ کر ایک نے خنجر باز پر دے مارا جو کہ باز کو چھوتا ہوا اس کے ساتھی کے پیٹ میں جا گھسا جس کے منہ سے ایک چیخ نکلی اوروہ پیٹ کو پکڑ کر گرتا چلا گیا اور باز نے ایک جھپٹے سے اپنے پنجے خنجر پر مارنے والے کی آنکھوں میں مارا تو اسے ایسا لگا کہ وہ اندھا ہو گیا ہو باز اس کے سر پر اپنے مضبوط پنجوں سے وار کرنے لگا وہ آدمی ڈر کر بھاگا تو اس کا پیر کنویں میں جا پڑا وہ اپنے آپ کو سنبھال نہ سکا اورکنویں میں ایک بھیانک چیخ نکالتے ہوئے گرتا چلا گیا۔

شہباز کافی اوپر آ چکا تھا اس کے پاس ہی سے دو آدمی کنویں میں گرتے ہوئے گزرے اورتہہ میں پہنچ کر دپ دپ کی آواز سے گرے اور بے سدھ ہو گئے شہباز احتیاط سے کنویں سے نکلا اس نے ابھی سر نکالا ہی تھا کہ ارباز خان کا آخری رہ جانے والا ساتھی اسے دیکھتے ہی وہاں سے بھاگ اٹھا باز نے بہت دور تک اس کا پیچھا کیا۔

شہباز جب باہر نکلا تو باہر تین لاشیں اس کی منتظر تھیں اوراس نے سوچا کہ کنویں میں اتنی اوپر سے گرنے والے بہ مشکل ہی بچے ہوں گے۔

ان سونے کی مورتیوں کے لئے کتنی ہی جانیں ضائع ہو گئی تھیں شہباز خان سوچ میں تھا کہ اسے ایک کراہ سنائی دی وہ کراہ سنتے ہی اس طرف بھاگا طور خان میں ہلکی سی جان باقی تھی۔ ''شہباز...... خدا کے لئے یہ مورتیاں میرے قبیلہ تک پہنچا دینا۔'' یہ کہہ کر وہ ایک طرف لڑھک گیا۔

شہباز کو ان سب لاشوں کو دیکھ کر بہت افسوس ہو رہا تھا اوراس نے ایک عزم سے کہا کہ وہ ضرور ان مورتیوں کو اس کے قبیلے تک پہنچائے گا تا کہ ان سے جان چھوٹ سکے۔

کہاں اور کیسے تلاش کروں گا۔ یہ کام تو تمہیں کرنا ہوگا۔ آخرتم بھی تو کوئی کام کرو۔

شاہان ہنس پڑا۔ اچھا بابا یہ کام میں اپنے ذمے لے لیتا ہوں۔ اب کیا خیال ہے ہم آرام نہ کریں۔

شریم بولا میں تو تھک گیا ہوں کافی منگواؤ، کافی پیتے ہیں۔ یہ لندن کا سب سے مہنگا اور آج سے کئی سال پہلے کا خوب صورت ہوٹل تھا۔ جس کی ہر منزل کے برآمدوں میں گیس لیمپ روشن تھے۔ راہ داریوں میں قالین بچھے ہوئے تھے۔ شاہان نے گھنٹی بجائی۔ نیچے سے ایک چاق و چوبند بیرا آ گیا۔ یہ گورا بیرا تھا۔ اور کالوں کو پسند نہیں کرتا تھا۔ شاہان کا رنگ بھی گورا نہ تھا۔ بلکہ گہرا سانولا تھا۔ جیسا کہ مصریوں کا عام ہوا کرتا تھا۔ بیرے کو پسند نہیں تھا کہ کالے اس شاندار ہوٹل میں آ کر ٹھہریں۔ اس نے کمرے میں آ کر بڑے غرور کے ساتھ گردن اکڑا کر کہا۔

لیس سر کیا چاہئے۔ شاہان نے کہا۔ دو کافی۔ بیرے نے بھنویں چڑھا کر کہا۔

دو آپ تو ایک ہیں۔ شاہان نے جھڑکتے ہوئے کہا۔ تم کون ہو۔ پوچھنے والے دفع ہو جاؤ۔ اور دو کافی لاؤ۔ لیس سر۔ بیرا نفرت سے منہ بنا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ شریم نے پوچھا کہ وہ کب سونا فروخت کرے گا۔ شاہان نے کہا۔ صبح اسے لندن کے گنجان علاقے میں کسی یہودی کے پاس بیچ دوں گا۔ جو دے گا لے لوں گا۔ میرا خیال ہے کہ اتنی رقم ضرور مل جائے گی کہ ہم ایک مہینہ اس ہوٹل میں آرام کر سکیں اور ناگنی بھی مل گئی تو ہمارے پاس ٹھہر سکے گی۔

شریم کہنے لگا کہ یہ شہزادی کا خزانہ اسے مل جائے تو ہم یہاں سے آگے چلیں گے۔ ابھی ہمارا سفر بہت لمبا ہے۔ اتنے میں بیرا آ گیا۔ اس نے میز پر کافی کے برتن رکھے اور چلا گیا۔ اس بیرے نے شریم اور شاہان کی باتیں سن لی تھیں اور اسے پتہ چل گیا تھا کہ شاہان کے پاس جو تھیلا ہے اس میں سونے کی اینٹ پڑی ہے۔ اس نے دروازے کے پیچھے چھپ کر یہ بھی سن لیا تھا کہ شاہان کسی آدمی سے باتیں کر رہا ہے۔ جو کہ غائب ہے۔ وہ یہ سمجھا کہ شاہان کے ساتھ کوئی اور بھی رہ رہا ہے۔ جس کو وہ کسی کے آنے پر پلنگ کے نیچے چھپا دیتا ہے۔ بیرے کے خیال میں شاہان نے یہ کام ہوٹل کے دوسرے کمرے کا کرایہ بچانے کے لئے کیا تھا۔ کیونکہ اس ہوٹل کے سنگل کمرے میں دو آدمیوں کو رہنے کی اجازت نہیں تھی۔ بیرے نے سوچا کہ ہوٹل کے منیجر کو بعد میں شکایت کروں گا۔ پہلے شاہان کے تھیلے میں سے سونا چرا لیا جائے۔ اس بیرے کی موت آدھی رات کو سونے کی لالچ کی شکل میں اسے شاہان کے کمرے میں لے آئی۔

پلنگ پر شریم سو رہا تھا۔ وہ لحاف کے اندر دبکا ہوا تھا۔ اس کے لحاف کے اندر ہونے کی وجہ سے لحاف اوپر کو ابھرا ہوا تھا۔ بیرا کمرے کے خفیہ دروازے سے اندر آیا تھا۔ گیس کا لیمپ دھیما روشن تھا۔ بیرے نے سوچا کہ شاہان پلنگ پر سو رہا ہے۔ تھیلا اس کے سرہانے کے نیچے ہوگا۔ حالانکہ پلنگ پر شریم سو رہا تھا۔ اور شاہان صوفے کے دوسری جانب اوٹ میں کمبل اوڑھ کر سو رہا تھا۔ بیرا دبے پاؤں پلنگ کے پاس آیا۔ اس کے ہاتھ میں کھلا ہوا خنجر تھا۔ بیرے کا خیال تھا کہ وہ شاہان کے منہ پر سے لحاف اٹھا کر خنجر اس کی گردن پر رکھ کر تھیلا چھین کر بھاگ جائے گا۔ بیرے نے چہرے پر اس لئے نقاب ڈال رکھا تھا کہ شاہان اسے پہچان نہ لے۔ سرہانے کے قریب آ کر وہ جھکا اور ایک ہاتھ سے اس نے لحاف اوپر اٹھا لیا۔ اور وہ حیران رہ گیا کہ لحاف کے نیچے کوئی بھی نہ تھا۔ تو پھر یہ لحاف اوپر کو کیسے ابھرا ہوا تھا۔ لحاف ابھی تک اوپر کو ابھرا ہوا تھا۔ جیسے کوئی اس کے اندر لیٹا پڑا ہو۔

شریم جاگ پڑا تھا۔ اور اپنے اوپر جھکے ہوئے نقاب پوش کو تک رہا تھا۔ بیرا جلدی سے ہٹ کر کمرے میں شاہان کو تلاش کرنے لگا۔ اس کی نظر میز کی دراز پر پڑی۔ اس نے دراز کو کھولا تو اندر سونے کی اینٹ والا تھیلا پڑا تھا۔ خوشی سے اس کی باچھیں کھل گئیں۔ اس نے تھیلا اٹھا کر بغل میں دبایا۔ اور باہر نکلنے کے لئے کمرے کے خفیہ دروازے کی طرف بھاگا۔ دوسری بار کسی نے اسے گردن سے پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا۔ شاہان بھی جاگ پڑا۔

اور بلی چوہے کا یہ تماشہ لیٹے لیٹے مزے سے دیکھ رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ شخص سونے کی اینٹ چرانے آیا تھا۔ اور اب شریم اس سے ذرا کھیل رہا تھا۔ بار بار فرش پر گرنے سے بیرے کا نقاب الٹ گیا۔ شریم اور شاہان نے دیکھا کہ یہ تو کم بخت وہ ہی بیرا ہے۔ شاہان نے وہیں سے آواز دی۔ شریم جانے نہ پائے۔ شریم نے کہا کہو تو اسے تیسری منزل کی کھڑکی سے نیچے پھینک دوں۔ بیرا تھیلا پھینک کر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا۔ نہیں نہیں مجھے معاف کردو۔ میرے بچوں پر ترس کھاؤ۔ میں معافی مانگتا ہوں۔ شاہان نے کہا کہ معاف کردو اسے شریم اچھا جاؤ معاف کیا۔

''بیرا حیران تھا کہ یہ شخص کس سے باتیں کررہا ہے۔ اور جس آدمی نے مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا کیا یہ کوئی بدروح ہے۔ جس کو شاہان نے قابو کر رکھا تھا۔ بیرا تو اپنی پھر جان بچا کر بھاگ گیا۔ لیکن جانے سے پہلے شاہان نے اسے بلا کر اتنا کہہ دیا یاد رکھو اگر تم نے میری بدروح کے بارے میں کسی کو کچھ بتایا تو یہی بدروح رات کو آ کر تمہارا خون پی جائے گی۔ بیرے نے کانپتے ہوئے کہا۔ کبھی نہیں۔ کبھی نہیں۔ میں کبھی بھی کسی سے ذکر نہ کروں گا۔

جب وہ چلا گیا تو شریم نے پلنگ پر لیٹتے ہوئے کہا۔ یہ تم نے مجھے بدروح کب سے بنا دیا۔ شاہان بھائی۔ شاہان ہنسنے لگا۔ بھئی یہ تو اسے ڈرانے کے لئے تھا۔ وگرنہ تم تو میرے بہت ہی پیارے اور چھوٹے بھائی ہو۔ اچھا اب سو جاؤ۔ تمہیں صبح اٹھتے ہی شہزادی کے قلعے میں بھی جانا ہے۔ اور تمہیں ناگنی کی تلاش میں۔ نہیں پہلے اس سونے کو جا کر فروخت کرنا ہے۔ شریم نے کہا۔

ہاں میں اپنا کام کروں گا۔ تم اپنا کام کرنا۔ لندن شہر میں دن کی روشنی بڑی مشکل سے طلوع ہورہی تھی کیونکہ آسمان اور زمین ہر جگہ پر دھند پھیل چکی تھی۔ شاہان دن چڑھے سونا فروخت کرنے اور شریم شہزادی کے قلعے کی جانب روانہ ہوگیا۔

شریم نے قلعے کی پہاڑی تک پہنچنے کے لئے کسی بگھی یا دوسری سواری کی ضرورت محسوس نہ کی۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوکر بھی جاسکتا تھا۔ لیکن اس نے ہوا میں اڑ کر جانا زیادہ پسند کیا۔ وہ لندن کے کھلے کھیتوں اور جنگل میں پھیلی دھند کے اوپر اڑتا اس قلعے کے اندر جا کر اتر گیا۔ جہاں شہزادی اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ مصیبت کے دن گزار رہی تھی۔ شریم قلعے کی چھت پر اترا تھا۔

شریم قلعے کی چھت پر اترا تھا۔ یہاں سے وہ زینے سے ہوکر نیچے بڑے بڑے کھلے برآمدوں اور اونچے ستونوں والے دالان میں آ گیا۔ ان ستونوں پر کہیں کہیں مخمل کے سرخ اور نیلے رنگ کے بھاری پردے گرے ہوئے تھے۔ شاہان نے شریم کو شہزادی کا حلیہ بتا دیا تھا۔ محل میں کہیں عورتیں پرانے زمانے کے پھولے والے گاؤن پہنے گھوم رہی تھیں۔ ان میں سے شہزادی کی شکل کی کوئی شکل نہ تھی۔ شریم نے محل کے سجے سجائے کھلے کمروں میں گھومنا شروع کردیا۔ ایک جگہ اس نے بوڑھے وکٹر کو دیکھا۔ وہ اسے اوپر گرم کمبل اوڑھے لیٹا تھا اور ایک بوڑھی خادمہ اسے چمچ سے دلیہ کھلا رہی تھی۔ وکٹر بار بار سفید رومال سے اپنے ہونٹ صاف کررہا تھا۔ شریم دوسری منزل کے ایک کمرے میں داخل ہوا تو اس نے گیلری میں ایک دبلی پتلی سی سنہری بالوں والی لڑکی کو دیکھا۔ جس نے دو چوٹیاں کر رکھی تھیں اور سر پر سفید ہی تھا۔

شریم کو شہزادی سلومی کو پہچاننے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ یہی سلومی تھی۔ شریم کمرے میں سے گزر کر گیلری میں آ گیا۔ شہزادی نیچے وادی میں پھیلی دھند کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے شانوں پر نسواری رنگ کی بڑی خوب صورت گرم اونی شال پڑی تھی۔ ہاتھوں میں سفید دستانے تھے۔ اور وہ جنگلے پر ذرا جھکی نیچے تک رہی تھی۔ شریم نے اسے غور سے دیکھا۔ یہی وہ شکل تھی۔ جو شاہان نے اسے بتائی تھی۔ اس شکل میں گہری اداسی چھائی ہوئی تھی۔ نیلی آنکھوں میں غم کی جھلک تھی۔

شریم نے شہزادی کے قریب ہوکر آہستہ سے کہا۔ شہزادی سلومی، شہزادی کسی نہ نظر آنے والے ایک

نوجوان کی زبان سے اپنا نام سن کر چونکی۔ پھر اسے شاہان کے بھائی کی روح کا خیال آیا۔ اس نے آنکھیں جھپکا کر کہا۔ تم شاہان کے بھائی۔ شریم کی روح ہو کیا۔

شریم ذرا سا ہنسا اور بولا۔ ہاں میں شریم ہوں۔ شاہان کے بھائی کی روح۔

شہزادی زندگی میں پہلی بار کسی روح سے باتیں کررہی تھی۔ اس نے ہمیشہ ایسے لوگوں سے باتیں کی تھیں جو اسے نظر آیا کرتے تھے۔ نظر نہ آنے والی اس ہستی سے وہ پہلی بار گفتگو کررہی تھی۔ اس نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ شریم بھائی میں تمہارا ہی انتظار کررہی تھی۔

دیکھ لو میں آ گیا ہوں۔ تم ڈر تو نہیں رہی ہو۔ شہزادی ہنس دی۔ اس کے دانت سفید تھے۔ بالکل سفید موتیوں کی طرح شریم نے کہا۔ شاباش تم بڑی دلیر لڑکی ہو۔ لوگ تو میری آواز سن کر اکثر بے ہوش ہوجاتے ہیں۔

شہزادی نے کہا۔ اگر مجھے شاہان نے تمہارے بارے میں کچھ بھی نہ بتایا ہوتا۔ تو شاید میں بھی بے ہوش ہوجاتی۔

شریم نے ہنس کر کہا۔ وکی کہاں ہے۔ وہ ناشتہ کررہا ہے۔ اور تمہارا مکار چچا کہاں ہے۔ شاید وہ بھی ناشتہ کررہے ہیں۔ وکی کے ساتھ شاید۔

شریم نے چونک کر کہا۔ تمہیں اپنے چھوٹے بھائی کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہئے تھا۔ تمہارا چچا اسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔ مجھے بتاؤ کہ یہ لوگ کیا ناشتہ کررہے ہیں۔ مجھے ساتھ لے چلو۔ وہاں۔

شہزادی نے شریم کو ساتھ لیا اور پہلی منزل کے اس کمرے میں آ گئی۔ جہاں اس کا چھوٹا بھائی۔ اپنے چچا کے سامنے میز پر بیٹھا ناشتہ کررہا تھا۔ شہزادی کو دیکھ کر وکی مسکرادیا۔ چچا کے ماتھے پر شکن پڑگئے۔ شریم نے محسوس کیا کہ اس مکار چچا کو شہزادی کا آنا ناگوار گزرا ہے۔ شاید وہ کوئی سازش کرنے والا تھا۔ اوپر سے مسکراتے ہوئے اس نے شہزادی کا خیر مقدم کیا اور کرسی کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔ بیٹھو شہزادی۔ شہزادی چچا کے سامنے اپنے بھائی کے پاس بیٹھ گئی۔ شریم بھی اس کے ساتھ ہی کھڑا ہوگیا تھا۔ وکی دودھ کا گلاس پی رہا تھا۔ شریم نے جھک کر گلاس کو دیکھا دودھ میں کوئی دوسری نقصان دہ شے تو نہیں ملی ہوئی۔ اس میں اتنی طاقت تھی کہ وہ ملاوٹ کو پہنچان لیتا تھا۔ دودھ میں کچھ بھی نہ تھا۔

مکار چچا وکی اور اس کی بہن کو ٹھکانے لگانے کی ایک دوسری اسکیم سوچ رہا تھا۔ اس نے مصر کے ایک شہر سے بڑا ہی زہریلا سانپ منگوا رکھا تھا، یہ سانپ جسے ڈس دے اس کا جسم اسی وقت جگہ جگہ سے پھٹ جاتا تھا۔ اور وہ فوراً مرجاتا تھا۔

مکار چچا رات کے وقت اسی سانپ کو وکی اور شہزادی کے سونے والے کمرے میں چھوڑنے والا تھا۔ شریم کو مکار چچا کی اس سازش کا علم نہ تھا۔ ناشتے کے بعد چچا شہزادی اور وکی کو ساتھ لے کر بڑے کمرے سے باہر جانے لگا تو شریم کا اتفاق سے میز پر رکھی صراحی کو ہاتھ لگ گیا۔ صراحی گر پڑی چچا نے صراحی کو دیکھا اور حیران ہو کر بولا۔ یہ اپنے آپ کیسے گرگئی۔ شہزادی کو تو معلوم تھا کہ یہ شریم نے کیا ہے۔ وہ انجان بن کر بولی۔ خدا جانے کیسے گرگئی۔

کیا اس کمرے میں کوئی بھوت تو نہیں آ گیا۔ چچا نے چلتے ہوئے پوچھا۔ شاید شہزادی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

دوسری طرف شاہان سونے کی اینٹ لے کر لندن کے ایک یہودی سوداگر کے پاس پہنچا۔ جوہری نے سونے کی اینٹ دیکھی تو شاہان کو سر سے لے کر پاؤں تک تکتے ہوئے بولا۔ برخوردار یہ اینٹ تم نے کہاں سے چرائی ہے۔ شاہان نے کہا کہ یہ ہمارے خاندان کی پرانی سونے کی اینٹ ہے۔ میں نے کہیں سے نہیں چرائی۔ یہودی نے آنکھ مار کر کہا۔ برخوردار مجھے اصل بات بتادو۔ میں خوب جانتا ہوں کہ تم کوئی ملکہ مصر کے خاندان سے نہیں ہو کہ تمہارے پاس سونے کی اینٹ پڑی رکھی ہو۔

شاہان نے کہا کہ میں ملکہ مصر کے خاندان سے ہی ہوں۔ یہودی قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ حالانکہ شاہان نے

بالکل سچ بات کہی تھی۔ لیکن بھلا یہودی کو کیسے یقین آ سکتا تھا۔ شاہان کا لباس بھی عام قسم کا تھا۔ یہودی نے کہا۔ نوجوان اگر تم نے سچی بات نہ بتائی تو مجھے مجبوراً تمہیں پولیس کے حوالے کرنا پڑے گا۔ شاہان بے مقصد وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔ اچھا چلو میں نے ایک جگہ سے یہ سونا چرایا ہے۔ اب بولو تم کیا دو گے۔

یہودی مکاری سے ہنسا۔ میں تمہیں اس کے ایک ہزار پاؤنڈ دے سکتا ہوں۔ شاہان نے تعجب سے کہا۔ مگر یہ سونا تو ایک لاکھ کا ہے۔ تو پھر پولیس کے پاس چلو۔ اچھا لاؤ۔ ایک ہزار ہی دے دو۔ شاہان فضول جھک جھک سے بچنا چاہتا تھا۔ اس نے ایک ہزار گن کر وصول کئے اور سونے کی اینٹ یہودی کے حوالے کر کے واپس اپنے ہوٹل میں آ گیا۔

شام ہو رہی تھی۔ موسم بہت سرد ہو گیا تھا۔ شاہان نے ناگنی کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا کہ وہ کہاں غائب ہو گئی۔ یہاں آ کر اس کی ہلکی سی بو تک محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ رات کو اس نے تھوڑا سا کھانا کھایا۔ بیرے نے کھانے کے بعد کافی لا کر رکھ دی۔ اب وہ شاہان کو جھک کر سلام کرتا تھا اور اس سے ڈرتا تھا۔ شاہان ناگنی کے بارے میں ہی سوچتا ہوا بستر پر لیٹ گیا۔

جس یہودی کے پاس شاہان نے سونے کی اینٹ ایک ہزار کی معمولی رقم میں فروخت کی تھی۔ وہ بڑا ہی لالچی انسان تھا۔ اسے کسی طرح نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ نوجوان سونے کی پوری اینٹ جو ایک لاکھ سے بھی زیادہ کی تھی ایک ہزار میں بیچ سکتا ہے۔ ضرور اس کے پاس اور اینٹیں بھی ہوں گی۔ یا پھر اسے کسی ایسے خفیہ خزانے کا علم ہو گیا ہوگا جہاں سونے کی بے شمار اینٹیں پڑی ہوں گی۔ کیوں نہ اس کو قابو کیا جائے۔ اور ساری سونے کی اینٹیں حاصل کر کے دنیا کا امیر ترین آدمی بن جائے۔ یہودی کو لالچ نے گھیر لیا۔ اس نے احتیاطاً اپنے نوکر کو شاہان کے پیچھے روانہ کر دیا تھا جو اس کے ہوٹل کو دیکھ آیا تھا۔

پس آدھی رات کو یہودی شاہان کے ہوٹل کی طرف چل پڑا۔ لندن کی گلیاں سنسان تھیں۔ دھند پھیلی ہوئی تھی اور مکانوں کے دروازے بند تھے اور بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ یہودی کی جیب میں ایک تیز دھار والا چھرا تھا۔ جسے وہ انکار کی صورت میں شاہان کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ شاہان یونہی اٹھ کر اپنے کمرے سے باہر نکل آیا اور برآمدے میں ٹہلنے لگا۔ یہودی نے اسے دور سے دیکھا تو اندھیرے میں چھپتا چھپاتا اس کے پیچھے نکل آیا۔ اس نے جیب سے خنجر نکال کر شاہان کی گردن پر رکھ دیا اور کہا اگر تم نے مجھے وہ جگہ نہ بتائی جہاں سے تم سونے کی اینٹ لائے تھے تو میں ابھی تمہاری شہ رگ کاٹ دوں گا۔

شاہان نے مڑ کر یہودی کو دیکھا تو اسے بڑا غصہ آیا کہ کمینے انسان کو لالچ نے اندھا کر دیا ہے اور ایک انسان کی جان لینے کو تیار ہو گیا ہے۔ شاہان نے اسے سبق سکھانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے بڑی لجاجت سے کہا۔ خدا کے لئے مجھے نہ مارو۔ میں تمہیں ابھی اس جگہ لئے چلتا ہوں۔ یہ سن کر یہودی کی باچھیں کھل گئیں۔ اور جھٹ بولا۔ اگر تم نے مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کی تو یاد رکھو اس وقت میرے چار محافظ خنجر لئے اندھیرے میں تمہارے پاس آ کھڑے ہیں۔

شاہان نے خوفزدہ آواز میں کہا۔ جناب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں آپ کو دھوکہ دوں۔ کیا مجھے اپنی جان عزیز نہیں۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ میں آپ کو اس جگہ لے کر جاؤں گا۔ جہاں سے مجھے یہ سونے کی اینٹ ملی ہے۔

کیا وہاں اور بھی سونا ہے۔ یہودی نے لالچ سے کہا۔

شاہان بولا۔ ہاں جناب وہاں تو سونے کی اینٹوں کا ایک صندوق بھرا ہوا ہے۔

یہودی نے جلدی سے کہا۔ تو پھر چلو مجھے وہاں لے چلو۔ پھر کچھ سوچ کر رکا اور بولا۔ وہ جگہ لندن میں کہاں ہے۔

شاہان نے سوچا کہ اسے کہاں لے جانا چاہئے۔ جہاں اس بدکردار لالچی انسان کو اس کے کئے کی سزا مل سکے۔ اچانک اسے لندن کے پرانے قلعے کے ٹارچر

ہاؤس کا خیال آیا۔ یہ قلعہ وکی ہشتم کے زمانے کا تھا اور یہاں ایک چیمبر میں وکی ہشتم اپنے سامنے قیدیوں اور اپنے دشمنوں کو اذیت دے دے کر مارا کرتا تھا۔ اس تہہ خانے میں ابھی تک اذیت دینے والے آلات لگے تھے۔ لوگوں نے مشہور کر رکھا تھا کہ وہاں ان لوگوں کی بدروحیں بھٹکتی پھرتی ہیں۔ جن کو وہاں بادشاہ کے حکم پر قتل کر دیا گیا تھا۔

شاہان نے کہا۔ وکی ہشتم کے پرانے قلعے کے نیچے ایک تہہ خانہ ہے۔ اس تہہ خانے کے فرش کے اندر سونے کی اینٹوں کا صندوق بھرا پڑا ہے۔ میں سیاحت کرتا ادھر جا نکلا۔ تو اچانک میری نظر مٹی کے ڈھیر پر پڑی۔ جب میں نے وہاں زمین کھودی تو اندر ایک صندوق تھا۔ جو سونے کی اینٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ اگر جناب کو یقین نہیں آتا تو چل کر دیکھ لیں۔ یہودی نے خنجر کی نوک شاہان کی شہہ رگ پر رکھ کر کہا۔ چلو میرے آگے۔ شاہان کا خیال تھا کہ یہ موٹا لالچی یہودی یونہی رعب ڈالنے کے لئے کہہ رہا ہے۔

ہوٹل کے باہر آ کر پتہ چلا کہ ایک بگھی میں اس کے تین آدمی خنجر اور پرانے قسم کے بارود سے بار بار بھرے جانے والے پستول لئے بیٹھے تھے۔ انہوں نے شاہان کو بگھی کے اندر گرالیا۔ اور کوچوان نے بگھی پرانے قلعے کی طرف دوڑا دی۔ قلعہ لندن شہر سے باہر ایک ٹیلے پر تھا۔ بگھی آدھی رات کے سناٹے میں پتھروں کی سڑک پر بھاگی جا رہی تی۔

قلعے کا ایک دروازہ بند تھا۔ اور دوسرا ٹوٹا ہوا تھا۔ بگھی اس کے سامنے جا کر رک گئی۔ چاروں باہر نکل آئے۔ اور انہوں نے شاہان کو پستول دکھا کر اپنے آگے آگے لگالیا۔ شاہان اب بڑا ہی سٹپٹایا کہ خواہ مخواہ کس مصیبت میں پھنس گیا۔ ان لوگوں سے وہیں نمٹ لیا جاتا تو کم از کم رات تو خراب نہ ہوتی۔ اس کی جانے بلا کہ قلعے کا تہہ خانہ کہاں اور کدھر ہے۔ وہ تو پہلی بار اس قلعے میں آ رہا تھا۔ یہودی اپنے کرائے کے غنڈوں کے پیچھے پیچھے تھا۔ غنڈے شاہان کو گھیرے قلع کے اندر آئے اور پوچھا۔ بتاؤ کہ تہہ خانہ کدھر ہے۔

وہ سامنے والے کمرے میں ہے۔ شاہان نے یونہی کہہ دیا۔ برآمدے میں سے گزر کر غنڈے سامنے والے کمرے میں آ گئے۔ اتفاق سے وہاں تہہ خانہ موجود تھا۔ جہاں سیڑھیاں جاتی تھیں۔ یہودی بڑا ہی خوش ہوا کہ شاہان نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے گئے تو ایک چوکور سی خستہ حال کوٹھری آ گئی۔ جہاں اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ یہودی نے موم بتی روشن کر کے دیکھا۔ دیواروں کا چونا نیچے گر رہا تھا۔ چھت سے جالے لٹکے ہوئے تھے۔ اور وہاں کوئی خزانے کا صندوق نہیں تھا۔ یہودی نے غرا کر کہا۔ کہاں ہے خزانہ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔

شاہان نے یونہی زمین پر ایک جگہ پاؤں رکھ کر کہا۔ جناب خزانہ اس جگہ دفن تھا۔ غنڈوں نے وہاں زمین کھودنی شروع کر دی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ قلعے کا محافظ ایک بوڑھا اس تہہ خانے کے اوپر ایک کوٹھڑی میں سو رہا تھا۔ اس نے جو زمین کھودے جانے کی آواز سنی تو لیمپ اور ڈنڈا تھامے باہر نکل آیا۔ آواز اس کے پاؤں تلے سے آ رہی تھی۔ فوراً سمجھ گیا کہ کوئی تہہ خانہ کھود رہا ہے۔ اس نے سر کھجاتے ہوئے سوچا کہ کیا اس تہہ خانے میں کوئی خزانہ دفن ہے۔ اسے کچھ بھی خبر نہ تھی۔ لیکن یہ لوگ قانون کی خلاف ورزی کر رہے تھے۔ اس نے تہہ خانے کی سیڑھیوں میں جا کر دیکھا۔ اندر سے روشنی ہو رہی تھی۔ اور زمین کھودنے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ بوڑھا آہستہ سے چلتا ہوا سیڑھیوں کے آخر میں آیا۔ تو دیکھا کہ تین آدمی زمین کھود رہے ہیں اور دو الگ کھڑے ہیں۔ ایک کے ہاتھ میں موم بتی ہے۔ بوڑھا پہرے دار لپک کر واپس ہوا اور سیدھا قلعے سے باہر نکل کر ایک مکان میں چلا گیا۔ وہاں ایک گورکن رہتا تھا۔ اس نے گورکن کو بھگایا۔ اور بتایا کہ قلعے میں ڈاکو آ گئے ہیں۔ اور زمین کھود رہے ہیں۔ گورکن نے ڈرتے ہوئے کہا۔ بھائی میں نہیں جاؤں گا۔ مجھے تو ڈاکوؤں سے خوف آتا ہے۔ ہاں مجھ سے کوئی تابوت زمین میں

دفن کروانا ہو تو مین ابھی تمہارے ساتھ جانے کو تیار ہوں۔ پہرے دار سٹ پٹا کر واپس آ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ وہ خود بوڑھا آدمی تھا اور اس کے پاس پستول بھی نہ تھا۔ وہ اکیلا چار غنڈوں کا مقابلہ بھی نہ کر سکتا تھا۔ اس کے باوجود اس کا احساس فرض اسے تہہ خانے میں لے گیا۔

اس نے ڈنڈا اوپر اٹھا کر بڑے رعب سے کہا۔ خبردار جو کسی نے ہاتھ اٹھایا۔ میں سرکاری پہرے دار ہوں۔ قلعے کے محافظوں میں سے ہوں اور میں تمہیں گرفتار کرتا ہوں۔

یہودی نے بوڑھے محافظ کی طرف دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ اسے ختم کردو۔ پھر دوسرا کام کرنا۔ غنڈے کرائے کے تھے۔ انہیں بڑا ہی لالچ دیا گیا تھا۔ قتل کرنا ان کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی۔ کدالیں رکھ کر انہوں نے خنجر نکالے اور بوڑھے محافظ کی طرف بڑھے۔

شاہان یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ وہ لوگ ایک بے گناہ انسان کو قتل کریں۔ اب وہ کھل کر سامنے آ گیا۔ اس نے بوڑھے کے آگے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ سونے کے کتو، میں تمہیں آخری موقع دیتا ہوں۔ یہاں سے بھاگ جاؤ۔ یہودی اور تینوں غنڈوں کا پارہ تو چڑھ گیا تھا کہ اس دبلے پتلے سے جوان کی یہ ہمت کہ انہیں دھمکی دے۔ یہودی نے چیخ کر کہا۔ پہلے اس کا کام تمام کرو۔ فوراً غنڈے شاہان کی طرف بڑھے۔ شاہان ان کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ جونہی ایک غنڈے نے اپنا خنجر شاہان کے سینے پر مارا۔

شاہان نے بڑے آرام سے خنجر اس کے ہاتھ سے چھین کر اپنے پیچھے کھڑے بوڑھے چوکیدار کو دے کر کہا۔ چچا اسے سنبھال کر رکھنا اور غنڈے کو پکڑ کر ایسا جھٹکا دیا کہ اس کی گردن ٹوٹ کر اس طرح لمبی ہوگئی۔ جیسے اسے چھ بار پھانسی دی گئی ہو۔ دوسرا غنڈا آگے بڑھا تو شاہان نے اس کا خنجر چھین کر بوڑھے کو دے دیا اور اس کی کھوپڑی پر ایسا زبردست مکا مارا کہ شاہان کو آدھا ہاتھ اس کی کھوپڑی توڑ کر اندر چلا گیا۔ تیسرا غنڈا چیخ مار کر غصے سے شاہان پر حملہ آور ہوا۔ شاہان نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر زور سے اچھالا۔ وہ چھت سے ٹکرا کر نیچے گرا۔ تو ختم ہو چکا تھا۔ یہودی نے یہ ماجرا دیکھا تو پستول پکڑ کر شاہان پر گولی چلا لی۔ زبردست دھماکہ ہوا۔ بارود کا دھواں پھیلا بے چارہ چوکیدار اگر زمین پر نہ بیٹھ جاتا تو زخمی ہوگیا ہوتا۔ جب دھواں چھٹا تو شاہان سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ یہودی کے پاس اتنا موقع نہ تھا کہ وہ دوسری بار پستول میں بارود بھر سکتا۔ اور پھر شاہان اسے موقع دے بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے پاس بھی اتنا وقت نہیں تھا کہ اپنی بہترین طاقت ان احمق قسم کے لوگوں پر ضائع کرتا پھرے۔ یہ تو وہ یہودی لالچی کو سبق سکھانا چاہتا تھا۔ یہودی بڑا ہی حیران ہوا کہ گولیاں سیدھی شاہان کے سینے پر لگی تھیں۔ بڑا قریب سے اس نے نشانہ لیا تھا۔ پھر وہ زندہ کس طرح بچ گیا۔ شاہان نے یہودی کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا اور کہا میں تمہیں بڑے آرام سے ماردوں گا۔ یہودی خود بھی اور اس کی موٹی توند بھی تھر تھر کانپنے لگی۔ نہیں نہیں مجھ پر رحم کرو۔ میں پھر کبھی لالچ نہیں کروں گا۔ شاہان نے کہا۔ چلا جا اور یہاں سے پیدل سردی میں ٹھٹھرتا ہوا واپس لندن پہنچ تیری اب یہی سزا ہے۔ شکریہ۔ شکریہ...... یہودی جان بچا کر قلعے سے باہر نکلا اور شہر کی طرف ہانپتا کانپتا روانہ ہوگیا اور اس کے بعد شاہان نے بوڑھے چوکیدار کو بتایا کہ وہاں کوئی خزانہ وغیرہ نہیں ہے۔ اس نے جھوٹ بولا تھا۔ وہ دراصل ان لوگوں کو سبق سکھانا چاہتا تھا۔ اس نے تینوں غنڈوں کی لاشیں وہیں تہہ خانے میں دفن کردیں اور شاہان بگھی میں بیٹھ کر رات کے پچھلے پہر واپس اپنے ہوٹل میں آ گیا۔ ادھر شریم بھی رات ہونے پر شہزادی اوروکی کے کمرے میں اس کی حفاظت کے لئے آ گیا۔ شہزادی نے اپنے چھوٹے بھائی کو شریم کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ وہ اس خیال سے کہ کہیں وہ ڈر ہی نہ جائے اور کسی سے ذکر نہ کردے۔ جب آدھی رات ہوئی تو شہزادی اوروکی سوگئے اور شریم کمرے سے باہر آ گیا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ کوئی خطرہ نہ تھا۔ شریم قلعے

کی بالکونی میں آ کر کھڑا ہوگیا۔ اسے اپنے پیچھے قدموں کی آواز سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ پیچھے شہزادی کی خواب گاہ کو جانے والا راستہ خاموش تھا۔ شریم نے خیال کیا کہ یہ شاید اس کا وہم ہے۔ وہ بالکونی میں کھڑا باہر رات کی تاریکی میں دور چلنے والی روشنی کو دیکھتا رہا۔ یہ شریم کی غلطی تھی۔ اسے فوراً اپنا شک دور کرنے کے لئے شہزادی کے کمرے میں جانا چاہئے تھا کیونکہ مکار چچا رات کے اندھیرے میں سانپ کی پٹاری چھپائے وہاں سے گزرا تھا۔ اس نے شہزادی کے کمرے کے دروازے کے نیچے سے زہریلے سانپ کو اندر داخل کردیا۔ اور خود ذرا پرے ہٹ کر کھڑا ہوگیا اور شہزادی اور وکی کی موت کا انتظار کرنے لگا۔ کمرے میں شہزادی اور اس کا چھوٹا بھائی وکی اپنے اپنے بستروں پر گرم لحافوں میں دبکے سو رہے تھے۔ سانپ فرش پر بچھے ہوئے قالین پر ادھر ادھر رینگنے لگا۔ چھوٹی کانسی کی تپائی پر چاندی کا شمع دان روشن تھا۔ سانپ قالین پر رینگتے رینگتے شہزادی کے پلنگ پر پاس چلا گیا۔ اس نے اپنا پھن اوپر اٹھا کر شہزادی کے لحاف سے نکلے ہوئے چہرے کو دیکھا۔ سانپ وکی کے بستر کی طرف آ گیا۔ اس نے وکی کو غور سے دیکھا۔ باہر مکار چچا ان دونوں کی چیخیں سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اندر خاموشی طاری تھی۔ سانپ کیا کر رہا تھا۔ مکار چچا سوچنے لگا۔

سانپ وکی کے بستر پر چڑھ گیا۔ اور اس کے گرم لحاف کے اوپر رینگتا ہوا وکی کے چہرے کے قریب آ کر رک گیا۔ اب سانپ وکی کے لحاف پر کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ اور اپنا پھن اٹھائے جھوم رہا تھا۔ اتفاق سے شہزادی کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے کروٹ بدلی تو شمع کی روشنی میں اس کی نظر سانپ پر پڑ گئی۔ چونکہ پڑھی لکھی خاندانی لڑکی تھی اس نے گھبرا کر چیخ مارنے کے بجائے اس نے اپنے حواس قابو میں رکھتے ہوئے بجلی کی تیزی کے ساتھ سوچنا شروع کردیا کہ سانپ کو لحاف سے نیچے کیسے گرائے۔ کیونکہ خطرہ تھا اگر وکی کی آنکھ کھل گئی تو چیخ مارے دے گا۔ اور سانپ گھبرا کر اسے ڈس لے گا۔

شہزادی آہستہ آہستہ اپنے لحاف سے نکل کر بستر کے دوسری طرف قالین پر اتر گئی۔ کمرے میں کوئی بھی ایسی چیز نہ تھی کہ جس کی مدد سے وہ سانپ کو ہلاک کرسکتی، سانپ اس طرح وکی کے لحاف پر بیٹھا ہولے ہولے جھوم رہا تھا۔ شہزادی کسی طریقے سے اپنے چھوٹے بھائی کی جان بچانا چاہتی تھی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ خود اپنے بھائی کے اوپر گر کر سانپ سے ڈسوالے گی۔ اور بھائی کی جان بچالے گی۔ اتنے میں بالکونی میں کھڑے شریم کو کچھ ٹھنڈ محسوس ہوئی۔ حالانکہ عام طور پر اسے سردی گرمی بہت ہی کم محسوس ہوا کرتی تھی۔ وہ بالکونی سے نکل کر شہزادی کے کمرے کی طرف آ گیا۔ اندر جانے کے لئے اسے دروازہ کھولنے کی ضرورت نہ تھی۔

مکار چچا ایک ستون کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے شریم اسے دیکھ نہیں سکتا۔ شریم خواب گاہ میں داخل ہوگیا۔ شمع کی روشنی میں اندر اسے بہت پہلے جو شے نظر آئی۔ وہ سامنے والی دیوار پر سانپ کا جھومتا ہوا سایہ تھا۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک سیاہ ناگ اپنا خطرناک پھن پھیلائے چھوٹے وکی کے لحاف کے اوپر آہستہ آہستہ اس کے منہ کی طرف کھسک رہا تھا۔ گویا بڑے مزے کے ساتھ وکی کو ڈسنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ شہزادی بھی آہستہ آہستہ سانپ کی طرح رینگ رہی تھی۔ شریم نے سوچا کہ اگر اس نے کوئی آواز نکالی تو سانپ کہیں گھبرا کر وکی کو ڈس نہ لے۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ شہزادی سانپ کے پاس سامنے کی جانب سے کیوں جارہی ہے۔

ایک ایک پل بڑا ہی قیمتی تھا۔ سارے کمرے کی فضا لہراتی ہوئی سانپ کی پھنکار کی ہلکی ہلکی آواز آرہی تھی۔ اور شریم کمرے کی فضا میں لہراتا ہوا سانپ کے اوپر آ گیا۔ سانپ نے شریم کے جسم کی لہروں کو محسوس کرلیا تھا۔ اس نے ایک جھکولا سا کھا کر اوپر کی طرف دیکھا۔ شریم اسے نظر تو نہیں آ سکتا تھا۔ شریم نے اس دوران میں ہاتھ بڑھا کر سانپ کو گردن سے پکڑلیا۔ شہزادی نے جو وکی کے لحاف کے اوپر سے سانپ کو

اچانک غائب ہوتے دیکھا تو سمجھ گئی کہ شریم نے اپنا کام کردیا ہے۔ اس کی جان میں جان آئی۔ سردی میں بھی اس کے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ اس نے شریم کو آہستہ سے پکارا۔ شریم نے جواب میں کہا۔ مجھے افسوس ہے شہزادی کہ میں ذرا سی دیر باہر گیا تھا اگر اور دیر ہوجاتی تو وکی کی زندگی کو شاید ہم واپس نہ لاسکتے تھے۔ شہزادی نے وکی کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ وہ اور شریم بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ شہزادی نے کہا۔ میرا خیال ہے کہ یہ سازش مکار چچا کی تھی۔ یہ سانپ اسی نے ہمیں ہلاک کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ شریم نے کہا۔ اس کے علاوہ اور کون یہ جرات کرسکتا ہے۔

باہر کھڑے مکار چچا نے جب یہ محسوس کیا کہ دیر ہوگئی ہے اور اندر سے کسی کی چیخ کی آواز نہ آئی۔ تو اسے یہی خیال ہوا کہ سانپ نے ان دونوں بہن بھائیوں کو ڈس کر ہلاک کردیا ہے۔ وہ بڑا خوش خوش دروازے کے سامنے سے گزرا تو اسے اندر سے کسی دو جانوں کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ وہ حیران ہوکر رک گیا کہ یہ شہزادی کس سے باتیں کررہی ہے۔ دوسرے آدمی کی آواز چچا پہچان نہیں رہا تھا۔ یہ بالکل اجنبی آواز تھی۔ اس سے پہلے چچا نے یہ آواز نہیں سنی تھی۔ وہ پریشان ہوگیا کہ تو کیا شہزادی نے سانپ کو ہلاک کرڈالا ہے۔ پھر وہ زندہ کیسے ہے۔ وہ اندر جاکر اصل حالات معلوم کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس خیال سے کہ کہیں اسے سک نہ پڑ جائے۔ وہ وہاں سے چلا گیا۔ جاتے ہی اس نے سپیرے کو بلایا اور ساری کہانی سنا کر پوچھا۔ سانپ نے انہیں ڈسا کیوں نہیں۔ کیا سانپ زہریلا نہیں تھا۔ سپیرے نے کہا۔ حضور سانپ بہت زہریلا تھا۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ سانپ کمرے کی گرم گرم فضا میں جانے کے بعد کسی جگہ گرم ہوکر لیٹ گیا پھر کیا ہوگا۔ میرا خیال ہے حضور کہ اب وہ کسی کو نہیں ڈسے گا کیونکہ اس کا موڈ آف ہوگیا ہے۔

یہ سانپ بڑا ہی خاندانی سانپ ہے۔ ذرا مزاج کے خلاف کوئی بات ہوجائے تو اپنے زہر کو خود پر خارج کردیتا ہے۔ چچا نے کہا کہ تم نے ایسا سانپ لاکر کیوں دیا۔ جاؤ اب کوئی ایسا سانپ لے کر آؤ جو ہر حالت میں شہزادی اور اس کے بھائی کو ڈس لے۔ بہت بہتر حضور میں کل ہی ایک سفید سانپ لے کر حاضر ہوں گا۔ یہ سانپوں کا بادشاہ ہے اور اس کا زہر پھوار کی شکل میں نکلتا ہے اور جس پر پڑجائے۔ وہ وہیں مرجاتا ہے۔ سپیرا سانپ لانے چلا گیا۔ مکار چچا نے سوچا کہ خواب گاہ والا سانپ وہاں سے نکل کر کہاں چلا گیا ہوگیا۔ اور وہ بستر پر لیٹ کر سفید سانپ کے بارے میں غور کرنے لگا۔ پھر اسے خیال آیا کہ شہزادی کے ساتھ کون تھا۔ اور وہ کس سے باتیں کررہی تھی۔

دن نکل آیا۔ شریم نے سانپ کو ہلاک کرکے قلعے کی دیوار سے نیچے پھینک دیا۔ صبح ناشتے میں میز پر بیٹھتے ہی مکار چچا نے باتوں ہی باتوں میں شہزادی سے پوچھا۔ رات تمہارے کمرے میں کوئی لڑکا تھا۔ شریم نے چونک کر مکار چچا کی طرف دیکھا۔

شہزادی بھی کچھ حیران ہوئی کہ اسے کہاں سے خبر مل گئی کہ اس کے ساتھ کمرے میں شریم تھا۔ اس نے کہا آپ کو کس نے بتایا کہ میرے کمرے میں کوئی اور بھی تھا۔ مکار چچا مسکراتے ہوئے بولا۔ میں رات تمہاری خواب گاہ کے آگے سے گزر رہا تھا کہ اندر سے تم دونوں کی باتیں کرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ شریم سمجھ گیا کہ یہ شخص سانپ خواب گاہ میں پھینک کر انجام دیکھنے کے لئے کمرے کے باہر ہی کھڑا تھا۔ شہزادی نے کہا۔ میں تو وکی سے باتیں کررہی تھی چچا۔ بھلا کوئی اور لڑکا وہاں کہاں سے آگیا۔ چچا خاموش ہوگیا۔ سمجھ گیا کہ شہزادی اس سے اصل بات چھپا رہی ہے۔ اس روز مکار چچا نے ایک پھپھے کٹنی عورت کو شہزادی کے پیچھے لگادیا کہ وہ معلوم کرے کہ شہزادی رات کو کس سے ملتی ہے۔ اور وہ لڑکا کون ہے۔ اسے خطرہ تھا کہ کہیں شہزادی کو اس کی خطرناک سازش کا پتہ نہ چل گیا ہو۔ اس طرح اس کے کئے کرائے پر پانی پھر سکتا تھا۔

☆......☆......☆

اب ذرا پیچھے قبرستان کے گرجا گھر میں جا کرنا گئی

کی بھی خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے۔ وہ گرجا گھر کے تہہ خانے کے تابوت کے اندر والے کنویں میں ابھی تک بے ہوشی پڑی تھی۔ بڑی خطرناک گھپا تھی۔ جس نے اسے بے ہوش کر دیا تھا۔ چونکہ تابوت کا اوپر والا ڈھکن لاش کے باہر نکلتے ہی تھوڑا سا کھل چکا تھا۔ اس لئے کنویں کی گیس باہر نکلتی رہی۔ دو دن کے بعد ساری گیس نکل گئی تو ناگنی کو ہوش آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ کنویں کی گیلی مٹی میں لت پت پڑی ہے۔ اس کا سر بھی ابھی تک درد کر رہا تھا۔ وہ کنویں کی زنگ لگی دیوار پر رینگتی ہوئی تابوت سے باہر آ گئی۔ تہہ خانہ اسی طرح ویران پڑا تھا۔ وان کے سپاہی وہاں سے خونی قاتل اور لاش کو اٹھا کر لے جا چکے تھے۔ میز پر بچے کی لاش بھی نہ تھی۔ ناگنی نے فوراً انسانی شکل اختیار کی اور گرجا گھر سے باہر نکل آئی۔ دن کا وقت تھا۔ مگر بادلوں کی وجہ سے روشنی کم تھی۔ دھوپ بھی نہیں نکلی ہوئی تھی۔ ناگنی قبرستان سے نکل کر سیدھا وان کے دفتر پہنچ گئی۔ وان ناگنی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ کہنے لگا۔ تم کہاں غائب ہو گئی تھی۔ مسٹر ناگنی۔ ناگنی نے کہا۔ میں تابوت والے کنویں میں بے ہوش ہو کر گر پڑی تھی۔ ابھی وہاں سے آ رہی ہوں۔ کمال ہے بھئی۔ میرا اس طرف خیال ہی نہیں گیا۔ ناگنی نے کہا۔ خیال بھی جاتا تو تم مجھے نہیں دیکھ سکتے تھے کیونکہ میں سانپ کی شکل میں تھی۔ خونی قاتل کی لاش اٹھا لائے تھے تم لوگ۔ ہاں اس کا معاملہ ختم ہو گیا ہے۔ ہم تمہارے بہت شکر گزار ہیں۔ اور حکومت تمہیں انعام دینے کے بارے میں سوچ رہی ہے۔ مجھے انعام کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس بہت سے انعام پہلے ہی ہیں۔ ناگنی نے مسکرا کر کہا۔ اب تمہارا کیا پروگرام ہے۔ وان نے پوچھا۔ ناگنی نے جواب دیا کہ میں اپنے بھائی شاہان کی تلاش میں ہوں۔ یہاں اب میرا کوئی کام نہیں رہا۔ وان نے کہا۔ کیا تم بادشاہ وکی ہشتم کے خزانے میں ہماری مدد نہیں کرو گی۔ ناگنی بولی تمہاری حکومت کا اس خزانے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

وہ خزانہ جس کی امانت ہو گی اسے مل جائے گا۔ یہ کہہ کر ناگنی وان کے دفتر سے باہر نکل آئی۔ اسی لندن شہر میں اس نے شاہان کی تلاش شروع کر دی۔ ادھر شاہان اپنے وعدے کے مطابق قلعے میں مکار چچا سے جا کر ملا اور اسے بتایا کہ ابھی وہ خزانے کی تلاش میں اپنا جادو نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں تھی کہ شاہان کی ابھی تک ناگنی سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اور خزانے کا پتہ صرف اور صرف ناگنی ہی اسے دے سکتی تھی۔ مکار چچا نے پریشان ہو کر پوچھا۔ اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ شاہان نے کہا کہ یہ ہماری جادوگری کے راز ہیں۔ آپ اسے نہیں سمجھ سکتے۔ پھر تم کب جادو جگاؤ گے۔ اور مجھے خزانے کے پاس لے کر جاؤ گے۔ ابھی آپ کو پندرہ دن تک انتظار کرنا ہوگا۔ یہ تو بہت زیادہ دن ہیں۔ اس کے سوائے کوئی چارہ نہیں۔ شاہان نے جواب دیا۔ شاہان شہزادی سے ملنے گیا تو وہاں شریم سے بھی ملاقات ہو گئی۔ شاہان نے بتایا کہ ناگنی سے ابھی تک لندن میں ملاقات نہیں ہوئی۔ پھر شریم اور شہزادی نے رات والے سانپ کا قصہ سنایا اور بتایا کہ مکار چچا نے شہزادی اور اس کے بھائی کو ہلاک کرنے کی مہم شروع کر دی ہے۔ شاہان نے کہا۔ ادھر وہ خزانے کے سلسلے میں بھی بڑا ہی بے چین ہے۔ لیکن جب تک ہمیں ناگنی نہیں ملتی ہم خزانے تک اسے نہیں لے جا سکتے۔ شریم نے کہا کہ کیا اسے کزانے تک لے جانا ضروری ہے۔ شاہان بولا ہاں میں چاہتا ہوں کہ وہ دولت کی تلاش میں وہاں جائے اور خزانے کے سانپ کے ڈسنے سے وہ ہلاک ہو جائے۔

یہ ایک ایسی موت ہو گی جس کا وہ صحیح حقدار ہے۔ چلو شاہان نے شہزادے سے کہا بلکہ وہ رات کو دروازے کے نیچے جو درز ہے۔ اس میں کپڑا ٹھونس کر سویا کرے۔ اس نے شریم سے بھی کہا۔ شریم بھائی تم چوکس رہا کرو۔ کیونکہ مکار چچا۔ اب کوئی دوسرا زبردست حملہ کرنے والا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ رات کو پھر حملہ کرنے والا ہے۔ شریم بولا فکر نہ کرو بھائی۔ اب میں ہوشیار رہوں گا۔ تو پھر میں چلتا ہوں۔ سونے کی اینٹ میں نے ایک ہزار میں دے دی

ہے۔ یہ تو میں تمہیں بتانا ہی بھول گیا۔ یہودی نے تمہیں لوٹ لیا ہے۔ مجھے پیسوں کی ضرورت تھی۔ شہزادی نے کہا۔ شاہان بھائی مجھ سے لو جتنے پیسے چاہئیں۔ شاہان نے کہا۔ نہیں نہیں شہزادی۔ تمہیں تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس خرچ کے لئے بہت رقم ہے۔ جب ضرورت ہوگی کہہ دوں گا۔

شاہان قلعے سے واپس آ گیا۔ رات کو کھانا کھانے کے لئے میز پر بیٹھے تھے کہ چچا نے وکی سے کہا آج تم مچھلی نہیں کھا رہے۔ وکی بیٹا۔ ننھا وکی بولا۔ آج میرا مچھلی کھانے کو دل نہیں چاہتا انکل۔ اوہ چچا کچھ دیر خاموشی سے کھانا کھاتا رہا۔ پھر اچانک چھری سے وکی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ کبھی تم نے سانپ کھایا ہے۔ وکی نے کوئی جواب نہ دیا۔ شہزادی بولی۔ انکل وکی سے ایسی باتیں نہ کریں۔ وہ پریشان ہو جاتا ہے۔ چچا زور سے قہقہہ لگا کر بولا۔ ارے بیٹی تم بادشاہوں کی اولاد ہو تمہیں کسی بات پر کبھی گھبرانا نہیں چاہئے۔

شریم کو مکار چچا کی مکاری کی باتوں پر غصہ آ گیا۔ اس نے میز پر سے ایک پلیٹ اٹھا کر چھت کی طرف اچھال دی۔ پلیٹ اپنے آپ چھت کی طرف اچھل کر قالین پر گری۔ تو چچا خوف زدہ ہو کر کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وکی حیران ہو گیا تھا لیکن شہزادی کو معلوم تھا کہ یہ شرارت شریم کی ہے۔ شہزادی نے مسکرا کر کہا۔ انکل آپ کیوں گھبرا گئے۔ آپ بھی تو شاہی خاندان سے ہیں۔ چچا ابھی تک قالین پر گری پلیٹ کو تک رہا تھا۔ اسے یاد آ گیا کہ کل ایک صراحی میز پر اپنے آپ گر پڑی تھی۔

اس قلعے میں ضرور کوئی بھوت آ گیا ہے بھوت، وکی نے ڈرتے ہوئے کہا۔ شہزادی نے کہا۔ بھوت آ گیا ہوا تو کیا ہوا۔ ہم اسے اپنا دوست بنا لیں گے۔ مجھے بھوتوں کو دوست بنانے کا بڑا شوق ہے۔ شریم نے دوسری بار ایک چاندی کی صراحی اٹھا کر مکار چچا کے سر پر رکھ دی۔ چچا اچھل کر دور کھڑا ہوا۔ وہ خوف سے کانپ رہا تھا۔ بھوت اس کمرے میں بھوت ہے۔ وکی سہم کر شہزادی کے ساتھ لگ گیا۔ چچا کھانا بیچ میں ہی چھوڑ کر بھوت بھوت کرتا وہاں سے چلا گیا۔ شہزادی نے شریم سے کہا۔ یہ تم ہو ناں شریم۔ ہاں میں ذرا تمہارے چچا کو سبق سکھانا چاہتا ہوں۔ وکی نے جو کمرے میں غیبی لڑکے کی آواز سنی تو اور زیادہ ڈر گیا۔ اس کی بہن نے اسے تسلی دے کر کہا۔ گھبراؤ نہیں وکی یہ بھوت نہیں ہے شریم ہے۔ تمہارا بڑا بھائی۔ بھائی نظر کیوں نہیں آتا۔ وکی نے پوچھا۔ شریم نے کہا۔ وکی بیٹے میں تمہارا بھائی ہوں۔ نظر اس لئے نہیں آتا کہ میں نے اپنے جسم پر غائب کر دینے والی کریم ملی ہوئی ہے۔ وکی نے کہا۔ بھائی تھوڑی سی کریم مجھے بھی دے دو۔ شریم اور شہزادی کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ چلو اب کمرے میں چل کر آرام کرو۔ شہزادی اپنے بھائی کو لے کر خواب گاہ میں آ گئی۔ وہ اس کو ایک پل کے لئے بھی اپنے سے جدا نہیں کرتی تھی۔ شریم بھی ان دونوں کے ساتھ ہی خواب گاہ میں آ گیا۔ اس وقت رات کے آٹھ بج رہے تھے۔

اور مکار چچا کو سپیرے کا بے چینی سے انتظار تھا۔ جو سفید سانپ لینے گیا ہوا تھا۔ اور شام کو آنے کا وعدہ کر گیا تھا۔ یہ سپیرا اس وقت قلعے سے دور پار کے کھنڈر میں بیٹھا سانپوں کے بادشاہ سفید سانپ کو پکڑنے کے لئے منتر پڑھ رہا تھا۔ اتفاق سے ناگنی کا گزر ادھر سے ہوا۔ وہ شاہان کی تلاش میں چلی جا رہی تھی۔ اس نے ایک کھنڈر میں آگ جلتی دیکھی تو ایک چٹان کی اوٹ میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ ایک ہٹا کٹا آدمی آلتی پالتی مارے بیٹھا ہے اور سامنے آگ جل رہی ہے اور یہ منتر بار بار اپنی جادوئی زبان میں پڑھ رہا ہے۔ اے سانپوں کے بادشاہ میری مدد کر۔ تو مجھے مل گیا تو شاہی قلعے کا چھوٹا ڈیوک مجھے ایک ہزار سونے کے ٹکڑے دے گا۔ میری مدد کر اور میرے پاس آ جا۔

ناگنی کو اس غریب اور ادھیڑ عمر کے سپیرے پر ترس آ گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے یہ محسوس کرنے کی کوشش کی کہ وہاں کہیں سانپوں کا بادشاہ سفید سانپ ہے کہ نہیں بہت جلد اسے معلوم ہو گیا کہ اس سارے علاقے میں ایک بھی سانپ نہیں ہے اور وہ سپیرا یونہی اپنا

وقت ضائع کررہا ہے۔ ناگنی نے سوچا کہ وہ کیوں نہ خود سانپوں کا بادشاہ بن کر اس غریب سپیرے کے پاس چلی جائے۔ اس طرح سے اس کی مدد بھی ہوجائے گی۔ پس ناگنی نے آنکھیں بند کرکے ایک ہلکی سی پھنکار اپنے حلق سے نکالی اور وہ بڑی خوب صورت کلغی والا سفید سانپوں کا بادشاہ بن کر سپیرے کی طرف رینگنے لگی۔ اور رینگتے رینگتے اس کے پاس پہنچ گئی۔

سپیرے نے سانپ کو دیکھا تو خوشی سے نہال ہوگیا۔ جھٹ اسے پٹاری میں بند کیا اور گھوڑے پر سوار ہوکر قلعے کی جانب روانہ ہوگیا۔ قلعے میں چچا نے سپیرے کے بارے میں کہہ رکھا تاکہ جونہی وہ آئے اسے شاہی محل پہنچادیا جائے۔ سپیرا جلد ہی چچا کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے پٹاری کا ڈھکنا کھول کر اسے سفید سانپ دکھایا اور آہستہ سے کہا۔ حضور اس سے کوئی بچ کر نکل جائے تو مجھے پکڑ لیجئے گا۔ مکار چچا نے پٹاری بند کرکے اپنے پاس رکھ لی۔ سپیرے کو انعام دے کر رخصت کیا۔ ناگنی سفید ناگ کے روپ میں پٹاری میں بند تھی۔ سپیرے کی بات پر ناگنی کے دل میں شک سا پیدا ہوگیا تھا کہ اسے کسی خطرناک کام کے لئے قلعے میں لایا گیا ہے۔ وہ ہوشیار ہوگئی تھی۔

جب رات آدھی سے زیادہ گزر گئی تو مکار چچا نے اپنی جاسوس عورت سے پوچھا۔ کیا شہزادی اور وکی سوگئے ہیں۔ جی ہاں آقا۔ وہ تو کب کے گہری نیند میں سورہے ہیں۔ ٹھیک ہے تم جاؤ۔ اور سنو خبردار اگر کسی سے کوئی بات کی۔ میری مجال ہے آقا کہ میں زبان کھولوں۔ یہ لو تمہارا انعام۔ مکار چچا نے اپنے گلے سے موتیوں کا ہار اتار کر جاسوس عورت کے حوالے کردیا۔ جاسوس عورت خوشی خوشی وہاں سے رخصت ہوگئی۔ جب ہر طرف خاموشی چھاگئی تو مکار چچا نے پٹاری کو اپنے لمبے فرغل میں چھپایا اور دبے پاؤں شہزادی کے کمرے کی طرف بڑھا۔ دروازے کے پاس جاکر اس نے دیکھا کہ دروازے کے نیچے جو درز تھی اس میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا۔ مکار چچا نے ہاتھ سے وہ کپڑا ایک طرف سے کھینچ دیا۔ پھر پٹاری کھول کر سانپ کو اس سوراخ میں داخل کردیا۔

جونہی سفید سانپ کی شکل میں ناگنی کمرے میں داخل ہوئی۔ اسے شریم کی خوشبو آئی۔ وہ تو بے حد خوش ہوئی۔ یہ خوشبو اسے کبھی دھوکا نہیں دے سکتی تھی۔ شریم یقیناً اسی کمرے میں تھا۔ ادھر شریم کو بھی ناگنی کی خوشبو آگئی۔ شہزادی اور وکی اپنے اپنے بستروں پر سورہے تھے۔ شریم کھڑکی کے پاس بیٹھا تھا۔

ناگنی سفید سانپ کی شکل میں رینگتی ہوئی شریم کے قریب آگئی۔ شریم نے سانپ کی طرف دیکھا تو بے اختیار اس کے منہ سے نکل گیا۔ ناگنی بہن یہ تم ہو کیا۔ ناگنی ایک دم سے انسانی شکل میں آگئی۔ شریم نے اپنا پرانے ساتھی اور بہن کا ماتھا چوم لیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ شریم نے کہا۔ خدا کا شکر ہے کہ ایک مدت کے بعد تم ملی ہو۔ شاہان نے کہا۔ شریم نے بتایا کہ وہ ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے۔ ناگنی نے خوش ہوکر کہا کتنا اچھا ہوا کہ ہم تین پھر سے مل گئے ہیں اور اپنا سفر جاری رکھیں گے۔ اچھا اب تم یہ بتاؤ کہ یہاں کیا کررہے ہو اور یہ کون سورہا ہے۔

شریم نے ساری کہانی سناڈالی۔ ناگنی نے کہا۔ جب ہی یہ بدخصلت چچا مجھے اندر ڈال گیا ہے تاکہ میں ان دونوں کو ڈس کر ہلاک کردوں۔ یہ اللہ کا بڑا ہی کرم ہوا یہاں اسی بہانے تم سے ملاقات ہوگئی۔ اب سب سے پہلے تو میں اس مکار چچا کی خبر لیتی ہوں۔ اس پر شریم نے ناگنی کو سمجھایا کہ شاہان نے چچا سے بات کر رکھی ہے کہ وہ ناگنی کے ذریعے وکی ہشتم کے خفیہ خزانے کا پتہ چلائے گا۔ اور پھر خزانے کے سانپ سے اسے ڈسوا کر ہلاک کروایا جائے گا۔ وہ نہیں چاہتا کہ ہم میں سے کوئی اس کے خون سے ہاتھ رنگے۔ ناگنی بولی۔ اگر ایسی بات ہے تو ایسا ہی کریں گے۔ ویسے میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ ابھی واپس جاکر اس ظالم چچا کو ہلاک کردوں۔ جو صرف دولت کے لئے دو معصوم انسانوں کی جان لینا چاہتا ہے۔ شریم نے کہا کہ تم ٹھیک کہتی ہو لیکن شاہان بھائی کا خیال ہے کہ اس کی موت ہم اپنے ذمے نہ لیں

گے۔ ٹھیک ہے ناگنی بولی۔ ٹھیک ہے میں ابھی یہاں سے جا کر شاہان کے پاس ہوٹل جاتی ہوں۔ کیا تم شاہان کو خزانے کے بارے میں بتا سکوگی۔ ناگنی نے کہا کہ میں جانتی ہوں کہ وہ خزانہ کہاں ہے۔ خزانے کے صندوق ہیرے جواہرات سے بھرے ہوئے ہیں اور وہ دریا کے پل کے نیچے ایک تہہ خانے کے کنویں میں دفن ہے میں اسے دیکھ چکی ہوں۔

شریم نے خوش ہوکر کہا۔ بس پھر تو اچھی بات ہے۔ کیا خزانے پر کوئی سانپ بھی پہرہ دے رہا ہے۔ ہاں وہ بڑا ہی زہریلا سانپ ہے۔ شریم بولا۔ تو بس یہی سانپ چچا کی موت کا پیغام ہوگا۔ میں ان دونوں بہن بھائیوں کی حفاظت کے لئے یہی رہوں گا۔ تم ہوٹل جا کر شاہان سے ملو اور اسے خزانے کا پتہ بتا کر کہو کہ کل وہ کسی وقت اس ظالم اور مکار چچا کو ساتھ لے جا کر دریا والے کنویں میں اتر جائے اور اسے وہیں دفن کر آئے۔ ناگنی نے کہا کہ پھر تم سے کہاں ملاقات ہوگی۔ شریم بولا۔ میں یہاں سے سیدھا ہوٹل آجاؤں گا۔ ٹھیک ہے۔ میں بھی وہیں ہوگا۔

ناگنی سفید سانپ ہی کی شکل میں وہاں سے باہر نکل گئی۔ اب ایسا ہوا کہ کم بخت چچا باہر ایک طرف کھڑا تھا۔ وہ آج کی رات بھی شہزادی اوروکی کی چیخوں کی آوازیں سننا چاہتا تھا۔ اس نے سفید سانپ کو باہر نکلتے دیکھا تو بڑا خوش ہوا کہ سانپ اپنا کام کر آیا ہے۔ اس نے سانپ کو پکڑنے کے بجائے اسے مار دینا چاہا تاکہ یہ کسی اور شخص کو محل میں نہ ڈس لے۔ مکار چچا تلوار لے کر سفید سانپ کی طرف بڑھا۔ ناگنی سفید سانپ کے روپ میں برآمدے کی دیوار کے ساتھ رینگتی ہوئی بالکونی کی طرف جارہی تھی کہ اس نے دیکھا کہ وہی مکار چچا تلوار لئے اس کے پیچھے چلا آرہا ہے۔ اسے بڑا غصہ آیا کہ یہ کم بخت اس کی جان کا بھی دشمن ہوگیا۔ اگر اسے شاہان کے پروگرام بھی خیال نہ ہوتا تو وہیں اس بدکردار شخص کو ہلاک کردیتی۔

مکار چچا نے تلوار کا وار کردیا۔ ناگنی ایک طرف پہلو بدل کر دیوار پر چڑھ گئی۔ مکار چچا نے ایک اور تلوار ماری۔

ناگنی نے وہیں سے چھلانگ لگائی اور قلعے کی بالکونی میں آ کر سیاہ رنگ کی ننھی چڑیا بن کر پھر سے اڑ گئی۔

ناگنی لندن شہر کے اوپر چڑیا بن کر اڑتی چلی جارہی تھی۔ وہ ہوٹل اس نے کتنی بار آتے جاتے دیکھا تھا۔ بہت شاندار ہوٹل تھا۔ وہ ہوٹل کے دروازے کے سامنے ایک درخت پر اتر آئی۔ ہوٹل کا بڑا دروازہ بند تھا۔ اور باہر ایک چوکیدار پہرہ دے رہا تھا۔ دوسری منزل کی ایک کھڑکی کھلی تھی۔ ناگنی اڑتی اڑتی اس کھڑکی میں آ کر بیٹھ گئی۔ شاہان نے کالی چڑیا کو دیکھا تو کہا۔ ناگنی۔ ناگنی پھر چڑیا سے اپنی انسانی شکل میں آگئی۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ناگنی نے بتایا کہ اس کی شریم سے ملاقات ہوگئی ہے۔ پھر اس نے ساری کہانی بیان کردی۔ جس کے متعلق شاہان سب کچھ جانتا تھا۔ اب تم مکار چچا کو قلعے سے لے کر خزانے کے پاس جانا، میں اور شریم اسی کمرے میں تمہارا انتظار کریں گے۔ شاہان نے کہا۔ کہ میرا خیال ہے کہ مجھے یہ کام رات کے اندھیرے میں کرنا ہوگا۔ دن کے وقت دریا کے پل کے نیچے تہہ خانے میں اترنا مناسب نہیں رہے گا۔ جیسے تمہاری مرضی۔ پھر رات گئے تک دونوں ایک دوسرے کو اپنی اپنی کہانی سناتے رہے کہ الگ رہ کر ان کے ساتھ کیا کیا گزری۔

دن نکل آیا لندن میں لوگ اپنے اپنے کام پر روانہ ہوگئے۔ سارا دن ناگنی اور شاہان نے آرام کیا۔ ہوٹل میں پولیس آگئی تھی۔ انسپکٹر وان بھی وہاں موجود تھا۔ جب اسے بتایا گیا کہ وہاں شیر آیا ہے۔ اور چور کو شیر نے ہلاک کردیا تھا۔ تو پہلے تو اس نے یقین نہ کیا تھا۔ لیکن جب کمرے میں شیر کے پنجوں کے نشان دیکھے اور چور کی گردن کا معائنہ کیا تو اسے بھی یقین کرنا پڑا کہ یہ سوائے شیر اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ ناگنی نے شاہان کو بتایا کہ وان اس کا دوست ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کو مجھ پر شک ہو۔ مگر میں اس سے نہیں ملوں گی۔ میں اسی کمرے میں ہی رہوں گی۔ اب وان نے کمروں کی تلاشی لینی شروع کردی کہ ہوسکتا ہے کہ شیر کسی کمرے میں چھپا

بیٹھا ہو۔ پولیس شاہان کے کمرے میں بھی آ گئی اور ناگنی پھر سے کالی چڑیا بن کر الماری کے اوپر جا کر بیٹھ گئی۔ وان نے پولیس کے ساتھ شاہان کے بھی کمرے کی تلاشی لی۔ وہاں شیر بھلا کہاں ہوسکتا تھا۔ وان نے جاتے جاتے الماری کے اوپر بیٹھی کالی چڑیا دیکھی تو رک گیا۔ یہ چڑیا کیا تم نے پال رکھی ہے۔ مسٹر شاہان۔ شاہان نے چڑیا کی طرف دیکھ کر کہا۔ پالی تو نہیں ہے۔ مگر یہ روز یہاں آ جاتی ہے۔ میں اسے ڈبل روٹی کے بھورے ڈال دیا کرتا ہوں۔ وان ذرا سا مسکرایا۔ اور کالی چڑیا کو ایک نظر دیکھ کر باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد ناگنی پھر سے انسانی شکل میں آ گئی اور شہان کے ساتھ بیٹھ کر کافی پینے اور باتیں کرنے لگی۔ اسی طرح باتیں کرتے کرتے شام ہوگئی۔ اب شاہان نے کہا۔ میں قلعے کی طرف جا رہا ہوں۔ ناگنی نے پوچھا۔ خزانے کی جگہ تم نے اچھی طرح ذہن نشین کرلی ہے ناں۔ ہاں تم فکر نہ کرو۔ ناگنی ہوٹل میں ہی رہی۔ اور شاہان قلعے کی طرف روانہ ہوگیا شریم ابھی تک وہاں ہی تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ شاہان مکار چچا کو وہاں سے لے کر خزانے کی تلاش میں جائے تو وہ وہاں سے ہوٹل میں ناگنی کے پاس آ جائے۔

کیونکہ اس کے بعد شہزادی اور وکی کی جان کو کوئی خطرہ نہ تھا۔ اس وقت سارے شاہی قلعے میں اگر کوئی پریشان تھا تو وہ مکار چچا تھا۔ کیونکہ سفید سانپ نے بھی شہزادی اور اس کے بھائی کو ہلاک نہیں کیا تھا۔

اور شاہان بھی اسے خزانے تک لے جانے کے لئے ابھی تک وہاں نہیں پہنچا تھا۔ وہ غصے کی حالت میں قلعے کے دروازے کے باہر ٹہل رہا تھا کہ اس نے ایک بگھی کو رکتے دیکھا۔ وہ آگے بڑھا۔ بگھی میں سے شاہان باہر آیا۔ میں اپنا وعدہ پورا کرنے آیا ہوں جناب۔ میں اس وقت تمہارا بڑی شدت سے انتظار کر رہا تھا۔ آؤ میرے ساتھ۔ مکار چچا شاہان کو اپنے خاص کمرے میں لے گیا۔ یہاں بیٹھ کر شاہان نے مکار چچا کو شاہی خزانے کو جانے والے راستے کے بارے میں ایک تفصیل بیان کردی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ خزانہ بہت بڑا ہے۔ اور آٹھ صندوق ہیں۔ جو ہیرے جواہرات اور سونے چاندی سے بھرے ہوئے ہیں۔

کیا تم نے وہ صندوق دیکھے ہیں۔ مکار چچا نے خوش ہو کر کہا۔ شاہان نے کہا کہ میں یہ سارا خزانہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آ رہا ہوں۔ بس آپ میرے ساتھ چلئے۔ مگر آپ کو میری شرط یاد ہے نا۔ کون سی شرط، مکار چچا نے پوچھا۔ یہی کہ جو خزانے پر سانپ بیٹھا ہوگا اس کو پرے ہٹانا آپ کا کام ہوگا۔ میں اس سانپ سے نمٹ لوں گا۔ لیکن میں نے آپ سے وعدہ لیا تھا کہ آپ اسے ماریں گے نہیں۔ کیونکہ وہ سانپ خزانے کے جائز حقدار کو کچھ بھی نہیں کہے گا۔ اور آپ تو جائز حقدار ہیں۔ چچا مکاری سے مسکرایا۔ اوہ ہاں کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔ سانپ مجھے کچھ بھی نہیں کہے گا۔ مجھے اسے مارنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی تو آیئے چلتے ہیں۔

رات کا اندھیرا کافی گہرا ہوگیا ہے۔ شاہان نے مکار چچا کو اپنی بگھی میں ساتھ بٹھایا اور بگھی رت کے سرد ویران اندھیرے میں دریا کے پرانے پل کی جانب روانہ ہوگئی۔ شریم جو جب علم ہوا کہ مکار چچا شاہان کے ساتھ چلا گیا ہے تو اس نے شہزادی اور وکی سے جازت لی اور کہا۔ اب تم لوگ محفوظ ہو کیونکہ تمہارا مکار چچا اب کبھی یہاں واپس نہیں آئے گا اور اسے اپنے کئے کی سزا مل جائے گی۔ ہاں میں تم دونوں کو تمہارا خزانہ دسلوانے ضرور آؤں گا اور شاہان ناگنی بھی میرے ساتھ ہوں گے۔ شب بخیر۔

شہزادی اور وکی نے ہاتھ ہلا کر شریم کو الوداع کہا۔ جو انہیں دکھائی تو نہیں دے رہا تھا مگر جس کی آواز وہ اچھی طرح سن رہے تھے۔ شریم وہاں سے سیدھا ہوٹل میں ناگنی کے پاس آ گیا۔ اس نے ناگنی سے کہا۔ ناگنی بہن کہیں ایسا نہ ہوجائے کہ مکار چچا خزانے کے پاس پہنچ کر تلوار یا خنجر سے سانپ کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہوجائے۔ پھر تو سارا معاملہ بگڑ جائے گا۔ ناگنی نے کہا کہ میں اس کا علاج ابھی کئے دیتی ہوں۔ میں اس خانے کے سانپ کو بلوا کر ہوشیار کردیتی ہوں۔ ناگنی

نے آنکھیں بند کرکے کچھ منتر پڑھے اور تھوڑی ہی دیر میں وہ ہی نسواری رنگ کا خزانے کا سانپ کمرے میں آکر ناگنی کے آگے جھک گیا۔ ناگنی نے اسے ساری بات بتادی کہ شاہی قلعے کا مکار چچا خزانے پر ناجائز طور پر قبضہ کرنے وہاں آرہا ہے۔ اس نے ہوسکتا ہے اپنے کپڑوں میں خنجر چھپا رکھا ہو۔ اس لئے تم ہوشیار رہنا۔ نیلے سانپ نے کہا۔ شکریہ اے عظیم ناگنی دیوی۔ میں خبردار رہوں گا۔ ناگنی نے کہا کہ اس کے بعد تم یہ خزانہ اس کے جائز حقدار کے حوالے کردینا۔ نیلا سانپ بولا۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر دیوی۔ اب تم واپس خزانے پر جاؤ۔ وہ لوگ وہاں پر پہنچنے والے ہوں گے۔

نیلے سانپ نے گردن جھکا کر ناگنی کو سلام کیا اور غائب ہوگیا۔ مکار چچا اور شاہان رات کے اندھیرے میں دریا کے پرانے پل کے نیچے پہنچ گئے۔ پل کے نیچے محراب بنی ہوئی تھی۔ شاہان مکار چچا کو لے کر دیوار کے شگاف میں اندر چلا گیا۔ مکار چچا نے موم بتی روشن کرلی تھی۔ سرنگ میں پانی اور کیچڑ تھا۔ شاہان آگے آگے جارہا تھا۔ آخر وہ مکار چچا کو لے کر تہہ خانے میں آگیا۔ یہاں اس نے ایک جگہ سے پتھر کی بہت بڑی سل اٹھائی تو نیچے ایک کھڈ میں لمبے رخ پر خزانے کے سات صندوق پڑے تھے۔ شاہان نے دیکھا کہ سانپ وہاں نہیں تھا۔ وہ پریشان ہوگیا کہ سانپ کہاں چلا گیا۔ خزانے کے ڈھکن کھلے تھے اور وہ سونے اور ہیرے موتیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ مکار چچا کی تو آنکھیں خوشی سے کھل گئیں۔ وہ خزانے کی طرف بڑھا۔ دیکھ لو میں خزانے کا جائز حقدار ہوں۔ یہاں سانپ کہیں بھی نہیں ہے۔ شاہان نے سرنگ میں اور بھی نیچے دیکھا۔ سانپ کہیں بھی نہیں تھا۔ شاہان پریشان ہوگیا کہ آخر سانپ کدھر گیا ہے۔ اتنے میں سرنگ میں ایک خوفناک پھنکار کی آواز بلند ہوئی۔ یہ پھنکار خزانے کے سانپ کی تھی۔ مکار چچا نے پیچھے مڑ کر ہی دیکھا تھا کہ سانپ نے اچھل کر اس کی گردن پر ڈس لیا اور خزانے کے گڑھے میں اتر کر غائب ہوگیا۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوگیا کہ شاہان بھی کچھ نہ کرسکا۔ مکار چچا کے حلق سے موت کی چیخ بلند ہوئی اور وہ لرزتا اور کانپتا خزانے کے صندوق کے اوپر جواہرات پر گرا اور پھر نہ اٹھ سکا۔ شاہان تہہ خانے سے نکلنے کے لئے باہر کی طرف چلا ہی تھا کہ ایک گونج زمین کے اندر سے سنائی دی۔ شاید بھیانک زلزلہ آنے والا تھا۔ شاہان تہہ خانے کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ ابھی وہ دوسری سیڑھی پر ہی تھا کہ ایسا دھماکہ ہوا کہ پتھر کا زینہ شاہان کو ساتھ لے کر زمین کے اندر دھنستا چلا گیا۔ زمین وہاں سے پھٹ گئی تھی۔ اور شاہان کو اپنے اندر سما کر اوپر سے مل گئی۔

یہ ایک خوفناک حادثہ تھا۔ خزانے کا صندوق کھلا پڑا تھا۔ جواہرات بکھرے پڑے تھے۔ اور ان پر مکار چچا کی لاش پڑی تھی۔ زمین پھٹ کر شاہان کو اپنے اندر سمانے کے بعد اوپر سے پھر ہموار ہوگئی تھی۔ شریم اور ناگنی کو بالکل خبر نہ تھی کہ شاہان کے ساتھ کس قدر ہولناک حادثہ گزر گیا ہے۔ وہ ہوٹل میں اس کا انتظار کررہے تھے۔ جب کافی وقت گزر گیا اور شاہان نہ آیا تو شریم نے ناگنی سے کہا کہ چل کر شاہان کی خبر لینی چاہئے کہ وہ کہیں کسی مصیبت میں نہ پھنس گیا ہو۔ ناگنی کو خزانے کے تہہ خانے کا پتہ تھا۔ وہ شریم کو ساتھ لے کر صبح کے دھندلکے میں دریا کے پرانے پل کے نیچے آگئی۔ یہاں محراب کے پتھروں میں شگاف پڑا تھا۔ دونوں کے اندر چلے گئے۔ آگے سرنگ سے ہوتے ہوئے آخر وہ تہہ خانے میں پہنچ گئے۔ وہ خزانہ کھلا ہوا تھا۔ اور مکار چچا کی لاش نیلی ہوکر جگہ جگہ سے پھٹ گئی تھی۔ ناگنی نے لاش کو دیکھتے ہی کہا۔ اسے سانپ نے کاٹا ہے۔

شریم بولا۔ مگر سوال یہ ہے کہ شاہان کہاں ہے۔ یہی تو مجھے فکر لگی ہے۔ تہہ خانے کی پتھریلی زمین سے کچھ پتہ نہ چلتا تھا کہ اس کے اندر شاہان دھنس چکا ہے۔ ناگنی بولی۔ میرا خیال ہے کہ شاہان کسی ضروری کام کے لئے کسی جگہ چلا گیا ہے۔ وگرنہ وہ یہاں ضرور ہوگا۔ پھر اب کیا کریں۔ شریم نے پوچھا۔ ناگنی کہنے لگی۔ میرا خیال ہے کہ یہ خزانہ دونوں بہن بھائیوں کے حوالے کردینا

چاہئے۔ کیونکہ یہ ان کا حق ہے اور وہ ہی اس کے جائز وارث بھی ہیں۔ چلو پھر انہیں چل کر خبر کرتے ہیں۔

اسی وقت شریم اور ناگنی پرانے قلعے میں پہنچے۔ دونوں بہن بھائیوں کو ساتھ لے کر انہیں مکار چچا کی لاش دکھائی اور خزانہ ان کے حوالے کیا۔ اور اجازت لے کر جانے لگے۔ توو کی نے پوچھا۔ انکل شاہان کہاں ہیں۔ ناگنی نے کہا کہ ہم اسی کی تلاش میں جارہے ہیں۔

دوسرے دن ناگنی اور شریم اس سڑک پر آ کر کھڑے ہوگئے۔ جہاں سے گھوڑا گاڑیاں فرانس کے ساحل کی طرف جاتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ شاہان اب لندن میں نہیں ہے۔ اور وہ فرانس پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ کیونکہ اس کے بعد ان کی اگلی منزل فرانس ہی تھی۔ دو دن انہوں نے شاہان کی تلاش میں لندن شہر کا کونا کونا چھان مارا تھا۔ انہیں وہ کہیں نہ ملا تھا۔ اب وہ اس یقین کے ساتھ فرانس جارہے تھے کہ وہاں شاہان سے ضرور ملاقات ہوجائے گی۔ دور سے ایک گھوڑا گاڑی آتی دکھائی دی۔ شریم ناگی کے قریب ہی کھڑا تھا اس نے شریم سے کہا۔ یہ میں صرف تمہاری خاطر اس گھوڑا گاڑی میں سفر کررہی ہوں۔ نہیں تو میں اڑ کر بھی فرانس پہنچ سکتی ہوں۔ شریم نے کہا۔ میں جانتا ہوں ناگنی بہن کہ تم چڑیا یا کوئی بھی پرندہ بن کر اڑ سکتی ہو۔ لیکن میرے ساتھ رہو گی تو میرا دل لگا رہے گا اور پھر ہمیں بھی یہ بھی تو نہیں معلوم کہ ہمیں فرانس کس جگہ جانا ہے۔

ناگنی نے کہا کہ پیرس شہر کے کسی ہوٹل میں جا کر ٹھہریں گے۔ تمہارے پاس رقم ہے۔ ہاں خزانے میں سے میں نے ایک ہیرا اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ نہ بھی ہوتا تو میں پیر میں جا کر کسی سانپ سے منگوا سکتی تھی۔ وہ باتیں کررہے تھے کہ اتنے میں چار طاقت ور گھوڑوں والی بگھی ان کے پاس آ کر رکی۔ بگھی میں پہلے سے ہی چار پانچ سواریاں پھنسی ہوئی تھیں۔ ناگنی بھی اندر گھس کر ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی۔ شریم غائب ہونے کی وجہ سے بڑے مزے میں تھا۔ وہ اوپر والی سیٹ پر کوچوان کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ اور کوچوان کو خبر تک نہ ہوسکی۔ بگھی اپنی منزل کی طرف رواں ہوگئی۔ دن بھر کے سفر کے بعد شام کو یہ لوگ ساحل سمندر کے ایک قصبے میں پہنچ گئے۔ یہاں ایک چھوٹے سے بحری جہاز میں انہوں نے سمندر عبور کیا۔ اور فرانس کے ساحل پر جا پہنچے۔ رات انہوں نے ایک سرائے میں بسر کی۔

اور دوسرے روز پھر ایک بگھی پکڑلی۔ اور سارا دن سفر کرنے کے بعد شام کو پیرس پہنچ گئے۔ ناگنی نے شریم کو ساتھ لیا اور ایک ہوٹل میں آ گئی۔ اس کے پاس جو تھوڑی بہت رقم تھی وہ رستے میں خرچ ہوگئی۔ اب اس کے پاس صرف خزانے کا قیمتی ہیرا تھا۔ ہوٹل پرانی طرز کا تھا۔ اور بکس دار لکڑی کا زینہ اوپر کو جاتا تھا۔ زینے کے نیچے کلرک رجسٹر اور قلم دوات رکھے بیٹھا تھا۔ ناگنی نے اپنا فرضی نام رجسٹر میں درج کرایا۔ چابی لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

شریم بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔ کمرہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ ایک بستر دیوار کے ساتھ لگا تھا۔ صوفہ سیٹ تھا۔ اور ایک گول میز پر پانی سے بھرا چینی کا جگ رکھا تھا۔ شریم نے کہا۔ میں صوفے پر سو جایا کروں گا۔ ناگنی بولی۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہ بستر تمہارے لئے ہے۔ صوفے پر میں سوؤں گی۔ اور پھر میں تو باہر جنگل میں چڑیا بن کر بسر کرسکتی ہوں۔ شریم ہنس دیا۔ جیسے تمہاری مرضی میری ننھی چڑیا۔ انہوں نے رات کا کھانا کمرے میں ہی منگوا کر کھایا۔ اور شاہان کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ اسے پیرس میں کہاں تلاش کرنا چاہئے۔ شریم کا خیال تھا کہ شاہان پیرس کے پرانے قلعے کے آس پاس ہی مل سکتا ہے کیونکہ یہاں سے پچھلی صدی میں داخل ہونے کا دروازہ کوئی پرانا قلعہ ہی ہوسکتا ہے۔ ناگنی نے کہا۔ تمہارا خیال کافی حد تک درست ہے۔

کل ہم پرانے قلعے کی طرف جائیں گے۔

دوسرے روز پیرس کے آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور ہلکی ہلکی بوندا باندی ہورہی تھی۔ ناگنی نے شریم سے کہا۔ کیا تم جاگ رہے ہو بھائی شریم۔ کیونکہ ناگنی کو شریم کا بستر خالی نظر آرہا تھا۔ صرف ایک لحاف گول

مول ہو کر پڑا تھا۔ شریم کی آواز آئی۔ ہاں ناگنی بہن میں جاگ رہی ہوں۔ ناگنی نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ پہلے میں کسی جوہری کے پاس جا کر اپنے ہیرے کو فروخت ہوتی ہوں۔ تاکہ ہمارے پاس اس ملک کی کرنسی میں کچھ رقم تو موجود ہو۔ تم ہوٹل میں میرا انتظار کرو۔ شریم نے کہا۔ دیر مت کرنا۔ بالکل نہیں۔ میں ناشتہ تمہارے ساتھ ہی آ کر کروں گی۔ یہ کہہ کر ناگنی چلی گئی۔ شریم لحاف کے اندر لیٹا ہوا تھا۔ اگرچہ وہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ لیکن لحاف اپنی جگہ پر یوں ابھرا ہوا تھا۔ جیسے اس کے اندر کوئی سو رہا ہو۔ جاتے ہوئے ناگنی کمرے کے دروازے کو باہر سے تالا لگا کر چابی نیچے ہوٹل کلرک کو دے گئی تھی۔ کہ میں ابھی واپس آتی ہوں۔ اس کے جانے کے بعد تھوڑی دیر بعد ہی ایک بیرا کمرے کے آگے سے گزرا۔ دروازے کے آگے اندر کی طرف پردہ ہٹا ہوا تھا۔ اس کی نظر دروازے کے شیشے میں سے اندر کی طرف پڑی تو وہ بڑا حیران ہوا کہ دروازے پر تالا لگا ہوا ہے مگر بستر میں لحاف اوڑھے کوئی سو رہا تھا۔ اس نے نیچے آ کر ہوٹل کے کلرک کو طلاع دی۔ کلرک حیران ہوا۔ جب دروازے پر تالا پڑا ہے تو پھر اندر کون سو رہا ہے۔ وہ بیرے کو ساتھ لے کر اوپر آ گیا۔ اس نے دروازے کے شیشے میں سے دیکھا۔ سچ مچ اندر بستر پر لحاف یوں ابھرا ہوا تھا جیسے اس کے اندر کوئی سو رہا ہو۔ جیسے اس کے اندر کوئی سو رہا ہو۔ اتفاق سے ٹھیک اس وقت شریم نے کروٹ بدلی۔ لحاف اپنی جگہ سے ہلا تو کلرک کو اب یقین ہو گیا کہ لحاف کے اندر کوئی موجود ہے۔ اس نے بیرے سے کہا۔ یہ شخص اندر جا کر کیسے سو گیا ہے۔ یہ خطرناک معاملہ لگتا ہے۔ چابی اس کے پاس تھی۔

شریم کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے لحاف منہ پر سے ہٹا کر کلرک اور بیرے کو دیکھا۔ لیکن کلرک اور بیرا شریم کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لحاف اپنی جگہ سے سرکتا انہوں نے بھی دیکھ لیا تھا۔ مگر اس کے اندر کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ پہلے تو کلرک نے سوچا کہ شاید یہ اس کا وہم ہو۔ اور لحاف اپنی جگہ سے نہ ہلا ہو۔ لیکن جب لحاف اپنے آپ پلنگ کے ایک طرف ہو گیا جیسے کوئی اس میں سے باہر نکلا ہو۔ تو کلرک اور بیرے کی تو جان خشک ہو گئی۔ کیونکہ باہر نکلتا کوئی نظر نہ آیا تھا۔ بھوت بڑی ہی مشکل سے کلرک کے حلق سے یہ الفاظ نکلے۔ بیرا پہلے ہی کانپ رہا تھا۔ ان کے پاؤں من من بھاری ہو گئے تھے۔ جسم ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ شریم پلنگ سے ہٹ کر میز کے پاس کھڑا ان کی حالت دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ اس نے ذرا اور چھیڑنا چاہا۔ میز پر چینی کا جگ پڑا تھا۔ شریم نے جگ اٹھا لیا۔ کلرک اور بیرے نے جب جگ کو اپنے آپ میز پر سے اوپر اٹھتا دیکھا تو باری باری ایک ایک چیخ مار کر وہ گھوڑوں کی طرح بھاگتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔ ان کے پیچھے دروازہ کھلے کا کھلا پڑا تھا۔ شریم کی ہنسی نکل گئی۔ اس نے دروازہ بند کر کے بستر پر لحاف کو تہہ کر کے رکھا۔ اور باتھ روم میں منہ ہاتھ دھونے چلا گیا۔

کلرک نے نیچے جا کر منیجر کو خبر دی کہ اوپر کمرہ نمبر بارہ میں بھوت آ گیا ہے۔ منیجر کام کر رہا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر کلرک کو دیکھا اور کہا۔ آج رات تم نے کوئی ڈراؤنا خواب تو نہیں دیکھا۔ جب بیرے نے بھی گواہی دی کہ جب بستر پر لحاف کو گرتے پانی کے جگ کو میز پر سے اپنے آپ اوپر اٹھتے اس نے بھی دیکھا ہے۔ منیجر اٹھ کر اوپر کی منزل میں آ گیا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ منیجر نے دروازہ کھول دیا۔ کلرک اور بیرا اس کے پیچھے پیچھے سہمے چلے آ رہے تھے۔ کمرہ خالی تھا۔ اور پلنگ میں لحاف تہہ کر کے رکھا ہوا تھا۔ منیجر نے کلرک کی طرف دیکھ کر کہا۔ ضرور تم پاگل ہو گئے ہو۔ یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ کلرک نے کہا کہ بھوت باتھ روم میں ہے۔ باتھ روم میں نل کا پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ منیجر نے کہا کہ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ کیا دیکھتے نہیں اس کمرے کا مسافر نہا رہا ہے۔ کلرک نے کہا۔ سر وہ ایک لڑکی تھی اور وہ مجھے چابی دے کر ہوٹل سے جا چکی ہے۔ تو پھر اندر تمہارا باپ نہا رہا ہے۔ منیجر غصے سے بولا۔ کلرک نے کہا کہ سر اندر بھوت ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کوئی

مسافر نہا رہا ہے تو وہ ضرور جواب دے گا۔ لیکن بند غسل خانے سے کوئی جواب نہ آیا۔ صرف نلکے سے پانی گرنے کی آواز بند ہوگئی۔ منیجر نے دوسری اور تیسری بار دستک دے کر آواز دی۔ مگر اندر سے کسی نے جواب نہ دیا۔ اب کچھ کچھ منیجر کو بھی خوف لگنے لگا کہ یہ اندر کون ہے جو اس کا جواب نہیں دے رہا۔ پھر کلک کی آواز کے ساتھ کسی نے اندر سے غسل خانے کی چٹخنی کھولی۔ منیجر نے پھر آہستہ سے کہا۔ معاف کیجئے گا کیا آپ اس کمرے کے مسافر ہیں۔ شریم نہا کر کپڑے بدل چکا تھا۔ شریم کا موڈ آج مذاق کرنے کے موڈ میں تھا۔ اس نے آہستہ سے غسل خانے کا دروازہ کھول دیا۔ منیجر نے دیکھا کہ غسل خانہ خالی ہے۔ اندر کوئی بھی نہیں ہے۔ اب تو اس کی بھی جان نکل گئی۔ تو ضرور کوئی بھوت اندر نہا رہا تھا۔ کیونکہ فرش گیلا تھا۔ اور ٹب میں صابن کی جھاگ پھیلی ہوئی تھی۔ نلکے میں سے ابھی تک پانی ٹپک رہا تھا۔ منیجر نے کلرک کی طرف دیکھا۔ جس کا رنگ پہلے ہی سفید پڑ چکا تھا۔ اب وہ ایک ایک قدم پیچھے کھسکنے لگا۔ اسی دوران میں غسل خانے کا دروازہ اپنے آپ بند ہوگیا۔ شریم باہر آ گیا تھا۔ اسے جو شرارت سوجھی تو آہستہ سے کہا۔ آؤ بیٹھو چائے پیو گے یا کافی۔ منیجر نے جو خالی کمرے میں ایک ایسے آدمی کی آواز سنی جس کو وہ دیکھ نہیں رہا تھا۔ تو چیخ مار کر باہر کو بھاگا۔ کلرک اور بیرا تو پہلے ہی چھلانگیں باہر لگا چکے تھے۔ ہوٹل میں شور مچ گیا کہ کمرہ نمبر بارہ میں کسی بھوت نے بسیرا کرلیا ہے۔ دوسرے کمرے کے مسافروں نے اپنے کمروں کو اندر سے بند کرلیا۔ منیجر بڑی بے تابی سے ناگنی کا انتظار کرنے لگا۔ جس نے یہ کمرہ کرائے پر لیا تھا۔

ادھر ناگنی پیرس شہر کے ایک جوہری کی دکان میں پہنچی۔ اس نے جوہری کو ہیرا دکھایا تو جوہری کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ ناگنی کو سر سے پاؤں تک تکنے لگا۔ ضرور یہ کوئی چور ہے۔ جس نے اتنا قیمتی ہیرا بادشاہ کے خزانے سے چرایا ہے۔ جوہری کسی بہانے دوسری طرف گیا۔ اس نے فوراً شہر کے کوتوال کو خبر کردی کہ ایک چورنی شاہی خزانے کا قیمتی ہیرا چرا کر اس کے پاس لائی ہے۔ جوہری نے ناگنی کو باتوں میں لگائے رکھا۔

اتنے میں وہاں کوتوال اپنے ساتھ سپاہیوں کو لے کر پہنچ گیا۔ انہوں نے ناگنی کو پکڑ کر زنجیروں میں جکڑا۔ اور بگھی میں ڈال کر شاہی قلعے لے گیا۔ ناگنی بڑی پریشان ہوئی کہ یہ کس مصیبت میں پھنس گئی۔ ہیرا تو ند والے کوتوال نے اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔ شاہی قلعے میں پہنچ کر موٹے کوتوال نے ناگنی کو گاڑی میں سے اتارا اور قلعے کے بڑے کوتوال کے حوالے کردیا۔

وہ ناگنی کو ٹھنڈے اندھیرے کمرے میں لے آیا۔ جہاں قسم قسم کے اذیت دے کر پوچھنے والا سامان رکھا تھا۔ اس کو دیکھ کر ہی خوف آتا تھا۔ ناگنی گھبرائی کہ کہیں یہ بدبخت کوتوال اس کو اچانک زخمی نہ کردے۔ وہ ہوشیار ہوگئی۔ ہیرا کوتوال کے پاس آ چکا تھا۔ جو اس نے دیوار کے اندر بنی ہوئی لوہے کی الماری میں رکھ دیا تھا۔ اس بھاری بھرکم کوتوال کی شکل کسی بھیانک قاتل سے ملتی تھی۔ اس نے اپنی مونچھوں کو ہاتھ مارتے ہوئے ناگنی کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور اس کے کندھے کو جھنجھوڑ کر کڑکتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ”سچ سچ بتاؤ کہ یہ ہیرا تم نے کہاں سے چوری کیا ہے۔ اور تمہارے ساتھ اور کون کون ڈاکے مارتے ہیں۔“

ناگنی نے آرام سے جواب دیا۔ میں نے یہ ہیرا چوری نہیں کیا۔

”تو پھر اسے تمہارے باپ نے تمہیں لا کر دیا تھا۔ چور کی اولاد تم ابھی بک دوگی۔ مجھے طریقہ آتا ہے۔“

ناگنی کو بڑا ہی غصہ آیا۔ اس کے باوجود وہ صبر سے کام لے رہی تھی۔ وہ خواہ مخواہ کسی کو تنگ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے بڑے ہی آرام سے کہا۔ ”میں سچ کہہ رہی ہوں کوتوال صاحب۔ یہ ہیرا میں نے چرایا نہیں ہے۔ بلکہ میرے ایک دوست نے لا کر دیا ہے۔“

کوتوال نے زمین پر زور سے پاؤں مار کر بولا۔ ”اب آئیں ہو سیدھی راہ پر۔ یہی تو میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم کون ہو اور تمہارا دوست کہاں ہے؟“

(جاری ہے)

حاسدہ

نیناخان-کراچی

آدھی رات گزرنے بھی نہ پائی تھی کہ ایک عورت اپنے گھر سے نکلی اس کے ہاتھ میں ایک بڑی چھری اور ایک ہاتھ میں ایک تعویذ تھا۔ چھری سے اس نے گڑھا کھودا اور تعویذ گڑھے میں دبادیئے کہ اچانک......

کیا یہ حقیقت ہے کہ حسد انسان کو ذلیل ورسوا کرروا کرزندہ درگور کر دیتا ہے، سبق آموز کہانی

''**ارے** فہمیدہ تم اب تک تیار نہیں ہوئی۔'' اس کی جٹھانی رشیدہ بیگم ڈائریکٹ فہمیدہ کے روم میں آتے ہوئے بولیں۔

''بس بھابھی جان میں تو تیار ہوں بس بچوں کو تیار کرنا باقی ہے۔''

''لاؤ شہباز کو میں تیار کردیتی ہوں تم شہنیلا کو تیار کردو اس طرح جلدی فارغ ہوجائیں گے تمہارے بھائی نے تو گاڑی والے کو کال بھی کردی ہے وہ بس آتا ہی ہوگا ندیم کے ساتھ ندیم کے گیراج میں گاڑی تھی تو وہ لارہا ہے۔''

رشیدہ بیگم کی بات سن کر مسکراتے ہوئے فہمیدہ بولی۔ ''ٹھیک ہے بھابھی جان۔''

''آپ جلدی سے شہباز کو تیار کریں میں شہنیلا کو تیار کرتی ہوں۔''

''اچھا تم بانو کے بچے کو کیا تحفہ دے رہی ہو فہمیدہ۔'' شہباز کو تیار کرتے ہوئے رشیدہ بیگم نے کہا۔

''بھابھی 5 ہزار روپے رکھ کر دے رہے ہیں لفافے یں ندیم کے پاس ٹائم نہیں تھا کہ کچھ تحفہ خرید کر لے آتے وہ اپنی دکان سے ہی دیر سے آئے تھے آج کل گیرج میں کام بہت ہے۔ اس لئے ہمیں بھی ٹھیک سے وقت نہیں دے پا رہے۔''

''ہاں بھئی ندیم کے گیراج میں کام بہت اچھا آجاتا ہے تمہارے بھائی بتارہے تھے میں نے تو تمہارے بھائی جان سے کہا ہے کہ اپنی پرائیویٹ جاب چھوڑ کر ندیم کے پاس ہی کام کرلیں مگر مجال ہے جو سن لیں میری ایک بات۔''

ندیم نے کمرے میں آ کر کہا۔'' چلیں بھئی گاڑی آگئی ہے۔ فہمیدہ ذرا ایک گلاس پانی دے دو میں عمران کو پانی پلادوں۔''

''ندیم میں نے آپ سے کتنی بار کہا ہے کہ اپنے اس دوست کو آپ نے گیراج میں رہنے کی جگہ دی ہوئی ہے ہر جگہ اس کو ساتھ لے جانا ضروری ہے کیا اب بانو آپا کے گھر بھی۔''

بھئی وہ میرا بہت اچھا دوست ہے۔ دوسرے شہر سے کام کے لئے یہاں آیا ہوا ہے۔ رہنے کے لئے کوئی ٹھکانہ نہیں ہے پھر میرا اتنا ساتھ بھی تو دیتا ہے وہ پورا گیراج اسی نے سنبھالا ہوا ہے اس کے اس شہر میں کوئی نہیں اگر ہمارے ساتھ دعوتیں اٹینڈ کرلے گا تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔ تمہیں تو بیر ہے میرے دوست عمران سے۔''

رشیدہ ان کی باتیں سن کر بولی۔'' چلو بھئی اب یہ بحث ختم بھی کرو بانو کے گھر بھی تو جانا ہے سالگرہ کا ہی تو پروگرام ہے کون سا شادی کا ہے۔''

☆......☆......☆

نعیم اور رشیدہ کی شادی کو 10 سال کا عرصہ ہونے کے بعد بھی ان کے یہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ بہت علاج کروانے کے بعد بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا۔ جبکہ نعیم احمد کے چھوٹے بھائی ندیم احمد کی شادی کو 8 سال ہوئے تھے ان کے دو بچے ایک شھیلا جو کہ 6 سال کی تھی دوسرا بیٹا شہباز 4 سال کا تھا۔ ندیم اور نعیم کے والدین کا انتقال ہو چکا تھا دونوں بھائی بڑی محبت سے ایک ہی گھر میں مقیم تھے۔ بڑے بھائی نعیم احمد 80 گز کے ڈبل اسٹوریز گھر میں نیچے گراؤنڈ فلور کے پورشن میں تھے اور ندیم اوپر پورشن میں مقیم تھا۔ نعیم احمد ایک بڑے مال میں سیلز مین کی ڈیوٹی کرتے تھے۔ نہ تو ان کی اپنی کوئی اولاد تھی بچپن سے تیس ہزار تک کی آمدنی ان کے لئے بہتر تھی مگر پھر بھی رشیدہ کو فہمیدہ اور ندیم سے حسد ہوتی تھی۔ کیونکہ ندیم موٹر میکینک کا پورا کام سیکھ جانے کے بعد شادی سے پہلے ہی ایک گیراج کا مالک بن چکا تھا۔ دن رات کی محنت سے آج ان کے گھر کے حالات بہت اچھے تھے پھر دو پیارے پیارے بچے بھی تھے ان کے رشیدہ کو بہت اندر ہی اندر جلن اور حسد محسوس ہوئی تھی مگر بظاہر اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجائے رکھتی تھی اور لفظوں میں شیرینی گھولے رکھتی تھی ندیم اور فہمیدہ ان کی بہت عزت واحترام کرتے تھے ان کے مشورے کے بغیر کوئی بھی کام انجام نہ دیتے تھے ندیم اور نعیم کی ایک ہی بہن تھیں بانو جو کہ دونوں بھائیوں کی جان تھیں اور دونوں بھائیوں کی چھوٹی لاڈلی بہن ان کی شادی میں دونوں بھائیوں نے کوئی کسر نہیں رہنے دی تھی۔ بانو کی شادی کو 7 سال ہوئے تھے شادی کے پانچ سال بعد بانو کی بیٹی وریشا دنیا میں آئی تھی وریشا کے 1 سال پورا ہونے پر بانو نے اس کی سالگرہ کا انتظام کیا تھا تو دونوں بھائی اپنی اپنی فیملی کے ساتھ سالگرہ کا پروگرام اٹینڈ کر کے گھر جب واپسی آئے تو فہمیدہ دونوں بچوں کو لے کر فوراً ہی اپنے پورشن میں جا کر سو گئی تھی جبکہ ندیم عمران کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ ندیم اور عمران کی بہت اچھی اور گہری دوستی تھی۔ فہمیدہ کو ندیم اور عمران کی دوستی پر ہمیشہ اعتراض ہی رہتا تھا کیونکہ ندیم اور عمران کو بہت اہمیت دیتا تھا اتنا کہ فہمیدہ اور بچوں کو بھی اگنور کر دیتا تھا۔

☆......☆......☆

''چائے کا کپ نعیم کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ کر رشیدہ بیگم بولی۔
''نعیم برا نہ مانو تو ایک بات کہوں۔''
''بس یہ مت کہنا کہ میں ندیم کے پاس کام کرنے لگ جاؤں دیکھو رشیدہ ندیم میرا چھوٹا بھائی ہے میری عزت بھی بہت کرتا ہے اور احترام بھی۔ جب میں اس کے پاس کام کروں گا تو وہ میرا اسیٹھ بن جائے گا اس طرح رشتوں میں کہیں فرق نہ آجائے۔ میں اپنی جاب میں ہی خوش ہوں۔''
''ارے بات سننے سے پہلے ہی تم نے تو مجھے اتنا لیکچر دے ڈالا میں تم سے کچھ اور بات کرنا چاہ رہی ہوں۔''
نعیم کی بات سن کر برے سے منہ بنا کر رشیدہ بولی۔
''ایک تو تمہاری باتیں ختم نہیں ہوتیں۔ یہ کہہ رہی تھی میں کہ بانو نے جہاں سے اپنا علاج کروایا ہے تاہم بھی وہاں سے اپنا علاج کروائیں، کیا پتا ہمیں بھی بانو کی طرح فائدہ ہوجائے اور ہمارے آنگن میں بھی پھول کھل جائیں۔''
نعیم شیدہ کی بات سن کر بولا۔''بس بھی کرو رشیدہ اب، میں اب تھک چکا ہوں اب میں کوئی علاج نہیں کرواؤں گا اور نہ ہی کوئی پیسہ خرچ کروں گا بس سوجاؤ۔ بہت رات ہوگئی ہے اور لائٹ بند کرو۔''
☆......☆......☆
''السلام وعلیکم! بھابھی جان کیسی ہیں آپ؟''
بانو نے رشیدہ کے گھر آتے ہوئے کہا۔
''بھئی وعلیکم السلام میں بالکل ٹھیک ہوں آؤ آؤ بیٹھو اسے تو مجھے دو۔ وریشا بیٹا کیسی ہو تم معین نہیں آیا۔''
''نہیں بھابھی جان ان کو کام تھا وہ بس باہر سے ہی چھوڑ کر چلے گئے۔ میں تو رکنے آئی ہوں۔ دو چار دن یہی رکوں گی اچھا میں چھوٹی بھابھی سے بھی مل آؤں۔''
''بھئی مل آنا اپنی چھوٹی بھابھی سے میں چائے بنا کر لاتی ہوں مجھے تم سے کچھ ضروری بات بھی کرنی ہے۔'' رشیدہ بولی۔
''اچھا بھابھی جان آپ چائے بنائیں میں اپنا بیگ اوپر چھوٹی بھابھی کے گھر رکھ کر آؤں۔''
''چلو ٹھیک ہے جلدی سے آجاؤ اور کل دوپہر کا کھانا تم ہمارے ساتھ کھانا کل چھٹی کا دن بھی ہے نعیم بھی گھر پر ہی ہوں معین کو بھی بلالینا کھانے پر۔''
رشیدہ کی بات سن کر بانو نے مسکرا کر کہا۔'' ٹھیک ہے بھابھی جان۔''
بانو فہمیدہ سے مل کر وریشا کو بچوں کے ساتھ چھوڑ کر نیچے رشیدہ کے پاس چائے پینے کے لئے جب آئی تو رشیدہ نے پوچھا۔
''بانو تم نے جہاں سے اپنے بچے کے لئے علاج کروایا تھا نا مجھے بھی وہاں لے چلو ہماری شادی کو دس سال ہوگئے اور اب تک ہماری کوئی اولاد نہیں تم تو جانتی ہونا کہ اولاد کے بغیر ایک عورت نامکمل ہے۔ اولاد کتنی بڑی دولت ہے تمہارے بھائی جان بھی خوش ہوجائیں گے۔''
رشیدہ کی بات سن کر چائے پیتی ہوئی بانو کو ایک دم کھانسی آگئی اور پھندہ سا لگ گیا۔
''کیا ہوگیا بانو آرام سے پیو چائے آرام سے۔''
''بانو میں بہت پریشان رہتی ہوں بچوں کے بغیر فہمیدہ تو اپنے بچوں کو نیچے آنے تک نہیں دیتی۔ صبح اسکول پھر سوتے ہیں پھر ٹیوشن کا ٹیچر آجاتا ہے۔ پھر مولوی صاحب آجاتے ہیں بچوں کو پیار کرنا بھی چاہو تو وہ مصروف اتنے ہوتے ہیں کہ پیار بھی نہیں کرسکتے۔ اپنے بچے ہوجائیں گے تو میں بھی ان کے ساتھ مصروف ہوجاؤں گی تم مجھے بھی لے چلو نا وہاں بانو جہاں سے تم نے علاج کروایا ہے۔''
رشیدہ کو افسردہ دیکھ کر بانو بولی۔''بھابھی جان ایک شرط پر ہی میں آپ کو بتاؤں گی کہ آپ یہ بات راز داری میں سنیں گی اور پردہ رکھیں گی۔''
''ہاں ہاں بانو تم جس کی چاہے قسم لے لو میں کسی کو بھی کچھ نہیں بتاؤں گی بس میں تو اپنی اولاد کا سکھ حاصل کرنا چاہتی ہوں تاکہ میں بھی فہمیدہ کی طرح خوش رہوں اپنے بچوں کے ساتھ۔''

''بھابھی جان بس آپ کو پتا ہی ہے نا کہ شادی کے پانچ سال تک میں نے کتنے طعنے سنے ہیں اپنے سسرال والوں کے اور شوہر کی دوسری شادی کروائی جارہی تھی بس میں اپنا گھر اجڑتے نہیں دیکھنا چاہتی تھی اس لئے میرے محلے کی ایک پڑوسن مجھے کسی کالا جادو کرنے والے عامل کے پاس لے گئی تھی۔ اس عامل نے کچھ عمل کرنے کو کہا تو بس اسی عمل کی وجہ سے میری بیٹی دنیا میں آئی ہے آپ کو میں وہاں لے چلوں گی مگر یہ بات آپ اپنے تک رکھیں گی اگر دونوں بھائیوں کو پتا چل گیا نا تو آپ کو تو پتا ہے کہ وہ کتنا ہنگامہ کریں گے۔''

''اب تم آئی ہوئی ہو تو بانو مجھے لے چلنا اس عامل کے پاس۔'' رشیدہ نے فوراً جانے کا ارادہ کرلیا تھا۔

☆......☆......☆

اگلے دن دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد جب معین واپس چلا گیا تو شام میں شاپنگ کے بہانے رشیدہ اور بانو اسی عامل کے پاس گئیں تو بانو نے عامل بابا سے کہا۔

''عامل بابا یہ میری بڑی بھابھی ہیں۔ ان کی شادی کو دس سال ہونے کے بعد بھی اولاد نہیں ہوئی آپ ان کا بھی علاج کریں۔''

عامل بابا اپنی ہیبت ناک آواز میں بولے۔

''بلی دینی ہوگی۔ جان کے بدلے جان۔ تو نے بتایا نہیں اپنی بھابھی کو کہ تو نے بھی ایک معصوم کی بلی دی تھی جب ہی تیری اولاد پیدا ہوئی ہے۔''

عامل بابا کی بات سن کر رشیدہ بولی۔ ''بابا میں کچھ بھی کرنے کو تیار ہوں بس میری اولاد پیدا ہوجائے میرے بطن سے۔ میں کچھ بھی کرلوں گی بابا مجھے بس اپنی خود کی اولاد چاہئے۔''

رشیدہ کی بات سن کر عامل بابا مسکرا کر بولے۔ ''سوچ لے کچھ بھی کرنے کا مطلب پھر کچھ بھی ہوسکتا ہے یہ دو تعویز لے رات کو گرم دودھ میں ڈال کر خود بھی پی لینا اور دوسرا اپنے شوہر کو پلا دینا اور کل میرے پاس اکیلے آنا صبح کے وقت اب جاؤ تم لگ یہاں سے۔''

رات میں گرم دودھ میں تعویز گھول کر رشیدہ خود بھی پی گئی اور نعیم کو بھی پلا دیا۔ بانو ندیم کے گھر میں ہی تھی اور رات کو معین کو کال کر کے گھر واپس چلنے کا کہہ دیا جب صبح رشیدہ بابا کے استانے میں آئی تو عامل بابا نے کہا۔

''آ گئی تو، تو جانتی ہے کہ تیری نند بانو کے یہاں اولاد کس طرح پیدا ہوئی ہے؟''

بابا کی بات سن کر رشیدہ بولی۔ ''نہیں بابا۔ بانو نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ بس اس کا احسان ہے کہ وہ مجھے یہاں لے آئی ہے مجھے بس اپنی اولاد چاہئے بابا۔''

بانو کے پڑوس میں ایک عورت حاملہ تھی میرے علم کے ذریعے بانو نے اس عورت کو تعویز پلایا اور ایک تعویز اس کے گھر کے راستے میں دفن کرادیا اس عورت کا بچہ ضائع ہوگیا اور بانو حاملہ ہوگئی بتا تو یہ سب کرسکتی ہے۔''

عامل بابا کی بات سن کر رشیدہ نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں میں بس کچھ کرلوں گی اور اس کام کے لئے میں اپنی دیورانی کے بیٹے کی جان کے بدلے اپنا بچہ پیدا کرنا چاہتی ہوں بہت اتراتی ہے وہ اپنی نرینہ اولاد پر۔''

''ٹھیک ہے پھر یہ تعویز گھول کرا سے پلا دے اور یہ دوسرا تعویز اس کے گھر کے راستے میں دفن کردینا پھر دیکھنا ہے کتنی جلدی اس کے بچے کی موت ہوگی اور تیرا بچہ اس دنیا میں آئے گا جا اب چلی جا یہاں سے۔'' بابا نے مطلوبہ رقم لے لی۔

☆......☆......☆

جب رشیدہ گھر آئی تو بانو جانے کی تیاری کررہی تھی معین اسے لینے آ گیا تھا بانو رشیدہ کے پاس آ کر کہنے لگی۔

''بھابھی آپ کی خوشی کی خاطر میں نے اپنا بہت بڑا راز آپ سے شیئر کرلیا میں امید کرتی ہوں کہ آپ یہ راز ہمیشہ راز ہی رکھیں گی۔''

بانو کی بات سن کر مسکراتے ہوئے رشیدہ بولی۔

''ارے بانو تم تو میری محسن ہو۔ تم نے تو میرا اتنا ساتھ دیا ہے اتنا بڑا کام کیا ہے تمہارا راز ہمیشہ راز ہی

رہے گا اور میں تمہیں کیسے دکھ دے سکتی ہوں پاگل تم نے تو میرا سب سے بڑا مسئلہ حل کیا ہے تم بےفکر رہو۔''

بانو کے اپنے گھر جاتے ہی رات میں رشیدہ فہمیدہ کو شربت میں تعویز گھول کر پلا دیا پھر رات ذرا زیادہ گہری ہوئی تو چپکے سے تعویز بھی زمین کھود کر دفن کر دیا ابھی رات کے بس بارہ بجے تھے کہ تعویز نے اپنا اثر دیکھنا شروع کر دیا۔

شہباز کو خون کی الٹیاں ہونے لگیں سب اسے اسپتال لے گئے فہمیدہ کا تو رو رو کر برا حال تھا۔

رشیدہ اسے چپ کراتے ہوئے بولی۔''اللہ نے چاہا تو شہباز بالکل ٹھیک ہوجائے گا صبح تک صبر کرو۔''

نعیم فہمیدہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا۔''رشیدہ ٹھیک کہہ رہی ہے صبر کرو شہباز ٹھیک ہوجائے گا۔ ندیم چلو فہمیدہ کو چپ کرواؤ۔''

''بھائی جان کیسے چپ ہوجاؤں میرے بچے کو خون کی الٹیاں ہورہی ہیں۔ چند گھنٹوں میں کتنا کمزور ہوگیا میرا بچہ ندیم کچھ کرو۔ ڈاکٹر سے کہو کہ اب تک شہباز کی الٹیاں رک کیوں نہیں رہی ہیں۔''

فہمیدہ کے اس طرح رونے پر ندیم بھی دل برداشتہ ہوکر روتے ہوئے بولا۔

''مجھ سے تو خود اپنے بچے کی یہ حالت نہیں دیکھی جارہی بہت درد میں ہے میرا بچہ۔''

''امی ابو مجھے کچھ نظر نہیں آرہا۔ مجھے بہت درد ہو رہا ہے مجھے بہت درد ہورہا ہے۔''

''چار سالہ معصوم شہباز بلک رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے شہباز کا سانس اکھڑنے لگا۔ ایک بڑی سی خون کی الٹی ہوئی اس کے بعد معصوم شہباز کے دل نے دھڑکنا چھوڑ دیا اور سانسوں کی روانی بھی ایک دم ہی تھم گئی تھی۔ فہمیدہ اور ندیم کا تو رو رو کر برا حال ہوگیا تھا۔

نعیم اور عمران ندیم کو سہارا دے کر شہباز کی میت کو گھر لے کر آئے رشیدہ نے فہمیدہ کو سنبھالا ہوا تھا۔

جب بانو کو صبح اطلاع دی گئی تو وہ سمجھ چکی تھی مگر وہ کسی سے کچھ بھی بولنے کی حالت میں نہیں تھی۔ بانو فہمیدہ اور ندیم کی حالت دیکھ کر بہت دکھ میں تھی کہ یہ سب کچھ اس کی ہی وجہ سے ہوا تھا۔ اس کی غلط باتوں کی وجہ سے اس کے بھائی بھابھی کی خوشیاں چھن چکی تھیں۔

بانو نے رات میں فہمیدہ کو سمجھا بجھا کر سلا کر رشیدہ کے پاس آکر بولی۔

''بھابھی جان ایک ڈائن بھی سات گھر چھوڑ کر اپنا وار کرتی ہے آپ نے تو اپنے ہی گھر میں۔''

''چپ کرو بانو کس حق سے تم مجھے ڈائن کہہ رہی ہو۔ تم نے جس عورت کے بچے کی بلی دی کیا وہ بچہ نہیں تھا۔ کیا وہ عورت ماں نہیں تھی۔''

رشیدہ کی بات سن کر بانو بولی۔

''مجھ سے غلطی ہوگئی جو میں نے آپ کو یہ راز بتایا لیکن بھابھی جان وہ عورت ہماری رشتہ دار نہیں تھی۔''

''بس کرو بانو۔ اگر تم نے اپنی زبان کھولنے کی کوشش بھی کی نا تو میں تمہارے سسرال والوں کو تمہاری حقیقت بتادوں گی۔ تمہارا گھر برباد کروادوں گی آج کے بعد اس موضوع کو زیر بحث مت لانا سمجھیں تم۔ ورنہ تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔''

بانو تو خاموش ہوگئی رشیدہ کی بات سن کر رشیدہ کی مراد بر آئی چند دنوں میں ہی ڈاکٹر نے بتایا کہ رشیدہ ماں بننے والی ہے۔''

نعیم اس بات کو خدا کا معجزہ سمجھ کر بہت خوش ہوا اور اپنی بیگم رشیدہ کا بہت خیال رکھنے لگا اور پھر رشیدہ کے یہاں نو مہینے کے بعد ہی ایک بیٹا پیدا ہوا بچہ بہت خوب صورت اور پیارا تھا۔ سب ہی بہت خوش تھے اور سب سے زیادہ رشیدہ بہت خوش تھی کہ اس نے اولاد نرینہ کو جنم دیا ہے اب نعیم بھی زیادہ تر گھر میں اپنے بیٹے رحمٰن کے ساتھ ہی وقت گزارتا۔

فہمیدہ اور ندیم بھی خوش تھے کہ نعیم اور رشیدہ کے یہاں اتنے سالوں بعد خوشی آئی ہے وہ کہتے ہیں نا کہ حسد انسان کو کسی حال میں خوش نہیں رہنے دیتی۔

شہنیلا کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے اس کی ہر ضد کو ندیم اور فہمیدہ پوری کرتے تھے۔ ندیم نے ایک نئی کار

خرید لی تھی فہمیدہ پھر امید سے تھی گھر میں ہر آسائش کی چیزیں ندیم نے بھر دی تھیں تا کہ فہمیدہ کو کوئی پریشانی نہ ہو۔ یہ دیکھ دیکھ کر رشیدہ دل ہی دل میں بہت جلتی اور کڑھتی رہتی تھی کہ نعیم احمد کی قلیل آمدنی میں وہ اپنے بچے کو کوئی آسائش نہیں دے پا رہی تھی ندیم اور فہمیدہ اپنی کار میں شہنیلا کو لے کر گھومتے پھرتے تھے کہیں بھی جانا ہوتو کار میں آنا جانا۔ جبکہ نعیم احمد کے پاس ایک پرانی سی بائیک تھی جس پر بیٹھنے سے بھی اب رشیدہ کو شرم آنے لگی تھی۔ رشیدہ کی حسد بڑھتی ہی جارہی تھی اس نے پھر سے اسی عامل کے پاس جانا شروع کر دیا تھا۔ اب تو اس عامل نے ایک ایسی شرط رکھی کہ کام کرنے سے پہلے تو رشیدہ تھوڑا گھبرائی پھر فہمیدہ حسد اور جلن کی وجہ سے عامل کی شرط ماننے کو تیار ہوگئی۔

''عامل بابا میں آپ کی شرط ماننے کو تیار ہوں لیکن میرا کام ہوجانا چاہیے۔''

''ہاہاہا تو میرا دل خوش کر رشیدہ میں تجھے خوش کردوں گا۔ چل کمرے میں۔''

رشیدہ کو کمرے میں لے جا کر عامل نے اپنی ہوس کی آگ بجھائی۔

رشیدہ بھی جلن اور حسد کی آگ میں اتنی اندھی ہوچکی تھی کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط سب بھول چکی تھی۔ وہ اتنے بہت پیار کرنے والے شوہر کی وفاؤں کو بھول کر اس کے ساتھ بے وفائی کر چکی تھی۔

عزت واحترام کرنے والے اپنے دیور اور دیورانی کے ساتھ اب مزید برا کرنے جارہی تھی۔ راتوں کو عامل بابا کے بتائے ہوئے وظائف پڑھ کر فہمیدہ اور ندیم پر پڑھ پڑھ کر پھونکتی اور پھر انہیں تعویز گھول گھول کر پلاتی۔ فہمیدہ اپنے ہوش سے بے گانہ ہونے لگی تھی اور ندیم سے دور دور رہنے لگی تھی جب ندیم کے گھر ایک اور اولاد ہوئی تو ندیم بہت خوش تھا مگر فہمیدہ چپ چپ اور گم صم رہنے لگی تھی۔ شہنیلا پر بھی توجہ نہ دیتی اور نہ ہی اپنے نئے بچے وقاص پر کوئی توجہ دیتی اب ندیم اپنی کمائی کا آدھا پیسہ رشیدہ کے ہاتھ میں رکھتا اور کھانا پکانے اور بچوں کی ذمہ داری رشیدہ کے کاندھوں پر آ گئی تھی رشیدہ ندیم کے پیسوں کا بیشتر حصہ اپنے بیٹے رحمن پر خرچ کرتی شہنیلا اور وقاص پر نہ کرنے کے برابر ہی خرچ کرتی۔ ایک دن عمران گھر آیا تو رشیدہ نے اسے فہمیدہ کے کمرے میں لے جا کر چھوڑ دیا کیونکہ فہمیدہ پر عمل کافی کر چکی تھی تو وہ عمران سے قریب ہوتی جارہی تھی عمران نے بھی فہمیدہ کی قربت کی وجہ سے روز روز بہانے سے اس کے گھر آنا شروع کر دیا۔

ایک دن رشیدہ نے ندیم کو بلا کر ان دونوں کو رنگے ہاتھ پکڑوا دیا۔ ندیم نے فہمیدہ کو خوب مارا پیٹا ساتھ ہی عمران کو بھی۔ مگر وہ دونوں تو جادو کے زور پر ایک دوسرے کے قریب آئے تھے۔ فہمیدہ نے ندیم سے کہا۔

''ندیم تم مجھے طلاق دے دو میں اب تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی میں تو عمران سے پیار کرتی ہوں۔ عمران کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔''

فہمیدہ کی بات سن کر عمران نے بھی تصدیق کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں میں فہمیدہ سے شادی کروں گا تم اسے طلاق دے دو۔''

''میں کیسے طلاق دے دوں یہ میرے بچوں کی ماں ہے میں اپنے بچوں کو کیا کہوں گا شہنیلا تو بڑی ہے۔ وہ کیا سوچے گی فہمیدہ تمہیں کیا ہوگیا ہے تم تو عمران کو ناپسند کرتی تھیں کیا ہوگیا ہے تمہیں۔''

''عمران تم ابھی یہاں سے چلے جاؤ ورنہ میرے ہاتھوں تمہارا قتل ہوجائے گا۔''

ان دونوں کی ہاتھا پائی چھڑوا کر نعیم اور رشیدہ عمران کو گھر سے نکال کر چلتا کر دیا۔

فہمیدہ کسی ربوٹ کی طرح بیٹھی عمران کا نام لیتی رہتی۔ ایسا لگتا تھا کہ فہمیدہ اس دنیا کی نہیں کسی اور ہی دنیا کی رہنے والی ہے۔ فہمیدہ کی حالت دن بدن خراب ہوتی جارہی تھی بچے بھی پریشان تھے۔ رشیدہ انتہائی خوش تھی کہ ندیم اپنی کمائی کا سارا پیسہ رشیدہ کو لا کر دیتا ہے۔

چند ہی مہینوں میں رشیدہ نے کافی پیسہ جمع کرلیا تھا اوردیور کو باتوں میں پٹا کر اپنے شوہر کو نئی بائیک بھی دلادی تھی ندیم کی کار پراب رشیدہ اس کے ساتھ گھومتی پھرتی تھی اب تو رشیدہ کی دلچسپی اپنے شوہر سے ہٹ کر ندیم میں بڑھنے لگی تھی۔ ندیم بھی فہمیدہ کی حالت اور بے وفائی سے تنگ آ کر بھابھی کے کہنے پراسے طلاق دے چکا تھا۔

فہمیدہ کو عمران اپنے ساتھ اپنے شہر لے گیا۔ شہنیلا انتہائی ڈسٹرب رہنے لگی تھی رشیدہ نے اپنے ہی دیور پرتعویز گنڈے کر کے اسے اپنے ہاتھوں کی کٹھ پتلی بنالیا تھا۔ اوران کے درمیان غلط تعلقات بھی استوار ہو چکے تھے۔

بانو یہ سب دیکھ دیکھ کر منوں آنسو بہاتی تھی مگر کچھ نہ کر پاتی تھی ایک دن جب نعیم پر رشیدہ اور ندیم کی حقیقت آشکار ہوئی تو اس نے ندیم اور رشیدہ کو خوب مارا پیٹا پھر خود بھی بہت رویا موقع کی مناسبت سے رشیدہ ہ اور ندیم نے نعیم سے معافی مانگ لی پھر چھپ چھپ کر دونوں ملتے رہے اور عامل بابا سے تعویزات لے کر رشیدہ نعیم کو گھول گھول کر پلاتی رہی جس کی وجہ سے نعیم بیمار ہو کر بستر پر پڑ گیا۔

اب نعیم کی آنکھوں کے سامنے رشیدہ اور ندیم ملتے پیار محبت سے پیش آتے نعیم روتا رہتا تھا یہ سب دیکھ دیکھ کراب سوائے آنسو بہانے کے بچا ہی کیا تھا۔ شہنیلا کیونکہ جوان ہو چکی تھی وہ یہ سب کچھ دیکھ کر بہت پریشان رہتی تھی بس بانو سے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرلیا کرتی تھی بانو کو بھی گھر آنے کی اجازت نہیں تھی رشیدہ اور ندیم کی طرف سے۔

بانو رو رو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگتی رہتی تھی کہ اس کے کہنے کی وجہ سے اس کے پیار کرنے والے بھائیوں کا گھر خراب ہو گیا تھا مگراب افسوس کرنے کا کیا فائدہ تھا۔ حسد نے سب کچھ ہی تو برباد کر دیا تھا۔

ایک دن بازار میں بانو نے فہمیدہ کو دیکھا اوراسے روک کر گلے لگ کر خوب روئی اوراس سے پوچھا کہ۔

''بھابھی آپ کہاں چلی گئی تھیں یہ سب کیسے ہو گیا کیا ہو گیا آپ کہاں تھیں اوراب یہاں کیسے آئی ہیں۔''

بانو کی بات سن کر فہمیدہ بولی۔''بانو میرے ساتھ بہت برا ہوا ہے۔ جس شخص نے مجھ سے شادی کی تھی نا اس سے میری شادی جادو کے زور پر کروائی گئی تھی میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گی چلو کہیں چل کر بیٹھ جاتے ہیں۔''

''سامنے آئس کریم پارلر ہے بھابھی وہاں چلیں اور مجھے پوری بات بتائیں کہ آپ چلی کہاں گئی تھیں۔''

بانو کی بات پر فہمیدہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

''بانو عمران نے مجھے طلاق دلوا کر حیدرآباد لے گیا تھا وہاں ہم خوش تھے کہ ایک اللہ والے بزرگ سے ہماری ملاقات ہوئی میرے سر میں درد رہتا تھا تو عمران مجھے ان بزرگ کے پاس لے کر گیا انہوں نے میرا علاج کیا روحانی علاج کرتے ہوئے انہوں نے میرا اور عمران کا جب اتار کیا تو پھر ہمیں پتا چلا کہ ہماری شادی میری اور عمران کی ندیم سے بے وفائی جادو کا نتیجہ ہے عمران اور میں دونوں ہی بہت شرمندہ تھے ہم نے انجانے میں ندیم اور بچوں کے ساتھ بہت برا کر دیا ہے ہم جب یہاں آئے تو ایک گھر کرایہ پر لیا وہاں رہتے ہوئے ندیم کے بارے میں معلومات کی تو پتا چلا کہ رشیدہ نے ندیم کو بھی اپنے جادو سے اپنے کنٹرول میں کرلیا ہے۔ اسی نے میرے بیٹے شہباز کی جان لی میرا گھر برباد کیا نعیم بھائی جان کے ساتھ اتنا برا کیا میرے دونوں بچوں کا حال پھر سے بدتر کر دیا۔

وہ روحانی عالم بزرگ نے مجھے سب کچھ بتا دیا مگر میں چاہ کر بھی اپنے بچوں سے مل نہیں پا رہی بزرگ نے کہا کہ ندیم کا علاج کرنا ضروری ہے پھر وہ کیسے بزرگ کے پاس جائیں گے۔

عمران ندیم سے معافی مانگنے گئے تھے تو ندیم نے انہیں مار کر گھر سے نکال دیا ان کی کوئی

بات سنی نہیں۔
''بس بانو کسی طرح ندیم کو ان بزرگ کے پاس حیدرآباد لے جاؤ تاکہ ندیم رشیدہ کے سحر سے نکل سکیں اور میں اپنے بچوں سے مل سکوں۔''
بانو فہمیدہ کی بات سن کر رونے لگی اور بولی۔
''بھابھی آپ فکر نہ کریں آپ کے گھر میں پھر سے آباد کرواؤں گی چاہے اس کے لئے مجھے اب کچھ بھی کرنا پڑے۔ آپ کہاں رہ رہی ہیں مجھے اپنے گھر کا اور ان بزرگ کا ایڈریس دے دیں تاکہ میں آپ کے لئے کچھ کرسکوں۔''

☆......☆......☆

بانو اپنے گھر آ کر کافی سوچتی رہی اور خود کو کوستی رہی کہ فہمیدہ اور اس کے معصوم بچوں کی بربادی کی ذمہ دار میں بھی ہوں اپنے ہی ہاتھوں اپنے دونوں جان سے زیادہ پیار کرنے والے بھائیوں کا گھر برباد کردیا۔ میں ہی اب کمینہ خصلت رشیدہ کی اصلیت ندیم بھائی جان کے سامنے لے کر آؤں گی۔''
اگلے دن بانو روتی ہوئی ندیم کے گیراج گئی تو بہن کو روتا دیکھ کر ندیم نے اسے بیٹھا کر پوچھا۔ ''کیا ہوا؟''
بانو بولی۔ ''بھائی وریشاء کی طبیعت ٹھیک نہیں اور معین کا تو آپ کو پتا ہے ناکہ وہ اپنی جاب کے سلسلے میں شہر سے باہر ہیں کسی نے مجھے یہ ایڈریس دیا ہے کہ میں وریشا کو حیدرآباد اس ایڈریس پر لے کر جاؤں، بھائی وریشا کو کوئی آسیبی قوت نے پریشان کررکھا ہے پلیز! آپ ہی میری امید پوری کرسکتے ہیں۔ رشیدہ بھابھی سے اس بات کا ذکر مت کیجیے گا کہیں وہ آپ کو جانے سے منع نہ کردیں میں سمجھ سکتی ہوں بہت کام ہوتے ہیں آپ کے اوپر دو دو گھروں کی ذمہ داری ہے پلیز بھائی جان منع مت کیجیے گا۔''

☆......☆......☆

عمران اور فہمیدہ پہلے ہی حیدرآباد جاچکے تھے بانو ندیم کے ساتھ کار میں وریشا کو لے کر حیدرآباد ان بزرگ کے پاس پہنچی تو بزرگ نے ندیم کو سامنے بیٹھا کر دم کیا پہلے تو ندیم تھوڑا گھبرایا کہ وریشا کو دیکھنے کے بجائے وہ بزرگ اس پر دم کیوں کررہے ہیں ندیم کا سر اور جسم بہت بھاری ہورہا تھا وہ پسینے پسینے ہوچکا تھا جیسے جیسے بزرگ پڑھ کر اس پر اللہ کا کلام دم کرتے تو وہ سکون محسوس کرتا اور پھر ایک گھنٹے کے بعد ندیم کو محسوس ہونے لگا کہ وہ برسوں کا تھکا ہوا ہے، اس کا جسم تھکن سے ٹوٹ رہا ہے بزرگ کے کہنے پر رات وہیں قیام کرنے کا ہوا تو عمران اپنے ساتھ اسے گھر لے گیا جب ندیم صبح سو کر اٹھا تو اسے سب کچھ یاد آیا اور وہ فہمیدہ اور عمران پر غصہ کرنے لگا پھر بانو نے تمام باتیں ندیم کو بتائیں اس کے بعد ندیم کو بزرگ کے پاس لے کر گئے جب بزرگ نے ندیم کو تمام باتوں سے آگاہ کرتے ہوئے رشیدہ کی حقیقت بتائی تو وہ رونے لگا اور اپنے رویئے کی سب سے معافی مانگنے لگا عمران بھی رو رو کر معافی مانگنے لگا کہ انجانے میں اس سے بہت بڑا گناہ سرزرد ہوا ہے اور اب وہ اپنی غلطی سدھارنا چاہتا ہے اور سب کو گواہ بنا کر فہمیدہ کو طلاق دے دی تاکہ وہ اپنے شوہر بچوں کے ساتھ خوشی سے رہ سکے۔
کراچی واپسی پر ندیم نے رشیدہ کو بہت مارا اور اپنے بھائی اور بچوں سمیت اس گھر کو چھوڑ کر دوسرے کرائے کے گھر میں شفٹ ہوگیا پھر ان بزرگ سے نعیم بھائی کا روحانی علاج کروایا نعیم بھی بالکل ٹھیک ہوگیا۔ اب ہنسی خوشی فہمیدہ اور ندیم اپنے بچوں کے ساتھ زندگی بسر کررہے ہیں نعیم بھی اپنے بیٹے کے ساتھ ندیم کے ہمراہ رہتا ہے اپنی جاب پھر سے کرنے لگا ہے رشیدہ اکیلی اس گھر میں رہتی ہے۔ تنہائی کی وجہ سے سنا ہے کہ پاگل سی ہوگئی ہے موت انسان کو نہیں مارتی لیکن تنہائی ماردیتی ہے۔ برا کرنے والوں کا کوئی والی وارث نہ تو دنیا میں ہوتا ہے اور نہ ہی آخرت میں کوئی ہوگا۔

☠

شیطان نگری

ڈاکٹر رانا عامر شہزاد-ننکانہ صاحب

ابلیس اپنی مستیوں میں مست تھا کہ اچانک دم کیا ہوا پانی اس پر پڑا تو اس کی دلدوز اور ناقابل فراموش بھیانک چیخ بلند ہوئی جسے سنتے ہی اس کے چیلے زمین بوس ہوگئے۔

حقیقت سے روشناس کراتی روداد جسے پڑھنے والے انگشت بدنداں رہ جائیں گے

دسمبر کا مہینہ تھا آج ہلکی بارش کی وجہ سے سردی زیادہ ہوگئی تھی دل کررہا تھا کہ آج نماز عشاء گھر میں ہی پڑھ لوں مگر امام مسجد مولوی تاج دین صاحب روزانہ نماز عشاء کے بعد درس دیا کرتے تھے جو میں ہر صورت سنتا تھا اور دینی رہنمائی کے لئے مولوی صاحب سے درس کے بعد بھی معلومات حاصل کرتا تھا۔ اس لئے سخت سردی میں بھی مسجد پہنچ گیا مسجد میں نمازیوں کی تعداد آج بہت کم تھی۔

نماز ادا کرنے کے بعد حسب معمول مولوی صاحب نے درس دیا جس کی تشریح جاننے کے لئے میں مزید مولوی صاحب کے پاس ٹھہر گیا مولوی تاج صاحب ایک بہت بڑے عالم دین تھے مسلک بازی سے پاک ٹھوس تعلیمات اسلام کے مطابق زندگی بسر کررہے تھے اور ہمیشہ سب کو تلقین کرتے کہ ”آپس میں نہ لڑو بلکہ قرآن وحدیث کی اصل روح کے مطابق پاکیزہ زندگی

گزارنے کی مسلمانوں کی اولین خواہش ہونی چاہئے۔" اسی لئے میں مولوی تاج صاحب کی حد سے زیادہ عزت اورتعزیم کرتا تھا۔ خیر مولوی صاحب نے میری مکمل اور تسلی بخش رہنمائی کی اور ٹائم کا پتہ ہی نہ چلا رات کافی گہری ہوگئی اور میں نے ان سے اجازت لے کر گھر کی راہ لی۔

واقعی آج رات بہت سردی تھی ہمارے گاؤں میں ایک ہی مسجد ہے خوب صورت پہاڑیوں اور ساحل سمندر کے کنارے پر موجود ہمارا گاؤں انتہائی خوب صورت منظر پیش کرتا تھا میرا گھر مسجد سے کافی فاصلے پر تھا اور میں چلتے چلتے سوچ رہا تھا کہ "پچھلے 5 سال سے مولوی تاج دین صاحب ہمارے گاؤں میں امامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں ان کا اس بھری دنیا میں کوئی نہیں ہے اور وہ مجھے بیٹوں کی طرح پیار کرتے ہیں اور کس طرح انہوں نے سب لوگوں کے دل جیتے ہوئے ہیں مجھے بھی ان کے نقش قدم پر چلنا چاہئے۔" خیر گھر پہنچتے ہی میں بستر پر جا گرا اور نیند نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔

میرا نام ناصر ہے تعلیم ایم فل (ہسٹری) عمر 27 سال ہے اور میں محکمہ جنگلات میں بطور آفیسر فرائض سرانجام دے رہا ہوں ہسٹری میرا پسندیدہ سبجیکٹ ہے اسی لئے قدیم زمانہ کی ہر چیز پسند کرتا ہوں پرانی عمارات، قلعے، کھنڈرات، مندر وغیرہ کی سیر کرنا اور ان کے بارے میں معلومات اکٹھا کرنا میرے مشاغل میں شامل ہیں۔ میں نے گھر میں ایک خوب صورت لائبریری بنائی ہوئی ہے جس میں ایک ہزار سے زائد مختلف اقسام اور عنوانات پر مبنی کتب موجود ہیں۔

اس کے علاوہ ڈراؤنی کتب، فلمز اور ڈائجسٹ وغیرہ سے بھی دل بہلاتا ہوں۔ ہومیو پیتھک ڈاکٹر بھی ہوں لہٰذا جنگل سے ڈیوٹی ختم ہونے کے بعد لوگوں کا سستا علاج بھی کرتا ہوں بعض اوقات کچھ طالب علموں کو ٹیوشن بھی پڑھا دیتا ہوں پنجگانہ نمازیں ادا کرتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ زندگی کو قرآن و حدیث اور اسلام کے بالکل صحیح اور واضح اصولوں کے مطابق بسر کروں۔

انہی دنوں گاؤں میں ایک افواہ پھیلی کہ ایک نوجوان لڑکی جس کی عمر کوئی 21 برس ہوگی اس پر جن کا سایہ ہوگیا ہے اور وہ جن اس پر عاشق ہوگیا ہے۔

میں نے سوچا گاؤں کے کم تعلیم یافتہ لوگوں کو کیا پتہ کہ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی لوگ چاند اور مریخ پر پہنچ گئے مگر یہ اب بھی پرانی اور فرسودہ باتوں کو لے کر بیٹھے ہیں۔

شام کو اس لڑکی کے گھر گیا وہ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی سب گھر والے اس کے اردگرد پریشان کھڑے تھے مجھے دیکھ کر سب کہنے لگے۔ "ڈاکٹر صاحب دیکھئے ہماری بیٹی کو جن نے گھیر لیا ہے۔"

میں نے سب کو پیچھے کیا اور اس کا چیک اپ کرنے لگا علامات سے مجھے تشخیص کرنے میں ذرا دیر نہ لگی اسے مرگی کا مرض لاحق تھا مگر کوئی میری بات پر یقین نہیں کررہا تھا اس کی بوڑھی ماں کہہ رہی تھی۔ "اسے دوا کی نہیں کسی پیر کی ضرورت ہے جو اس کے جسم سے نحوست مارے جن کو نکالے ہائے میری بچی کو بچالو۔"

میں نے مرگی کے مرض کی دوا ان کو دی اور واپس آ گیا اس لڑکی نے دوا استعمال کی اور اللہ نے اس کو شفا دے دی میں نے ساتھ اس کی ماں کو کہا تھا کہ سورہ فلق اور سورہ ناس کی اس پر پھونکیں بھی مارنی ہے کیونکہ میں جانتا تھا کہ جو بات ان کے دل میں بیٹھ گئی ہے اسے نکالنا ناممکن ہے اسی لئے معوذتین کا کہا اور ویسے بھی معوذتین سے لاعلاج امراض کا علاج 100 فیصد ممکن ہے خیر وہ لڑکی ٹھیک ہوگئی اب سارے گاؤں میں، میں مشہور ہوگیا کہ شاید میں کوئی عالم ہوں جو جنوں کو بھگا دیتا ہوں لاکھ سمجھانے پر بھی لوگ مجھ سے دعائیں کروانے آنے لگے اب میں ڈاکٹر کی بجائے بابا مشہور ہونے لگا میں پریشان ہوگیا کہ 26 سال کی عمر میں بابا مشہور ہونے لگا ہوں۔

میں فوراً مولوی تاج دین صاحب کے پاس دوڑا اور جا کر ان کے پاؤں چھو کر کہا۔ "مولوی صاحب ان گاؤں والوں کو سمجھائیں کہ کم از کم مجھے بابا تو نہ کہیں۔"

وہ پیار سے بولے۔ "بیٹا اگر اللہ تمہیں عزت دے رہا ہے تو کیوں تم ایسا کرنے سے منع کررہے ہو۔ بلکہ بھرپور اسلامی زندگی گزارو اور لوگوں کی خدمت کرو۔"

اب میں جہاں سے بھی گزرتا گاؤں والے کوئی نہ کوئی مسئلہ لے کر میرے پیچھے پڑ جاتے کسی کو جن کا سایہ ہے کسی کا رشتہ نہیں ہوتا کسی کا خاوند اچھا نہیں تو کوئی لاٹری میں انعام چاہتا ہے خیر جان چھڑانے کے لئے کسی کو کوئی تسبیح بتا دیتا تو فوراً ان کا کام ہو جاتا اب تو حد ہی ہو گئی اب میری شہرت گاؤں سے نکل کر دوسرے علاقوں تک جا پہنچی اب ہر جگہ باباجی ناصر کے نام سے میری پہچان ہو گئی مولوی صاحب بھی میرے لئے کچھ نہ کر سکے تو میں نے ٹرانسفر کروانے میں ہی اپنی عافیت سمجھی اور بھرپور جدوجہد کے بعد میرا ٹرانسفر وہاں سے دور دراز علاقے میں ہو گیا۔ یہاں جنگل کافی وسیع، گھنا اور خطرناک تھا اس وسیع جنگل میں جانور بھی کھلے عام پھرتے تھے اسٹاف بھی کافی کم تھا کوارٹر بھی بہت چھوٹا تھا مگر میں نے پھر بھی سکھ کا سانس لیا کہ چلو یہاں کوئی بابا ناصر یا بابا عامل تو نہیں کہے گا۔ میں نے اپنے کوارٹر میں ایک چوکیدار کو بھی ساتھ رکھ لیا تا کہ تنہائی سے بچ سکوں۔

کچھ دنوں بعد گاؤں سے خبر آئی کہ مولوی تاج دین صاحب کا انتقال ہو گیا تو یہ سن کر مجھے شدید صدمہ ہوا مگر افسوس کے ان کے جنازے میں شامل نہ ہو سکا لیکن بعد میں قبر پر جا کر حاضری دی اور کافی دیر وہاں کھڑا روتا رہا مگر اب وہ اس دنیا میں نہیں تھے لیکن وہ جاتے ہوئے میرے نام ایک وصیت کر گئے کہ ''ہمیشہ مجھے اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنی ہے لوگوں کی خدمت اور رہنمائی کرنی ہے۔''

خیر میں واپس ڈیوٹی پر آ گیا اور مولوی صاحب کی وصیت پر پورا عمل کرنے لگا میں نے اپنے اسٹاف کو پانچ وقت نماز پڑھنے کی تلقین کی اور ایک خاص جگہ مختص کر کے پہلے اذان دی جاتی اور پھر ہم سب باجماعت نماز ادا کرتے میرے ساتھ کوارٹر میں رہنے والے چوکیدار کا نام نثار تھا جو میٹرک پاس اور سمجھدار تھا ہر طرح سے میرا خیال رکھتا تھا اور میں بھی اسے بھائیوں کی طرح پیار کرتا تھا۔

ہم دونوں میں کافی انڈرسٹینڈنگ ہو گئی تھی اور میں نے اسے پرائیویٹ ایف اے کروانے کے لئے مکمل رہنمائی کی اور وہ روزانہ ڈیوٹی کے بعد مجھ سے ٹیوشن لینے لگا۔

ایک رات نماز عشاء کے بعد ہم جلد ہی سو گئے رات کے تیسرے پہر دروازے پر زوردار دستک ہوئی دستک مسلسل ہو رہی تھی میں نے نثار کی طرف دیکھا تو وہ گہری نیند سو رہا تھا میں نے اسے جگانا مناسب نہ سمجھا اور خود ہی اٹھ کر دروازہ کھولنے چلا گیا اور سوچنے لگا کہ رات کے اس وقت اللہ خیر کرے کون ہو سکتا ہے۔؟

دروازہ کھولا تو میں یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ مولوی تاج دین دروازے میں کھڑے تھے۔

ڈر اور خوف سے میرے ہاتھ کانپنے لگے، آج پہلی بار میں خوف سے کانپ رہا تھا کہ مجھ پر تو سکتہ ہی طاری ہو گیا میں نے فوراً دروازہ بند کیا اور بھاگ کر بیڈ پر گر گیا نثار بھی اٹھ گیا مگر خوف سے میرا دل گھبرا رہا تھا اس نے مجھے پانی پلایا اور پریشانی کی وجہ پوچھنے لگا۔

''ذرا طبیعت سنبھلی تو میں نے اس سے پوچھا۔'' یار اتنی زور سے دروازے پر دستک ہوئی تم اٹھے کیوں نہیں؟''

اس نے کہا۔'' سر جی میں نے تو تم سے کوئی دستک کی آواز نہیں سنی۔''

میں نے معاملہ بھانپتے ہوئے ٹال مٹول کر کے اسے سونے کو کہا اور خود بھی سونے کی کوشش کرنے لگا۔

خیر آہستہ آہستہ وقت گزرتا رہا اور میں اس بات کو بھولنے کی کوشش کرنے لگا لیکن ایک رات پھر خواب میں مولوی صاحب آئے اور مجھ سے مخاطب ہوئے۔'' ناصر بیٹا میں تمہارے گھر آیا مگر تم نے مجھے خوش آمدید کہنے کی بجائے دروازہ ہی بند کر دیا۔''

میں نے خواب میں کہا۔'' مولوی صاحب آپ تو مر چکے ہیں آپ دنیا میں دوبارہ کیسے آ سکتے ہیں یہ نہیں ہو سکتا۔'' یہ الفاظ میں اونچی اونچی آواز میں بول رہا تھا۔ پھر نثار نے مجھے سنبھالا۔'' سر کیا ہوا؟ سر جی خیریت تو ہے؟''

میں تو بہت پریشان ہو گیا تھوڑی دیر بعد جب طبیعت سنبھلی تو اسے سمجھایا کہ'' نثار کچھ نہیں بس ڈراونا

خواب آ گیا تھا میں بالکل ٹھیک ہوں تم جا کر سو جاؤ۔‘‘

تو وہ کہنے لگا۔’’سر جی گستاخی معاف آپ کچھ دنوں سے اپ سیٹ ہیں مجھے لگتا ہے کہ آپ پر کوئی جادو ٹونہ ہوگیا ہے ہمارے گاؤں میں ایک عامل ہیں بڑے پہنچے ہوئے بزرگ ہیں میرے خیال میں آپ کو ایک بار ان سے ملنا چاہئے۔‘‘

میں نے اسے سمجھایا کہ ’’یار ایک ڈراؤنا خواب ہی تھا میں بالکل ٹھیک ہوں جاؤ اب آرام کرو۔‘‘ وہ چلا گیا۔

مگر میں سوچنے لگا یاالٰہی یہ کیا ماجرا ہے اپنے گاؤں میں میں خود بابا عامل مشہور تھا اور یہاں لوگ مجھے بابا عامل سے ملنے کا مشورہ دے رہے ہیں اور اگر مولوی صاحب نے مجھ سے ملنا ہی ہے تو کہیں باہر مل لیں دروازے پر اور خوابوں میں آ کر مجھے دوسروں کی نظر میں مشکوک تو نہ بنائیں۔

خیر میں روزانہ اللہ سے دعا کرنے لگا۔’’یا الٰہی مجھے اس مشکل سے نکال دے۔‘‘

ایک رات مولوی صاحب خواب میں آئے اور مجھ سے کہنے لگے۔’’بیٹا ناصر تم مجھ سے کیوں ڈرتے ہو اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک نیک کام کے لئے چن لیا ہے اور وہ نیک کام میرے ذریعے سے تمہیں کرنا ہوگا پہلے وہ کام میرے ذمہ تھا مگر میری زندگی نے مہلت نہ دی اب تم اسے پورا کرو گے۔‘‘

میں نے بات کو سمجھتے ہوئے کام کرنے کی حامی بھر لی اور وہ بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے۔’’بیٹا غور سے میری بات کو سنو اور اچھی طرح سمجھ بھی لو۔

بیٹا اس کائنات اور دنیا کی ابتداء سے ہی شیطان اپنے چیلوں کے ہمراہ مسلمانوں کو راہ ہدایت سے ہٹانے کی کوشش کر رہا ہے اور کچھ ایمان کے کمزور مسلمان اس کے فریب میں پھنس جاتے ہیں بیٹا شیطان کے چیلے اپنی ذمہ داریوں کی رپورٹس پیش کرتے ہیں اور شیطان ان کی کارکردگی کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں انعام و کرام سے نوازتا ہے اور پھر سے ان چیلوں کو مسلمانوں کو بہکانے کے لئے ان کے پیچھے لگا دیتا ہے۔

’’بیٹا تم نیک اور اچھے انسان ہو، اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں عزت سے بھی نوازا ہے، تم شیطان کی میٹنگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھو گے اور جو کچھ دیکھو اور سنو اسے سب مسلمانوں تک پہنچاؤ تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو سکے کہ شیاطین کس کس طرح مسلمانوں کو بہکاتے اور کس طرح دین سے دور کرنے کے لئے خوف ناک منصوبے بناتے ہیں۔‘‘

میں نے مولوی صاحب کی پوری بات اچھی طرح سنی اور کہا۔’’ میں اس کام کو مکمل کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہوں اور راہ خدا میں اگر میری جان بھی چلی جائے تو پیچھے ہرگز نہیں ہٹوں گا۔‘‘

مولوی صاحب نے مجھے بتایا کہ ’’کل رات جنگل کے شمال کی طرف ساحل سمندر پر ایک لکڑی کی جھونپڑی میں پہنچ جانا میں تمہیں وہیں ملوں گا باقی تمام باتیں وہاں ہوں گی۔‘‘ اور وہ خدا حافظ کہہ کر غائب ہوگئے اور میری آنکھ کھل گئی۔

صبح فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد میں نے نثار کو پاس بلا کر رات میں نظر آنے والے خواب کے بارے میں بتایا اور اس سے درخواست کی کہ اس نیک کام میں تم بھی میرے ساتھ چلو اصل میں، میں خود اندر سے ڈرا ہوا تھا کہ میں اکیلا یہ سب کیسے کر پاؤں گا، چلو کچھ اور نہیں تو تنہائی سے تو بچا رہوں گا۔‘‘

نثار نے بہت غور سے میری بات سنی اور حیرت سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔’’سر جی غصہ نہ کیجیے گا مجھے لگتا ہے کہ واقعی آپ کو اب کسی عامل سے ملنا چاہئے کیونکہ جو باتیں آپ کر رہے ہیں اس جدید دنیا میں ایسا ممکن نہیں شیاطین ہوتے ضرور ہیں اور وہ مسلمانوں کو ورغلاتے بھی ضرور ہیں مگر آج تک کوئی مر کر واپس دنیا میں نہیں آیا۔‘‘

’’لہٰذا برائے مہربانی آپ خواب کو خواب ہی سمجھئے اور رات کو کہیں نہ جائیں بلکہ سورہ جن پڑھ کر اپنے اوپر دم کیجیے اور سب بھول جائیں۔‘‘

مگر میں نے اسے کہا۔’’ٹھیک ہے نثار تم اس

نیک کام میں بے شک میری مدد نہ کرو لیکن خدا کے لئے میری بات پر یقین ضرور کرو، میں جھوٹ نہیں بول رہا ،میں یہ نیک کام کرنے ضرور جاؤں گا لہٰذا میں تم سے ایک چھوٹی سی درخواست کرتا ہوں کہ ہمارے دونوں کے درمیان ہونے والی باتیں راز میں رکھنا کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا، اگر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا تو واپسی پر ملیں گے اگر مارا گیا تو میرے گھر اطلاع کر دینا مگر یہ مت بتانا کہ میری موت کیسے ہوئی۔"

میں نثار سے گلے ملا اور بولا۔" چلو ناشتہ کریں اور ڈیوٹی پر چلیں۔" میں نے سارا دن محسوس کیا کہ نثار کچھ کھویا کھویا سا نظر آرہا تھا رات میں نماز عشاء کے بعد وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔" سرجی کیا واقعی آج آپ وہاں جائیں گے؟"

"جہاں مولوی صاحب نے بلایا ہے۔ میں وہاں ضرور جاؤں گا۔" اور میری آنکھوں میں آنسو آگئے پھر میں نے کہا۔" اس نیک کام میں اگر میری جان بھی جائے تو قربان کرنے سے بھی گریز نہ کروں گا۔"

رات بارہ بجے کے بعد میں جانے کی تیاری کرنے لگا تو نثار بھی اٹھ گیا جب میں کوارٹر سے نکلنے لگا تو نثار کو ملا اور کہا۔" اچھا میرے بھائی خدا حافظ اگر زندگی نے ساتھ دیا تو پھر ملیں گے۔"

نثار نے جب میرا جذبہ ایمانی دیکھا تو اس کا دل بھی ایمان سے بھر گیا اور کہنے لگا۔" سرجی یہ بندہ ناچیز کو معاف کردیں اس نیک کام میں آپ اکیلے نہیں بلکہ میں بھی جاؤں گا۔" اور ساتھ ہی نعرہ تکبیر مارتا ہوا بولا۔" چلیں سرجی دیر کرنا مناسب نہیں۔"

پھر ہم دونوں نہایت احتیاط سے وہاں سے روانہ ہوئے کہ کہیں کوئی دوسرا گارڈ یا کوئی ہمیں دیکھ نہ لے۔

ہم جنگل کے شمال کی طرف چل پڑے جنگل بہت بڑا، گھنا اور خطرناک تھا جس سے پہلے ہی ہم واقف تھے اس لئے ہم دونوں نے جنگلی جانوروں سے بچنے کے لئے متعلقہ ہتھیار ساتھ رکھ لئے تھے آج کی رات بہت ٹھنڈی تھی چاند پوری آب وتاب سے آسمان پر جلوہ افروز تھا۔

کچھ جانوروں مثلاً کتے، گیدڑ وغیرہ نے ہمارا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر سب ناکام رہے اور ہم تقریباً سوا گھنٹے میں جھونپڑی کے اندر پہنچ گئے اندر مولوی تاج دین صاحب پہلے سے ہی موجود تھے میں جاتے ہی ان سے بغل گیر ہوا، پھر انہوں نے مجھے تسلی دی اور بولے" میں نے تو ایک مجاہد کو بلایا تھا یہاں تو دو مجاہد چلے آئے۔"

مجھ سے پہلے ہی نثار بولا۔" مولوی صاحب میں تو بن بلایا مہمان ہوں مجھے کون سا خواب میں دعوت دی گئی تھی لیکن میں اپنے سرجی کو اکیلا کیسے بھیج سکتا تھا۔" اور ہم تینوں کھل کر ہنس دیئے پھر نثار معذرت خواہ لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوا۔" سرجی مجھے معاف کردیں میں نے خواہ مخواہ آپ کی بات ماننے سے انکار کیا۔" اور میں نے ہنس کر اسے گلے لگالیا۔

پھر مولوی صاحب نے کہا۔" دیکھو بیٹا آج رات تیسرے پہر شیطان نے میٹنگ طلب کی ہے ہمارے پاس وقت بہت کم ہے ہمارے ہاں تو اس وقت تقریباً ساڑھے تین کا وقت ہے مگر شیاطین کے ہاں رات شروع ہی اس وقت ہوتی ہے اور ان کی ایک رات ہمارے چھ مہینوں کے برابر ہے۔

اور ہاں میں نے اپنی روحانی قوتوں کی مدد سے ایسے پانی پر قرآنی آیات پڑھ کر دم کیا ہے جو شیطان کے علاوہ باقی تمام چیلوں کو جلا کر راکھ کردے گا ابلیس کو تو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کا ٹائم دیا ہے اس لئے اسے ختم کرنا ممکن نہیں اور میرے خاص عمل کی وجہ سے ابلیس اور تمام شیاطین تمہاری وہاں موجودگی سے لاعلم رہیں گے البتہ شیطان کی نظریں تم کو دیکھ سکتی ہیں اس لئے حتیٰ الامکان کوشش کرنا ابلیس کی نظر تم دونوں پر نہ پڑے میٹنگ کی تمام کارروائی تمہیں ہر حال میں دیکھنا اور سننا ہوگی اس کے بعد مناسب وقت دیکھ کر اس بوتل کو کھول دینا جو میں تمہیں اس پاک پانی سے بھر کردے رہا ہوں اور ان شیاطین پر پھینک دینا یہ بوتل تو بہت چھوٹی ہے مگر اس میں ایک سمندر موجود ہے جو پل بھر میں ابلیس کے تمام چیلوں

کوجلا کر بھسم کردے گا۔

’’اچھا اب تم دونوں نکلو خدا تمہارے ساتھ ہے آنکھیں بند کرلو اور جب تک میں نہ کہوں آنکھیں نہ کھولنا۔‘‘

پھر ہم دونوں نے دیر تک ہوا میں اڑتے رہے کافی دیر بعد مولوی صاحب نے کہا۔ ’’آنکھیں کھول لو تو ہم تینوں اب ایک بہت بڑے پہاڑ کی چوٹی پر موجود ایک غار کے دروازے پر کھڑے تھے۔

مولوی صاحب بولے۔ ’’اچھا بچو اس سے آگے اب تمہارا کام شروع ہونے والا ہے اس غار میں داخل ہوجاؤ آگے تم سب خود ہی سمجھ جاؤ گے اچھا خدا حافظ۔‘‘ اور مولوی صاحب غائب ہوگئے۔

اور ہم دونوں غار میں داخل ہوگئے اندر جا کر ہم دونوں حیران و پریشان ہوگئے کہ اندر تو پورا شہر آباد تھا بلند و بالا عمارتیں جو جدید دور کے مطابق بنی ہوئی تھی موجود تھیں مگر حیران کن طور پر تمام عمارتوں کے دروازوں پر تالے لگے ہوئے تھے اب ہم حیران ہوئے کہ آخر ہمیں کس عمارت میں داخل ہونا ہے ہم کافی دیر چاند کی چاندنی میں پھرتے رہے۔ مگر کوئی عمارت بھی کھلی نہیں تھی اور اس وقت ہمیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے رات کے آٹھ بجے کا ٹائم ہو۔

چلتے چلتے اچانک میری نظر ایک عمارت پر پڑی اور میں چونک گیا کیونکہ اس عمارت پر لکھا ہوا تھا۔ ’’شیطان نگری‘‘ میں نے نثار سے کہا۔ ’’ارے یہ رہی شیطان نگری بس یہی ہماری منزل ہے۔‘‘

میں حیران تھا کہ ابھی تک ہمارے ساتھ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش کیوں نہیں آیا پھر ہم دونوں اس عمارت میں داخل ہوگئے اور حیران ہوگئے کہ یہاں تو ایک بہت بڑا قبرستان ہے میں نے ایک قبر پر تاریخ پڑھی تو سن 1356 عیسوی لکھا ہوا تھا جس سے ثابت ہوا کہ یہ قبرستان تو صدیوں پرانا ہے خیر دھڑکتے دل کے ساتھ ہم قبرستان میں احتیاط سے چلتے ہوئے آگے عمارت کی جانب بڑھنے لگے۔

سخت سردی کی رات تھی، چاند کی چاندنی میں ہر چیز واضح دکھائی دے رہی تھی مگر تنہا کا سناٹا چھایا ہوا تھا ہمیں اپنے دل کی دھڑکن بھی واضح سنائی دے رہی تھی کوئی پتہ بھی گرتا تو ہم دونوں چونک جاتے۔

اللہ اللہ کر کے قبرستان ختم ہوا تو ہم عمارت کے اندرونی دروازے پر پہنچے تو اچانک چمگادڑوں کا ایک غول ہر پر حملہ آور ہوا مگر ہم نے نہایت پھرتی سے اپنا بچاؤ کیا۔

محکمہ جنگلات میں نوکری کرتے ہوئے پہلے بھی ہم کئی بار ایسے مراحل دیکھ چکے تھے لیکن بچ بچاؤ کے دوران ہی ہم کچھ زخمی بھی ہوئے البتہ ہم اندرونی دروازے میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے اندر کا منظر دیکھا تو ہماری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، بے شمار انسانی ڈھانچے، کھوپڑیاں اور جانوروں کی بوسیدہ ہڈیاں ایک بہت بڑے ہال نما کمرے میں موجود تھیں۔

بدبو اتنی غلیظ تھی کہ ہم دونوں کو متلی ہونے لگی وہاں بہت سے لوگ دوسری جانب منہ کر کے ایک بہت بڑے اسٹیج کی جانب دیکھ رہے تھے ہم دونوں نے ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیا جہاں ہم سب کو دیکھ سکتے تھے مگر کوئی ہمیں نہ دیکھ سکتا تھا۔

جب ہماری نظر ان پر پڑی تو خوف سے آنکھیں پتھرا گئیں کسی کی صرف ایک آنکھ تھی اور کسی کے منہ سے سانپ اور بچھو باہر نکل رہے تھے کسی کا منہ ایک طرف سے زخموں سے بھرا ہوا تھا کسی کے کاندھوں پر سر موجود نہ تھا، کسی کے منہ سے آگ نکل رہی تھی اور کسی کے جسم سے دھواں نکل رہا تھا اور ان کے سامنے کھانے کے میزوں پر سالم حرام جانوروں کے گوشت اور دیگر گندی چیزیں اور مشروب میں خون تھا۔

ہم دونوں بری طرح خوف زدہ تھے میری اپنی حالت انتہائی خراب ہوچکی تھی دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی سینے سے باہر نکل آئے گا اچانک میری نظر نثار پر پڑی تو وہ ایسے کانپ رہا تھا جیسے اسے کوئی پکڑ کر زور زور سے ہلا رہا ہو میں نے اسے سنبھالنے کی کوشش کی تو اس کی آواز ہی بند ہوگئی میں نے اسے سمجھایا۔ ’’ڈرو نہیں

ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا یار ہمت کرو، پلیز، سمجھنے کی کوشش کرو۔" میں نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ پھیرا تو اسے تھوڑا ہوش آیا۔

میں نے بھی سکھ کا سانس لیا اور اسے سمجھایا کہ خدا کے بندے ہمت کر کچھ نہیں ہوتا، ہمیں اپنا مقصد یاد رکھنا ہے دوسری طرف ڈھول کی آواز آنے لگی اور مخصوص آواز میں وہ ابلیس کے چیلے گیت گانے لگے اور کھڑے ہوگئے شاید اب ابلیس کے آنے کا وقت ہوگیا تھا، اتنی دیر میں ایک بڑا شیطان نمودار ہوا جس کا قد بہت بڑا تھا سر بہت بڑے اور اونچے ہال کی چھت کو مس کر رہا تھا اور جسم اتنا بڑا کہ جیسے پچاس ہاتھیوں کو جمع کرلیا ہو۔

اس کے جسم پر سانپ بچھو رینگ رہے تھے منہ سے آگ نکل رہی تھی جسم پر جگہ جگہ سے خون نکل رہا تھا رنگ کالا سیاہ تھا ناک اور منہ سے آگ اور دھواں خارج ہو رہا تھا اور جسم کے خاص حصے چھوڑ کر سارا بالکل ننگا تھا اس کے اسٹیج پر پہنچتے ہی سارے چیلوں نے اسے سجدہ کیا اور ابلیس زندہ باد کے نعرے لگانے لگے تو ہم سمجھ گئے کہ یہی ابلیس ہے اور اس کی یہ حالت اس کی عظیم نافرمانی کی وجہ سے ہی ہوئی ہے۔ جب اس نے آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا۔

میرا جسم کانپ گیا کہ اس کی یہ حالت صرف ایک سجدہ نہ کرنے سے ہوئی تھی اور ہم نہ جانے کتنے سجدے روزانہ چھوڑ دیتے ہیں پھر بھی ہمیں خدا کی پکڑ نہیں ہوتی تو اللہ کا ہم پر خاص کرم ہے ورنہ ابلیس کی یہ حالت دیکھ کر میں تو حیران رہ گیا۔

میں نے نثار کی طرف دیکھا تو وہ بے ہوش ہو چکا تھا میں نے اس کی نبض دیکھی تو نبض انتہائی کمزور ہو رہی تھی میں اس کی وجہ سے بہت پریشان ہوگیا اور اپنے آپ کو کوسنے لگا کہ میں نے کیوں اس بے چارے کو ساتھ تیار کیا نثار کی دل کی دھڑکن انتہائی کم ہو چکی تھی میں نے سوچا کہ خدانخواستہ نثار کو کچھ ہوگیا تو میں کبھی خود کو معاف نہیں کرسکوں گا اس کو اللہ کے سپرد کیا۔

میٹنگ کا آغاز ابلیس کی تعریفوں پر مبنی گیتوں سے ہوا اور ابلیس نے اپنے چیلوں کو حکم دیا کہ "اپنی اپنی رپورٹس پیش کرو مگر یاد رکھنا کسی صورت جھوٹ سے کام مت لینا ورنہ زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔"

میں یہ سن کر حیران ہوا کہ برائیوں کی سب سے بڑی جڑ کو جو یہ مسلمانوں میں پھیلاتا ہے خود اس برائی سے اتنی نفرت کرتا ہے سب سے پہلے اس نے ایک شیطان کو مخاطب کر کے کہا "شاتون تم سب سے سینئر ہو اس لئے سب سے پہلے تم اپنی رپورٹس پیش کرو۔"

شاتون جس کے منہ سے دو بڑے سانپ باہر نکل رہے تھے بڑے غرور تکبر اور فخریہ انداز سے کھڑا ہوا پہلے ابلیس کو سجدہ کیا اور پھر بولا۔ "اے شیطان نگری کے شہنشاہ میں نے ایسا کام کیا ہے کہ یقیناً آپ خوش ہوجائیں گے آپ نے میرے اور چیلوں کے ذمہ مسلمانوں کا ایمان کمزور کرنے کی ڈیوٹی لگائی تھی جسے ہم نے پوری جانفشانی سے سرانجام دیا ہے میں نے سب سے پہلے مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ تم صرف ایک رحمٰن سے مدد مانگتے ہو حالانکہ اس کے علاوہ بھی کچھ نیک لوگ تم کو سب کچھ دے سکتے ہیں، میری اس بات کا بعض کمزور مسلمانوں پر بہت اثر ہوا اور اب وہ مسجد میں رو رو کر دعا کرنے کی بجائے ڈھونگی عاملوں کے پاس جانے لگے ہیں۔ جن کا دعویٰ ہوتا ہے کہ ہمارے عمل سے دنیا کا ہر ناممکن کام ممکن ہوجائے گا میرا عمل سات سمندر پار تک جاتا ہے اور چوبیس گھنٹوں میں ہر قسم کی خواہش پوری ہوجائے گی۔

آقا میں تو بہت خوش ہوا اس کے بعد میں نے عورتوں کو سمجھایا کہ تم بہت گناہ گار ہو کسی نیک بندے سے جا کر دم تعویز کراؤ تو تمہارا کام ہوجائے گا، اب وہ اسلام کی تمام تعلیم بھول گئی کہ کسی عورت کا نامحرم کے سامنے جانا منع ہے اور پیروں کے آستانے پر پہنچ گئیں اور وہاں پر جا کر اپنی دولت لٹانے لگیں۔"

اس بات پر ابلیس نے بہت بڑا قہقہہ لگایا اور بولا۔" شاتون کیا تمام مسلمانوں کو تم ورغلانے میں کامیاب ہوگئے۔"

تو وہ شرمندگی سے بولا۔ ''نہیں آقا مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے بھی موجود ہیں جو کسی طرح بھی میری باتوں میں نہیں آئے وہ رحمٰن کے نیک بندے صرف ایک اللہ سے ہی مدد مانگتے ہیں اور کچھ نیک عورتیں اب بھی گھروں سے نہیں نکلتیں کیونکہ مسلمانوں میں موجود اصل ایمان والے میری ساری سازشوں کے سامنے ڈٹ گئے نہ صرف وہ خود بچے بلکہ دوسرے لوگوں کو مسلسل اسلام کے ٹھوس اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے کی تبلیغ کررہے ہیں۔''

تو شیطان بولا۔ ''شاتون تو نے مجھے خوش نہیں کیا، میں تیری خاطرداری سے ناراض ہوا۔''

پھر ایک چھوٹے سے قد کا سر سے گنجا گول مٹول جس کے کان میں اور ناک میں بالیاں تھیں منہ سے کیڑے باہر نکل رہے تھے ابلیس کے سامنے پہلے سجدہ ریز ہوا پھر بولا۔ ''اے شیطان نگری کے مالک میرے ذمہ کھانے کی چیزوں میں ملاوٹ کرنا شامل تھا اور میں نے بھی اپنا کام احسن طریقے سے کیا ہے، پہلے مسلمان ہرچیز خالص اور طاقتور بناتے تھے مگر اب دودھ میں پانی، ہوٹلوں میں حلال گوشت کی جگہ ناپسندیدہ گوشت، آٹے، چاولوں، مرچوں، دہی، گھی بسکٹ، پکوڑے، سموسے، بچوں کی چاکلیٹ، غرض کہ میڈیسن بلکہ ہرچیز میں ملاوٹ ہوچکی ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں بیماریاں عام ہوچکی ہیں اب تو لوگ مٹھائی اور ہوٹلوں کے کھانے کھانے سے مررہے ہیں ہرطرف افراتفری پھیلی ہوئی ہے آقا مجھے مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے کیا آپ کو بھی خوشی ہوئی؟''

ابلیس بولا۔ ''یقیناً تم نے مجھے خوش کیا آج سے تم میرے خاص چیلوں میں شامل ہو، اب شانمنی چڑیل اپنی رپورٹ پیش کرے۔''

اب کی بار ایک بہت بدصورت، کھلے بالوں والی چڑیل حاضر ہوئی سجدہ کرنے کے بعد بولی۔ ''اے شیطان نگری کے مہاراجہ میرے ذمہ مسلمانوں میں بے حیائی اور بے پردگی پھیلانا تھا میرے آقا میں نے اس کام میں بہت محنت کی ہے میری رپورٹ سن کر آپ خوشی سے نہال ہوجائیں گے۔''

میں نے سب سے پہلے کالج اور یونیورسٹیز کا رخ کیا میں نے وہاں جاکر دیکھا کہ یہاں میرا کام آسان ہے کیونکہ یہاں تو پہلے ہی لوگ اس برائی میں کافی حد تک مبتلا ہیں، میں نے جاکر مزید ان کو ورغلایا۔

آقا اب تو مسلمانوں کی نئی نسل جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے مگر ان کا لباس ایسا ہے کہ جسم کا ایک ایک انگ نظر آتا ہے اب جوان لڑکیاں کلاس رومز کی بجائے کیفے ٹیریا، پارکوں اور ہوٹلوں میں نظر آتی ہیں اور تو اور آقا اب ایم فل اسلامیات کی لڑکیاں بھی پینٹ شرٹ اور کھلے بالوں سے سرعام بازاروں میں گھومنا فخر سمجھتی ہیں دفاتر اور بازاروں میں اب ہرطرف پردے سے آزاد لڑکیاں کثرت سے گھومتی نظر آتی ہیں اب تعلیمی اداروں میں طالب علم پڑھنے کی بجائے ناچ گانوں میں مصروف دکھائی دیتے ہیں، میری وجہ سے اب مسلمانوں میں کورٹ میرج، عام سی بات بن گئی ہے اور طلاقیں ایک فیشن کا روپ دھار چکی ہیں۔ اور سب سے اہم بات یہ کہ بے شمار ٹی وی چینل کھل گئے ہیں ان چینلو پر خبریں پروگرام پیش کرنے والی لڑکیاں اور عورتیں ہیں وہ بغیر دوپٹہ کے تنگ لباس میں نظر آتی ہیں۔''

شیطان نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔ ''بس میں خوشی سے پاگل ہورہا ہوں شانمنی کیا تم نے مسلمان لڑکیوں اور لڑکوں کو اس راہ پر لگایا ہے۔''

تب وہ بولی۔ ''نہیں آقا اب بھی مسلمانوں میں کچھ نوجوان نسل میرے لاکھ ورغلانے کے باوجود رحمٰن کے بتائے ہوئے اصولوں پر چلتی ہے بعض نوجوان لڑکے اب بھی پانچ وقت نمازیں ادا کرتے ہیں غریبوں کی مدد کرتے ہیں کسی غیرمحرم لڑکی کی جانب آنکھ اٹھاکر نہیں دیکھتے اور اسی طرح لڑکیاں بھی شریعت اسلامی کی مکمل طور پر پابند ہیں۔''

تو ابلیس بولا۔ ''اے شانمنی میں تجھے ایک موقع اور دیتا ہوں۔ آئندہ تو مسلمانوں بالخصوص نوجوان

لڑکیوں کو برائی کی جانب مکمل طور پر راغب کردے۔"

تو وہ سر ہلا کر اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گئی۔

اس کے بعد ابلیس نے کہا۔ "اب کچھ دیر وقفہ ہے تھوڑی دیر بعد پھر میٹنگ کا آغاز ہوگا۔" اور ہال میں مکمل سناٹا چھا گیا۔

تب میں نے نثار کی طرف دیکھا جو ابھی تک بے ہوش پڑا ہوا تھا پھر میری تھوڑی سی کوشش سے اسے ہوش آ گیا اور میں نے نہایت احتیاط سے اسے اس نازک صورت حال سے بچنے کی تدابیر سمجھائیں اور اس کا جذبہ ایمانی جگایا، میری باتوں سے اس پر مثبت اثر ہوا اور وہ دلیر بننے کی کوشش کرنے لگا۔

تبھی ایک بار پھر ڈھول بجنے کی آوازیں آنا شروع ہوگئیں جس کا مطلب میٹنگ کا دوبارہ آغاز تھا ابلیس نے باری باری کچھ لوگوں کو بلایا تو انہوں نے کچھ رسمی سی رپورٹس پیش کیں مگر ان کی کارکردگی سے شیطان مطمئن نہ ہوا اور انہیں سخت سزا دی۔

شیطان غصے سے بھرا ہوا تھا، ہال میں بالکل خاموشی اور سناٹا طاری تھا تب ایک چیلے نے خاموشی توڑی اور بولا۔ "اے شیطان نگری کے راجا آپ اتنا ناراض نہ ہوں میری رپورٹ آپ کا دل خوش کردے گی۔"

ابلیس نے ناگواری سے اسے دیکھا اور اجازت دی، اس چیلے کا نام امبرود تھا جس کا نیچے کا جسم کسی جانور کا سا اور اوپر والا حصہ انسانی تھا اس نے کہا۔ "آقا گو کہ میرے ذمہ کوئی کام نہ تھا مگر میں نے آپ کو خوش کرنے کے لئے خود ہی ایک اہم کام کیا ہے جسے سن کر یقیناً آپ خوش ہوجائیں گے۔"

"میں نے حکمرانوں اور عوام کو خود غرضی کی راہ پر گامزن کردیا ہے۔ مسلمانوں کے سربراہ اپنی عوام کا بہت خیال رکھتے تھے راتوں کو گلیوں میں گشت کرکے عوام کے مسائل حل کرتے تھے کبھی کوئی بہن مشکل وقت میں کسی حکمران سے مدد مانگتی تھی تو حکمران سمندر پار سے افواج بھیج کر مدد کرتے تھے مگر اب میں نے ان کو ورغلا کر حالات ابتر کردیئے ہیں اب عوام بھوک اور بیماریوں سے مر رہی ہیں مگر کسی کو ان کا کوئی خیال نہیں اب مسلمانوں کی عزت، دولت اور ضمیر سر عام لوٹے جارہے ہیں بہنیں اور مائیں مدد کے لئے پکار رہی ہیں مگر کوئی مسیحا ان کی مدد کے لئے نہیں آتا، حکمرانوں کو چھینک بھی آئے تو علاج ملک سے باہر ہوتا ہے مگر عوام کی مائیں سڑکوں پر اپنے بچوں کو جنم دے رہی ہیں ریگستان میں عوام ہر سال بھوکی مر رہی ہے مچھروں سے ہزاروں اموات ہورہی ہیں سیلابوں سے لوگ تباہ ہورہے ہیں مگر کسی کو ان کی پریشانی سے کوئی سروکار نہیں۔

آقا کیا آپ میرے کام سے خوش ہوئے۔"

تو شیطان بولا۔ "بے شک میں تمہارے کام سے بہت خوش ہوا تو بھی آج سے میرے خاص چیلوں میں شامل ہوگیا۔"

اب نثار بھی دل بڑا کرکے ساری کارروائی سن رہا تھا اور بار بار کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ کررہا تھا اور آہستہ سے مجھ سے کہتا۔ "سر جی اچھا تو یہ سارے کام ابلیس کروا رہا ہے توبہ توبہ۔"

میں اس کے انداز بیان دیکھ کر مسکرا دیا۔ پھر ایک چیلا کھڑا ہوا اور بولا۔ "اے شیطان نگری کے مالک میں نے بھی ایک کام کیا ہے اگر اجازت ہو تو اپنی رپورٹ پیش کروں۔" تو ابلیس نے اجازت دے دی۔

وہ سجدہ کرنے کے بعد بولا۔ "میرے آقا میں نے فرض شناس لوگوں کو ہٹ دھرم اور سخت دل بنادیا ہے جو لوگ دوسروں کی خدمت کرنا باعث ثواب سمجھتے تھے اب میں نے ان کو سخت دل اور تکبر والے بنادیا ہے اب اسپتالوں میں مریض مر رہے ہوتے ہیں اور ڈاکٹرز صاحبان اے سی والے کمروں میں بیٹھے گپیں لگا رہے ہوتے ہیں اسکولوں میں غریبوں کے بچے تعلیم حاصل کرنے جاتے ہیں مگر ٹیچر صاحبان موبائل پر میسیج اور فیس بک پر مصروف ہوتے ہیں اور بچوں کا مستقبل تباہ و برباد ہو رہا ہے۔ بینکوں میں بوڑھے پنشن لینے جاتے ہیں تو انہیں دھکے مارے جاتے ہیں کوئی بے چارہ انصاف حاصل کرنے عدالت جاتا ہے تو کیس اتنا لمبا اور پیچیدہ

ہے کہ وہ ساری جائیداد فروخت کرنے کے بعد قبر میں چلا جاتا ہے مگر اس کا کیس ختم نہیں ہوتا کسی کی عزت اور دولت چھن جانے پر تھانے میں رپورٹ لکھنے سے محض اس لئے انکار کردیا جاتا ہے کہ غریبوں کے پاس روپیہ اور سفارش نہیں ہوتی غرض یہ کہ ہر کام کے لئے بھاری رشوت کے طور پر دینا پڑتی ہے ورنہ وہ کام سے محروم رہ جاتے ہیں۔''

اسی لمحے شیطان بولا۔''تو نے مجھے خوش کیا میں تیری ایک خواہش پوری کروں گا جو چاہے مانگ لے۔''اور ابلیس فوراً اس کی خواہش پوری کرنے کا حکم دیتا ہے۔

ہم دونوں وہاں بیٹھے بیٹھے تھک گئے تھے اور حیران تھے کہ مسلمان کس طرح دین ودنیا سے غافل ہوکر ان برائیوں میں مبتلا ہوچکے ہیں اور شیاطین کس طرح ان کو ورغلانے میں کامیاب ہیں۔

پھر ابلیس بولا۔''میں تمہاری کارکردگی سے مطمئن ہوا مگر مجھے دلی خوشی نہیں ہوئی۔''ابھی ابلیس بات کررہی رہا تھا کہ کالی داس نامی ایک شیطان بولا۔''اے شیطان نگری کے بے تاج بادشاہ ابھی میری رپورٹ باقی ہے میں نے سب سے منفرد کام کیا ہے جسے سن کر آپ خوشی سے جھوم اٹھیں گے۔''

شیطان نے خوشی سے نہال ہوکر کہا۔''اے کالی داس جلدی سے رپورٹ پیش کر۔''

کالی داس نے پہلے سجدہ کیا اور پھر بولا۔''شیطان نگری کے آقا میں نے مسلمان میں فرقہ بندی کے ذریعے پھوٹ ڈال دی ہے، ایک فرقے والا دوسرے فرقے کی مساجد میں نماز ادا نہیں کرتا، میں نے تمام لوگوں کو آسانی سے اپنی سازش میں پھنسالیا ہے وہ میری سمجھائی ہوئی تقاریر کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے لئے دردِدل نہیں رکھتے بھائی چارہ کو بھول گئے ہیں۔ جبکہ ان کے مذہب میں ہے کہ اگر مسلمان دنیا کے کسی بھی حصے میں دکھ درد میں مبتلا ہے تو اس کے غم کو اپنا غم سمجھو۔ اب ان میں اتحاد باقی نہیں رہا۔ ہر طرف افراتفری کا عالم ہے ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے ہیں۔''

شیطان بولا۔''اے کالی داس سب سے بڑا کام تو نے کیا۔''اور ابلیس گنگنانے لگا۔ وہ جھوم رہا تھا جیسے اس کام سے وہ بہت خوش ہوا ہو، وہ خوشی سے بولا۔''اے کالی داس آج سے تو میرا نائب ہے، اور آج تیرے اس کام کی خوشی میں ایک عظیم جشن ہوگا، ویسے کالی داس کیا زیادہ تر لوگ اس برائی میں مبتلا ہوچکے ہیں۔''

کالی داس بولا۔''اے میرے آقا نہیں یہ کوئی آسان کام نہیں ہے میں خاموشی سے پچھلے بیس سالوں سے اس کام میں مصروف ہوں اور آج تک کسی پر ظاہر نہیں کیا۔''

اب بھی مسلمان میں رحمٰن کے خاص بندے موجود ہیں جو میری سازش کے خلاف ڈٹے ہوئے ہیں جو نہ صرف خود اس سازش سے دور ہیں بلکہ دوسروں کو اس سے بچانے کی بھی پوری کوشش کررہے ہیں اور نیک بندوں کی پیروی کررہے ہیں مگر مجھے یقین ہے کہ میں ان کو بھی ورغلانے میں کامیاب ہوجاؤں گا۔''

ابلیس بولا۔''ہاں ضرور مگر میں تمہارے ابھی تک کے سارے کام سے بہت خوش ہوا چلو جشن منائیں ناچیں اور گائیں۔''

پھر سب ناچنے اور گانے لگے، ہال میں جیسے زلزلہ سا آگیا ہو، اسی دوران میں اپنی جگہ سے پھسل کر فرش پر آگرا اور شیطان نے مجھے دیکھ لیا اور بولا۔''حیرت ہے ایک آدم زاد یہاں موجود ہے اور میری لاکھوں شیطانی قوتوں کے باوجود میں اس کی موجودگی سے لاعلم رہا''اور وہ غصے سے پھنکارتے ہوئے بولا۔

''پکڑلو اس بدذات کو اور ختم کرڈالو، یہ یہاں سے بچ کر نہیں جانا چاہئے، میں نے اپنی تمام میٹنگز دنیا سے ایک الگ سیارے پر منعقد کی تاکہ کسی بشر کو ان کا کبھی علم نہ ہو مگر یہ کیسے یہاں تک پہنچ گیا۔''

اسی لمحے ابلیس نے نثار کو بھی دیکھ لیا اور کہنے لگا۔'' اچھا تو یہ ایک نہیں بلکہ دو ہیں جلدی ختم کرو ان دونوں کو۔''مگر ابلیس کے علاوہ ہمیں کوئی چیلا دیکھنے سے محروم تھا۔

وہ بولے۔"آقا ہمیں تو کوئی آدم زاد نظر نہیں آرہا ۔" تب ابلیس صورت حال کو بھانپ گیا اور بولا۔"اچھا تو یہ صرف مجھے ہی نظر آسکتے ہیں۔"

ابلیس ہماری جانب بڑھا ہی تھا کہ نثار پھر بے ہوش ہوگیا۔

اور میرے لبوں پر فوراً آیات قرانی کا ورد شروع ہوگیا اور میں نے فوراً پانی کی بوتل کھول کر شیاطین کی طرف کردی اور بوتل سے پانی فواروں کی مانند نکل کر ابلیس کے چیلوں کو جلا کر بھسم کر رہا تھا اور آیات قرآنی کی برکت سے شیطان میرے نزدیک آنے سے محروم تھا۔

پل بھر میں آیات قرآنی اور پاکیزہ پانی نے تمام شیاطین کو جہنم واصل کردیا اور ابلیس غصے سے بولا۔"ابن آدم تو آخر ہے کون؟"

ویسے تو ڈر سے میری ٹانگیں اور ہاتھ کانپ رہے تھے مگر ہمت سے کام لیتے ہوئے میں بولا۔"میں اللہ کا عاجز سا بندہ ہوں اور اس آدمؑ کا بیٹا ہوں جس کو تم نے سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا امتی ہوں جنہوں نے جنگ بدر میں اور فتح مکہ کے مواقع پر تمہارے ساتھیوں سمیت تمہیں عبرتناک شکست سے دوچار کیا تھا اور مولوی تاج دین کا دوست جنہوں نے مجھے یہاں پہنچانے میں میری مدد کی۔"

ابلیس میری باتوں سے خوف زدہ ہوکر پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔"بے شک تو جو مرضی کرلے مگر تجھے میں چھوڑوں گا نہیں اور قیامت تک میں رحمٰن کے بندوں کو ضرور ورغلاتا رہوں گا بس اب تو اپنی خیر منا۔" اسی لمحے وہ دھواں بن کر غائب ہوگیا۔

اور اسی لمحے مولوی تاج دین صاحب کی آواز آئی۔"ناصر بیٹا جلدی سے عمارت سے باہر آجاؤ۔" میں نے نثار کو کندھوں پر اٹھایا اور جلدی سے "شیطان نگری" سے باہر کو بھاگا۔

ابھی میں اندرونی گیٹ سے باہر ہی آیا تھا کہ عمارت کو آگ لگ گئی پھر میں مولوی صاحب کے ہمراہ مین گیٹ سے باہر نکلا ہی تھا کہ "شیطان نگری" مکمل طور پر آگ سے جل کر زمین دوز ہوگئی یہی نہیں بلکہ وہاں موجود تمام عمارتیں آگ میں جل کر راکھ ہوگئیں۔

تھوڑی ہی دیر بعد ہم تینوں اسی غار کے دروازے پر موجود تھے جس سے ہم "شیطان نگری" میں داخل ہوئے تھے پھر میں نے نثار کو ہوش میں لانے کی بہت کوشش کی مگر میں ناکام رہا جیسے وہ کوما میں چلا گیا ہو۔

خیر مولوی صاحب نے مجھے آنکھیں بند کرنے کا حکم دیا اور تھوڑی دیر بعد کھولنے کا حکم دیا تو ہم تینوں اپنے کوارٹر میں موجود تھے، مولوی صاحب نے مسکرا کہا۔"اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔ نثار کو اسی کے بستر پر لٹادو۔"

اور مجھے نصیحت کرنے لگے۔"بیٹا ناصر اب مجھے دیر ہورہی ہے مجھے جلد واپس جانا ہے، اب تم نے جو دیکھا اور سنا ہے اسے اپنے مسلمان بھائیوں تک پہنچانا تمہارا فرض ہے۔" پھر وہ مجھ سے گلے ملے اور بولے۔"اچھا اب میں چلتا ہوں اللہ کی خوشی ہوئی تو دوبارہ ملاقات ہوگی۔" اور غائب ہوگئے۔

میں نے نثار کو ہوش میں لانے کی کوشش کی اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور اسی لمحے میرے دماغ میں شرارت سوجھی میں نے کہا۔"یار کیوں بڑبڑا رہے ہو کیا کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ لیا ہے کیوں میری بھی نیند خراب کررہے ہو۔"

وہ ہوش میں آنے کے بعد بولا۔"سرجی میں نے آج بہت ڈراؤنا خواب دیکھا ہے شیطان اور اس کے چیلوں کا توبہ توبہ۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔"نثار بس کرو کیا مجھے بھی ڈراؤ گے چلو اب سوجاؤ۔" اور میں بھی مسکرا کر اپنے بستر پر لیٹ گیا گھڑی پر نظر ڈالی تو حیرت سے تقریباً اچھل پڑا کیونکہ اس وقت رات کے تین بجے کا وقت ہورہا تھا پھر میں نے ہاتھ میں موجود پانی کی چھوٹی بوتل کو میز پر رکھا اور یہ سوچتے ہوئے سونے کی کوشش کرنے لگا کہ۔"میں اپنا فرض ضرور نبھاؤں گا۔"

رات سے پہلے

محمد شعیب۔فیصل آباد

بھاگتے ہوئے نوجوان کو خوفناک آوازیں تھرا دینے والی تھیں جو کہ نوجوان کو پیچھے مڑ کر دیکھنے پر مجبور کررہی تھیں۔ مگر نوجوان اپنی زندگی کی بقا کے لئے آگے ہی آگے بھاگ رہا تھا کہ ایک آواز آئی

دماغ پر سکتہ طاری کرتی اور خوف کے شکنجے میں جکڑتی انسانی عقل میں نہ آنے والی خونی کہانی

''**جلدی** چل......جان نہیں ہے کیا ٹانگوں میں؟'' حوالدار نے اس کو کالر سے گھسیٹتے ہوئے اپنی طرف کھینچا۔اس کا گریبان گردن میں پھنستا جارہا تھا۔

''آرام سے......'' اس نے مزاحمت کرنا چاہی مگر آواز گلے میں اٹک کر رہ گئی۔ وہ بری طرح کھانسنے لگا۔حوالدار کے ہاتھ تھے یا فولاد؟ جو اس کے گلے میں دھنس رہے تھے؟

''یہ کیا کر رہے ہو ثاقب؟ اس آدمی کو ایسے کیوں گھسیٹ کرلا رہے ہو؟'' ایس ایچ او شفاقت کی نظر جیسے ہی اپنے کیبن سے باہر گئی تو یہ منظر دیکھ کر چونکا اور اپنی چیئر سے اٹھ کر باہر آیا۔

''صاحب! یہ ایک نمبر کا بدمعاش ہے۔ بڑی مشکل سے ہاتھ آیا ہے۔'' اس کا لہجہ کرخت تھا۔نظریں بھی اسی آدمی پر مرتکز تھیں۔

''نہیں صاحب! میں کوئی بدمعاش آدمی نہیں ہو۔ مجھ پر رحم کرو۔ یہ زبردستی مجھے یہاں گھسیٹتے ہوئے لایا ہے۔'' وہ روندھے ہوئے لہجے میں ہاتھ جوڑے فریاد کر رہا تھا مگر پولیس اسٹیشن بھی کسی کی شنوائی ہوئی ہے بھلا جو اس کی ہوتی؟

''ہر بدمعاش پکڑے جانے پر یہی کہتا ہے کہ اس نے کوئی جرم نہیں کیا۔ایک رات جیل کے اندر رہا ناں تو؟ سارے جرم خود بخود قبول کرلے گا۔'' ثاقب نے کھا جانے والی نظروں سے اس آدمی کو گھورا تھا اور لاکر کھولتے ہوئے اسے دیوار کی جانب پٹخ دیا۔

''ثاقب!'' شفاقت چیخا تھا۔اسے یہ رویہ ذرا نہ بھایا۔ وہ آدمی روتے ہوئے سلاخوں کی جانب بڑھا اور ہاتھ بڑھا بڑھا کر دہائیاں دیتا رہا۔

''صاحب! مجھے جانے دو۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔''

''کسی کی بات کا یقین بھی کر لیتے ہیں۔'' شفاقت نے ثاقب کی سرزنش کی تھی۔

''نئے نئے ایس ایچ او بنے ہو آپ۔اس لئے بہتر یہی ہوگا کہ کام سیکھیں، کام خراب مت کریں۔'' ثاقب نے عجیب نظروں سے اس طرف دیکھا تھا۔ وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔ اسکی نظروں میں عجب وحشت ٹپک رہی تھی۔ یہ کہتے ہی وہ دوبارہ باہر کی جانب چل دیا۔شفاقت بھی اپنے کیبن کی طرف بڑھا۔

ثاقب نے ٹھیک ہی کہا تھا وہ نیا تھا۔آج ہی تو اس کی ڈیوٹی کا پہلا دن تھا اور سرکار نے اپنے شہر سے اتنی دور اس ویرانے میں اس کی تعیناتی کر دی تھی۔ جہاں دور دور تک کسی آدم زاد کا نشان نہیں

تھا۔اس پولیس اسٹیشن پر بھی ان دونوں کے سوا کوئی نہ تھا۔اب یہ تیسرا آدمی آیا تھا مگر وہ اپنے آپ کو بے قصور کہہ رہا تھا مگر کوئی ثبوت بھی تو نہیں تھا۔

''صاحب! میری بات کا یقین کریں خدارا! میں نے کچھ نہیں کیا۔ مجھے یہاں سے نکالیں۔ مجھے نہیں مرنا۔'' آخری جملے پر وہ بری طرح چونکا تھا۔وہ بیٹھتے بیٹھتے رہ گیا۔واپس لاکر کی طرف بڑھا۔

''کیا کہہ رہے ہو تم؟ تمہارا جرم ابھی ثابت نہیں ہوا۔'' شفاقت نے اسے جھاڑا تھا۔

''آپ کیا سمجھتے ہو یہ مجھے کسی جرم کی پاداش میں پکڑ کر لایا ہے؟ نہیں صاحب......نہیں۔ یہاں اس ویرانے میں آنا ہی سب سے بڑا جرم ہے۔اب دیکھنا رات ہوتے ہی مجھے مار دیا جائے گا۔'' اس نے پہلی بار بنا بین کئے اپنے جملے مکمل کئے تھے۔شفاقت یہ سن کر خاصا چونکا تھا۔اسے یہ سب اول فول لگا۔تبھی گردن جھٹک کر اپنے کیبن کی طرف بڑھا۔

''اگر میں مرا تو زندہ تم بھی نہیں رہو گے صاحب! وہ تمہیں بھی مار ڈالے گا۔مار ڈالے گا۔سنا تم نے۔تم بھی رات ہوتے ہی مارے جاؤ گے۔'' وہ چیختا چلاتا سلاخوں کو مضبوطی سے پکڑے زمین بوس ہو رہا تھا۔شفاقت کے پاؤں تلے سے جیسے زمین ہی نکل چکی تھی۔ وہ آدمی یا واقعی پاگل تھا جو ایسی بکواس کر رہا تھا یا پھر اس کی باتوں میں سچائی تھی۔ وہ کئی لمحے کھڑا سوچتا رہا۔ذہن کا بجھا ہوا حصہ تابناک دکھائی دے رہا تھا۔

☆......☆......☆

ٹریننگ مکمل کرنے کے بعد اس کی تعیناتی شہر سے دور ایک شام نگر نامی گاؤں میں ہوئی تھی۔ یہ نام سن کر ہی اسے عجیب لگا تھا۔اس نے کافی بھاگ دوڑ کی کہ کسی طرح اس کی ٹرانسفر واپس شہر میں ہی ہو سکے مگر ایسا ممکن نہ ہو سکا۔اس کے سینئر نے بھی اسے کچھ ماہ وہاں کام کرنے کا کہا۔

''دیکھو شفاقت! ابھی تمہیں وہاں جانا ہی ہوگا۔ دو تین ماہ وہاں گزار لو، پھر دیکھتے ہیں کہ واپسی کے کیا چانسز بنتے ہیں؟'' یہ سن کر اسے کافی مایوسی ہوئی تھی۔ پہلے ہی وہ چھ ماہ گھر سے دور رہا تھا اور اب ٹرانسفر بھی اتنی دور کی گئی۔

''ہاں یاد آیا۔دو ماہ کسی کا ٹرانسفر وہاں کروا دیں گے اور تمہیں واپس شہر ٹرانسفر کروانے کی پوری کوشش کروں گا۔'' یہ سن کر ایک آس بندھی تھی۔بس اسی آس کو دل میں رکھے وہ اس ویرانے میں جانے کے لئے راضی

ہوا تھا۔ صبح صادق کا وقت تھا جب اس نے شام نگر نامی گاؤں کی سرحد پر قدم رکھا۔ کیا ہی سحر انگیز وقت تھا۔ تاحد نگاہ بنجر زمین ہی نظر آرہی تھی۔ سوچا تھا کہ گاؤں ہے تو ہریالی آنکھوں کو دیکھنا نصیب ہوگی۔ تازہ ہوا سانسوں میں نئی تازگی بخشے گی مگر یہاں آکر تو جیسے یہ امید دم ہی توڑ چکی تھی۔ کھنڈر ......ٹیڑھے راستے...... تنوں سے اکڑے ہوئے درخت......اپنی حالت پر ماتم کرتی فضا، غرض سب کچھ عجیب تھا۔ رکشے والے نے بھی گاؤں سے کچھ فاصلے پر اتار دیا تھا۔

''کیا ہوا بھائی آگے نہیں جانا کیا؟'' اس نے حیرت سے استفسار کیا تھا۔

''کیا مذاق کر رہے ہو صاحب! میرے بیوی بچے ہیں۔ یہاں ہر طرف موت رقص کرتی ہے۔ اس نے تمسخر بھرے انداز میں کہا تھا وہ اس لہجے کا مفہوم نہ سمجھ سکا اور آگے بڑھ گیا۔ ہر اٹھتا قدم اس کو حیرت کے سمندر میں غوطے لگانے لگانے پر مجبور کر رہا تھا۔ ایک سنسنی اس کی ساعت میں گھلتی جا رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ صبح کے وقت نہیں بدلے تپتی ہوئی گرمیوں کی دوپہر میں اکیلا صحرا میں گھوم رہا ہو۔ حدت سے بھرے طمانچے اس کے رخسار کو تھپتھپا رہے تھے۔ سردی کی لہر کی بجائے وہ پسینے سے شرابور تھا۔ پیاس سے گلا سوکھ چکا تھا۔

''یہ کیا؟ اس موسم میں بھی اتنی پیاس کیوں لگ رہی ہے مجھے؟'' اس نے گلے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوچا تھا اور ستانے کے لئے ادھر ادھر دیکھا۔ سورج نے کچھ دیر پہلے ہی آنکھ کھولی تھی۔ پاس ہی اسے ایک بڑا سا پتھر نظر آیا۔ وہ اس پر جا بیٹھا اور ادھر ادھر دیکھا شاید کوئی نظر آئے مگر وہاں کوئی نہ تھا۔

''بھلا اس ویرانے میں پولیس اسٹیشن بنانے کی کیا سوجھی تھی سرکار کو؟ کوئی بھوت پریت تو جرم کرنے سے رہے؟'' اس نے خود ہی اپنا تمسخر اڑایا تھا۔ کچھ دیر ستانے کے بعد وہ اٹھا اور منزل کی طرف چل دیا۔ مٹی سے اس کے پاؤں اٹ چکے تھے مگر وہ چلتا ہوا ایک کھنڈر کے کنارے پہنچا تھا۔

''ایس ایچ او صاحب؟'' پیچھے سے کسی نے آواز دی تھی۔ وہ فی الفور پلٹا۔ وہاں ایک پولیس کی وردی پہنے آدمی کھڑا تھا۔

''ہاں! اس گاؤں کا نیا ایس ایچ او۔'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''بہت خوب! لگتا ہے آج رات کا سامان تیار ہو چکا ہے۔'' اس نے زیر لب کہا تھا تبھی وہ ان لفظوں کا مفہوم نہ سمجھ سکا۔

''کچھ کہا؟'' اسنے آگے بڑھتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

''جی بالکل۔ میں آپ کو ہی ڈھونڈ رہا تھا۔ چلیں، میں آپ کو پولیس سٹیشن لے چلتا ہوں۔'' اس نے بیگ شفاقت کے ہاتھوں سے لیا اور بائیں جانب مڑا۔ وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

''یہاں کیا تمام آتمائیں بستی ہیں؟'' اس سوال پر وہ دفعتہً چونکا تھا اور گھورتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ وہ نظروں کی حدت کو برداشت نہ کرسکا اور اٹکتے ہوئے جملے کی تصحیح کی۔

''میرا مطلب تھا...... کہ کوئی انسان نظر نہیں آرہا۔''

''یہ گاؤں ہے صاحب! یہاں گھر کوسوں فاصلے پر ہی ہوتے ہیں۔'' اس نے مدہم لہجے میں جواب دیا تھا اور پلٹ کر دوبارہ آگے بڑھنے لگا۔

''ہوں......کوسوں فاصلے پر۔'' کہہ تو ایسے رہا ہے جیسے میں نے پہلے کبھی گاؤں دیکھا ہی نہیں۔ وہ بڑبڑایا تھا۔

''صاحب! یہ عام گاؤں نہیں ہے۔ یہاں کے باسی رات کو گھروں سے نکلتے ہیں۔ رات سے پہلے کسی کو اپنے گھروں سے نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔'' اس کے جواب پر وہ بری طرح چونکا تھا۔ وہ اس کے من کی بات پڑھ چکا تھا یا پھر اس کی ساعت اتنی تیز تھی جو ہلتے لبوں سے لفظوں کو سن لیا کرتا تھا۔ تھوک کو گلے سے نگلتے ہوئے وہ اب خاموشی سے اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا

۔ پولیس اسٹیشن پہنچنے پر وہ ایک بار پھر چونکا تھا۔ فقط کھنڈر تھا یا پھر ایک کیبن جہاں اس کے نام کی تختی پہلے سے ہی آویزاں تھی۔ اُس آدمی نے اپنا نام ثاقب بتایا اور اسے اپنے کیبن میں جانے کا کہا۔

''آپ ابھی سے ڈیوٹی جوائن کرنا چاہو تو ٹھیک ہے ورنہ پولیس اسٹیشن کے عقبی حصے میں کچھ کواٹر ہیں۔ وہاں جا کر آرام کرلیں اور ڈیوٹی کل سے شروع کرلیجیے گا۔''

''نہیں ...... نہیں۔ میں آج سے ہی ڈیوٹی جوائن کرنا چاہوں گا۔ آپ مجھے واش روم بتا دیں کہاں ہے تا کہ یونیفارم چینج کیا جاسکے۔'' اگرچہ اسے آرام کی ضرورت تھی مگر اس نے تکلف برتا اور ویسے بھی اس ویرانے میں بھلا کون سا جرم اس کا منتظر تھا؟ ڈیوٹی پر بھی تو آرام ہی کرنا ہے۔ بس اسی سوچ کے پیش نظر وہ اسی وقت ڈیوٹی پر آ حاضر ہوا تھا۔

☆......☆......☆

سورج نے اپنے آپ کو سمیٹنا شروع کیا تو لاکر میں بند آدمی کی سانسیں اٹکنا شروع ہوگئیں۔ وہ ایک ایک سانس بھی سوچ سمجھ کر لے رہا تھا اور دیوار کے ساتھ ایسے سمٹا بیٹھا تھا جیسے کوئی موت کی تلوار اس کے سر پر لٹکی ہوئی ہو۔ شفاقت اس کی حالت کو دیکھ رہا تھا مگر کچھ بھی کہنے سے اجتناب برت رہا تھا۔ آنکھوں میں موت کا خوف...... کپکپاتے ہوئے ہاتھ اور سوکھی ہوئی جلد جیسے اس کا خوف عیاں کررہی تھی۔ ایک لمحے کے لئے اس نے بھی اپنا کام روک لیا تھا۔

''ثاقب، یہ آدمی ایسے کیوں ڈر رہا ہے؟'' ثاقب جو ایک فائل لینے کیبن میں آیا تھا، فوراً پوچھ ڈالا۔

''کچھ نہیں صاحب! بس رات سے خوف کھا رہا ہے شاید۔'' اس نے بے اعتنائی برتتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''رات سے خوف ...... مطلب؟'' اس نے دونوں ہتھیلیوں کو ٹھوڑی کے نیچے کیا۔

''کچھ نہیں......'' اس نے زہریلی مسکراہٹ

شریک سفر

شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ بیوی خوب صورت ہونے کے بجائے، خوب سیرت تلاش کرنی چاہئے تا کہ گھر جنت بن جائے، اگر بیوی خوب صورت ہو اور نافرمانی کرے تو گھر جہنم بن جاتا ہے، فرماں بردار بیوی ہو تو فقیروں کو بھی بادشاہ بنا دیتی ہے، جس شوہر کی بیوی محبت کرنے والی ہو، اس پر خدا کی گویا خاص رحمت ہے، بیوی اگر پارسا اور میٹھی زبان کی حامل ہو تو پھر یہ خیال نہ کرو کہ وہ بدصورت ہے، ایسی بیوی قابل قدر ہے، خوش طبع بیوی شوہر کے ساتھ مشکل ایام میں بھی ہنس کر گزار دیتی ہے اور خیر خواہ بیوی سراسر دل کا چین ہی چین ہوتی ہے۔

(شرف الدین جیلانی ۔ٹنڈوالہ یار)

کے ساتھ اس کی طرف دیکھا اور باہر کی طرف چل دیا۔ شفاقت اس مسکراہٹ کو نہ سمجھ سکا اور گردن جھٹک کر اپنا کام سمیٹا اور سورج کے ڈوبتے ہی وہاں سے نکلنے کی تیاری کی۔

''صاحب! صاحب! مجھے اکیلا چھوڑ کر مت جائیں۔ وہ مار ڈالیں گے مجھے۔'' جیسے ہی شفاقت نے نکلنا چاہا تو اس کی دہائیاں کھنڈر نما پولیس سٹیشن میں گونج اٹھیں۔

''اوئے! خاموش ہوتا ہے یا ایک الٹے ہاتھ کی لگاؤں؟'' ثاقب نے کرخت لہجے میں کہا تھا۔ جس پر وہ ڈرے ہوئے بچے کی طرح سہم گیا اور دیوار سے جا لگا۔

''صاحب! آپ جاؤ۔ بے فکر رہو۔ میں اس کا اچھے سے خیال رکھوں گا۔'' ثاقب کے کہنے پر بھی وہ کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتا رہا جہاں ڈر اپنا ڈیرہ جمائے ہوئے تھا مگر وہ اپنا وہم سمجھ کر آگے بڑھا اور

کواٹر میں آ کر سفر اور دن کی تھکان مٹانے کی خاطر لیٹا مگر نیند تو جیسے اس سے روٹھی ہوئی تھی۔ وہ کروٹیں بدلتا رہا مگر بے چینی نے پیچھا نہ چھوڑا۔ آنکھ لگی تو خوفناک خواب نے اس کو بری طرح ڈرا دیا۔ رات کے آخری پہر وہ چیختا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اپنے آپ پر نگاہ دوڑائی تو وہ پسینے سے شرابور تھا۔ سانسیں بھی بپھرے ہوئے سمندر کی طرح اُتھل پتھل ہو رہی تھیں۔ دائیں جانب رکھے گلاس کو اٹھایا اور پانی ایک بڑا سا گھونٹ گلے میں اتارا جہاں سالوں کی تشنگی محسوس ہو رہی تھی۔

''بہت ہی ڈراؤنا خواب تھا۔'' گہری سانس لیتے ہوئے اس نے اپنے آپ کو تسلی دی تھی اور دوبارہ لیٹنے کے لئے وہ ابھی آدھا ہی جھکا تھا کہ اسے باہر سے ایک زوردار چیخ سنائی دی۔ پورے جسم میں اس کے سرد لہر سرایت کرگئی۔ سماعت شکن چیخ نے اس کے رونگٹے کھڑے کر دیئے تھے۔ وہ فوراً اٹھا اور باہر جانے کا ارادہ کیا۔ ابھی وہ دروازہ کھولنے ہی جا رہا تھا کہ اس کی سماعت میں ثاقب کے الفاظ گونجے۔

''صاحب! ایک بات یاد رکھیے گا۔ رات کے وقت اپنے کمرے کا دروازہ نہ کھولیے گا۔ چاہے باہر آگ لگے یا پھر قیامت آجائے مگر اپنے کمرے میں رہیے گا کیونکہ یہاں ویرانے میں رات کو درندے گھومتے ہیں۔'' اس کا لہجہ اس قدر وحشت سے بھرپور تھا کہ وہ اگلا سوال ہی نہ کر سکا تھا۔

وہ دوبارہ پلٹ آیا۔ ایک پولیس والا ہونے کے باوجود اکڑوں بیٹھے رات کے گزرنے کا انتظار کرنے لگا۔

صبح جب وہ پولیس سٹیشن پہنچا تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ وہ آدمی جسے ثاقب کل لایا تھا آج وہاں موجود نہیں ہے۔

''ثاقب، وہ آدمی کہاں گیا؟'' لاکر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے استفسار کیا گیا تھا۔

''ضمانت ہوگئی اس کی۔''

''ضمانت؟ وہ بھی اتنی صبح؟'' وہ بڑبڑایا تو ثاقب کی گھورتی نگاہوں نے اسے خاموش کروا دیا۔

وہ اپنے کیبن میں آموجود ہوا مگر اس کے ذہن میں ابھی تک اس آدمی کا خیال گھوم رہا تھا۔ وہ اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس کا ڈرا ہوا چہرہ، اس کی بے تکی سی باتیں، وہ نہ چاہتے ہوئے بھی انہی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

''یہ کیا اول فول سوچ رہا ہوں میں؟'' اس نے اپنے خیالات کو بری طرح جھٹکا اور کام پر دھیان دیا۔ دن کے وسط میں اسے کسی کام سے گاؤں کے دوسرے حصے کی طرف جانا پڑا۔ ثاقب کو پولیس اسٹیشن پر ہی کام تھا۔ اس لئے وہ یہیں تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے جو منظر دیکھا، وہ دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہوگئے۔ وہی آدمی جو کل لاکر میں بند تھا۔ آج خون میں لت پت ویرانے میں کسی مرے ہوئے جانور کی طرح پڑا ہوا ہے۔ اس کو اگلا سانس لینا بھی دشوار ہو چکا تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو صاحب؟ عنقریب تمہارا بھی یہی حال ہونے والا ہے۔'' ایک آواز عقب سے سنائی دی۔ وہ ڈرتے ڈرتے پلٹا تو خوف کے مارے پیچھے کی جانب اچھل پڑا۔ آنکھیں یقین کرنے سے قاصر تھیں۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی سامنے کھڑے شخص کی طرف دیکھتا تو کبھی خون میں لت پت لاش کو۔ دونوں ایک ہی صورت کے مالک تھے۔

''تت تم...... تت تو یہ؟'' وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔

''اسی لئے تمہارے سامنے منت سماجت کر رہا تھا صاحب کہ مجھے وہاں سے نکال دو۔ مجھے جانے دو مگر تم نے میری ایک نہیں سنی اور مجھے ان درندوں کے رحم و کرم چھوڑ دیا۔'' اس بار اس کی آواز میں لرزش نہیں تھی۔ وہ ابھی تک ہونقوں دیکھتا جا رہا تھا۔

''کک کیا مطلب؟''

''ابھی تک مطلب نہیں سمجھے تم؟'' استہزائیہ انداز میں گردن جھٹکی گئی۔

''یہ گاؤں انسانوں کے رہنے کے لئے نہیں بنا

صاحب! آج سے کئی سال پہلے یہاں بھی لوگ رہتے تھے اور جہاں تم کام کرتے ہو وہاں گناہگاروں کو سزا دی جاتی تھی۔ ایک بار اس گاؤں میں کئی ڈاکو آئے اور لوگوں کو لوٹنا شروع کردیا۔ رات ہوتے ہی اپنی وحشت کی دکان چمکاتے۔ تمام گاؤں والوں نے مل کر ان کا مقابلہ کرنا چاہا اور تھانے جاکر رپورٹ درج کروائی۔ وہاں کا ایس ایچ او تمہاری طرح نیا آدمی تھا۔ اس نے فوراً کارروائی کی اور رات سے پہلے پہلے تمام ڈاکوؤں کو تھانے میں بند کردیا۔ وہ جیسے ہی تھانے سے باہر نکلا تو ناگہانی طور پر تھانے میں آگ لگ گئی اور تمام ڈاکو مارے گئے۔ بس تبھی سے ان ڈاکوؤں کی روحیں اس گاؤں میں بھٹک رہی ہیں اور ہر رات کسی نہ کسی انسان کو اپنے ظلم کا نشانہ بناتی ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہوا تو شفاقت کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ اس کہانی کو حقیقت سمجھے یا افسانہ؟ کوئی بھی نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا تھا۔

''اس گاؤں میں بسنے والا میں آخری آدمی تھا۔ اب تمہاری باری ہے۔'' اس بار وہ عجب انداز میں پلٹا تھا۔ آنکھوں میں خون کی دھاڑیں اور لباس بھی خون میں لت پت تھا۔ اس نے اردگرد دیکھا تو اس جیسی کئی زندہ لاشیں بھی اس جانب بڑھ رہی تھیں۔

''ہم سب بے قصور تھے مگر مارے گئے۔ اب تم بھی مارے جاؤ گے۔ آج رات تمہاری باری ہے۔'' سب یک زبان ہوکر بولے تھے۔ اس کی سماعت کے پردے پھٹنے لگے۔

''نہیں...... نہیں۔'' اس نے بھاگنا چاہا مگر بھاگا نہ گیا۔ ایسا لگا جیسے قدم زمین میں دھنس چکے ہوں۔

''بھاگنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اس گاؤں کی سرحدیں پار کرنا آسان نہیں ہے۔ یہاں آتا تو ہر کوئی اپنی مرضی سے مگر جاتا اپنی مرضی سے نہیں ہے۔ اب تم جب تک اس کا شکار نہیں بن جاؤ گے۔ نہیں جاسکتے۔'' یہ سن کر اس سے اپنا تھوک بھی نگلا نہ گیا۔

''نن نن نہیں۔۔۔ میں مرنا نہیں چاہتا۔۔۔''

اس نے بمشکل کہا تھا۔

''مرنا تو میں بھی نہیں چاہتا تھا بلکہ ہم میں سے کوئی بھی نہیں چاہتا تھا لیکن مارے گئے۔ اسی طرح تم بھی مارے جاؤ گے۔ بے موت مارے جاؤ گے۔''

''لیکن ان سب کو روکنے کا کوئی تو حل ہوگا؟ کیسے خون کے اس کھیل کو ختم کی جاسکتا ہے؟'' اس نے بالآخر پوچھا تھا۔

''کوئی حل نہیں۔ موت ہی اس کھیل کا آخری حل ہے۔'' ایک آواز گونجی۔ وہ مورت بن کر رہ گیا۔

''ایک حل ہے۔'' آواز عین پیچھے سے آئی تھی۔ سب پلٹے۔ وہاں ثاقب تھا۔ شفاقت نے اسے وہاں دیکھا تو اس کی ہمت بندھی اور دوڑتا ہوا آگے بڑھا۔

''ثاقب...... اچھا ہوا تم یہاں آگئے۔ یہ سب دیکھو کیسی باتیں کررہے ہیں؟'' وہ ہکلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ٹھیک کہہ رہیں سب۔ ہم سب مرے ہوئے ہیں۔'' لفظ ہم سن کر وہ حیران رہ گیا اور پچھلی جانب اچھل پڑا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ جس کے ساتھ وہ کل سے موجود تھا وہ ایک مرا ہوا شخص تھا۔

''تم مرچکے ہو؟'' اس نے ہکلاتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ہاں...... اور جو تمہارے ساتھ ہے وہ انہی ڈاکوؤں میں سے ایک کی روح ہے جس نے میری شکل کا لبادہ اوڑھا ہوا ہے۔'' اس نے غلط فہمی دور کی تھی۔ شفاقت کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا مگر اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ وہ روحوں کے عین بیچ کھڑا سب کو ہونقوں کی طرح دیکھتا جارہا تھا۔

''نکلنے کا راستہ؟'' وہ بمشکل بول پایا تھا۔

''بالکل...... اگر تمہیں زندہ رہنا ہے اور موت کے اس کھیل کو روکنا ہے تو رات سے پہلے اس گاؤں کی سرحد سے نکلنا ہوگا کیونکہ اگر کوئی انسان ان کے شکنجے سے زندہ نکل جائے تو موت کا یہ کھیل روکا جاسکتا ہے۔''

ثاقب نے راستہ بتایا تھا۔
''مگر کیسے؟''
''وہ سامنے بیری کے درخت دیکھ رہے ہو۔ تمہیں وہاں پہنچ کر اس کی لکڑی کو جلا کر روشنی حاصل کرنا ہوگی۔ اس روشنی میں ہی تمہیں باہر جانے کا راستہ دیکھائی دے گا مگر یاد رہے اس درخت تک تمہیں رات سے پہلے پہنچنا ہوگا اور رات سے پہلے ہی اس گاؤں سے نکلنا ہوگا تبھی تم کامیاب ہوسکو گے۔'' یہ کہتے ہی سب غائب ہوگئے اور وہ اکیلا اس خون میں لت پت لاش کے سامنے کھڑا تھا۔

''مجھے دیر نہیں کرنی چاہیے۔'' یہ کہتے ہی وہ اس بیری کے درخت کی جانب بڑھا۔ تیز قدموں کے ساتھ وہ آگے بڑھتا ہی جارہا تھا مگر فاصلہ تھا کہ کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ سورج بھی دھیرے دھیرے اپنے آشیانے کی طرف جارہا تھا۔ سائے بھی لمبے ہوتے جا رہے تھے مگر منزل تھی کہ ابھی تک کوسوں دور تھی۔

''اے خدا میری مدد کر!'' اس دعا کی اور پوری طاقت سے اس جانب بڑھا۔ ایک زوروں کی آندھی آئی اور اس کو اچک لے جانا چاہا مگر وہ اس آندھی کو دغا دے گیا اور قلابازی کھاتے ہوئے درخت کے پاس پہنچا۔ ایک کِک لگا کر ٹہنی توڑی اور بس آگ لگانا باقی تھا۔ اس نے جیسے ہی پلٹنا چاہا تو وہاں کئی سیاہ لباس پہنے شخص کھڑے تھے۔

''رات سے پہلے کوئی نہیں جاسکتا یہاں سے۔'' سب یک زباں کہہ رہے تھے۔ آنکھیں شعلہ جنوں تھی مگر وہ وقت ضائع کرنے کے حق میں نہ تھا۔ سورج عین کنارے پر تھا۔ رات پر پھیلائے بس آئے ہی جاتی تھی۔ اس نے آگ کو ڈھونڈنا چاہا مگر وہ نہ ملی تب اس نے دو پتھروں کو سامنے پڑا پایا۔ آج تک بس پڑھا تھا کہ آگ پتھروں سے پیدا کی جاسکتی ہے۔ آج اس تھیوری کو سچ ثابت کرنے کا وقت آن پہنچا تھا۔ اس نے اپنی بپھری سانسوں کو ساکت کیا اور پتھروں کو رگڑتے ہوئے آگ جلانا چاہی۔ وقت ریت کی مانند پھسل رہا تھا۔ دور سے گھوڑوں کے دوڑنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوگئیں۔ وہ عجلت سے پتھروں کو رگڑ رہا تھا۔ تب امید کی کرن نے جنم لیا۔ کئی چنگاریاں پیدا ہوئیں اور اس نے ٹہنی کو آگ لگائی۔ دھوئیں نے فضا کو اپنی آغوش میں لیا تو اسے اپنے عقب میں ایک کچا راستہ دیکھائی دیا اور دور لوگوں کی آوازیں بھی۔ مسکراہٹ نے لبوں پر جنم لیا تو پیچھے سے گھوڑوں کی آوازوں نے زور پکڑا۔ ہاتھ سے ٹہنی نیچے جا گری اور راستہ معدوم ہوگیا۔

''کہا تھا ناں؟ رات سے پہلے کوئی نہیں جاسکتا یہاں سے؟'' آوازیں بلند ہورہی تھیں۔ سورج کی بس آخری ٹکیا دیکھائی دے رہی تھی۔ جو چند لمحوں کی مہمان تھی۔ شفاقت نے بس اسی راستے کی طرف جو اسے چند لمحوں کے لئے دیکھائی دیا تھا دوڑ لگادی۔ وہ بھاگتا رہا، اندھا دھن بھاگتا رہا۔ نہ پیچھے دیکھا اور نہ ہی دائیں بائیں۔ کئی آوازیں اسے اپنی طرف بلا رہی تھیں۔ لوگوں کی آہیں اسے پیچھے پلٹ کر دیکھنے کے لئے مجبور کر رہی تھیں مگر وہ ہیجانی کیفیت میں اپنی زندگی کی بقا کے لئے بھاگ رہا تھا۔ تبھی اسے ایک زرہ کی آواز آئی۔ اسے ایسا لگا جیسے کسی نے اس کی پشت پر زبردست ضرب لگائی ہو۔ وہ درد سے کراہ اٹھا تھا۔ مگر رکنے کا وقت نہیں تھا۔ سورج اب رخصت ہوچکا تھا اور اسنے آخری چھلانگ لگائی اس آس پر کہ شاید وہ سرحد پار کر چکا ہو۔ وہ ایک پتھر کے اوپر جاگرا۔ خون کی ایک لکیر پیشانی سے نکلی۔ اس کا لباس مٹی میں بری طرح اٹ چکا تھا۔

''کیا ہوا بیٹا؟ تم ایسے کیوں بھاگ رہے تھے؟'' ایک آواز گونجی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو اپنے آپ کو ایک چوراہے پر پایا۔ جہاں بے شمار آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔ اس کے لبوں پر درد کی بجائے مسکراہٹ نے جنم لیا۔ آخر وہ جیت چکا تھا۔ رات سے پہلے اس گاؤں کی سرحد پار کر چکا تھا۔

☠

محبوب حویلی

عمران قریشی-کوئٹہ

ایک روح کی ناقابل یقین چاہت و خلوص اور دیدہ دلیری کہ اس نے چاہت کا ڈھونگ رچا کر لوگوں کو حیران کردیا اور پھر جب اس کی حقیقت سامنے آئی تو لوگ انگشت بدنداں رہ گئے کیونکہ......

ایک روح کی لرزہ خیز داستان حیرت جوکہ پڑھنے والوں کولرزہ براندام کردے گی

ریل گاڑی سرسبز پہاڑی کے درمیان بل کھاتی ہوئی دیال پورہل اسٹیشن میں داخل ہوگئی۔ یہ وسیم احمد کا آبائی قصبہ تھا۔ بچپن کی بہت سی یادیں اس سے وابستہ تھیں جنہیں یاد کرکے تلخ لمحات خوشگوار ہوجاتے تھے۔ انہیں یاد تھا کہ وہ اپنے دوستوں کی معیت میں پہاڑوں کے درمیان بل کھاتی ہوئی ریل کی پٹریوں پر شہد کی مکھیاں پکڑا کرتے تھے۔ یہ مکھیاں بجن سنگھ کے وسیع وعریض باغ میں باکثرت پائی جاتی تھیں باغ میں داخلہ ممنوع تھا۔ لیکن پٹریوں سے باآسانی پکڑی جاتی تھیں وہ اوران کے دوست مکھیوں کو پکڑنے کے بعدان کا ڈنک باہرنکال کر پاؤں میں دھاگہ باندھ دیا کرتے تھے۔ پھروہ مکھیاں کسی پتنگ کی طرح ریل کی پٹریوں پر پرواز کرتی تھیں اکثر ایسا ہوتا تھا کہ پٹریوں سے انہیں مکھیاں دستیاب نہیں ہوتی تھیں۔ تب و پہاڑیوں کے

دوسری طرف گجن سنگھ کے باغ میں چوری چھپے گھس جاتے تھے۔اس کے باغ میں سورج مکھی کی کیاریوں کی بہتات تھی۔انہیں حیرت محسوس ہوتی تھی۔

سورج مکھی کا پھول سورج کے ساتھ رخ تبدیل کرتا تھا۔متعدد بار وہ پھولوں کو توڑ کر گھر لے آتے۔لیکن گھر لانے کے بعد یہ پھول حرکت کرنا بند کردیتے تھے۔ ان کی زندگی زمین کے ساتھ منسلک تھی۔

پھول توڑنے پر انہیں اپنے بڑے بھائی بشیر احمد سے ڈانٹ سننا پڑی تھی دراصل شبیر احمد ان سے کم و بیش دس سال بڑے تھے۔ان کے باپ نے دو شادیاں کیں تھیں شبیر احمد پہلی بیوی سے اور وسیم احمد دوسری سے تھے۔ وسیم احمد کی والدہ ان کی پیدائش کے چند عرصے کے بعد وفات پاگئی تھیں۔سوتیلی ماں کا سلوک ان کے ساتھ برا نہیں تھا۔لیکن بشیر احمد عمر میں بڑے ہونے کی وجہ سے ان پر ناجائز رعب جھاڑتے تھے۔ وسیم احمد کو اپنے والد کے نام سے منسوب حویلی بہت پسند تھی۔

ماں باپ کی وفات کے بعد حویلی بشیر احمد کے نام منتقل کردی گئی اور وسیم احمد حسرت و یاس کی تصویر بنے اپنی باری کا انتظار کرنے لگے۔اصولاً بشیر احمد کی وفات کے بعد حویلی کو ان کے نام منتقل ہوجانا چاہئے تھا۔ کیونکہ بشیر احمد کی لڑکی ان دنوں صرف بارہ سال کی تھی۔ لیکن انہوں نے اپنی زندگی میں حویلی سہانا کے نام منتقل کردی۔اور وسیم احمد پیچ و تاب کھا کر رہ گئے۔

ریل گاڑی کی تیز وسل نے انہیں حقیقت کی دنیا میں آنے پر مجبور کیا۔ ان کی بیوی طاہرہ اور لڑکی عینی ریل گاڑی سے نیچے اترنے کے لئے منتظر بیٹھی تھیں گاڑی اسٹیشن میں داخل ہوکر رک گئی۔ڈبے سے باہر بادوباراں کا طوفان اسٹیشن کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔وہ چھتری سنبھال کر ڈبے سے باہر نکل آئے۔ دیال پور اسٹیشن چھوٹی سی خوب صورت عمارت اور دو عدد بنچوں پر مشتمل تھا۔ اترنے والے چند مسافروں کا تعلق قریبی قصبوں سے تھا۔ دیال پور کی طرف جانے والوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ وہ عمارت سے باہر نکل آئے۔

تانگہ اسٹینڈ کے پاس بھگوان سنگھ ان کا منتظر تھا۔ادھیڑ عمر کا مالک بھگوان سنگھ محبوب حویلی کا مستقل کوچوان تھا۔لیکن حالات کی گردش کی وجہ سے آج دیال پور اسٹیشن اور اردگرد کے گاؤں کے درمیان تانگہ چلا کر روزی کمانے کے لئے مجبور تھا۔

چند دن قبل وسیم احمد حویلی کی صفائی اور مرمت کی نیت سے دیال پور آئے تھے۔تب بھگوان سنگھ کو انہوں نے اپنی مستقل آمد سے مطلع کردیا تھا۔وسیم احمد کو اسٹیشن سے باہر نکلتے دیکھ کر بھگوان سنگھ نے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔اور پھر وسیم احمد کے ہمراہ ریل گاڑی کی طرف چلا آیا ان دونوں نے مل کر سامان کو تانگے میں منتقل کیا اور دیال پور کی طرف روانہ ہوگئے۔

شادی کے بعد طاہرہ کا پہلا اتفاق تھا کہ وہ کسی ہل اسٹیشن کو دیکھ رہی تھی۔اس لئے بہت خوش اور مطمئن تھی۔ بارہ سالہ عینی کو تو یہ سب خواب محسوس ہورہا تھا۔ اسٹیشن سے ہٹ کر تانگے نے پکی سڑک کا رخ کیا۔اور پہاڑوں کے مخالف طرف سفر کا آغاز کیا ٹانگے کی چھت پر پانی پھوار کی صورت میں گررہا تھا۔لیکن وہ پانی کی تخریب کاریوں سے محفوظ تھے۔اس لئے پرسکون بیٹھے قدرت کے دلفریب نظاروں سے لطف اندوز ہورہے تھے۔دیال پور سے کچھ پہلے چند دیواروں پر مشتمل کھنڈرات کی مختصر نشانیاں دکھائی دیں۔طاہرہ خوف زدہ لہجے میں بولی۔

''بہت خوف ناک کھنڈر ہیں ان کا تعلق ضرور تاریخ سے ہوگا۔'' وسیم احمد نے انکار میں سرہلایا۔

''نہیں...... کسی سرپھرے نے لوگوں کے بہکاوے میں آکر عمارت بنادی۔لیکن ضروریات زندگی کی سہولیات میسر نہ ہونے کی وجہ سے اسے رہائش کو ترک کرنا پڑا۔اس کے بعد وہ ملک کو چھوڑ کر باہر منتقل ہوگیا۔ اس کے جانے کے بعد مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے عمارت کھنڈرات میں تبدیل ہوگئی۔''

عینی ہراساں لہجے میں بولی۔

''بابا کھنڈرات میں بھوت پریت ہوتے ہیں۔

جو بھٹکے ہوئے مسافروں کو مار کر ان کا خون پی جاتے ہیں۔'' وسیم احمد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''یہ سب تو ہم پرستانہ باتیں ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے بچپن میں چند دوستوں کے ساتھ شرط لگی کہ ان کھنڈرات میں جو رات گزارے گا اسے طوطا رام کے باغوں کی دس خوبانیاں انعام میں دی جائیں گی۔ میرے والد محترم اور تمہارے مرحوم دادا محبوب احمد نے مجھے اکسایا کہ میں کھنڈرات میں رات ضرور بسر کروں۔ ان دنوں کھنڈرات کی عمارت اتنی زیادہ منہدم نہیں تھی۔ کافی حد تک کمرے اچھی حالت میں تھے۔ ہم نے ایک کمرے کو صاف کر کے خشک لکڑیوں سے بھر دیا۔ تمام رات آگ جلتی رہی اور ہم چائے بنا کر پیتے رہے صبح کے قریب ہمارے دوست کھنڈرات میں آ گئے انہوں نے ہمیں نا صرف طوطا رام کے باغوں کی خوبانیاں دیں بلکہ ناشتہ بھی کروایا۔'' طاہرہ نے پوچھا۔

''صرف چند خوبانیوں کی خاطر آپ نے کھنڈرات میں رات گزارنے کے لئے حامی بھر لی۔ کیا وہ خوبانیاں اس قابل تھیں کہ ان کو پانے کے لئے گھر سے باہر رات گزارنے کے لئے آمادہ ہوا جا سکے۔''

وسیم احمد نے بدستور مسکراتے ہوئے بتایا۔

''طوطا رام کے باغ کی خوبانیوں کا ان دنوں بہت چرچا تھا۔ سیب کی جسامت رکھنے والی خوبانیاں شہد سے بھی زیادہ میٹھی اور اسفنج کی طرح نرم تھیں۔ انہیں پانے کے لئے لوگ کنویں میں چھلانگ لگانے کے لئے بھی تیار ہو جاتے تھے۔ کھنڈرات میں رات گزارنا تو معمولی بات تھی۔''

طاہرہ کاندھے اچکاتے ہوئے بولی۔

''کمال ہے۔''

تانگہ دیال پور ہل اسٹیشن میں داخل ہو گیا۔ چاروں طرف اندھیرے کی دبیز چادر تن چکی تھی۔ لیکن بارش کی شدت میں کمی واقع نہیں ہونے پائی تھی۔ محبوب حویلی دیال پور کے آخری سرے پر الگ تھلگ مقام پر واقع تھی۔ تانگہ وسیع و عریض حویلی میں داخل ہو گیا اسے مزید تین منٹ حویلی کی سڑک پر سفر کرنا پڑا۔ سڑک کے دونوں طرف سیب اور آلوچے کے درخت لگے ہوئے تھے۔ جو مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے خشک ہونے لگے تھے۔ سڑک کو عبور کرنے کے بعد تانگہ حویلی کے احاطے میں داخل ہو کر رک گیا۔ احاطے کے ساتھ بنے ہوئے سرسبز لان کے درمیان سوئمنگ پول بنا ہوا تھا۔ جس کے گرد رنگ برنگی چھتریاں اور کرسیاں نصب تھیں سوئمنگ پول کو دیکھ کر عینی چلا اٹھی۔

''مجھے سوئمنگ پول پسند ہے۔ میں پہلے تیراکی کروں گی اس کے بعد حویلی دیکھوں گی۔''

طاہرہ سحر زدہ نگاہوں سے حویلی کے خوب صورت در و دیوار کو دیکھنے میں مگن تھی۔ خوشی بھرے لہجے میں وسیم احمد سے مخاطب ہو کر بولی۔

''آپ نے اتنے عرصے ہمیں اس شاندار حویلی سے دور کیوں رکھا۔ یہ کسی عالی شان محل سے کم نہیں ہے۔''

وسیم احمد نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔

''اکثر خوب صورت چیزوں کے پیچھے ماضی تلخ ہوتا ہے۔ والدین اور بڑے بھائی کی وفات کے بعد میں نے ان کی یادوں سے چھٹکارا پانے کے لئے کتنا عرصہ حویلی کا رخ نہیں کیا۔ لیکن آخر کار یہاں آنا ہی پڑا۔''

بھگوان سنگھ نے سامان حویلی میں منتقل کر دیا اور حویلی سے باہر چلا گیا۔ حویلی اندر سے نہایت کشادہ اور خوب صورت تھی۔ وسیع و عریض دلان۔ آرام دہ خواب گاہ اور ان سب کے علاوہ دوسری منزل پر بچوں کے کھلونوں سے مزین کمرہ تھا۔ جسے دیکھ کر عینی مچل اٹھی۔

''بابا میں اس کمرے میں رہوں گی۔ لیکن یہاں بیڈ نہیں ہے۔ مجھے وہ چاہئے۔''

وسیم احمد پریشان لہجے میں بولے۔

''نہیں تم دوسرا کمرہ استعمال کرو گی۔ یہ رہائشی کمرہ نہیں ہے۔''

طاہرہ نے حیرت بھری نگاہوں سے اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔ اور بولی۔

''لیکن یہ کمرہ ہے تو بچوں کے لئے ......

پھر آپ عینی کو کیوں روک رہے ہیں۔"
وسیم احمد بولے۔" اس میں کوئی قباحت نہیں ،لیکن گزرا ہوا ماضی اور تلخ یادیں دل میں خوف پیدا کردیتی ہیں۔ کہیں وقت اپنے آپ کو دوہرانہ دے۔ تمہیں معلوم نہیں کہ یہ کمرہ سہانا کا تھا۔ اور اس کی موت یہاں واقع ہوئی تھی۔ میں ان یادوں کو کریدنا نہیں چاہتا۔ عینی کو ساتھ والا کمرہ رہائش کے لئے تیار کردو۔"
طاہرہ نے تجسس بھرے لہجے میں پوچھا۔
"آپ نے آج تک ان تلخ یادوں کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ یقیناً کوئی حادثہ ہوا تھا۔ جس میں آپ کے خاندان والوں کی موت واقع ہوئی ہوگی۔"
وسیم احمد نے جواب دیا۔
"ہاں...... حویلی میں آگ لگ گئی تھی۔ سب کچھ جل کر خاک ہوگیا تھا۔ مجھے نئے سرے سے حویلی کو تیار کرنا پڑا۔ تم دونوں سامان کمروں میں منتقل کرو۔ میں قصبے والوں سے حال احوال کرآؤں۔"
وہ کمرے سے باہر نکل گئے۔ طاہرہ اور عینی نے سامان خواب گاہ میں منتقل کرنا شروع کردیا اسے وسیم احمد کے ریوے پر حیرت محسوس ہورہی تھی۔ وہ حویلی سے خوف زدہ تھے۔ ان کے رویئے میں بے چینی کی کیفیت دکھائی دیتی تھی۔ ابھی وہ دونوں سامان کو کمروں میں منتقل نہیں کرپائے تھیں کہ دروازے کی بیل بج اٹھی۔ طاہرہ نے عینی کو سامان مختلف جگہوں پر رکھنے کی ہدایت کی اور نچلی منزل کی طرف چل دی۔ دروازہ کھولنے پر اس نے قصبے کے مولوی صاحب کو سامنے کھڑے ہوئے پایا۔ وہ اکثر شہر میں ان سے ملاقات کے لئے آتے رہتے تھے۔ طاہرہ نے سلام کرنے کے بعد انہیں بیٹھنے والے کمرے میں بیٹھایا۔"
کرسی پر بیٹھنے کے بعد مولوی صاحب مشفقانہ لہجے میں بولے۔
"اس حویلی کو دوبارہ آباد ہوتے ہوئے دیکھ کر مجھے بے حد خوشی محسوس ہورہی ہے۔ سولہ سال تک حویلی اداسیوں اور ویرانیوں کا مقبرہ بنی رہی۔ میں محبوب حویلی کی مسجد کا مولوی تھا۔ حویلی تباہ ہونے کے بعد مجھے قصبے کی مسجد میں منتقل ہونا پڑا۔"
طاہرہ بولی۔" میں اندازہ لگاسکتی ہوں حادثہ کتنا خوف ناک ہوگا اور میرے شوہر کو اپنے بڑے بھائی اور اس کی اکلوتی لڑکی کی موت سے کتنا گہرا صدمہ پہنچا ہوگا۔ یہ دکھ زندگی کے آخری لمحات تک ان سے لپٹا رہے گا۔"
مولوی صاحب بولے۔" زندہ درگور ہونا جیسی اصطلاحیں ہم اکثر بولتے اور سنتے رہتے ہیں۔ مگر میں نے اپنی زندگی میں ایک ہی شخص ایسا دیکھا ہے جس کا کرب بیان کرنے کے لئے اس قسم کی اصطلاحیں بھی ناکافی ہوجاتی ہیں۔ بڑے بھائی اور اس کی لڑکی کی حادثاتی موت کے بعد مجھے اس کی حالت دیکھ کر رونا آتا تھا۔ تب میں نے ہی اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ حویلی چھوڑ کر شہر منتقل ہوجائے۔ اور زخم مندمل ہونے کے بعد دیال پور کا رخ کرے۔ لیکن وہ شہر ایسا گیا کہ واپس آنے میں سولہ سال کا عرصہ بیت گیا۔
طاہرہ بولی۔" بات کچھ ایسی ہی ہے۔ کاروباری مصروفیات اپنی جگہ درست ہیں، کم ازکم چھٹیوں میں آنے کا وقت نکال سکتے تھے۔ میں نے جب بھی اصرار کیا انہوں نے بات کو ہمیشہ ٹال دیا۔"
عینی دوسری منزل سے اتر کر ان کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ مولوی صاحب نے دست شفقت سر پر پھیرتے ہوئے دعا دی اور بولے۔
"وسیم احمد کی لڑکی بہت خوب صورت اور ذہین دکھائی دیتی ہے شہر میں اس سے ملاقات نہ ہوسکی۔ لیکن حویلی میں ہوگئی۔ اللہ عمر دراز کرے یہ ہو بہو اس سے ملتی ہے۔"
طاہرہ بولی۔" میرے رشتہ داروں کا بھی یہی خیال ہے لیکن یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ اولاد کی شکل وصورت ماں باپ سے ملتی ہی ہے۔"
مولوی صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔" میرا اشارہ مختلف ہے۔ وسیم احمد کے بڑے بھائی بشیر احمد کی اکلوتی لڑکی سہانا اور عینی میں حیرت انگیز مشابہت پائی جاتی ہے۔ میرے خیال میں آپ نے سہانا کی تصویر نہیں

دیکھی کھلونوں والے کمرے میں الماری کے اندر رکھی ہوئی ہے آپ اسے دیکھ کر میرے خیال کی حمایت کریں گیں۔ میں اب چلتا ہوں وسیم احمد کو میری طرف سے سلام دیجیے گا۔ جلد ان سے تفصیلی ملاقات ہوگی۔"

طاہرہ نے انہیں چائے کے لئے روکنے کی کوشش کی لیکن مولوی صاحب انکار کر کے حویلی سے باہر نکل گئے۔

وسیم احمد رات کو دیر سے حویلی آئے ان کا موڈ اچھا نہیں تھا۔ شاید دیال پور والوں کے گلے شکوے اور اتنا عرصہ حویلی کی خبر نہ لینے کی بات چیت نے انہیں بھڑکا دیا تھا۔ وہ بات بات پر لڑنے مرنے کو تیار دکھائی دیتے تھے۔ کھانے کی میز پر خاموشی طاری رہی۔ صرف عینی بولتی رہی۔

"مجھے حویلی بہت اچھی لگی ہے۔ میں یہاں خوش ہوں۔ سوئمنگ پول میں نہانا میرا خواب تھا۔ مجھے یقین ہے حویلی اس خواب کو پورا کرے گی۔"

طاہرہ نے محبت پاش نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تمہیں حویلی کے تنہا ماحول میں کوئی پریشانی تو محسوس نہیں ہوئی۔"

اس نے پرجوش لہجے میں جواب دیا۔" تنہائی......کیسی تنہائی...... میں یہاں اکیلی نہیں ہوں...... وہ میرے ساتھ ہے مجھے تنہا نہیں رہنے دیتی۔"

طاہرہ نے حیرانگی کے عالم میں پوچھا۔" کون تمہارے ساتھ ہے؟ یہاں تو میرے اور تمہارے بابا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔"

عینی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔" معاف کیجیے گا۔ بے ساختگی کے عالم میں غلط کہہ گئی۔ درحقیقت میں کہنا چاہتی تھی کہ آپ دونوں جو میرے ساتھ ہیں۔"

وسیم احمد نے جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔" تم بہت زیادہ باتیں کرنے لگی ہو۔ چلو اٹھو اور اپنے کمرے جاؤ۔ اور سونے کی تیاری کرو۔"

عینی افسردہ قدموں کے ساتھ کرسی سے اٹھ کر کمرے کی طرف چلی گئی۔ طاہرہ تاسف بھرے لہجے میں بولی۔

"آپ کو اس سے یوں ہمکلام نہیں ہونا چاہئے تھا۔ اس کے ذہن پر برا اثر پڑ سکتا ہے۔"

وسیم احمد تلخ لہجے میں بولے۔" اگر خاموش رہو تو تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔ برتن سمیٹنے کے بعد آرام گاہ میں چلی جاؤ۔" وہ اٹھ کر کمرے کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے بے دلی کے ساتھ کپڑے تبدیل کئے اور سونے کی نیت سے لیٹ گئے۔

طاہرہ نے جب برتن سمیٹنے کے بعد خواب گاہ کا رخ کیا تب اسے بچوں کے قہقہوں کی آوازیں سنائی دیں اس نے چونک کر آواز کی سمت کا تعین کیا آوازیں کھلونوں والے کمرے سے آ رہی تھیں۔ وہ کمرے کی طرف قدم بڑھانے لگی کمرے کی بتی جل رہی تھی اور اندر اودھم مچا ہوا تھا۔

یہ وہی کمرہ تھا جہاں وسیم احمد نے عینی کو رہنے سے منع کیا تھا ان کے جانے کے بعد عینی بضد رہی تھی کہ وہ اسی کمرے میں سوئے گی مجبوراً طاہرہ نے اسے اجازت دے دی تھی۔ لیکن اب کمرے میں سے عینی کے علاوہ کسی اور بچے کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی طاہرہ نے جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول دیا اور کمرے میں نگاہ دوڑائی عینی بستر پر اچھل کود کر رہی تھی کمرے میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا لیکن لکڑی سے بنا ہوا گھوڑا زور زور سے ہل رہا تھا۔ جیسے اس پر کوئی بیٹھا جھولا جھول رہا ہو۔ گھوڑے کی رکابیں کھینچی ہوئیں تھیں۔ اور ایسے زاویئے پر تھیں۔ جیسے کسی نے ان میں پاؤں پھنسائے ہوئے ہوں۔

طاہرہ نے غصیلے لہجے میں عینی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" گھوڑے نے ہلنا بند کر دیا۔ عینی نے ہڑبڑا کر اپنی ماں کی طرف دیکھا اور گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں کھیل رہی ہوں اگر آپ کو اعتراض ہے تو اب ایسا نہیں کروں گی۔"

طاہرہ نے پوچھا۔ ''گھوڑے پر کون بیٹھا تھا؟''
''کوئی نہیں۔ آپ دیکھ سکتی ہیں کمرے میں میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔''
طاہرہ نے آگے بڑھ کر گھوڑے کو چیک کیا وہ اب ساکت تھا۔ تب اچانک اس کی نگاہ کھلونوں والی الماری پر پڑی۔ اور اسے مولوی صاحب کے الفاظ یاد آئے کھلونوں والی الماری کے اندر اس کی تصویر رکھی ہے آپ اس کو دیکھ کے میرے خیال کی حمایت کریں گیں۔ اس نے الماری کے پٹ کھولے اندر استعمال شدہ کھلونے بے ترتیب پڑے تھے۔ ان کھلونوں کے نیچے فریم شدہ تصویر رکھی ہوئی تھی طاہرہ نے تصویر کو اٹھا کر دیکھا۔ وہ وسیم احمد کے بھائی بشیر احمد کی لڑکی سہانا کی تصویر تھی۔ عینی اور سہانا میں مشابہت حیرت انگیز تھی۔
طاہرہ نے تصویر واپس رکھ دی اور الماری کے پٹ بند کر کے عینی کا ہاتھ تھامے اپنی خواب گاہ میں چلی آئی۔ خواب گاہ کا ماحول وسیم احمد کے خراٹوں کی آواز سے گونج رہا تھا۔ طاہرہ نے عینی کو اپنے ساتھ بستر پر اٹھایا۔ اور سونے کی کوشش کرنے لگے نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔
محبوب حویلی کا ماحول پراسرار تھا۔ لیکن پراسراریت کے پیچھے کون سا اسرار پوشیدہ تھا۔ اسے جاننے میں دشواری پیش آرہی تھی۔ تمام رات بارش طوفانی انداز میں برستی رہی۔
صبح عام صبحوں کی نسبت یخ بستہ تھی۔ طاہرہ نے اٹھنے کے بعد ساتھ لیٹے ہوئے وسیم احمد پر نگاہ دوڑائی۔ وہ گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ لیکن عینی بستر پر نہیں تھی اس نے ہڑبڑا کر کمرے میں اسے تلاش کیا پھر باتھ روم کی طرف چلی آئی۔ وہ وہاں بھی نہیں تھی طاہرہ نے خواب گاہ کے دبیز پردوں کو ہٹا کر نیچے حویلی کے احاطے میں نگاہ دوڑائی۔ محبوب حویلی دبیز دھند کی لپیٹ میں تھی لان کا بیشتر حصہ دھند کی سفید چادر میں ملفوف تھا۔
تاہم سوئمنگ پول میں سے بچوں کے چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دے رہیں تھیں طاہرہ گھبراہٹ کے عالم میں خواب گاہ سے باہر نکل کر حویلی کے لان کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔ احاطے میں داخل ہوتے ہی سرد ہوا نے اس کے جسم کا محاصرہ کیا اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے لیکن اسے سردی کی پرواہ نہیں تھی وہ ننگے پاؤں لان کو عبور کر کے سوئمنگ پول کی طرف چلی آئی۔ دھند مختصر وقت کے لئے آنکھوں کے پردے سے آگے سے ہٹی۔ منظر کچھ واضح ہوا تو اسے اپنے ہاتھوں کے طوطے اڑتے ہوئے محسوس ہوئے عینی کسی جل پری کی طرح سرد پانی میں تیر رہی تھی۔
سوئمنگ پول کے درمیان میں سبز رنگ کی ٹیوب لاوارث کشتی کی طرح ڈولتی ہوئی عینی کے جسم کے گرد چکر لگا رہی تھی۔ اس کے اوپر ابھار کی بدولت ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس پر کوئی بیٹھا ہو سوئمنگ پول کا ماحول عینی کے علاوہ اس کی ہم عمر لڑکی کی آواز سے گونج رہا تھا۔
طاہرہ نے ہراساں لہجے میں چلاتے ہوئے عینی کو سوئمنگ پول سے باہر آنے کے لئے کہا۔ عینی نے ہڑبڑا کر ماں کی طرف دیکھا پھر اپنا رخ مور کر خاموشی کے ساتھ سوئمنگ پول کی سیڑھیاں چڑھ کر پانی سے باہر نکل آئی۔ سردی کی بدولت اس کا جسم نیلا ہو رہا تھا۔ ہونٹ ہولے ہولے کپکپا رہے تھے اور جسم میں وقفے وقفے سے جھری جھری کی کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔ طاہرہ نے اسے بازوؤں کے پاس سے تھاما اور کھینچتی ہوئی خواب گاہ میں لے آئی کمرے میں داخل ہونے کے بعد اس نے عجلت کے عالم میں آتش دان کو روشن کیا۔ اور عینی کے جسم کو تولیے سے خشک کرنے کے بعد اسے گرم کپڑے پہنا دیئے۔ پھر ترش لہجے میں اس سے مخاطب ہوتے ہوئے بولی۔
''تمہیں کس پاگل نے اتنی سردی میں نہانے کا مشورہ دیا تھا۔''
عینی نے بے ساختہ جواب دیا۔
''اس نے...... وہ بھی میرے ساتھ تھی۔''
اور طاہرہ کے ہاتھوں سے تولیہ گرتے گرتے رہ گیا۔ اس نے عینی کو کاندھے کے پاس سے تھامتے

ہوئے کہا۔

''یہاں آتش دان کے پاس بیٹھو۔ اور مجھے بتاؤ کہ وہ کون ہستی ہے۔ جو تمہیں الٹی سیدھی پٹی پڑھاتی ہے۔''

''کوئی نہیں ممی...... میرے منہ سے ایسے ہی نکل گیا تھا۔ پھر بابا اور آپ کے علاوہ یہاں اور کون ہوسکتا ہے۔''

طاہرہ غصیلے لہجے میں بولی۔ ''میں آج تمہارے باپ سے بات کروں گی میرے خیال میں یہ ہم دونوں کے حق میں بہتر ہوگا۔''

''نہیں ممی پلیز ایسا نہ کرنا آئندہ آپ جیسا کہیں گی میں ویسا ہی کروں گی۔''

بستر پر لیٹے ہوئے وسیم احمد نے کروٹ بدلی اور آنکھیں کھول دیں طاہرہ اٹھ کر ناشتہ بنانے کی نیت سے کچن کی طرف چل دی عینی اس کے ہمراہ تھی ناشتے کی میز پر سرد مہرانہ کیفیت طاری رہی طاہرہ کی دھمکی کے بعد عینی بھی خلاف معمول خاموش تھی لیکن وسیم احمد کا موڈ قدرے بہتر تھا۔ ناشتہ کرنے کے بعد انہوں نے اعلان کرنے والے انداز میں دونوں ماں بیٹی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہم چہل قدمی کے لئے قصبے کی طرف جانے والے ہیں آپ دونوں تیار ہوکر جوگر پہن لو۔ واک کے لئے بہترین ثابت ہوں گے۔''

وسیم احمد کا موڈ بحال دیکھ کر طاہرہ نے اس سے عینی کے متعلق بات چیت کرنے کا تہیہ کیا اور خواب گاہ کی طرف چلی آئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ تینوں گرم سوٹ اور جوگر پہنے حویلی سے باہر نکل آئے۔ دھند چھٹ چکی تھی اور چمکدار دھوپ ہل اسٹیشن کا محاصرہ کئے ہوئے تھی۔ ان کے سامنے سرسبز پہاڑ تھے۔ جن پر تناور درخت جھمکوں کی صورت میں لگے ہوئے تھے ان درختوں کے درمیان میں سے سفید پانیوں والی آبشار نیچے دیال پور کی طرف آتی تھی۔ نیلے آسمان کے نیچے سرخ ٹین کی چھتوں والے مکان نہایت دیدہ زیب اور دلفریب منظر پیش کررہے تھے۔ پندرہ منٹ کی ہلکی پھلکی چہل قدمی کے بعد وسیم احمد اور طاہرہ گھنے درختوں کے نیچے پڑے ہوئے پتھر پر بیٹھ گئے ان کے سامنے وسیع وعریض سرسبز چراہ گاہ تھی جس میں بھیڑ بکریاں کا ریوڑ گھاس چرتا پھر رہا تھا۔

عینی خوب صورت تتلی کی طرح ادھر ادھر بھاگ رہی تھی وہ بھاگتے ہوئے اپنے آپ سے بات چیت بھی کررہی تھی۔ تاہم بعض اوقات کسی سے مخاطب ہوتے ہوئے اسے سرزنش کرتی تھی۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد وسیم احمد ہمکلام ہوئے۔

''میں کل سے عینی کے برتاؤ میں غیر معمولی تبدیلی محسوس کررہا ہوں وہ خاموش طبع اور تنہائی پسند لڑکی تھی دیال پور آتے ہی اس کی فطرت میں یکسر تبدیلی آگئی ہے۔ دیکھو وہ کیا کررہی ہے میں نے کسی اکیلے بچے کو اتنی تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔''

طاہرہ نے عینی کی طرف دیکھا۔ وہ طوفانی رفتار میں دوڑتی ہوئی ان کی طرف آرہی تھی پھر انہیں توجہ دیئے بغیر قریب سے گزر کر آگے نکل گئی۔ اس کی تیز رفتاری حیرت انگیز تھی اور چہرے پر شدید قسم کا تناؤ تھا۔ وہ اس طرح دوڑے چلی جارہی تھی جیسے کسی مقابلے میں حصہ لے رہی ہو اور مدمقابل سے آگے نکل کر مقابلہ جیتنے کی خواہاں ہو۔ بالآخر چراگاہ کے آخر میں لگے ہوئے چند درختوں کے پاس پہنچ کر رک گئی۔ اور ایک کو چھوتے ہوئے فاتحانہ انداز میں چیختے ہوئے بولی۔

''میں جیت گئی۔'' دوسرے ہی لمحے وہ گھاس پر لوٹتے ہوئے قہقہے لگانے لگی۔

وسیم احمد اور طاہرہ اٹھ کر اس کے پاس چلے آئے وسیم احمد نے اس کے شانوں کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

''بھئی واہ تم نے تو کمال کردیا۔''

''شکریہ بابا۔''

عینی کی آنکھوں میں چمک لہرائی۔ ''میں مقابلہ جیت گئی ہوں۔''

طاہرہ بولی۔ ''یہ کیسا مقابلہ تھا ایک ٹانگ کا دوسری ٹانگ سے۔''

عینی کے چہرے کے تاثرات فوراً بدل گئے وہ

بدحواس سی ہوگئی۔ لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا اوراگلے متوقع سوال سے بچنے کے لئے اٹھ کر چراہ گاہ کی طرف بھاگ گئی۔

طاہرہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"یہ بہت شوخ ہوتی جارہی ہے۔ واقعی پہلے ایسی نہیں تھی اس کے لئے میرے محسوسات بھی کچھ عجیب سے ہیں لیکن کیا کروں یہ سب کچھ وقتی ہے۔"

"تم کیا کہنا چاہتی ہو کھل کر بات کرو؟" وہ آہستہ آہستہ چراہ گاہ میں چہل قدمی کرنے لگے۔ نرم اورخوشگوار دھوپ جسم کے لئے تسکین کا باعث ثابت ہورہی تھی۔

طاہرہ بولی۔ "میں جب سے حویلی آئی ہوں ایسا محسوس کررہی ہوں جیسے یہاں کچھ ہے اور جو کچھ بھی ہے اس کی توجہ کا مرکز عینی ہے۔ آپ یقین نہیں کریں گے آج صبح سویرے میں نے سخت سردی کے باوجود عینی کو سوئمنگ پول کے پانی میں نہاتے ہوئے دیکھا۔ میں حتمی طور پر کچھ کہہ نہیں سکتی لیکن اس کے ساتھ کوئی تھا۔ آواز کسی بچے کی لگتی تھی کل رات بھی کھلونوں والے کمرے سے قہقہے لگانے کی آواز پر جب میں نے دروازہ کھول کر دیکھا تو لکڑی کا گھوڑا ایسے ہل رہا تھا جیسے اس پر کوئی سواری کررہا ہو۔ رکابیں تنی ہوئی تھیں اورعینی بستر پر اچھل کود کررہی تھی۔"

چہل قدمی کرتے ہوئے وسیم احمد کے پاؤں جیسے زمین میں گڑ کر رہ گئے طاہرہ پریشان نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا ان کا چہرہ سفید تھا۔ ایک رنگ آرہا تھا اور ایک جارہا تھا پھر وہ غصیلے لہجے میں بولے۔

"میرے منع کرنے کے باوجود بھی تم نے اسے کھلونوں والے کمرے میں سونے کی اجازت کیوں دی۔"

طاہرہ گھبرا کر بولی۔ "میں نے اسے منع کیا تھا لیکن وہ بضد تھی کہ وہیں سوئے گی۔ مجبوراً میں نے اسے اجازت دے دی۔"

"یہ تم نے بہت غلط کیا۔ حویلی جانے کے فوراً بعد اس کا کمرہ تبدیل کردینا۔ کھلونوں والا کمرہ سہانا کا تھا۔ اور میں دوبارہ کوئی صدمہ برداشت نہیں کرنا چاہتا۔"

وسیم احمد غصیلے لہجے میں بولے اور جھنجلاتے ہوئے قدموں کے ساتھ حویلی کی طرف چل دیئے۔

☆......☆......☆

عینی نے کمرہ چھوڑنے پر بہت واویلا مچایا۔ لیکن ماں باپ کے فیصلے کے آگے اس کی ایک نہ چلی۔ اوراسے کمرہ تبدیل کرنا ہی پڑا۔ کمرے کی تبدیلی کے بعد حالات معمول پر آگئے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے وسیم احمد کو حویلی چھوڑنے کے لئے مجبورا کردیا۔

وہ شب برأت کی شام تھی وسیم احمد ایک دن قبل عینی کے لئے پٹاخے پھلجڑیاں اور رنگ چھوڑنے والے انار کے پیکٹ لے آئے تھے۔ چھت پر آتش بازی کا خصوصی انتظام کیا گیا تھا۔ دیواروں کے دو اطراف کرسیاں لگائی گئی تھیں تیسری طرف پلنگ رکھ کر اس کو سفید چادر اوڑھا دی گئی تھی درمیان والے حصے میں پھلجڑیاں انار اور آتش بازی کے دوسرے سامان کو میز پر ترتیب دیا گیا تھا دیال پور ہل اسٹیشن کے چیدہ چیدہ مخصوص افراد کو تقریب میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ ان کے آنے میں ابھی کچھ وقت باقی تھا۔

طاہرہ کچن میں حلوہ پوری اور مختلف لوازمات کی تیاریوں میں مشغول تھی۔ وسیم احمد آتش بازی کے سامان کا تنقیدی نگاہوں سے جائزہ لے رہے تھے۔ عینی ان کے پیچھے کھڑی تھی۔ انہوں نے اسے سرزنش کرتے ہوئے کہا۔

"آتش بازی کے سامان کو ہاتھ نہیں لگانا۔ میں دو چار کام نمٹا کر جلدی واپس آتا ہوں۔ اور یاد رکھنا کہ یہ موم بتیاں مہمانوں کی آمد کے بعد اندھیرا پھیلنے سے قبل روشن کی جائیں گی انہیں بھی ہاتھ نہیں لگانا۔"

عینی نے اثبات میں سرہلایا اور وسیم احمد سیڑھیاں اتر کر نیچے کی طرف چلے گئے۔ انہیں مہمانوں کی خاطر تواضع کے لئے پھلوں کا انتظام کرنا تھا ان کی واپسی آدھے گھنٹے کے بعد ہوئی۔ پھلوں کی ٹوکری طاہرہ

کوتھمانے کے بعد جب انہوں نے چھت کا رخ کیا تب عینی کو پلنگ پر گہری نیند سوتے ہوئے پایا۔

چاردیواری کے ساتھ رکھی ہوئی لکڑی کی کرسیاں دھڑا دھڑ جل رہیں تھیں اور آگ کے شعلے آسمان کو چھونے کی کوشش کررہے تھے یہ آگ بہت تیزی کے ساتھ پلنگ کی طرف بڑھ رہی تھی جس پر عینی لیٹی ہوئی تھی۔

وسیم احمد نے ہڑبڑا کر عینی کو گود میں اٹھایا اور نچلے حصے کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ لڑکی کو طاہرہ کے ہاتھوں میں تھمانے کے بعد انہوں نے باتھ روم کا رخ کیا اور بالٹیوں میں پانی بھر کر چھت کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ آگ پر قابو پانے کے لئے انہیں زیادہ تردد نہیں کرنا پڑا۔ وہ جلد ہی بجھ گئی لیکن شب برأت کی تقریب کو ملتوی کرنا پڑا۔

وسیم احمد اچھی طرح جانتے تھے کہ عینی کرسیوں کو آگ لگانے کے قابل نہیں تھی یہ کسی اور کی شرارت تھی۔ یہ اچھا ہوا کہ آتش بازی کا سامان چھت کے درمیان میں رکھے ہونے کی وجہ سے آگ کی پہنچ سے دور تھا۔ لیکن پلنگ کے جلنے کی صورت میں اس کا آگ کو پکڑنے کسی شعبے سے بالاتر نہیں تھا۔

بہرکیف وسیم احمد کے بروقت واپس آنے کی وجہ سے حادثے پر کسی جانی ومالی نقصان کے بغیر قابو پالیا گیا۔ اس غیر معمولی واقعہ کے بعد انہوں نے دوسرے دن حویلی کو چھوڑنے کا حکم صادر کردیا طاہرہ اور عینی کو نہایت ذہنی صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ دونوں حویلی کو چھوڑنے کے لئے آمادہ نہیں تھیں لیکن وسیم احمد کے فیصلے کے آگے انکار کرنا ان کے لئے ممکن نہیں تاھ۔ اس لئے خاموش ہوگئیں۔

دوسرے دن دیال پور والوں کی طرف سے وسیم احمد کو رات کے کھانے کی غیر متوقع دعوت قبول کرنا پڑی۔ اور انہیں وقتی طور پر اپنے پروگرام کو بدلنا پڑا بحالت مجبوری وہ عینی اور طاہرہ کو حویلی میں تنہا چھوڑ کر قصبے میں چلے آئے کھانا نہایت پرتکلف اور لذیذ تھا لیکن کھانے کے دوران انہیں عینی اور طاہرہ کی فکر کھائے جاتی رہی۔ اس لئے زہرمار کرنے کے فوراً بعد دوستوں کو الوداع کہہ کر بھگوان سنگھ کے ہمراہ حویلی کی طرف چل دیئے۔

رات اندھیری اور سرد تھی ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ سولہ برس قبل بھی ایسی ہی رات تھی وہ ایک دوست سے ملاقات کے بعد حویلی کی طرف واپس آرہے تھے۔

وسیم احمد گزرتے ہوئے وقت کے ایک ایک لمحے کو ایسے جیتے جاگتے ہوئے دیکھنے لگے جیسے سولہ برس پیچھے پہنچ گئے ہوں اور حالات دوبارہ وقوع پذیر ہورہے ہوں۔ آج کے دن کی طرح اس دن بھی ان کے خیالات منتشر اور پراگندہ تھے ان دنوں ان کی سوچوں کا مرکز محبوب حویلی تھی۔ یہ حویلی انہیں بہت عزیز تھی انہیں یقین تھا کہ روئے زمین پر ایسی حسین اور پرشکوہ حویلی کہیں اور ہو ہی نہیں سکتی مگر بدقسمتی یہ تھی کہ یہ حویلی ان کے بڑے بھائی کے ہوتے ہوئے انہیں نہیں مل سکتی تھی۔

بشیر احمد چند ماہ قبل مفلوج ہوکررہ گئے تھے اور انہوں نے حویلی اپنی لڑکی سہانا کے نام منتقل کردی تھی سہانا کب جوان ہوتی اور حویلی مستقل طور پر اس کے نام ہوتی اس طویل عرصے کے دوران وسیم احمد یقیناً اپنی جوانی کے دن بتاچکے ہوتے۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ سہانا محبوب حویلی کو اس طویل عرصے کے دوارن اپنے بچوں کے نام منتقل کردیتی انہی سوچوں میں گم جب ان کا تانگہ حویلی کے قریب پہنچا تو انہیں چیخ وپکار کی آوازیں سنائی دیں انہوں نے سامنے نگاہ دوڑائی۔

بھگوان سنگھ ہراساں لہجے میں بولا۔ ”حضور حویلی میں آگ بھڑک اٹھی ہے دیال پور والے دور کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔“

”وسیم احمد نے ہڑبڑا کر چلتے ہوئے تانگے سے نیچے چھلانگ لگادی اور جلتی ہوئی حویلی کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ ابھی وہ حویلی سے کچھ پیچھے تھے کہ نوکروں نے بشیر احمد کے مفلوج زدہ وجود کو حویلی سے باہر نکال کر چارپائی پر ڈال دیا۔ وہ اپنے مفلوج بدن

کو حرکت دینے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے حویلی کی طرف اشارہ کررہے تھے۔ اوران کے منہ سے بمشکل تمام سہانا کا نام نمودار ہورہا تھا۔

وسیم احمد کو صورت حال کی نزاکت کا احساس ہونے میں چنداں دیر نہیں لگی۔ مفلوج زدہ بھائی کو تسلی دینے کے بعد وہ بھاگتے ہوئے حویلی میں جا گھسے۔ حویلی کے اندرونی حصے کی طرف جانے والا راستہ دھوئیں کے بادلوں سے بھر چکا تھا وہ بہت مشکل سے آگ اور شعلوں سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے کھلونوں والے کمرے تک پہنچے۔ کمرے میں سے سہانا کے چیخنے چلانے کی آوازیں باہر آرہی تھیں انہوں نے دروازہ کھولا کمرے میں دھواں بھرا ہوا تھا اور ساہانا کی چیخیں کھڑکی کی طرف سے آرہی تھیں۔

وہ اندھا دھند کمرے میں گھس گئے دھوئیں نے ان کے جسم کو اپنے اندر مدغم کرلیا ان کا سانس سینے میں اٹکنے لگا۔ تاہم وہ جیسے تیسے کرکے کھڑکی تک پہنچنے میں کامیاب ہوہی گئے سہانا کھڑکی کے پاس زمین پر گری ہوئی تھی۔ اوراس کا جسم مکمل طور پر آگ کے گھیرے میں تھا وسیم احمد نے اسے بانہوں کے پاس سے تھامتے ہوئے کمرے سے باہر کی طرف گھسیٹنا شروع کردیا۔ وہ چیخ وچلا رہی تھی اس کے کپڑوں میں آگ لگی ہوئی تھی تاہم وہ اپنی بڑی بڑی آنکھیں کھولے ان کی طرف دیکھ رہی تھی ان آنکھوں میں حسرت ویاس کے علاوہ ممنونانہ جذبات بھی دکھائی دیتے تھے۔

وسیم احمد نے تاسف بھری نگاہوں سے اس کے متاثرہ جسم کی طرف دیکھا۔ جو کافی حد تک جل چکا تھا۔ لیکن فوری طبی امداد کی بدولت اس کی جان کو بچانا ناممکن نہیں تھا وسیم احمد نے ساتھ والے کمرے کا رخ کیا۔ کمرے میں سے انہیں کمبل دستیاب ہوگیا۔ وہ کمبل انہوں نے سہانا کے جسم کے گرد لپیٹ دیا اوراسے گود میں اٹھا کر باہر کی طرف بڑھنے لگے۔

تب کچھ سوچ کران کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے ان کے ماتھے پرغور وفکر کی لکیریں ابھریں اوروہ واپس کھلونوں والے کمرے کی طرف آگئے سہانا نے دوبارہ چیخنا چلانا شروع کردیا وسیم احمد نے اس کے کمبل میں لپٹے ہوئے جسم کو زمین پر لٹایا اس نے حیرت بھری نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا انہوں نے منہ دوسری طرف پھیرتے ہوئے لڑکی کے جسم کو بانہوں میں بھر کر کمرے کے اندر دھکیل دیا۔

حویلی کا ماحول دلخراش چیخوں سے گونج اٹھا۔ وسیم احمد کے جسم میں تھرتھری کی سی کیفیت بیدار ہوئی۔ اورانہوں نے حویلی کے باہر کی طرف دوڑ لگادی۔ حویلی سے باہر نکلتے ہی انہوں نے چیختے ہوئے قصبے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے فائر بریگیڈ بلانے کی تاکید کی۔ لیکن فائر بریگیڈ آنے میں تاخیر کی وجہ سے حویلی کا کافی حد تک رہائشی حصہ جل کر خاک ہوگیا۔

آگ بجھانے کے بعد سہانا کی جلی ہوئی لاش کو باہر نکال لیا گیا اپنی معصوم بچی کی لاش کو دیکھنے کے بعد بشیر احمد پر دل کا دورہ پڑا۔ اوروہ خالق حقیقی سے جاملے لیکن قصبے کا ہر شخص وسیم احمد کو تعریفی کلمات کے ساتھ یاد کررہا تھا جنہوں نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر سوتیلی بھتیجی کو بچانے کی ناکام کوشش کی تھی اوراس کوشش کے دوران ان کے دونوں ہاتھ جل گئے تھے۔

وسیم احمد گزرے ہوئے حالات کے ایک ایک لمحے کو ایسے جیتے جاگتے ہوئے دیکھ رہے تھے جیسے یہ سب کل کی بات ہو احساس جرم کی بدولت انہیں اپنی آنکھیں جلتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں سولہ سال کے اس طویل عرص کے دوران وہ کبھی بھی سکون کی نیند نہیں سوسکے تھے۔ انہیں رات کے اندھیرے میں سہانا کی چمکتی ہوئی آنکھیں دکھائی دیتی تھیں۔ جن میں شکوے کے ساتھ بدلے کی آگ بھی جلتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔

عینی کی شکل ہو بہو سہانا جیسی تھی حویلی میں آکر اس کی حرکتیں بھی سہانا جیسی ہوگئی تھیں تانگے نے ایک موڑ کاٹا اور کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد حویلی کے قریب پہنچ گیا۔ وسیم احمد کو چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دیں انہوں نے ہڑبڑا کر حویلی کی طرف دیکھا۔

بھگوان سنگھ ہراساں لہجے میں بولا۔
''حضور حویلی کو آگ لگ گئی ہے۔ دیال پور والے باہر کھڑے تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ وسیم احمد نے چلتے ہوئے تانگے سے چھلانگ لگادی۔ اور حویلی کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے حویلی والے متاثرہ وجود کونکال کر باہر لارہے تھے وہ طاہرہ تھی۔ جس کے جلتے ہوئے لبوں سے عینی کا نام خارج ہورہا تھا۔

وسیم احمد نے حویلی کی دوسری منزل پر واقع رہائشی کمروں کی طرف نگاہ دوڑائی۔ عینی کھڑکی سے سر باہر نکالے مدد کے لئے چلارہی تھی۔ حویلی کے اندر جانے والے تمام راستے آگ کے گھیرے میں تھے۔ وسیم احمد نے چیختے ہوئے قصبے کے لوگوں کو سیڑھی لانے کے لئے کہا۔ فوراً انہیں سیڑھی مہیا کردی گئی انہوں نے سیڑھی کو حویلی کی دیوار کے ساتھ لگایا اور اس پر چڑھتے ہوئے کھڑکی تک جا پہنچے۔ عینی کا وجود اب دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ انہوں نے کھڑکی میں سے اندر جھانکا کمرہ دھوئیں سے بھرا ہوا تھا لیکن کسی بچی کے قہقہے لگانے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی وہ اس آواز کو لاکھوں میں پہچان سکتے تھے وہ بلاشبہ سہانا کی آواز تھی۔

پھر انہیں ساتھ والے کمرے سے عینی کے گلا پھاڑ کر چیخنے چلانے کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے ہڑبڑا کر ساتھ والے کمرے کی طرف دیکھا عینی وہاں تھی وسیم احمد پھرتی کے ساتھ سیڑھی سے نیچے اترنے لگے۔ نیچے کھڑے ہوئے لوگ حیرانگی کے عالم میں ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ زمین پر قدم رکھنے کے فوراً بعد انہوں نے سیڑھی کو اٹھا کر ساتھ والے کمرے کی کھڑکی کے ساتھ لگایا اور دوبارہ اوپر چڑھنے لگے کھڑکی کے پاس پہنچنے کے بعد انہوں نے اندر جھانکا۔ یہ کھلونوں والے کمرے کی کھڑکی تھی۔ اور کمرے کے درمیان میں عینی زمین پر گری ہوئی تھی۔ اس کا جسم آگ کے گھیرے میں تھا اور سہانا کی روح اس کے گرد خوشی کے ساتھ ناچتے ہوئے رقص کررہی تھی۔

وسیم احمد نے چھلانگ لگا کر کھڑکی کو عبور کیا اور عینی کے جلتے ہوئے وجود کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کی کراہیں اب ماند پڑنے لگی تھیں وسیم احمد نے ایک طرف پڑا ہوا کمبل اٹھایا اور عینی کے جسم کے گرد لپیٹ دیا آگ بجھ گئی انہوں نے جلتے ہوئے وجود کو اپنے کاندھے پر منتقل کیا اور عجلت کے عالم میں سیڑھی پر سے ہوتے ہوئے نیچے اترنے لگے۔

دیال پور کے لوگ ان کے منتظر تھے زمین پر قدم رکھتے ہی انہوں نے کمبل میں لپٹی ہوئی عینی کو ان کے حوالے کیا اور خود بے دم ہوکر زمین پر گر گئے۔ شدت جذبات کی بدولت ان کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں ان کے چاروں طرف اندھیرا طاری ہونے لگا۔ اس اندھیرے میں سے سہانا کی چمکتی ہوئی آنکھیں نمودار ہوئیں جن میں اب شکوہ یا انتقام کی آگ کے بجائے سکون تھا۔

پھر طاہرہ کے چیخنے کی آواز پر انہوں نے ہڑبڑا کر اس کی طرف دیکھا وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے زمین پر گررہی تھی۔ وسیم احمد گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے قصبے والوں کی آنکھیں پرنم تھیں ان کے درمیان میں عینی کی جلی ہوئی لاش پڑی تھی۔ طاہرہ کا جسم زمین پر بے سدھ پڑا تھا۔ وہ تیر کی طرح اس کی طرف بڑھے انہوں نے چند لمحے پہلے جو چیخ سنی تھی وہ طاہرہ کی آخری چیخ تھی عینی کی جلی ہوئی لاش کو دیکھ کر وہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی تھی۔

وسیم احمد ریت کی بوری کی طرح دوبارہ زمین پر ڈھے گئے کتنے حیرت کی بات تھی ایک جرم کی بدولت انہوں نے وہ سب کچھ پالیا تھا جس کی انہوں نے خواہش کی تھی اور جو کچھ جرم کی وجہ سے انہیں ملا اس کی پاداش میں انہیں وہ سب کچھ کھونا پڑا جو وہ کھونا نہیں چاہتے تھے صد افسوس محبوب حویلی کو پاکر وسیم احمد نے اپنی محبوب بیوی اور بچی کو ہمیشہ کے لئے کھودیا تھا۔ شاید ان کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔

اندھیرے سے اجالا

ملک فہیم ارشاد۔ڈجکوٹ فیصل آباد

پہلی قسط

خوف کی وادی میں اٹکھیلیاں کرتی گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی، جسم و جاں کے رونگٹے کھڑے کرتی ناقابل یقین اور ناقابل فراموش پل پل لمحہ لمحہ اچنبھے میں ڈالتی خیر و شر کی کھانی

حقیقت سے روشناس کراتی اپنی نوعیت کی عجیب وغریب دماغ سے محو نہ ہونے والی روداد

گاؤں کی گلی میں چار کتے بھونک رہے تھے۔ان میں سے دو کتے تو اس گلی کے مالک تھے اور باقی دو کتے آج اچانک گلی میں آنے کی غلطی کر بیٹھے تھے اور اپنے علاقے میں دو نئے انجان کتے دیکھ کر ان دونوں کتوں نے بھونکنا شروع کردیا تھا اور مجبوراً دوسرے دونوں کتوں نے بھی بھونکنا شروع کردیا۔لیکن اس گلی کے کتے ان دو اجنبی کتوں پر بھاری پڑ رہے تھے۔آخر کار اجنبی کتوں کو ہار ماننا پڑی اور انہوں نے بھاگنے میں ہی خیریت جانی۔ ان کتوں کی ذات بھی عجیب ہوتی ہے۔ اپنے علاقے میں دوسرے کتوں کو برداشت نہیں کرتے۔

جب وہ دونوں اجنبی کتے وہاں سے بھاگے تو دونوں کتوں نے بھونکنا بند کردیا۔چاند کی روشنی ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔آدھی رات کا وقت ہونے کے باوجود پورے گاؤں میں دن کا سماں سا لگتا تھا۔گاؤں کی گلیاں سنسان تھیں۔اور لوگ اپنے اپنے گھروں میں گہری نیند کے مزے لوٹ رہے تھے۔اچانک ان دونوں کتوں میں سے ایک کے کان یکدم کھڑے ہوگئے اس کتے نے دوسرے کتے کی طرف دیکھ کر بھونکنا شروع کردیا۔جیسے کسی بات سے آگاہ کررہا ہو، پھر پہلے کتے نے ایک طرف تیزی سے بھاگنا شروع کردیا۔مجبوراً دوسرے کتے کو بھی اس کی پیروی کرنا پڑی۔ وہ دونوں کتے بھاگ رہے تھے۔اور بہت تیزی سے بھاگ رہے تھے وہ گاؤں کی مختلف گلیوں سے بھاگتے ہوئے گاؤں کے قبرستان کے گیٹ کے سامنے آکر رک گئے۔

گاؤں کا قبرستان کافی دور تک پھیلا ہوا تھا۔پہلے کتے نے چوکس نگاہوں سے گردن اردگرد گھمائی اور پھر بھاگتے ہوئے قبرستان میں داخل ہوگیا اس دفعہ بھی دوسرے کتے کو اس کی پیروی کرنا پڑی پہلا کتا مختلف قبروں کو پھلانگتا ہوا وہ ایک جگہ رکا دوسرا کتا بھی اس کے پاس آکر رک گیا۔

سامنے کا منظر عجیب تھا سامنے ایک آدمی کدال سے قبر کھودنے میں مصروف تھا۔دونوں کتوں نے زور زور سے بھونکنا شروع کردیا۔بھونکنے کی آواز سن کر اس آدمی کے چلتے ہاتھ رک گئے وہ اپنے کام میں اتنا مصروف تھا کہ اسے وہاں کتوں کی آمد کا بھی پتہ نہ چلا تھا اور اب جب ان کتوں نے بھونکنا شروع کیا تو اس کے چلتے ہاتھ رک گئے تھے۔اس نے حیرانگی سے بھونکتے کتوں کی طرف دیکھا جو مسلسل اس پر بھونک رہے تھے۔''تم اپنا کام جاری رکھو میں ان کو دیکھتا ہوں۔''

اچانک درخت کے پاس ایک سایہ نظر آیا جسے دیکھ کر ان کتوں نے کچھ دیر کے لئے خاموشی اختیار کرلی اس آدمی کے ہاتھ دوبارہ چلنے لگے یہ دیکھ کر کتوں نے پھر بھونکنا شروع کردیا، درخت کے قریب وہ سایہ تیزی سے ان کتوں کی طرف بڑھا اور قریب پہنچنے پر اس سائے نے اپنا گھیرا ان دونوں کتوں پر ڈال لیا اب ان دونوں کتوں کے وجود اس سائے میں کہیں چھپ گئے تھے۔

قبر کھودنے والا شخص جو کہ چہرے سے ایک دیہاتی نظر آرہا تھا وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

اچانک وہ سایہ ان کتوں سے علیحدہ ہوا تو دیہاتی نے ایک دل ہلا دینے والا منظر دیکھا اب وہاں اب گوشت پوست کے کتوں کے علاوہ صرف ہڈیوں کے ڈھانچے پڑے ہوئے تھے۔ ''تم اپنا کام جاری رکھو۔'' سائے میں سے ایک مرتبہ پھر سخت آواز خارج ہوئی۔

یہ...... یہ......

''کک...... کک...... کیا تھا؟'' دیہاتی خوفزدہ لہجے میں ہکلایا۔ ''اب اگر تم نے دوبارہ سوال کیا تو تمہارا بھی یہی حال ہوگا۔''

سائے میں سے بدستور سخت آواز خارج ہوئی۔

دیہاتی نے ڈرتے ڈرتے دوبارہ قبر کھودنا شروع کردی، کھودتے کھودتے آخر کار اس قبر کے مردے کا ڈھانچہ نظر آنا شروع ہوگیا۔ ''ٹھیک ہے اب اس کدال کے بجائے اپنے ہاتھوں سے کام لو۔'' سائے نے کہا تو دیہاتی نے اثبات میں سر ہلایا اور کدال ایک طرف پھینک دی اور ہاتھوں سے ڈھانچے پر سے مٹی ہٹانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس دیہاتی کی محنت سے وہ ڈھانچہ نمایاں نظر آنے لگ گیا۔ ''اب تم قبر سے باہر آجاؤ۔'' سائے نے کہا تو دیہاتی قبر سے باہر نکل آیا وہ سایہ تیزی سے قبر میں داخل ہوگیا۔ سائے نے اپنا گھیرا قبر میں موجود ڈھانچے پر ڈال لیا اور قبر میں سے اچانک تیز روشنی نکلنے لگی۔ اتنی تیز کے قبر کے پاس موجود دیہاتی کی آنکھیں بے اختیار بند ہوگئیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ روشنی ختم ہوگئی اور سایہ قبر سے باہر آگیا۔ ''ٹھیک ہے اب تم اس قبر کو ٹھیک کرو اور ان کتوں کے ڈھانچوں کو بھی یہیں کہیں دفن کرنے کے بعد تم فارغ ہو اس کام کے پیسے تو تم کو مل چکے ہیں۔'' سائے نے کہتے ہوئے تصدیق چاہی تو دیہاتی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''اور ہاں اگر تم نے اس بات کا ذکر کسی سے بھی کیا تو تمہارا حال بھی یہی ہوگا جو تھوڑی دیر پہلے ان کتوں کا ہوا تھا۔''

دیہاتی یہ سن کر کانپ اٹھا اس نے تیزی سے ایک جگہ زمین کھودنی شروع کردی، کتوں کے ڈھانچوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد اس نے قبر کی حالت دوبارہ ٹھیک کی اور پاس ہی درخت پر موجود اپنے رومال کو اتار کر اپنے چہرے پر پھیلے پسینے کو صاف کرنے لگا اس کا پورا جسم خوف کے باعث بری طرح کانپ رہا تھا زندگی میں آج پہلی بار اس نے بیک وقت کئی مناظر دیکھ لئے تھے۔ وہ قبرستان سے باہر نکل کر اپنے گھر کے قریب آیا اور دروازے پر دستک دی۔

تھوڑی دیر بعد اس کی بیوی لاجو کا چہرہ نظر آیا اس کی بیوی ایک ادھیڑ عمر فربہ سیاہ رنگ عورت تھی۔ کہاں سے آرہے ہو۔ اس سے لاجو بلونت پر بگڑتے ہوئے بولی۔

''کک...... کام سے گیا تھا......'' اتنا کہہ کر بلونت سامنے پڑی چارپائی کی طرف بڑھا اور اس پر ڈھیر ہوگیا۔

مجھے تو کچھ بتا میں تیری پتنی ہوں اور دوسرے کمرے میں جو اتنے نوٹ پڑے ہوئے ہیں وہ کہاں سے آئے تیرے پاس۔'' لاجو نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

''زیادہ بک بک مت کر چپ کر کے سوجا...... صبح کے سمے بتاؤں گا تجھے۔'' بلونت نے چادر کھینچ کر اوپر لی۔ ''یہ...... یہ تو اتنا گھبرایا ہوا کیوں ہے۔'' لاجو بھی کسی طرح باز نہیں آنے والی تھی۔

''کہہ جو دیا ہے کہ صبح بتاؤں گا تمہیں چپ چاپ سوجا۔'' بلونت نے کہا اور مکمل طور پر چادر اپنے جسم کے اردگرد اوڑھ لی اب وہ مکمل طور پر چادر میں چھپ چکا تھا لاجو نے کندھے اچکائے اور چارپائی پر لیٹ گئی لاجو

نے صاف دیکھا تھا۔ بلونت چادر میں چھپا بری طرح کانپ رہا تھا وہ شاید کہیں پریشانی یا خوف میں مبتلا تھا لیکن وہ پوچھ بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ اگر وہ دوبارہ بلونت سے سوال کرتی تو یقیناً اس نے اسے مارنا شروع کر دینا تھا اس نے خاموشی سے آنکھیں موند لیں جلد ہی وہ نیند کی میٹھی آغوش میں جا سوئی۔

صبح کی تیز کرنوں نے اپنا بسیرا ہر طرف کرنا شروع کر دیا تھا اور گاؤں کے لوگوں نے جاگنا شروع کر دیا تھا ایسے میں لاجو بھی اٹھ کھڑی ہوئی اس نے انگڑائی لی اور اٹھ کر بیٹھ گئی اس نے بلونت کی چارپائی کی طرف دیکھا اور اب بھی مکمل طور پر چادر میں لپٹا نیند کے مزے لوٹ رہا تھا۔ ''بلونتے اٹھ جا اب دیکھ صبح ہو گئی ہے۔'' لاجو اپنی چارپائی سے اتر کر بلونت کی چارپائی کی طرف بڑھتے ہوئے بولی، لیکن بلونت پر کوئی اثر نہ ہوا وہ جوں کا توں پڑا رہا۔ لاجو نے آگے بڑھ کر بلونت کی چادر کھینچ لی اور دوسرا لمحہ حیران کن تھا۔

لاجو نے خوف کے باعث ایک زوردار چیخ ماری اور چکرا کر زمین پر جا گری۔ بلونت کی چارپائی پر بلونت کی جگہ ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ پڑا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

دیانند کا بیٹا سنتوش آج تین سال کا ہو گیا تھا اسی لئے دیانند اور اس کی بیوی راگنی بہت خوش تھے۔ اس خوشی میں گاؤں کے لوگ بھی شامل تھے۔ دیانند کا بیٹا سنتوش بہت خوب صورت تھا۔ دیانند گاؤں کا امیر ترین اور عزت دار شخص تھا۔ ''دیدی بھگوان کی کرپا سے سنتوش آج تین برس کا ہو گیا ہے۔ آپ کو چاہئے آپ اسے مندر لے جا کر بھگوان کے آگے پرنام کریں اور پنڈت جی کا آشیرباد لے آئیں۔''

راگنی کی سہیلی نمو بولی۔ ''بس نمو میں ذرا گھر میں آئے مہمان سے فارغ ہو لوں پھر مندر میں جاؤں گی۔'' راگنی بولی۔ ''ویسے دیدی سنتوش ہے بڑا پیارا۔'' نمو نے مسکراتے ہوئے کہا تو راگنی بے اختیار مسکرا دی سنتوش دونوں سے بے نیاز فرش پر بیٹھا کھلونے کھیل رہا تھا۔

''دیدی آپ کو کچھ پتہ چلا؟'' تھوڑی دیر بعد نمو نے راگنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا نمو؟'' راگنی نے متوجہ ہو کر پوچھا۔

پریم نگر گاؤں میں ایک بڑا ہی عجیب واقعہ ہوا ہے۔ نمو نے کہا۔

''وہ کیا؟'' راگنی نے حیرانگی سے پوچھا۔

''پریم نگر گاؤں میں بلونت نامی ایک آدمی اچھا بھلا رات کو بستر پر سویا صبح جب اس کی پتنی کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے پتی کو جگانے کے لئے جیسے ہی اس کے اوپر سے چادر ہٹائی تو وہاں ہڈیوں کا ڈھانچہ پڑا ہوا تھا۔'' نمو نے ایک حیران کن خبر سنائی۔

''اچھا!!!'' راگنی کے منہ سے خوفزدہ لہجے میں نکلا۔ اس کی پتنی کا کہنا تھا کہ بلونت رات کو کافی لیٹ پریشانی کی حالت میں گھبرایا ہوا گھر پہنچا تھا۔ پتنی نے پریشانی کا کارن پوچھا تو بلونت نے کہا۔ ''صبح بتاؤں گا لیکن وہ تو دوسرے دن ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا تھا۔'' نمو خوفزدہ لہجے میں بولی۔

''یہ تو بڑی خوفناک بات بتائی تم نے۔'' راگنی کے لہجے میں بھی خوف کا عنصر شامل تھا۔ کھلونے سے کھیلتے کھیلتے کھلونا سنتوش کے ہاتھ سے چھوٹ کر رینگتا ہوا باہر جا گرا۔ سنتوش اٹھا اور تیزی سے رینگتے ہوئے فٹ بال کی طرف بھاگا باہر لان میں دیانند کی بڑی سی پجارو کار کھڑی تھی، فٹ بال سرکتا ہوا کار سے بھی آگے گیٹ کے پاس جا کر رک گیا تھا۔ سنتوش مسکراتا ہوا فٹ بال کی طرف بڑھا فٹ بال کے قریب پہنچ کر وہ فٹ بال کے پاس بیٹھ گیا اور وہیں بیٹھ کر دوبارہ فٹ بال سے دوبارہ کھیلنے لگا۔

اچانک سنتوش کی نظر گیٹ کے پاس موجود چوکیدار پر پڑی وہ عجیب حرکتیں کر رہا تھا۔ چوکیدار کبھی گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر جھکتا کبھی بیٹھ کر اپنا ماتھا زمین پر لگا دیتا، سنتوش چوکیدار کی ان حرکتوں پر مسکرانے لگا چوکیدار جب دوبارہ سجدے میں گیا تو سنتوش نے ایک عجیب حرکت کی وہ بھی بیٹھے بیٹھے سجدے میں چلا گیا وہ

چوکیدار کی طرف دیکھ کر ایسا کر رہا تھا۔
سنتوش نے سجدے کی حالت میں گردن اٹھا کر چوکیدار کی طرف دیکھا، چوکیدار اب دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر بیٹھ چکا تھا۔ سنتوش بھی ویسے ہی بیٹھ چکا تھا۔ چوکیدار نے سلام پھیرا تو سنتوش نے بھی سلام پھیرا اس کی نظروں کا دائرہ صرف چوکیدار کی طرف تھا۔ چوکیدار نے اب دونوں ہاتھ اٹھا کر نظریں جھکالی تھیں۔ وہ اب دعا مانگ رہا تھا۔ سنتوش نے بھی اس کی پیروی کی، سنتوش نے دیکھا چوکیدار نے دعا مانگنے کے بعد دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر پھیر لئے، سنتوش نے بھی چوکیدار کے انداز میں اٹھ کھڑا ہوا، چوکیدار نے حیرانگی سے ننھے سنتوش کی طرف دیکھا اور پھر ساری بات سمجھ کر مسکرانے لگا وہ سمجھ گیا تھا کہ ننھا سنتوش اس کی نقلیں اتار رہا تھا۔
''ارے سنتوش بیٹا آپ..... آپ تو ہماری نقلیں اتار رہے ہیں.....'' چوکیدار نے آگے بڑھ کر سنتوش کو اٹھایا۔
''یہ..... یہ..... آپ کیا کر رہے تھے۔ سنتوش نے چوکیدار سے پوچھا۔''سنتوش بیٹا یہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔'' چوکیدار نے سنتوش کے گالوں کو چومتے ہوئے کہا۔
''ن..... ماز..... یہ نماز کیا ہوتا ہے؟'' سنتوش نے پوچھا۔
''بیٹا یہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں اور اس کی عبادت کا شکر بجالانے کا طریقہ ہے۔''
''اللہ۔'' سنتوش نے حیرانگی سے چوکیدار کی طرف دیکھا اور چوکیدار سنتوش کے منہ سے اللہ سن کر حیران ہوا تھا کیونکہ سنتوش لفظ بالکل صحیح اور بغیر کسی ہکلاہٹ کے کہا تھا۔ ''یہ اللہ کون ہوتا ہے؟'' سنتوش نے پوچھا جو دوسری حیرت تھی جو چوکیدار کے لئے تھی کیونکہ ابھی ابھی سنتوش کے منہ سے جو جملہ نکلا تھا وہ بالکل صحیح ادا ہوا تھا۔ ''بیٹا اللہ تعالیٰ اس پوری کائنات کا مالک ہے زمین آسمان چاند سورج ستاروں کا مالک جس نے تمہیں بنایا مجھے بنایا تمہارے ابو کو بنایا، تمہاری مما کو بنایا، غرض دنیا کی ہر چیز اللہ نے بنائی ہے۔'' چوکیدار نے سنتوش کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بتایا۔

''اچھا۔'' سنتوش نے لفظ ''اچھا'' کو لمبا کیا تو چوکیدار سنتوش کی اور اس ادا پر مسکرا دیا ویسے بھی انسان کو بچوں کی ہر ادا اچھی لگتی ہے۔
''ممی..... پپ..... پاپا کو بھی اللہ نے بنایا۔'' سنتوش کے لہجے میں حیرانگی تھی۔ ''ہاں بیٹا سب کو اللہ نے بنایا۔'' چوکیدار پرزور لہجے میں بولا۔ ''آپ کو بھی۔'' سنتوش نے اپنے ننھے منے ہاتھوں سے چوکیدار کے گالوں کو چھوتے ہوئے کہا۔ ''بالکل بیٹا۔'' جواباً چوکیدار نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''یہ جو آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ اللہ کو Thank you کہنے کے لئے پڑھ رہے تھے۔ سنتوش نے کہا تو جواباً چوکیدار نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''تو آپ اللہ کو Thank you کس لئے کہتے ہیں۔'' سنتوش نے معصوم لہجے میں پوچھا۔
''بیٹا انہوں نے مجھے بنایا اس لئے وہ میری ہر مشکل کو حل کرتے ہیں اس لئے مجھے رزق یعنی کھانا دیتے ہیں اس لئے۔'' چوکیدار نے جواب دیا۔ ''کیا وہ صرف آپ کو کھانا دیتے ہیں۔'' سنتوش نے بدستور معصومانہ لہجے میں پوچھا۔ ''نہیں بیٹا وہ سب کو کھانا دیتے ہیں۔ آپ کو بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کھانا دیتے ہیں۔'' چوکیدار نے کہا۔
لیکن آپ کو تو کھانا..... میرے..... میرے پاپا دیتے ہیں۔ اور مجھے بھی تو ممی کھانا دیتی ہیں۔'' سنتوش کے اس سوال پر چوکیدار ایک بار پھر مسکرا دیا۔ ''کوئی کسی کو کچھ نہیں دیتا بیٹا۔ دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے وہ ذات ہر کام کا ذریعہ بناتی ہے۔'' چوکیدار نے بتایا۔
''ذریعہ، وہ کیسے۔'' سنتوش نے پوچھا۔
''وہ ایسے بیٹا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہاں نوکری دلوائی میں یہاں محنت کرتا ہوں تو آپ کے پاپا مجھے میری محنت کے پیسے دیتے ہیں۔'' چوکیدار سمجھاتے ہوئے بولا۔
''تو کیا اللہ نے آپ کو یہاں نوکری دلوائی تھی۔'' سنتوش نے پوچھا۔ چوکیدار سنتوش کے سوالوں پر بڑا حیران ہو رہا تھا وہ ایک ننھا سا بچہ اس سے بڑے بڑے سوال پوچھ رہا تھا۔ ''جی بیٹا۔'' چوکیدار نے مسکراتے

ہوئے مختصر سا جواب دیا۔
"تو کیا اللہ تعالیٰ میرے پاپا سے آ کر ملے تھے۔" سنتوش کے اس سوال پر چوکیدار بے اختیار ہنسنے لگا۔ "نہیں بیٹا اللہ تعالیٰ کسی کو نظر نہیں آتے۔" چوکیدار نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "اگر وہ کسی کو نظر نہیں آتے تو پھر سب کو کھانا کیسے دیتے ہیں؟" سنتوش نے پوچھا۔
"اپنی حکمت سے یعنی جیسے آپ کو بھوک لگتی ہے تو آپ رونے لگتے ہو اور اللہ تعالیٰ آپ کی امی کے ذہن میں ڈال دیتے ہیں کہ آپ کو بھوک لگی ہوئی ہے تب آپ کی بھوک پوری ہو جاتی ہے اس میں سارا کمال اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے۔" چوکیدار نے بتایا۔
"ہاں۔" سنتوش نے لفظ "ہاں" کو لمبا کیا۔
"جب مجھے بھوک لگتی ہے تو اپنے آپ مجھے رونا آنے لگتا ہے اور مما مجھے فوری دودھ دیتی ہیں۔"
چوکیدار سنتوش کی اس بات پر پھر مسکرا دیا۔
"پرنتو...... اللہ تعالیٰ کسی کو نظر کیوں نہیں آتے۔" سنتوش شاید آج ہر سوال کا جواب جاننا چاہتا تھا۔ "بس بیٹا یہ تو اللہ تعالیٰ جانیں...... باقی بیٹا اگر غور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کو دیکھا بھی جا سکتا ہے۔" چوکیدار نے کہا۔ "وہ کیسے؟" سنتوش نے پوچھا۔ "جب کہیں کچھ نظر نہیں آتا تو صرف اللہ نظر آتا ہے۔ جب تم ہاتھ اٹھا کر اللہ سے کچھ مانگو گے تو وہ تمہیں سب کچھ دیتا ہے۔ بس نیت صاف ہونی چاہئے۔" چوکیدار نے کہا۔ "اگر میں کچھ مانگوں تو اللہ تعالیٰ مجھے بھی دیں گے؟" سنتوش نے پوچھا۔ "بالکل بیٹا آپ کو تو اللہ ضرور دیں گے کیونکہ بچوں کی بات تو اللہ تعالیٰ زیادہ سنتے ہیں۔" چوکیدار نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
اس سے پہلے کہ مزید کوئی بات ہوتی راگنی، نمو اور دیانند اندرونی حصے سے باہر آتے دکھائی دیئے۔
"ارے سنتوش تم یہاں ہو۔" راگنی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ سنتوش نے دونوں بانہیں راگنی کی طرف پھیلا دیں اور راگنی نے اسے اٹھا لیا۔
"بہت سمجھ دار ہو گیا ہے صاحب جی اپنا سنتوش۔" چوکیدار نے سنتوش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"آخر بیٹا کس کا ہے۔" دیانند نے کہا تو سب مسکرا دیئے۔ "عبداللہ ہم مندر تک جا رہے ہیں گھر کا خیال رکھنا۔" دیانند نے عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اچھا صاحب جی۔" عبداللہ نے اثبات میں سر ہلایا وہ پیدل ہی گھر سے باہر نکل آئے مندر گھر سے زیادہ دور نہیں تھا مندر کی سیڑھیوں کے قریب پہنچ کر راگنی نے ناریل پھوڑا اور پھر وہ سب مندر میں داخل ہو گئے۔
مندر میں داخل ہوتے ہی سنتوش کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا اور وہ عجیب نظروں سے مندر کو دیکھنے لگا، دیوی کے مجسمے کے قریب پہنچ کر راگنی نے سنتوش کو نیچے اتارا اور وہ سب دیوی کے مجسمے کے سامنے جھک گئے، سوائے سنتوش کے، وہ حیرانگی سے انہیں دیکھنے لگا وہ بھی اپنے ماں باپ کی طرف دیکھ کر جھکنے لگا مگر کسی انجانی طاقت نے اسے روک لیا اس نے بار بار جھکنے کی کوشش کی مگر جھک نہ سکا اب اس نے دیوی کے مجسمے پر نظریں گاڑ دیں، کئی ہاتھوں والا وہ عورت کا مجسمہ تھا کئی ہاتھوں میں کٹے ہوئے سر ایک ہاتھ میں خون کا پیالہ باہر نکلی ہوئی لال زبان، اچانک سنتوش نے رونا شروع کر دیا، راگنی تیزی سے اٹھی۔ "ارے...... ارے...... کیا ہوا میرے بیٹے کو۔" وہ پیار سے سنتوش کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولی۔ مگر سنتوش بدستور روئے جا رہا تھا۔
"اسے کیا ہوا راگنی چپ کرواسے۔" دیانند نے کہا۔
"پتہ نہیں ابھی تو چپ چاپ تھا۔" راگنی سنتوش کو ہاتھوں میں جھلاتے ہوئے بولی۔ "آپ پوجا سے فارغ ہونے کے بعد باہر آ جائیں میں باہر اسے چپ کراتی ہوں۔"
دیانند اور نمو نے اثبات میں سر ہلا دیا راگنی سنتوش کو مندر سے باہر لے آئی۔ مندر سے باہر آتے ہی سنتوش یکدم چپ ہو گیا۔ "شیطان کہیں کا۔" راگنی پیار سے سنتوش کے گالوں کو چومتے ہوئے بولی۔ جواباً سنتوش بھی راگنی کے گالوں سے کھیلنے لگا نجانے راگنی کو ایسا کیوں محسوس ہوا جیسے کوئی کافی دیر سے اسے دیکھ رہا ہو اس نے چاروں طرف نظریں گھمائیں، کافی دور ایک

درخت کے قریب اسے ایک آدمی نظر آیا جس نے کالے رنگ کا پینٹ کوٹ پہنا ہوا تھا۔ اور اس کی آنکھوں پر کالے رنگ کا چشمہ تھا۔ نجانے کیوں راگنی کو اس سے خوف محسوس ہوا۔ ''چلیں راگنی۔'' دیانند کی آواز پر راگنی چونکی ساتھ میں نمو بھی تھی۔ ''آں......'' بے اختیار راگنی کے منہ سے نکلا اس نے گھوم کر واپس اس درخت کی طرف دیکھا لیکن اب وہاں صرف درخت ہی موجود تھا۔

''شاید میرا وہم ہو۔'' راگنی پریشان کن لہجے میں بڑبڑائی۔ ''کیا ہوا؟ دیدی۔'' نمو نے پوچھا۔

''نہیں......کچھ......کچھ نہیں۔'' راگنی نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا وہ چاروں گھر کی طرف بڑھے۔

دوسرے دن صبح کے وقت ایک عجیب وغریب واقعہ ہوا۔ اور ہوا کچھ یوں کہ سنتوش صبح سے ہی رو رہا تھا راگنی اسے چپ کرانے کے لئے کئی پاپڑ بیل چکی تھی مگر وہ تھا کہ چپ ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ ''کیا ہوگیا ہے میرے منے کو۔'' راگنی پریشان کن لہجے میں بولی۔ ''چھنو۔'' راگنی نے کچن میں کام کرتی ہوئی لڑکی کو آواز دی۔ ''جی مالکن''

''چھنو راگنی کے قریب آئی۔ میرے کمرے سے سنتوش کا فیڈر لے لو اور کچن سے اس میں نیم گرم دودھ لے آؤ میں باہر ہوں۔'' راگنی نے کہا تو چھنو اثبات میں سر ہلاتے ہوئے واپس مڑی راگنی سنتوش کو بانہوں میں جھلاتے ہوئے باہر لان میں آ گئی۔ باہر آج موسم کافی خوشگوار تھا دیانند ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر زمینوں کی طرف چلا گیا تھا۔ لان میں آتے ہی سنتوش یکدم چپ ہوگیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد چھنو بھی راگنی کے پاس آ گئی اس کے ہاتھ میں سنتوش کا فیڈر تھا۔ ''لے چھنو تو اسے دودھ پلا اور گھاس پر بیٹھا دے میں ذرا نہالوں اس کے قریب ہی رہنا۔'' اور خود اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئی لان میں ایک طرف ہری گھاس کا قالین بچھا ہوا تھا چھنو نے سنتوش کو گھاس پر بٹھایا اور خود ایک طرف رکھی کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ سنتوش منہ میں دودھ کا فیڈر لئے ہوئے بیٹھا تھا گھاس پر ارد گرد پودوں کی کیاریاں بھی تھیں۔

''سس'' اچانک سنتوش کے کانوں میں تیز آواز پڑی۔ اس نے چونکتے ہوئے ارد گرد دیکھا اچانک پودوں کی کیاریوں میں سے ایک سیاہ رنگ کا کالا ناگ نکلا۔ سنتوش اس کالے رنگ کی انوکھی چیز کو دیکھ کر چونکا ایک طرف بیٹھی چھنو نے زوردار چیخ ماری اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھ کر سنتوش کو اٹھاتی وہ ناگ اب سنتوش کے قریب آ چکا تھا۔ چھنو سانپ سانپ کہتی ہوئی اندرونی حصے کی طرف بھاگی گیٹ کے پاس بیٹھا عبداللہ تیزی سے اٹھا اور سنتوش کی طرف بھاگا وہ ناگ اب سنتوش کے سامنے کنڈلی مار کر بیٹھ چکا تھا۔ عبداللہ نے اپنی رائفل کا رخ ناگ کی طرف کیا۔ سنتوش سانپ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ تبھی عبداللہ نے ایک عجیب اور حیرت انگیز منظر دیکھا۔ راگنی اور چھنو بھی وہیں خوفزدہ سی پہنچ گئی تھیں۔ وہ دونوں بھی ٹھٹھک کر رکیں۔

سنتوش نے اپنے منہ سے فیڈر نکالا سنتوش کے سامنے مٹی کے پیالے کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا تھا۔ سنتوش نے فیڈر مٹی کے پیالے کے ٹکڑے پر الٹ دیا۔ قطرہ قطرہ دودھ اس ٹکڑے میں جمع ہوگیا تو سنتوش نے فیڈر منہ سے دوبارہ لگا لیا۔ ناگ نے اپنا منہ اس ٹکڑے پر لگا دیا اور اس میں موجود دودھ پینے لگا۔ عبداللہ، چھنو اور راگنی حیرانگی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ ناگ نے اس ٹکڑے کو خالی کیا اور دوبارہ کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ اور دودھ چاہئے۔ سنتوش نے منہ سے فیڈر نکال کر ناگ سے پوچھا مگر شاید ناگ سنتوش کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔ پھر وہ پودوں کی کیاریوں میں دوبارہ گم ہوگیا راگنی اور چھنو تیزی سے سنتوش کی طرف بڑھیں جبکہ عبداللہ کسی سوچ میں مگن تھا۔ ''اس اس بچے میں ضرور کوئی بات ہے۔'' عبداللہ بڑبڑایا راگنی اپنے جگر کے ٹکڑے کو اٹھا کر چومنے لگی۔

شام کو جب دیانند گھر پہنچا تو راگنی نے دن میں ہوئی ساری صورت حال سے دیانند کو آگاہ کیا دیانند حیرانگی سے سنتوش کی طرف دیکھنے لگا۔ جو دونوں سے بے نیاز گہری نیند کے مزے لوٹ رہا تھا۔ دیانند نے

آگے بڑھ کر اس کے گالوں کو چوما اور بولا۔ ''بھگوان نے ہمیں شکتیوں سے بھرا بیٹا دیا ہے۔''

وقت کا پہیہ اپنی رفتار سے گھومتا رہا وقت کے بارے میں ایک بڑی اچھی بات مشہور ہے۔ وقت برا ہو یا اچھا گزر جاتا ہے۔ اسی طرح گزرتے وقت کے ساتھ سنتوش کی عمر نے بھی 9 کا ہندسہ پار کرلیا اور وہ 1-کے ہندسے میں داخل ہوگیا۔ پڑھائی میں بھی وہ بہت اچھا تھا سب ٹیچریں اس سے بہت محبت کرتی تھیں۔ دیانند نے اسے گاؤں کے سب سے اچھے اسکول میں داخل کروایا تھا۔ آج کل تو گاؤں بھی شہروں سے کم نہیں ہیں۔ سنتوش کو روزانہ ڈرائیور گاڑی میں لینے آتا تھا آج بھی وہ اسکول کے باہر کھڑا گاڑی کا انتظار کر رہا تھا اج سورج بھی کافی غصے میں تھا اور سنتوش کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سورج اپنی ساری گرمی اسی پر برسا رہا ہو وہ بار بار روڈ کی طرف دیکھ رہا تھا اس نے ماتھے پر آئے پسینے کو صاف کیا اسی وقت ایک کالے رنگ کی لمبی سی گاڑی اس کے قریب آ کر رکی، گاڑی کا پچھلا دروازہ کھلا اور ایک صحت مند آدمی باہر نکل آیا۔ ''بیٹا تمہارا نام ہی سنتوش ہے ناں وہ آدمی سنتوش کے قریب آ کر بولا۔ ''ج...... جی ہاں، اور آپ؟'' سنتوش نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں آپ کے پاپا کا دوست ہوں آج وہ کچھ مصروف تھے تو انہوں نے مجھے بھیج دیا تاکہ میں آپ کو گھر چھوڑ آؤں۔'' اس آدمی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''دوست۔'' سنتوش حیران ہوا۔ ''لیکن میں نے تو اپنے پاپا کے ساتھ کبھی نہیں دیکھا؟''

سنتوش کے اس سوال پر وہ آدمی مسکرایا اور بولا۔

''بیٹا میں آپ کے پاپا کا کاروباری دوست ہوں۔''

''اوہ۔'' سنتوش کے منہ سے نکلا۔ ''تو چلیں بیٹا۔'' اس آدمی نے کہا۔

''چلیئے۔'' سنتوش نے کہا تو اس آدمی نے آگے بڑھ کر گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا، سنتوش گاڑی کے اندر بیٹھا تو اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ آدمی بھی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ ''چلو نارنگ۔'' اس آدمی نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے آدمی سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ نارنگ نے گیئر لگا کر گاڑی آگے بڑھا دی۔ ''بیٹا آپ تو کافی سمجھ دار ہیں۔'' اس آدمی نے کہا تو جواباً سنتوش نے محض مسکرانے پر ہی اکتفا کیا گاڑی کافی دیر چلتی رہی۔ ''انکل میرا گھر تو پاس میں ہی تھا پر تو یہ تو'' اس آدمی نے سنتوش کو بات بھی پوری نہ کرنے دی اس نے یکدم جیب سے ایک رومال نکالا اور سنتوش کی ناک پر رکھ دیا سنتوش کا دماغ یکدم سن ہوگیا اور اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔''

سنتوش کی آنکھ کھلیں تو وہ حیران رہ گیا وہ اس وقت ایک انجانی سی جگہ پر تھا۔ بیتے لمحے کسی فلم کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے اس کا اسکول کے سامنے گاڑی کا انتظار کرنا، ایک کالے رنگ کی لمبی سی گاڑی کا آنا، گاڑی میں سے نکلنے والے شخص کو اس کے پاپا کا دوست بتانا، گاڑی میں بیٹھ کر دل دھڑکنا، پھر اسی آدمی سے پوچھنا تو دماغ کا سن ہوجانا۔ اب اس کی آنکھ کھلی تو وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں موجود تھا وہ اس وقت ایک چھوٹے سے کمرے میں موجود تھا۔ اس نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی تو وہ چکرا کر دوبارہ چارپائی پر جاگرا اس رومال میں موجود سفوف کا اثر ابھی تک اس کے دماغ پر چھایا ہوا تھا۔ سنتوش کے سر میں درد کی ٹیسیں سی اٹھ رہی تھیں۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو دبانے لگا کافی دیر بعد اس نے خود کو نارمل محسوس کیا وہ اٹھ کر بیٹھا اب اس نے کمرے کی حالت پر غور کرنا شروع کردیا۔ وہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں ایک بیڈ جس پر وہ خود لیٹا ہوا تھا۔ ایک پانی کا گھڑا، کمرے میں موجود اکلوتی کھڑکی اور ایک ٹوٹی پھوٹی کرسی جس پر اس کا اسکول کا بیگ پڑا ہوا تھا۔ کمرے میں ایک دروازہ بھی تھا جو بند تھا کھڑکی کے دروازے بھی بند تھے۔ سنتوش نے دیکھا زمین پر ایک ٹرے بھی پڑی ہوئی تھی جس میں کھانے پینے کا سامان بھی موجود تھا جو یقیناً اسی کے لئے تھا۔ سنتوش کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ وہ چارپائی سے نیچے اترا اور کھانے کی ٹرے کے پاس آ کر بیٹھ گیا

پلیٹ میں سالن اور گرم روٹیاں تھیں سنتوش کو بھوک بھی بہت لگی ہوئی تھی نجانے وہ کتنے وقت سے بے ہوش تھا وہ آندھی طوفان کی طرح کھانے کی ٹرے پر ٹوٹ پڑا، پانی پینے کے بعد وہ اٹھا اور کمرے کا جائزہ لینے لگا اس نے دروازے کو کھولنے کی کوشش کی مگر وہ باہر سے بند تھا۔ سنتوش نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اب صرف وہ ایک کھڑکی ہی تھی جو امید کی کرن تھی وہ کھڑکی کی طرف بڑھا کھڑکی کے دونوں پٹ بند تھے۔ سنتوش نے کھڑکی کے پٹ کھولے تو تیز ہوا کا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا جب سنتوش نے کھڑکی کے باہر جھانکا تو اسے امید کی کرن ڈوبتی نظر آئی کھڑکی میں کوئی سلاخ نہیں تھی لیکن وہ جس کمرے میں قید تھا اس کی اونچائی تھی کہ اگر وہ چھلانگ لگاتا تو یقیناً اس کی ہڈیوں کا سرمہ بن جاتا۔ سامنے سورج اپنی پوری چمک دمک اور گرمی دکھا رہا تھا یعنی دوپہر کا وقت تھا نیچے دور تک جاتی سڑک تھی جس پر اکا دکا گاڑیاں ہی نظر آرہی تھیں ارد گرد کوئی آبادی یا مکان بھی نہیں تھا جس سے وہ مدد حاصل کر لیتا اس نے کھڑکی کے پٹ بند کئے اور دوبارہ بستر پر آکر بیٹھ گیا۔ ایسے موقعوں پر اپنوں کی یاد بہت آتی ہے۔ اسے بھی اپنی ممی اور پاپا کی یادوں نے گھیر لیا۔ نجانے وہ کیا کر رہے ہوں گے وہ انہی سوچوں میں گم تھا کہ اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا اس نے اپنے گلے میں پہنا اور شرٹ میں چھپا لاکٹ نکالا اسے وہ دن یاد آگیا جب وہ عبداللہ چوکیدار کی گود میں بیٹھا کھیل رہا تھا اور اچانک اس نے عبداللہ کے لاکٹ کو پکڑا۔ ''یہ کیا ہے؟'' سنتوش نے پوچھا۔ ''یہ...... یہ ایک لاکٹ ہے بیٹا جو کہ بہت قیمتی ہے۔'' عبداللہ نے بتایا۔ ''قیمتی۔'' پرنتو مجھے تو یہ کہیں سے بھی قیمتی نہیں لگ رہا۔'' سنتوش نے کہا اور عبداللہ بے اختیار مسکرا دیا۔ ''یہ لاکٹ صرف اس وجہ سے قیمتی ہے۔'' عبداللہ نے لاکٹ کی زنجیر میں موجود چھوٹی سی ڈبی اسے دکھائی۔ ''اس میں کیا ہے؟'' سنتوش نے پوچھا۔ ''اس میں اس کا نام ہے جو اس ساری دنیا اور دنیا میں موجود ہر چیز کا مالک ہے۔''

''عبداللہ نے بتایا۔'' یعنی اللہ کا۔'' سنتوش تیزی سے بولا۔ ''شاباش۔'' عبداللہ نے خوشی کے باعث اس کے گالوں کو چوما۔ ''یہ لاکٹ آج میں تمہیں دے رہا ہوں اسے اپنے سے علیحدہ مت کرنا یہ زندگی کے مشکل سے مشکل موڑ پر بھی تمہاری مدد کرے گا۔''

آج اس ہار کو آزمانے کا وقت آگیا تھا۔ سنتوش نے لاکٹ کی زنجیر میں اپنی شہادت کی انگلی گھمانی شروع کردی اسی وقت کمرے کے دروازے کے کھلنے کی آواز سنائی دی۔

☆......☆......☆

راگنی کا رو رو کر برا حال ہو رہا تھا اور اسی وجہ سے اس کی آنکھیں بھی سوج گئی تھیں اس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ ''دیدی آپ دھیرج رکھئے سنتوش ضرور گھر واپس آجائے گا۔ نمو راگنی کو سمجھاتے ہوئے بولی۔ مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ سامنے دیانند اور نمو کا شوہر بھی پریشانی کی حالت میں راگنی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سنتوش کو گھر سے غائب ہوئے آج پورا ایک دن ہو چکا تھا۔ جب دیانند کا ڈرائیور سنتوش کو لینے کے لئے اسکول گیا تو وہ وہاں موجود نہیں تھا۔ اس نے اسکول کے اندر سے پوچھا تو وہاں سے پتہ چلا کہ وہ تو کافی دیر سے جا چکا ہے۔ ڈرائیور نے یہاں وہاں سے پوچھا مگر استفادہ حاصل نہ ہوا۔ اس نے جا کر دیانند کو بتایا تو وہ پریشان ہو گیا اتنے میں راگنی کا فون بھی آگیا وہ بھی کافی پریشان تھی دیانند نے دوبارہ خود اسکول جا کر وہاں سے پوچھا تو اسے پتا چلا کہ سنتوش تو چھٹی ہوتے ہی چلا گیا تھا۔ دیانند نے اسکول سے سنتوش کے دوستوں کا ایڈریس لیا اس کے دوستوں کے گھر بھی گیا لیکن کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا، رات تو انہوں نے جیسے تیسے کر کے گزار لی۔ مگر دوسرے دن کا آغاز ہوتے ہی دیانند تھانے چلا گیا وہاں انسپکٹر دیال سے ملا اور ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔ انسپکٹر دیال دیانند کے گھر گیا۔ ''دیانند جی آپ کا کوئی دشمن؟'' انسپکٹر دیال نے پہلا سوال پوچھا۔ مگر دیانند نے کوئی جواب نہ دیا وہ کسی گہری

شمع بک ایجنسی کی مفید کارآمد اور دلچسپ کتابیں

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
بچوں کے نام (دو ٹائٹل)	60/-	بادام سے علاج	30/-	حسن افزا ٹوٹکے	30/-
بچوں کے خوبصورت نام	75/-	کلونجی سے علاج	30/-	گھریلو چٹکلے	30/-
پسندیدہ اسلامی نام (23x36)	60/-	زیتون سے علاج	30/-	گھریلو چٹکلے (پاکٹ)	20/-
علم واعداد کی روشنی میں اسلامی نام	90/-	کلونجی سے علاج (پاکٹ)	25/-	مفید گھریلو چٹکلے	30/-
رنگ وروشنی سے علاج	50/-	گھر کا دواخانہ (پاکٹ)	20/-	موت کا منظر (درمیانہ)	30/-
آب زم زم سے شفا	30/-	گھر کا دواخانہ (درمیانہ)	30/-	جنت کا منظر (درمیانہ)	30/-
فرسٹ ایڈ (پاکٹ)	10/-	شوگر (ذیابیطس)	30/-	قیامت کا منظر (درمیانہ)	30/-
موٹاپا کم کیجئے	35/-	کینسر علاج اور تدبیر	30/-	حج کا منظر (درمیانہ)	30/-
موٹاپا دور بھگائیں	75/-	بلڈ پریشر اور تدبیر	30/-	نماز کا منظر (درمیانہ)	30/-
طب نبوی	40/-	ماں اور بچہ کی بیماریاں	30/-	موت کا منظر (پاکٹ)	30/-
اپنا علاج خود کیجئے	60/-	تحفۃ النکاح (پاکٹ)	30/-	قبر کی رات (پاکٹ)	20/-
طب لقمانی	35/-	سر درد علاج اور تدبیر	30/-	قبر کی رات (درمیانہ)	30/-
طبی علاج	30/-	السر علاج اور تدبیر	30/-	شمع پہیلیاں	25/-
غذاؤں سے تندرستی	30/-	جوڑوں اور جسم کا درد	30/-	لاجواب پہیلیاں	25/-
غذا سے صحت (پاکٹ)	15/-	امراض قلب	30/-	بے مثال پہیلیاں	25/-
پھلوں سے علاج	40/-	اعصابی بیماریاں	30/-	200 پہیلیاں	25/-
سبزیوں سے علاج	50/-	زنانہ امراض	30/-	کک باکسر	40/-
جڑی بوٹیوں سے علاج	50/-	خواتین کی بیماریاں	50/-	جدید کراٹے	40/-
خشک میوہ جات سے علاج۔	50/-	قد بڑھایئے	30/-	کراٹے اور بروس لی	25/-
پھلوں اور سبزیوں سے علاج	50/-	آسان ورزشیں	30/-	جوڈو کی عملی کتاب	40/-
پھلوں اور سبزیوں کے طبی فوائد	50/-	گھریلو ٹوٹکے (پاکٹ)	20/-	کنگ فو مارشل آرٹ	50/-
شہد سے علاج (بڑی)	40/-	مفید ٹوٹکے	25/-	آسان باڈی بلڈنگ	30/-
شہد سے علاج (پاکٹ)	25/-	گھریلو خواتین کے ٹوٹکے	25/-	جدید باڈی بلڈنگ	40/-
پھلوں سے علاج (پاکٹ)	20/-	دادا جی کے ٹوٹکے	25/-	سندھی اردو بول چال	30/-
سبزیوں سے علاج (پاکٹ)	20/-	نانا جی کے ٹوٹکے	25/-	انگلش اردو بول چال	30/-
کالی مرچ سے علاج	30/-	گھریلو کارآمد ٹوٹکے	75/-	بروہی اردو بول چال	30/-

شمع بک ایجنسی، نوید اسکوائر اردو بازار کراچی Ph:32773302

سوچ میں گم تھا۔
''دیانند جی۔'' انسپکٹر دیال نے دیانند کو کندھے سے پکڑ کر ہلایا۔ ''آں۔'' وہ چونکا بیٹے کی جدائی نے شاید اسے سوچوں کے سمندر میں ڈال دیا تھا۔ ''میں پوچھ رہا تھا کہ آپ کا کوئی دشمن تو نہیں یا آپ کو کسی پر شک ہو۔'' انسپکٹر دیال نے اپنا سوال دوبارہ دہرایا۔
''دشمن.....نہیں تو میرا تو کوئی دشمن نہیں۔'' دیانند نے نفی میں سر ہلایا۔ ''کسی پر شک۔'' انسپکٹر دیال نے مزید پوچھا۔ ''انسپکٹر صاحب جب میرا کوئی دشمن ہی نہیں ہے تو میں شک کس پر کروں۔'' دیانند زبردستی مسکرادیا۔
''دشمن اچھے لوگوں کے بھی ہوتے ہیں دیانند جی۔'' مگر اچھے لوگ اپنے اچھے پن میں اتنے ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں کہ وہ دشمن کو بھی دوست ہی تصور کرتے ہیں۔ انسپکٹر دیال نے کہا۔ ''لیکن انسپکٹر صاحب میری نظر میں تو کوئی نہیں جو سنتوش کا اپھارن کرسکے۔'' دیانند نے اپنا خیال ظاہر کیا اور اسکول وغیرہ سے پتہ کیا آپ نے؟'' انسپکٹر دیال نے پوچھا۔ ''ہاں پرنتو اسکول والوں کا کہنا ہے کہ وہ تو چھٹی کے سمے ہی اسکول سے باہر نکل گیا تھا۔'' دیانند نے بتایا۔ ''عمر کیا بتائی آپ نے بچے کی۔'' انسپکٹر دیال نے پوچھا۔ ''دس سال۔'' دیانند نے بتایا۔
''ٹھیک ہے دیانند جی آپ چنتا نہ کریں۔ ہم بہت جلد آپ کے بیٹے کا سراغ لگالیں گے۔''
انسپکٹر دیال نے اٹھتے ہوئے کہا وہ دیانند کی حویلی سے باہر آیا اور اپنی جیپ میں آکر بیٹھ گیا۔ ''ایسا کرو سنتوش کے اسکول چلو۔'' انسپکٹر دیال نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے کانسٹیبل سے کہا تو کانسٹیبل نے اثبات میں سر ہلا کر جیپ اسٹارٹ کرکے آگے بڑھادی۔ تھوڑی دیر بعد وہ سنتوش کے اسکول پہنچے لیکن کوئی خاص معلومات حاصل نہ ہوئیں۔ انسپکٹر دیال اسکول کے باہر آکر کھڑا ہوگیا اور ارد گرد نظریں ندوڑانے لگا اسکول کے سامنے ایک ریڑھی والا کھڑا انسپکٹر دیال اس ریڑھی والے کے قریب پہنچا وہ ایک ادھیڑ عمر شخص تھا۔
''کیسے ہو کاکا؟'' انسپکٹر دیال نے بات کا آغاز کیا۔ بس جی بھگوان کی بڑی کرپا ہے۔'' ریڑھی والا مودبانہ لہجے میں بولا۔ انسپکٹر دیال اس وقت وردی میں تھا۔ ''کاکا تمہاری یادداشت تو تیز ہے نا؟'' انسپکٹر دیال نے ریڑھی والے سے سیب اٹھاتے ہوئے کہا۔
''صاحب میں سمجھ نہیں پایا؟'' ریڑھی والے نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ ''کوئی مشکل سوال تو نہیں پوچھا میں نے تم سے کاکا صاف سا سوال ہے کہ تمہاری یادداشت تیز ہے یا نہیں۔'' انسپکٹر دیال نے سنجیدہ لہجے میں اپنا سوال دہرایا۔ ''کافی تیز ہے صاحب۔'' ریڑھی والے نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''کل اسکول سے چھٹی ہونے کے بعد ایک بچہ اپنے گھر نہیں پہنچا وہ یقیناً اسکول کے باہر ہی کھڑا رہا ہوگا آپ کی ریڑھی اسکول کے بالکل سامنے کھڑی ہے کیا آپ مجھے اس بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں۔'' انسپکٹر دیال نے سیب کھانے کے بعد باقی بچے ٹکڑے کو پھینک دیا۔ ''صاحب کل چھٹی کے سامنے ایک بچہ میں نے دیکھا تھا جو کافی دیر دھوپ میں کھڑا سورج کی گرمی برداشت کرتا رہا پھر تھوڑے سمے بعد ایک کالے رنگ کی کار وہاں آکر رکی اس میں سے ایک آدمی باہر نکلا وہ کافی دیر اس بچے سے باتیں کرتا رہا پھر وہ دونوں گاڑی میں بیٹھے اور یہاں سے چلے گئے۔'' ریڑھی والے نے اہم بات بتائی۔ ''ہوں۔'' اس کار کا نمبر دیکھا؟'' انسپکٹر دیال نے پوچھا۔ تو ریڑھی والا بے بسی سے مسکرادیا۔ ''صاب اگر ہم علم کی شکتیوں سے مالا مال ہوتے تو کیا۔ یہاں یہ ٹھیلہ لگاتے۔'' ریڑھی والے کو شاید تعلیم نہ حاصل پر افسوس تھا۔ ریڑھی والے کی اس بات پر انسپکٹر دیال مسکرادیا اس کے علاوہ ریڑھی والے سے کوئی کام کی بات معلوم نہ ہوسکی۔ انسپکٹر دیال نے ارد گرد نگاہوں کے دائروں کو گھمایا وہاں کئی دکانیں تھیں ریڑھی والے نے سنتوش کے جس جگہ کھڑے ہونے کی نشاندہی کی تھی وہاں قریب ہی ایک آئس کریم کی ایک دکان تھی انسپکٹر دیال اس دکان کے قریب پہنچا۔ ''رام، رام۔'' انسپکٹر دیال دکان مالک سے مخاطب ہوا۔ ''رام رام انسپکٹر صاحب۔'' دکان مالک نے مسکراتے ہوئے

کہا۔ انسپکٹر دیال نے اپنے آنے کی وجہ بیان کی، ساری بات سننے کے بعد دکان مالک نے کہا۔ ''انسپکٹر صاحب سنتوش بیٹے کو میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں وہ اکثر یہیں سے آئس کریم کھاتا تھا اور یہیں میری دکان کے سامنے کھڑے ہوکر اپنی گاڑی کا انتظار کرتا ہوں کل بھی وہ یہیں کھڑا تھا پرنتو کل کوئی نئی گاڑی ہی تھی جو اسے لینے آئی تھی میں چونکا بھی کیونکہ اس سے میری دکان میں رش کم تھا گاڑی میں سے ایک عجیب شخص نکلا تھا خیر وہ جیسے تیسے کر کے سنتوش بابو کو اپنے ساتھ لے گیا ویسے میں نے اس سے ایک عقلمندی کا کام کیا انسپکٹر صاحب۔''

''وہ کیا؟'' انسپکٹر دیال نے تیز لہجے میں پوچھا۔ ویسے اسے یقین تھا کہ وہ اچھی خبر ہی سنائے گا۔ ''میں نے اس گاڑی کا نمبر نوٹ کرلیا تھا۔ دکان مالک نے واقعی اچھی خبر دی تھی۔ ''ویری گڈ۔'' تم نے واقعی عقلمندی کا کام کیا ہے۔'' انسپکٹر جوشیلے لہجے میں بولا۔ دکان مالک نے انسپکٹر دیال کو گاڑی کا نمبر بتا دیا۔ انسپکٹر دیال نے اس کا شکریہ ادا کر کے اپنی جیپ میں آکر بیٹھ گیا۔ ''پولیس اسٹیشن چلو۔'' انسپکٹر دیال نے کہا تو کانسٹیبل نے اثبات میں سر ہلا کر جیپ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ جلد ہی وہ پولیس اسٹیشن پہنچے انسپکٹر دیال نے آفس میں پہنچتے ہی ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا جلد ہی دوسری طرف رابطہ مل گیا۔ ''ہیلو رنجیت کیسے ہو تم؟'' انسپکٹر دیال نے کہا۔ ''بھگوان کی کرپا سر آپ سنائیں؟'' دوسری طرف سے رنجیت نے کہتے ہوئے پوچھا۔ ''میں بھی ٹھیک ہوں۔ ایسا کرو ایک گاڑی کا نمبر نوٹ کرو اور مجھے جلدی بتاؤ یہ گاڑی کس کی ہے۔'' انسپکٹر دیال نے اتنا کہہ کر گاڑی کا نمبر بتا دیا۔ ''ٹھیک ہے آپ ہولڈ کیجئے میں آپ کو بتائے دیتا ہوں۔'' رنجیت نے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔'' انسپکٹر دیال نے کہا۔ ''ہیلو۔'' تھوڑی دیر بعد رنجیت کی آواز سنائی دی۔ ''ہاں بولو۔'' انسپکٹر دیال نے کہا۔ ''یہ کسی سیٹھ رام چندر کے نام رجسٹرڈ ہے۔'' اتنا کہہ کر رنجیت نے سیٹھ رام چندر کا ایڈریس بھی بتا دیا۔ انسپکٹر دیال نے ٹیلی فون کا ریسیور بھی رکھ دیا وہ اٹھ کر کھڑا ہوا اور سیٹھ رام چندر کے گھر پہنچا مگر وہاں سے ایک عجیب بات معلوم ہوئی اس کی گاڑی کل صبح چوری ہوگئی تھی اس نے متعلقہ تھانے میں رپورٹ بھی درج کرائی تھی سیٹھ رام چندر اپنے آفس سے واپس آرہا تھا تب اسلحے کی نوک پر دو آدمیوں نے اس سے گاڑی چھینی تھی۔ انسپکٹر دیال دوبارہ تھانے میں آکر بیٹھ گیا اس نے ٹیلی فون کے ذریعے مختلف تھانوں اور چوکیوں میں اس گاڑی کا نمبر نوٹ کروایا۔ تھوڑی دیر بعد اسے کام کی بات معلوم ہوگئی اس نمبر کی گاڑی ایک چوکی سے گزری تو تھی مگر دوسری چوکی تک نہیں پہنچی تھی یعنی وہ گاڑی ان دونوں چوکیوں کے درمیان ہی کسی جگہ پر تھی۔

☆......☆......☆

اندر آنے والی شخصیت کو دیکھ کر سنتوش حیران رہ گیا۔ وہ ایک بوڑھی عورت تھی جس نے ہاتھ میں کھانے کی ٹرے پکڑی ہوئی تھی اس بوڑھی عورت نے ایک نظر سنتوش پر ڈالی اور پھر زمین پر پڑی خالی ٹرے پر، وہ آگے بڑھی اس نے کھانے سے بھری ٹرے وہاں رکھی اور خالی اٹھالی۔ ''دو...... دو...... دیکھئے بھگوان کے لئے مجھے چھوڑ دیں۔'' سنتوش روتے ہوئے بولا۔ لیکن بوڑھی عورت کے کان پر جوں تک نہ رینگی وہ اپنے کام میں مصروف رہی۔ خالی ٹرے لے کر وہ اٹھی تو سنتوش تیزی سے اس کے پیروں کی طرف بڑھا۔ ''دو...... دیکھئے ماتا جی آپ کو بھگوان کی سوگند مجھے چھوڑ دیجئے۔'' سنتوش بڑھیا کے پاؤں پکڑتے ہوئے بولا۔ ''آں...... آں، آں۔'' بڑھیا پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ سنتوش نے حیرانگی سے گردن اٹھا کر بڑھیا کی طرف دیکھا۔ ''آں...... آں۔'' بڑھیا کے منہ سے پھر وہی الفاظ خارج ہوئے۔ ''مم...... مم...... مجھے چھوڑ دیجئے۔'' سنتوش بدستور روتے ہوئے بولا۔ ''آں، آں۔'' بڑھیا نے کانوں اور منہ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا یعنی وہ بڑھیا گونگی اور بہری تھی۔ ''بھگوان کے لئے مجھے جانے دیں، میرے ماتا پاتا میری چنتا میں

ہون گے، سنتوش نے کہا وہ شاید سمجھ نہیں سکا تھا کہ بڑھیا گونگی اور بہری ہے۔ بڑھیا بے بسی سے ارد گرد دیکھنے لگی۔ اچانک اس کی نظر کرسی پر پڑے اسکول بیگ کی طرف پڑی اس نے سنتوش کا اسکول بیگ اٹھایا اور سنتوش کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے سنتوش کے اسکول بیگ سے سلیٹ اور چاق نکالا اور اس پر کچھ لکھنے لگی۔ سنتوش حیرانگی سے بڑھیا کی طرف دیکھنے لگا۔

''رونے کا کوئی فائدہ نہیں، یہ تمہیں نہیں جانے دیں گے۔'' بڑھیا نے سلیٹ پر لکھے حروف کی طرف سنتوش کی توجہ دلوائی، بڑھیا پڑھی لکھی تھی۔ ''کیا آپ پڑھی لکھی ہیں؟'' سنتوش نے سلیٹ پر لکھا۔ سلیٹ پر لکھے شبدھ میرے ہی ہیں اور لکھے بھی میں نے تمہارے ہی سامنے ہیں۔ اگر وسواش نہیں آیا تو یہ شبدھ بھی میں نے ہی لکھے ہیں۔'' بڑھیا نے مسکراتے ہوئے سلیٹ سنتوش کی طرف کی۔ ''میں نے گونگے بہروں کے اسکول میں تعلیم حاصل کی ہے۔'' بڑھیا نے مزید لکھا۔

اوہ...... سنتوش کے منہ سے دکھ کے باعث نکلا۔

''لیکن آپ یہاں کیسے؟'' سنتوش نے سلیٹ پر لکھتے ہوئے پوچھا۔ بڑھیا نے سنتوش کے الفاظ پڑھ کر ایک طویل سانس کھینچی۔ ''میں کافی عرصے سے یہاں ہوں ان لوگوں کے گھناؤنے جرم میں برابر کی شریک ہوں میں۔'' بڑھیا نے لکھا سنتوش نے دیکھا بڑھیا افسردہ بھی تھی۔ ''لیکن میرا اپھارن کیوں کیا گیا ہے۔'' سنتوش نے لکھتے ہوئے پوچھا۔ ''یہ مجھے معلوم نہیں لیکن ایک حیرانگی ہے۔'' بڑھیا نے لکھا تو سنتوش نے حیرانگی سے بڑھیا کی طرف دیکھی بظاہر وہ حیرانگی کی وجہ پوچھ رہا تھا۔ یہ ہمیشہ بوڑھوں یا نوجوانوں کا اپھارن کرتے ہیں تا کہ ان کے پریوار سے پیسے بٹور سکیں لیکن تم پہلے ہو جو ایک بچہ ہے۔'' بڑھیا نے حیرانگی کی وجہ لکھی۔ اس میں حیرانگی والی بات تو کوئی نہیں میرے ماتا پتا بھی کافی امیر ہیں۔ یہ میرے کارن ان سے پیسے مانگیں گے۔'' سنتوش نے لکھا۔

''نہیں اصل میں یہ بات نہیں ہے۔'' بڑھیا نے لکھا تو سنتوش نے سوالیہ نگاہوں سے بڑھیا کی طرف دیکھا۔ ''میں نے انہیں ایک سائے سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا ہے۔'' بڑھیا نے عجیب بات لکھی۔ ''سایہ، میں سمجھا نہیں۔'' سنتوش نے حیرانگی سے لکھا۔ ''میرے صرف دو مالک ہیں ایک دن میں نے ان دونوں کو دیوار سے باتیں کرتے دیکھا باتیں تو میں سن نہیں سکی۔ پرنتو میں نے غور کیا تو دیوار پر صرف ایک سایہ نظر آ رہا تھا لیکن اس سایے کا وجود کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ پھر میرے مالکان نے مجھے کمرے سے باہر نکل جانے کا اشارہ کیا اور میں باہر نکل آئی۔'' بڑھیا نے لکھا۔ ''پرنتو آپ یہاں کام کیا کرتی ہیں۔'' سنتوش نے سلیٹ پر لکھا۔ ''یہی بھوجن وغیرہ کا جن لوگوں کا یہ اپھارن کرتے ہیں میں ان لوگوں کو بھوجن وغیرہ دیتی ہوں۔'' بڑھیا نے لکھتے ہوئے بتایا۔ ''لیکن وہ اس کام کے لئے کسی کو بھی رکھ سکتے تھے پرنتو انہوں نے آپ ہی کو کیوں رکھا۔ سنتوش نے لکھتے ہوئے پوچھا۔ ''میرے گونگے بہرے ہونے کے کارن تا کہ میں ان کا کہیں راز نہ اگل دوں۔'' بڑھیا نے سلیٹ پر وجہ لکھی۔ ''میں پڑھی لکھی ہوں یہ صرف تم جانتے ہو میں تمہیں بھی نہ یہ بات بتاتی نجانے میرے دل نے کیوں یہ کیا کہ میں تمہاری مدد کروں۔'' بڑھیا نے مزید لکھا تو سنتوش حیران رہ گیا۔ ''کہیں یہ اس لاکٹ کا کرشمہ تو نہیں۔'' سنتوش نے پوچھا۔ ''تو پھر میری مدد کریں نہ۔'' یہ لکھتے وقت سنتوش کی آنکھوں سے آنسو بھی نکل پڑے تھے۔ ''یہاں سے نکلنے میں میری مدد کریں۔'' سنتوش نے مزید لکھا۔ ''یہ نہیں ہو سکتا، وہ میری ہتھیا کر دیں گے۔'' بڑھیا نے لکھا تو سنتوش نے صاف محسوس کیا تھا کہ بڑھیا خوفزدہ ہو گئی تھی۔ ''آپ کو بھگوان کا واسطہ، میں آپ کے بیٹے جیسا ہوں۔ سنتوش نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ بڑھیا کو اس پر ترس آ گیا اس نے سنتوش کے آنسو صاف کئے اور سلیٹ پر لکھنے لگی۔ سنتوش نے سلیٹ پر لکھی تحریر پڑھی۔ ''تم چنتا مت کرو۔ شام کے بھوجن کے سمے میں آؤں گی تب میں تمہیں یہاں سے نکالوں گی۔ یہ الفاظ سلیٹ

پر لکھے ہوئے تھے سنتوش بے اختیار بڑھیا سے لپٹ گیا۔ بڑھیا کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل پڑے تھوڑی دیر بعد بڑھیا برتن سمیٹ کر باہر نکل گئی۔ سنتوش نے چاق اور سلیٹ اسکول بیگ میں رکھے اور بیگ ایک طرف رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا لیکن اس دفعہ آنے والی شخصیت وہی تھی جو اسکول سے یہاں تک سنتوش کو لے کر آیا تھا۔ ''کیسے ہو سنتوش بابو۔'' سنتوش سے اس شخص نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''تمہیں خدا کا واسطہ......مم......مم...... مجھے چھوڑ دو۔'' سنتوش ہکلاتے ہوئے بولا۔ سنتوش کے اس طرح گھبرانے پر وہ آدمی مسکرایا۔ ''چھوڑ دیں گے۔ بس ایک چھوٹا سا کام ہے وہ ہو لینے دو...... پھر تمہیں چھوڑ دیں گے۔ اس آدمی نے کہا۔ کک...... کیا کام سنتوش حیرانگی سے بولا۔ ''وہ بھی تمہیں پتہ چل جائے گا۔'' اس آدمی کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ تھی۔ دیکھو سنتوش بابو کسی قسم کی گڑبڑ کرنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ تمہارا بے جان شریر تمہارے ماتا پتا کو ملے گا۔ اس مرتبہ اس آدمی کا لہجہ تھوڑا سخت ہو گیا تھا۔ سنتوش سہم سا گیا۔ ''اب میں چلتا ہوں۔ پھر ملاقات ہوگی۔'' اس آدمی نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

سنتوش اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ لوگ اس کے ساتھ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ اب اس کی امید صرف وہ گونگی بہری بڑھیا تھی۔ خیر گھڑیال کی سوئیاں گھومتی رہیں، کھڑکی کے ذریعے اندر داخل ہوتی سورج کی مدھم روشنی سے وہ سمجھ گیا کہ شام ہو رہی ہے اور پھر وہ مدھم ہوتی روشنی بھی کم ہونے لگی۔ سنتوش نے دیکھا۔ اب ہر طرف اندھیرا پھیلنے لگا تھا کمرے کی دیوار پر ایک بلب بھی لگا ہوا تھا جس کا بورڈ دیوار پر کافی اونچائی پر لگا ہوا تھا۔ سنتوش نے کمرے میں پڑی کرسی گھسیٹ کر دیوار کے پاس کی اور اس پر چڑھ کر بلب کا بٹن آن کیا کمرے میں پیلے رنگ کی روشنی پھیل گئی۔ سنتوش کرسی سے اترا اس نے آگے بڑھ کر کھڑکی کے پٹ کھولے رات کے اندھیرے نے تقریباً ہر طرف اپنا راج کر لیا تھا اس روڈ

پر کافی فاصلے پر اکا دکا گھر تھے جن میں موجود بلبوں کی روشنیاں سنتوش کو دکھائی دے رہی تھیں۔ سنتوش نے کھڑکی کے پٹ بند کیئے اور دوبارہ بیڈ پر آکر بیٹھ گیا۔ کافی دیر بعد وہ بڑھیا دوبارہ کھانے کی ٹرے لے کر آئی اس نے کھانے کی ٹرے سنتوش کے سامنے رکھی اور اشاروں سے اسے کھانے کا کہا سنتوش اس کی بات سمجھ گیا اور کھانا کھانے لگا کھانے کے بعد سنتوش اپنے بیگ سے سلیٹ اور چاق نکال لایا اور اس پر کچھ لکھنے لگا۔ اب آپ مجھے یہاں سے نکالیئے۔ سنتوش نے سلیٹ بڑھیا کے سامنے کی۔ ایک راز کی بات بتاؤں؟'' بڑھیا نے لکھا۔ ''کیا۔'' سنتوش نے اشارے سے پوچھا۔ ''وہ سایہ ہر ایک پر نظر رکھ سکتا ہے پرنتو تم پر نہیں۔ بڑھیا نے لکھا۔ ''کیا مطلب؟'' سنتوش نے لکھتے ہوئے پوچھا۔

وہ سایہ ہر ایک کا بولیش جانتا ہے پرنتو تمہارے بارے میں وہ کچھ نہیں جان سکتا میرے مالکوں کا کہنا ہے کہ تمہارے پاس ایک شکتی ہے۔'' بڑھیا نے تفصیلاً لکھا۔ ''شکتی۔'' سنتوش حیرانگی سے بڑبڑایا۔ ''لیکن آپ یہ کیسے جانتی ہیں۔'' سنتوش نے لکھتے ہوئے پوچھا۔ ''میرا مالک جو تمہیں یہاں لے کر آیا تھا اس نے مجھے اشاروں سے بتایا تھا کہ تم پر خاص نظر رکھوں کیونکہ وہ تمہارے بارے میں زیادہ نہیں جان سکتے میں اس سے مزید الجھنا نہیں چاہتی تھی۔ اب وہ تو بولیش جاننے سے رہا یہ ضرور اس سائے نے ان سے کہا ہوگا۔'' بڑھیا نے لکھتے ہوئے بتایا۔ سنتوش کے پڑھ لینے کے بعد بڑھیا نے مزید لکھا۔ ''ہم دونوں اب کھڑکی کے پاس کھڑے ہو جائیں گے تقریباً آدھے گھنٹے بعد یہاں سے ایک ٹرک گزرے گا ٹرک روزانہ یہاں سے اسی سے گزرتا ہے کیونکہ یہاں پاس ہی روئی کی ایک فیکٹری ہے جب وہ ٹرک یہاں سے گزرے گا تو تم اس میں کود جانا چنتا نہ کرنا ٹرک میں صرف روئی ہی ہوگی۔ اگر بھگوان نے چاہا تو تم اپنے گھر ضرور پہنچ جاؤ گے۔ اپنا یہ اسکول بیگ بھی اٹھالینا۔''

سنتوش نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''لیکن اس طرح تو وہ آپ کی ہتھیا کر دیں گے۔ سنتوش نے ہمدردی کے باعث لکھتے ہوئے کہا۔ بڑھیا نے وہ پڑھا اور پھر پیار سے سنتوش کا ماتھا چوم لیا۔ ''تم چنتا نہ کرو جیون میں پہلی بار پنے کا کام کرنے جا رہی ہوں اگر ان لوگوں نے میری ہتھیا کر بھی دی تو مجھے کوئی غم نہیں۔ بڑھیا نے لکھا بڑھیا کی آنکھوں سے آنسو بھی چھلک پڑے تھے۔ آپ بھی میرے ساتھ چلیئے نہ، سنتوش نے لکھا۔

''نہیں بیٹا ایسا نہیں ہو سکتا اگر میں تمہارے ساتھ گئی تو وہ تمہیں دوبارہ پکڑ لیں گے۔'' بڑھیا نے لکھا بڑھیا نے اسے اب کھڑکی کی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ سنتوش نے سلیٹ اور چاق اپنے بیگ میں رکھے وہ دونوں کھڑکی کے پاس آئے سنتوش نے کھڑکی کے دونوں پٹ کھولے دونوں کی نظریں اب روڈ پر تھیں۔ تقریباً بیس پچیس منٹ بعد دو بڑی روشنیاں قریب آتی دکھائی دیں۔ جو یقیناً ٹرک کی ہیڈ لائٹس تھیں سنتوش اب کودنے کے لئے مکمل طور پر تیار تھا۔ دل میں تھوڑی سی گھبراہٹ بھی تھی کہ کہیں ٹرک کے بجائے روڈ پر ہی نہ جا گرے اچانک اسے لاکٹ کا خیال آیا اس نے قمیض کی زد سے لاکٹ کو باہر کیا اور اس کی زنجیر میں اپنی انگلی گھمانے لگا۔ ٹرک اب کافی قریب پہنچ چکا تھا۔ سنتوش نے شکرانہ نگاہوں سے بڑھیا پر نظر ڈالی اور پھر چھلانگ لگا دی۔ خوف کے باعث سنتوش نے آنکھیں بند کر لیں تھیں وہ ٹرک میں بڑی نرم نرم گٹھریوں پر جا گرا۔ بڑھیا نے ایک طویل سانس کھینچی اور کھڑکی کے دونوں پٹ بند کر کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھی۔

☆......☆......☆

''یہ تم دونوں کی غلطی کے کارن ہوا ہے۔'' اس کمرے میں غصے بھری آواز گونجی۔ کمرے میں دو آدمی موجود تھے۔ جو سامنے دیوار کی طرف دیکھ کر باتیں کر رہے تھے اور دیوار پر ایک سایہ نظر آ رہا تھا۔ ''لیکن تم، تو ہمیں بتا سکتے تھے، تم کون سا انسان ہو، ان دونوں آدمیوں سے وہ بولا جس نے سنتوش کو اغوا کیا تھا......

میں تمہیں پہلے بھی کارن بتا چکا ہوں میں ہر ایک کا بولیش جان سکتا ہوں پرنتو اس بچے کا نہیں اس کے پاس ایک بہت بڑی شکتی ہے جس کے کارن میں اس کے متعلق کچھ نہیں جان سکتا۔ وہ سایہ بولا۔ ’’جب وہ بڑھیا اس کے ساتھ رہی اسی کارن میں کچھ بھی نہ جان سکا کہ وہ کیا پلان بنا رہے تھے۔‘‘

’’اس میں چنتا کرنے والی کیا بات ہے۔ ہم دوبارہ اس کا اپھارن کرلیں گے۔‘‘ اس مرتبہ دوسرا آدمی بولا۔ ’’نہیں...... اب کوئی فائدہ نہیں۔‘‘ سائے سے گرجدار آواز خارج ہوئی۔ ’’کیا مطلب؟‘‘ حیرت کے باعث دونوں آدمیوں کے منہ سے نکلا۔ ’’ویسے بھی چند سموں میں انسپکٹر دیال بھی یہاں پہنچنے والا ہے اور تمہارا کام بھی ختم ہو چکا ہے اور جب ہی ختم ہو چکا ہے تو تمہیں بھی اپنی وفادار بڑھیا کے پاس جانا ہوگا۔ سائے نے کہا۔ یہ...... یہ...... تم کیا کہہ رہے ہو...... پہلے آدمی نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ تم دونوں کی مرتیو ضروری ہے کیونکہ تم دونوں نے مجھے نیراش کیا ہے۔ سائے سے سخت آواز خارج ہوئی۔ دونوں آدمیوں نے تیزی سے جیب سے پستول نکالے اور سائے پر فائر کھول دیئے مگر یہ کیا؟ سائے کو تو کچھ نہ ہوا ہاں البتہ دیوار میں کئی سوراخ ہوگئے وہ کمرہ قہقہوں سے گونج اٹھا۔

اس گھر کے باہر انسپکٹر دیال کی جیپ رکی جس میں انسپکٹر دیال سمیت پانچ کانسٹیبل بیٹھے ہوئے تھے۔ جن کے ہاتھوں میں رائفل موجود تھی۔ وہ سب تیزی سے جیپ سے نیچے اترے اور اس گھر میں داخل ہوگئے۔ وہ سب چوکنے انداز میں ادھر ادھر پھیل گئے۔ انسپکٹر دیال سامنے موجود دو کمروں کی طرف بڑھے ایک کمرہ تو خالی تھا لیکن دوسرے کمرے کا منظر دل دہلا دینے کے لئے کافی تھا اندر دو انسانی ڈھانچے کمرے کے فرش پر پڑے ہوئے تھے۔ ’’یہ...... یہ...... سر...... ایک کانسٹیبل کے منہ سے خوف کے باعث الفاظ بھی نہیں نکل پا رہے تھے۔ وہ سب خوفزدہ ہوگئے تھے۔ انسپکٹر دیال ان ڈھانچوں کے قریب پہنچا۔ ’’سس......

سر یہ بڑا ہولناک منظر ہے۔‘‘ دوسرا کانسٹیبل خوفزدہ لہجے میں بولا۔ ’’منظر تو واقعی ہولناک ہے۔‘‘ انسپکٹر دیال نے کانسٹیبل کی تائید میں سر ہلایا وہ بھی کم حیران نہیں تھا ان ڈھانچوں کے پاس دو ریوالور بھی پڑے ہوئے تھے انسپکٹر دیال نے جیب سے رومال نکالا اور دونوں ریوالور اٹھا کر کانسٹیبل کو پکڑا دیئے۔

اچانک انسپکٹر دیال کی نظر کمرے کی دیوار پر پڑی وہ حیرت کے عالم میں دیوار کے قریب پہنچا دیوار میں تقریباً نو چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے جو یقیناً دیوار سے نکلنے والی گولیوں کے تھے۔ ’’یہ۔‘‘ آخر چکر کیا ہے۔ انسپکٹر دیال الجھن کے عالم میں بولا۔ ’’ایسا کرو فنگر پرنٹس کے عملے کو یہاں بلواؤ اور یہ ڈھانچے لیبارٹری میں بھجواؤ۔‘‘ انسپکٹر دیال نے کانسٹیبل کو ہدایات دیں اسی وقت کانسٹیبل دوڑتا ہوا آیا وہ کافی گھبرایا ہوا تھا۔ ’’سس...... سس...... سر وہ خوف کے باعث کانسٹیبل کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔‘‘ ’’کیا ہوا تمہیں۔ اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو...... انسپکٹر دیال نے حیرانگی سے پوچھا۔ ’’وہ...... وہ سر اوپر چھت والے کمرے میں ایک انسانی ڈھانچہ پڑا ہوا ہے۔‘‘ کانسٹیبل نے حیرت انگیز اطلاع دی۔ انسپکٹر دیال تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بھاگا اوپر چھت پر بھی ایک کمرہ تھا اس کمرے میں بیڈ کے پاس ایک ڈھانچہ پڑا ہوا تھا۔ ’’اوہ...... نو...... خوف کے باعث انسپکٹر دیال کے منہ سے نکلا کمرے کی اکلوتی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ فرش پر ایک ٹرے پڑی ہوئی تھی جس میں خالی برتن تھے۔ ’’سنتوش کہاں ہے۔‘‘ انسپکٹر دیال پریشانی کے عالم میں بڑبڑایا۔ ’’ایسا کرو یہ ڈھانچہ بھی لیبارٹری بھیج دو۔‘‘ انسپکٹر دیال نے کانسٹیبل سے کہا ایسے ہی ایک ڈھانچے کا ذکر وہ پہلے بھی سن چکا تھا پریم نگر گاؤں میں بلونت نامی دیہاتی کا وہ بھی صبح کے وقت ہڈیوں کے ڈھانچے کی صورت میں ملا تھا۔ انسپکٹر دیال الجھن کے عالم میں بیرونی دروازے کی طرف بڑھا۔

☆......☆......☆

اس ٹرک میں سے روٹی کے بڑے بڑے گٹھر نکالے جارہے تھے۔ ''ارے ایک آدمی چلایا اس کے چلان سے کئی آدمی اس طرف متوجہ ہوئے۔'' کیا ہوا بوٹے، ایک آدمی نے اس سے پوچھا لیکن بوٹا حیرانگی کے عالم میں ٹرک میں پڑے روٹی کے گٹھروں پر پڑے معصوم بچے کی طرف دیکھ رہا تھا وہ شاید سورہا تھا اس نے گلے میں اسکول کا بیگ اور خود اسکول کا یونیفارم پہنا ہوا تھا۔ ارے کچھ منہ سے بھی بکو۔ دوسرے آدمی نے بوٹے کو کندھے سے پکڑ کر ہلایا۔ ''آں...... بوٹا چونکا اور پھر اس نے دوسرے آدمی کی توجہ روٹی کی گٹھریوں پر پڑے بچے کی طرف کرائی۔ ''ارے...... بے اختیار دوسرے آدمی کے منہ سے بھی وہ الفاظ نکلے۔ اب تو وہاں اردگرد آتے جاتے لوگ بھی جمع ہوگئے تھے اور حیرانگی سے بچے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ''یہ...... یہ کیا چکر ہے...... بوٹے نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے اس ٹرک کے ڈرائیور تو تم ہو۔'' دوسرے آدمی نے کہا۔ ''بھگوان کی سوگند مجھے نہیں معلوم یہ ٹرک میں کیسے آیا'' بوٹا گھبراتے ہوئے بولا۔ ''تو کیا یہ بچہ پنچھی ہے جو اڑکر اس ٹرک میں آگیا'' دوسرا آدمی بوٹے کو گھورتے ہوئے بولا۔ ''یہ تو بھگوان ہی جانتا ہے مہندر کہ بچہ میرے ٹرک میں کیسے آیا'' بوٹے نے لاچاری کے عالم میں کہا۔ ''ہوں۔ تو پھر اب کیا کیا جائے۔'' مہندر نے سوالیہ نگاہوں سے بوٹے کی طرف دیکھا۔ ''ارے بھئی اس میں اتنی چنتا والی بات کیا ہے۔ اس بچے کو جگاؤ اور اس سے پوچھو کہ وہ ٹرک میں کیسے آیا۔'' ایک ادھیڑ عمر شخص نے انہیں عقل کی رائے دی۔ ''ہاں بالکل'' ٹھیک ہے میں بچے کو جگاتا ہوں۔ اتنا کہہ کر بوٹا ٹرک میں چڑھا اور روٹی کی گٹھریوں کو روندتا ہوا اس بچے تک جا پہنچا۔ قریب پہنچتے پر وہ بچے کو بازو سے پکڑ کر ہلانے لگا۔ ''اے چھوٹے اٹھ۔'' بوٹے کے ہلانے پر اس بچے نے یکدم آنکھیں کھول دیں وہ اپنے سامنے کھڑے بوٹے کو دیکھ کر حیرت سے چونکا۔ ''اے چھورے کون ہے تو اور میرے ٹرک میں کیا کررہا ہے۔'' بلکہ حیرت والی بات یہ ہے کہ تو میرے ٹرک میں آیا کیسے۔'' بوٹے نے یکے بعد دیگرے کئی سوال کرڈالے اور بچہ خاموشی سے بوٹے کا چہرہ تکنے لگا۔ ''چھورے میں تم سے پوچھ رہا ہوں کون ہو تم اور میرے ٹرک میں کیا کررہے ہو۔'' بوٹے نے اپنے سوال دوبارہ دہرائے۔

''مم...... میں۔'' بچے نے اتنا کہہ کر رونا شروع کردیا۔ ''ارے...... ارے...... ارے تم رو کیوں رہے ہو، میں تمہیں مار تھوڑی رہا ہوں۔'' اتنا کہہ کر اس نے بچے کو اٹھایا اور پھر ٹرک سے نیچے اتر آیا۔ ''بیٹا تم روؤ مت ہم تمہیں ماریں گے تھوڑی۔ بس یہ بتادو کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو تمہارے ماتا پتا کہاں رہتے ہیں۔'' تمہارے پتا کا نام کیا ہے تاکہ ہم تمہیں تمہارے گھر پہنچا سکیں۔'' بوٹے نے ایک مرتبہ پھر بچے پر سوالوں کی بوچھاڑ کردی۔ ''ارے بیوقوف جب معصوم بچے سے اتنے سوال کرو گے تو وہ کیا خاک جواب دے گا۔ ''مہندر جلے کٹے لہجے میں بولا۔ 'اب کیا کروں مہندر میری تو عادت ہی ایسی ہے۔'' بوٹا لاچارگی کے عالم میں بولا۔ ''بری عادت ہے اور مہندر بوٹے کو آنکھیں دکھاتے ہوئے بولا۔ ''اب دیکھ میں پوچھتا ہوں۔''

''بیٹا تمہارا نام کیا ہے۔'' مہندر نے پیار سے پوچھا۔ ''سنتوش۔'' بچے نے روانی کے عالم میں بتایا۔ ''بہت اچھے بیٹا یہ ہوئی نا بات۔'' مہندر پیار سے سنتوش کے گال تھپتھپاتے ہوئے بولا۔ ''دیکھا ایسے بچے سے گفتگو کرتے ہیں۔'' مہندر نے بوٹے کی طرف دیکھا تو وہ غصے سے منہ بنانے لگا۔ ''اچھا بیٹا یہ بتاؤ تمہارے گھر کا ایڈریس کیا ہے۔''

اس مرتبہ سنتوش خاموش رہا کیونکہ وہ اپنے گھر کا پتہ نہیں جانتا تھا۔ کیا اسکول سے بھاگے ہو۔ مہندر نے سنتوش کے جواب نہ دینے پر پوچھا۔ ''مہندر مجھے تو لگتا ہے چھورا اسکول سے بھاگا ہے پڑھتا وڑھتا نہیں ہوگا پتا نے مارا ہوگا تو اسکول آگیا ہوگا لیکن پھر وہاں سے بھاگ آیا ہوگا۔ بوٹے نے خدشہ ظاہر کیا۔ عقل کے دشمن جہاں ہماری فیکٹری ہے وہاں تو دور دور تک کسی

اسکول کا نام و نشان نہیں ہے۔ مہندر نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''ہمارا ٹرک راستے میں کئی جگہوں پر رکا ہے ہوسکتا ہے کسی گاؤں سے یہ ٹرک میں سوار ہوا ہوگا۔'' بوٹے نے کہا۔ ''ہاں یہ ہوسکتا ہے۔'' مہندر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکرایا۔ ''ہاں یہ ہوسکتا ہے...... بوٹے نے غصے سے الفاظ دہرائے تو مہندر ایک زوردار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ ''ہاں تو بیٹا آ بتاؤ نہ تمہارے ماتا پتا کہاں رہتے ہیں وہ تمہارے لئے پریشان ہورہے ہوں گے۔ مہندر کا لہجہ بظاہر منت سماجت والا تھا لیکن سنتوش اس مرتبہ بھی کچھ نہ بولا اور بھائی صاحب آپ کیوں الجھن میں پڑے ہو۔ مجمع میں کھڑے ایک آدمی نے کہا۔ بالکل بوٹے تم کس جھنجھٹ میں پڑ رہے ہو جن کا ہے انہوں نے پولیس اسٹیشن میں رپورٹ تو درج کروائی ہوگی۔ دوسرے آدمی نے رائے دی۔ ہاں مندرے بات تو ان کی ٹھیک ہے۔ بوٹے نے مہندر کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ بیٹا کھانا کھایا تم نے۔'

سنتوش نے نفی میں سر ہلایا یعنی وہ بھوکا تھا۔ چل بوٹے اس بچے کو تو کھانا تو کھلائیں۔ نہ جانے کب سے بھوکا ہے۔ پولیس والوں کا حال تو تمہیں معلوم ہی ہے بیچارے کو بھوکا رکھیں گے ہم کھانا کھلانے کے بعد یہاں کے پولیس اسٹیشن میں چھوڑ آئین گے۔ مہندر نے کہا۔ ''ٹھیک ہے کھانا تو ہم نے بھی کھانا ہے۔ ساتھ یہ بچی بھی دو روٹیاں کھالے گا تو ہمارا کیا جائے گا۔'' بوٹے نے کہا تو مہندر مسکرادیا وہ دونوں سڑک کے کنارے کھڑی ناشتے کی ریڑھیوں کی طرف بڑھے۔ وہ ایک جگہ زمین پر بچھی چٹائی پر بیٹھ گئے ہ ہاں صاب بھوجن میں کیا پسند کریں گے آپ۔ ایک چھوٹا لڑکا ان کے قریب آ کر بولا۔ مہندر نے اسے کھانے کا آرڈر دیا۔ ''شام ہونے سے پہلے پہلے ہمیں فیکٹری پہنچنا ہے۔'' بوٹا فکرمندانہ لہجے میں بولا۔ ''پولیس کے بکھیڑوں میں ہمیں کافی دیر لگ جائے گی۔''

تو چنتا کیوں کرتا ہے۔ پولیس زیادہ سے زیادہ پوچھ گچھ کے سلسلے میں ہمارا سے خراب کرے گی۔ اور ویسے بھی بوٹے پولیس والوں کے لئے ہمارے پاس سے کہاں ہے بھگوان نے چاہا تو ہم جلد ہی فارغ ہوجائیں گے۔'' مہندر نے بوٹے کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ان تینوں کے پاس ہی دو آدمی بنچ پر بیٹھے کسی بحث میں مصروف تھے۔ یار لاکھن منے (مجھے) تو بڑی چنتا کھائے جارہی ہے۔ ان میں سے ایک بولا۔ ''چنتا والی بات تو بتو وے دیو...... دوسرا اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''چھورا مارے ہاتھ سے نکل گیا۔'' دینو کے لہجے میں پریشانی بستی ہوئی تھی۔ تو اس چھوری کے پتا سے بات کر منے وسواس ہے۔ جرور (ضرور) کوئی نہ کوئی اپائے نکل آئے گا۔'' لاکھن نے دینو کو مشورہ دیا۔ ''بات تو کی تھی لاکھن اس نے اپنی چھوری کو مارا پیٹا بھی چھوری تو باج آوے پرنتو میرا چھورا نہ مانے اپنی جد (ضد) پر آڑا ہوا ہے کہتا ہے بابا منے اس سے پریم ہے۔ پریم کا مطلب یہ تو نہ ہووے کہ ماتا پتا کی عجت (عزت) سے کھیلا جائے۔ دینو کے لہجے میں پریشانی کے ساتھ ساتھ غصہ بھی عود کر آیا تھا۔ ویسے لاکھن تھاری (تمہاری) پتنی نے تو تھارے چھورے کی سگائی اس سے کی تھی نہ۔'' ہاں لاکھن کی تو تھی۔'' پر وہ حرام کی تخم جنم ہوتے ہی ماں کو کھا گئی اور پھر خود ایک دن چھت سے گر کر اپنی آنکھیں گنوا بیٹھی۔ دینو نفرت سے بولا۔ ''پرنتو دینو یار جب تھارے اوپر قرجا (قرض) چڑھے اور قرجا داروں نے تمہیں پریشان کیا تھا تو اس چھوری کے پتا نے ہی تھارا قرجا اتارا تھا۔ لاکھن نے کہا۔

سنتوش چٹائی پر بیٹھا لاکٹ کی زنجیر میں اپنی انگلی گھمارہا تھا۔ مہندر اور بوٹے کی توجہ بھی لاکھن اور دینو کی طرف ہی تھی۔ ابھی تک لڑکا ان کے لئے ناشتے کا سامان بھی نہیں لے کر آیا تھا۔ ''میں نے سے پروا پس بھی تو کردیا تھا نہ اور یار لاکھن اگر تمہارا چھوری کسی اندھی چھوری سے پریم کرے تو تھارے دل پر کیا بیتے۔'' لاکھن کی بات پر دینو کو غصہ آ گیا۔ ''دھیرج رکھ دینو۔'' اپنے چھورے کو سمجھا کہ اندھی لڑکی تو تمہارا جیون خراب کردے گی۔'' لاکھن نے کہا۔ ''یار ایک مرتبہ نہیں

بلکہ ہجار (ہزار) مرتبہ سمجھائے ہے منے پر وہ لین (لائن) پر نہ آوے۔" دینو نے بےبسی کے عالم میں بولا۔ سنتوش نے اپنی انگلی روکی اور بند آنکھیں کھولیں وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر دینو اور لاکھن کے پاس آ کر چھوٹے بنچ پر بیٹھ گیا۔ "ارے سنتوش بیٹا تمہاری جگہ تو یہاں ہے۔" مہندر حیرانگی سے بولا۔ لاکھن اور دینو بھی حیرانگی سے سنتوش کی طرف دیکھ رہے تھے۔ "کاکا آپ اپنے بیٹے سے کتنا پریم کرتے ہیں۔" سنتوش نے دینو سے پوچھا تو دینو حیرانگی اور غصے سے بولا۔ "تو کون ہے رے چھورے، جا اپنا کام کر جا کے۔"

آپ میری بات کا جواب دیں۔ سنتوش مطمئن لہجے میں بولا۔ "بیٹا ماتا پتا تو اولاد سے پریم کرتے ہیں نہ دینو کے بجائے لاکھن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میں نے آپ سے نہیں دینو انکل سے پو■ ہے۔" سنتوش نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "بب...... بہت۔" بےاختیار دینو کے منہ سے نکلا۔ "ہوں۔" کاکا اپنی انا کی خاطر اپنے پوتر کی بلی نہ دیں تو اچھا ہے آپ کا پوتر (بیٹا) بھی آپ سے بہت پریم کرتا ہے تبھی تو وہ آپ سے منت سماجت کر رہا ہے ورنہ وہ اس لڑکی کو بھگا کر بھی لے جا سکتا تھا پرنتو اس نے ایسا نہیں کیا وہ اس لئے کہ اس کو آپ کی عزت کا خیال ہے یعنی وہ آپ سے پریم کرتا ہے جہاں تک لڑکی کے اندھے ہونے کی بات ہے تو فرض کریں کا گر یہی پوزیشن آپ کے بیٹے کی ہوتی تو اور وہ لڑکی اندھی نہ ہوتی تو کیا آپ اس رشتے یا سگائی کو توڑتے یا یہی لڑکی جو اندھی ہے آپ کے گھر جنم لیتی تو آپ پر کیا بیتتی۔" یہ اوپر والے کا آپ پر احسان ہے کہ اس نے آپ کو آنکھوں والا لڑکا دیا ہے پرنتو افسوس آپ آنکھوں والے ہو کر بھی اندھے بنے ہوئے ہیں۔ اگر وہ لڑکی اندھی ہے تو اس سماج کو آپ کے بیٹے کی آنکھوں سے دیکھے گی آپ کو تو اپنے بیٹے پر گرو ہونا چاہئے کہ آپ کا بیٹا اتنے پنے کا کام کرنا جا رہا ہے۔ ویسے بھی وہ بیچاری لڑکی کون سا پیدائشی طور پر اندھی ہے آپ کی زندگی کافی پڑی ہے۔ آپ کے ساتھ بھی کچھ ہو سکتا ہے آپ کے بیٹے کے ساتھ بھی لوگ کیا کہیں گے یہ مت سوچیں۔ یہ سوچئے کہ اس میں آپ کے بیٹے کی خوشی ہے۔ ضد، انا اور ذات پات کے چکر میں اپنے بیٹے کو نہ کھو دیجئے گا یہ...... ابھی سنتوش کی بات جاری تھی کہ یکدم بوٹے نے اٹھ کر اسے ٹوکا۔ "چپ کر چھورے اور اٹھ یہاں سے۔"

لیکن سنتوش نہ اٹھا تو اس نے غصے سے سنتوش کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور حیرت میں ڈوبے دینو اور لاکھن سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "معاف کیجئے گا چھورا ابھی نادان ہے۔"

ایک...... ایک منٹ...... دینو نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ "اس نادان چھورے نے نادانی میں میرے ضمیر کو جھنجھوڑ ڈالا ہے ایسی باتیں کہہ دی ہیں کہ مارے ضمیر کو جگا دیا ہے۔" شاباش چھورے تنے (تو نے) بالکل سچ کہا۔ بھگوان میرے نندو کو بھی تو اندھا کر سکتا تھا نہ...... بالکل اب تو نندو کی شادی شانتی سے ہی ہووے گی۔ چل لاکھن......

لاکھن اٹھ کر کھڑا ہو نا بوٹا حیرانگی سے دینو اور لاکھن کی طرف دیکھنے لگا دینو نے مسکراتے ہوئے سنتوش کے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور آگے بڑھ گیا مہندر اور بوڑھا حیرانگی سے سنتوش کی طرف دیکھ رہے تھے اور سنتوش معصوم صورت بنائے کبھی بوٹے اور کبھی مہندر کو دیکھ رہا تھا۔

بھگوان کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجھے میرے جگر کا ٹکڑا واپس مل گیا۔ سنتوش کے گالوں کو چومتی ہوئی راگنی نے کہا۔ سنتوش بھی اپنی ماں سے مل کر بہت خوش تھا۔ اب سنتوش تمہارا تو بیٹا ہے ہی نہیں، راگنی میرا بھی تو اس پر حق بنتا ہے نہ...... دیانند جو ایک طرف کھڑا ماں بیٹے کا پیار دیکھ رہا تھا۔ مصنوعی غصے سے بولا۔ تو نمو اور اس کا شوہر بےاختیار مسکرا دیئے۔ "دیانند جی آپ بھگوان کا شکر ادا کریں کہ آپ کا بیٹا دو ٹرک ڈرائیوروں کو مل گیا اور وہ اسے پولیس اسٹیشن چھوڑ گئے۔ ایک طرف کھڑے انسپکٹر دیال نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بھگوان ان دونوں کا اور آپ کا بھلا کرے آپ لوگوں نے ایک ماں

کے کلیجے کو ٹھنڈک پہنچائی ہے۔ راگنی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''دیانند جی میں سنتوش سے کچھ سوال پوچھنا چاہتا ہوں کیونکہ یہ جب میرے تھانے میں آیا تو میں اسی سمے اسے یہاں لے آیا ہوں تاکہ آپ لوگ مزید پریشان نہ ہوں۔'' انسپکٹر دیال نے کہا تو دیانند نے اثبات میں سرہلایا اور راگنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''راگنی اپنے بیٹے سے باتی پریم تم بعد میں کرلینا فی الحال انسپکٹر صاحب کو اپنا کام کرنے دو۔''

راگنی بے اختیار مسکرائی اور سنتوش کے گال چومتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ سنتوش، دیانند، نمو کا پتی اور انسپکٹر دیال ہال میں رکھے خالی صوفوں پر بیٹھ گئے جبکہ نمو اور راگنی کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ ''ہاں تو سنتوش بیٹا شروع سے ساری بات بتاؤ کہ کیا ہوا تھا۔'' انسپکٹر دیال نے کہا سنتوش نے اثبات میں سرہلا کر یوں گویا ہوا۔ ''انسپکٹر انکل میں اسکول کے باہر گاڑی کا انتظار کررہا تھا کہ کالے رنگ کی کار میرے قریب آکر رکی اس میں سے ایک آدمی باہر نکلا اور کہا کہ مجھے تمہارے پتا نے تمہیں لینے کے لئے بھیجا ہے میں اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ جب گاڑی کافی دیر چلتی رہی تو میں نے اس آدمی سے کہا میرا گھر تو قریب ہی ہے لیکن اس نے جواب دینے کے بجائے ایک رومال میری ناک پر رکھ دیا میری ناک سے ایک عجیب سی بدبو ٹکرائی اور میں بے ہوش ہوگیا۔ میری آنکھ ایک بیڈ والے کمرے میں کھلی جس میں ایک کھڑکی اور کمرے کا دروازہ تھا۔ پھر اس کمرے میں ایک بڑھیا داخل ہوئی تو میں اس کی منت سماجت کرنے لگا وہ بڑھیا گونگی بہری تھی میں نے اسے کندھے سے پکڑ کر ہلایا تو وہ میری طرف متوجہ ہوئی وہ پڑھی لکھی تھی میں نے سلیٹ اور چاق کے ذریعے اس سے باتیں کیں۔ اس نے مجھے بتایا کہ میرا اپھارن ایک سائے نے کرایا ہے۔ اس کا وجود کہیں بھی نظر نہیں آتا وہ سایہ صرف دیوار پر نظر آتا ہے۔'' سنتوش کی گفتگو ابھی جاری تھی کہ انسپکٹر دیال نے اسے ٹوکا۔ ''سایہ سائے سے باتیں کمال ہے۔''

ڈر

ہم لوگ سانپ سے ڈرتے ہیں کہ ڈس لے گا آگ سے گھبراتے ہیں کہ جھلسا دے گی۔ پانی سے خوفزدہ ہیں کہ لہریں نگل لیں گی۔ امراض سے گھبراتے ہیں کہ ہلاک کردیں گے۔ آفات سے ڈرتے ہی کہ تباہ کردیں گے۔

لیکن

اللہ تعالیٰ سے کیوں نہیں ڈرتے جو ان تمام چیزوں پر قادر ہے اور اس کے حکم کے بغیر یہ کچھ نہیں کرسکتیں تو پھر کیوں نہ اس سے ڈریں جس سے سب ڈرتے ہی۔

(ایس امتیاز احمد، کراچی)

ہاں وہ بڑھیا ہی کہہ رہی تھی کیونکہ مجھے تو اس کمرے میں ہی قید کرکے رکھا گیا تھا۔ سنتوش نے بتایا۔

''ہوں۔''

''پھر کیا ہوا۔'' انسپکٹر دیال نے سوچتے ہوئے کہا۔

''پھر میں بڑھیا کے آگے رویا دھویا تو اسے مجھ پر ترس آگیا اس نے مجھے کہا کہ رات کے سمے یہاں سے ایک ٹرک گزرے گا جو روئی سے بھرا ہوگا تم اس میں کود جانا بھگوان نے چاہا تو تم گھر پہنچ جاؤ گے ٹرک ڈرائیوروں نے مجھے دیکھا وہ بھی دیالو (رحم دل) انسان تھے وہ مجھے تھانے میں چھوڑ گئے...... سنتوش یہاں تک کہہ کر خاموش ہوگیا۔

''ہوں'' Thank you بیٹا۔ ''اب تم اپنی مما کے پاس جاؤ مجھے تمہارے پتا سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔'' انسپکٹر دیال نے کہا تو سنتوش اثبات میں سرہلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''دیانند جی بڑا ہی عجیب چکر ہے۔'' سنتوش کے جانے کے بعد انسپکٹر دیال نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔ ''کیا مطلب؟'' دیانند حیران ہوا۔ ''سنتوش کا اپھارن کرکے

اسے جس مکان میں رکھا گیا تھا وہاں سے تین انسانی ڈھانچے ملے ہیں۔'' انسپکٹر دیال نے بتایا۔''تین انسانی ڈھانچے! حیرانگی کے باعث دیانند کے منہ سے نکلا۔''جی ہاں تین انسانی ڈھانچے۔'' عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی ہے۔ بھوت، پریت آتماؤں پر وشواش نہیں ہوتا پرنتو۔'' انسپکٹر دیال نے بات ادھوری چھوڑی۔''انسپکٹر صاحب آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میرے پلے کچھ نہیں پڑھ رہا۔'' دیانندس نے کہا۔'' کچھ سالوں پہلے پریم نگر گاؤں میں بھی انسانی ڈھانچہ ملا تھا جس انسان کا وہ ڈھانچہ تھا اس کا نام بلونت تھا اور پھر اس مکان سے ہی تین ڈھانچے ملے ہیں جن میں سے ایک ڈھانچہ عورت کا ہے جو یقیناً اس گونگی بہری بڑھیا کا ہے یقیناً بلونت کے ڈھانچے اور اس گھر سے ملنے والوں ڈھانچوں کا تعلق ایک ہی ہے۔'' اپنی رائے سے انسپکٹر دیال نے دیانند کو آگاہ کیا۔''تو پھر میں۔'' پنڈت جی سے بات کرتا ہوں وہ شاید اس سمسیا کا کوئی اپائے نکالیں۔ دیانند پریشان کن لہجے میں بولا۔ ''ہاں۔'' آپ پنڈت جی سے بات کریں میں اپنے طور پر اس کام کو دیکھتا ہوں۔'' انسپکٹر دیال نے کہا۔''ٹھیک ہے پھر دیانند جی میں دیکھتا ہوں۔''

انسپکٹر دیال نمستے کہنے کے بعد وہاں سے چلا گیا اور دیانند اپنے بیڈ روم میں آ گیا۔ سنتوش اپنی ماں کی گود میں سر رکھے لیٹا ہوا تھا۔''راگنی شام کو سنتوش کو مندر لے کر جائیں گے۔'' دیانند ان کے پاس آ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔''مندر۔'' سنتوش اٹھ کر بیٹھا۔''ہاں بیٹا مندر۔'' دیانند نے پیار سے سنتوش کے گال میں چٹکی بھری۔ ''مندر کس لئے پتا جی۔'' سنتوش منہ بناتے ہوئے بولا۔ ''وہ اس لئے بیٹا کہ بھگوان ہر بلا ہر مصیبت سے تمہاری رکھشا کرے۔'' دیانند نے مسکراتے ہوئے کہا۔''کون بھگوان پتا جی۔'' سنتوش نے حیرانگی سے کہا۔''بیٹا جس نے ہمیں جنم دیا ہے۔'' پتا جی مندر والے بھگوان سے تو مجھے بہت خوف آتا ہے۔ سنتوش خوفزدہ لہجے میں بولا تو دیانند اور راگنی قہقہے لگا کر ہنس پڑے۔''بیٹا ایسا نہیں کہتے۔ راگنی نے سنتوش کو سمجھایا۔''میں سچ کہہ رہا ہوں

سنتوش مضبوط لہجے میں بولا۔''تو بیٹا بھگوان سے تو انسان خوفزدہ رہتا ہی ہے کیونکہ وہ بہت بڑا ہے۔'' دیانند نے کہا۔'' آپ اس بت کی بات کر رہے ہیں جو مندر میں رکھا ہوا ہے۔ جس کے ہاتھوں میں کٹے ہوئے انسانی سر ہیں اور زبان خون سے تر ہے۔'' سنتوش نے بظاہر تصدیق چاہی۔''ہاں بیٹا بالکل وہی...... راگنی نے کہا...... کیا وہ بھگوان لوگوں کے سر کاٹتا تھا...... سنتوش نے کہا...... یہ تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو مائی سن۔ دیانند سنجیدہ لہجے میں بولا۔''پتا جی کیا وہ حرکت کرتے ہیں۔'' سنتوش نے دیانند کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔''بالکل بیٹا۔ وہ ہر سے ہمارے قریب رہتے ہیں ہماری باتیں سنتے ہیں۔'' دیانند نیکہا۔''تو کیا اس سے بھی وہ ہمارے قریب ہیں۔'' سنتوش نے حیرانگی سے پوچھا۔''افکورس۔'' دیانند نے لفظ آفکورس۔'' کو لمبا کیا۔''تو پھر س سے وہ مندر میں نہیں ہیں۔ سنتوش نے بھولے پن سے کہا تو دیانند اور راگنی دوبارہ مسکرا دیئے۔''نہیں بیٹا ان کا بت تو وہی ہے پر وہ ادریشے طور پر (غائبی طور پر) ہمارے ساتھ رہے ہیں۔'' دیانند نے سمجھایا۔''لیکن پتا جی میں نے تو سنا ہے مندر میں پڑے اس بت کو لکشمن کمہار نے بنایا ہے وہ بھی اپنے ہاتھوں سے۔'' سنتوش نے کہا۔''ہاں بیٹا۔'' بالکل لکشن کمہار نے اسے بنایا تھا بھگوان نے اسے اس کام کے لئے چنا ہے۔'' دیانند بے زار لہجے میں بولا۔''یہ تم آج کیسی باتیں لے کر بیٹھ گئے ہو۔''

لیکن پتا جی جو خود کسی کا محتاج ہو وہ بھلا کسی کی مدد کیسے کر سکتا ہے۔ سنتوش نے کہا تو دیانند لا جواب ہو گیا۔ ''تم چھوڑو ان باتوں کو۔'' شام کو مندر چلیں گے پنڈت سے جا کر پوچھ لینا۔'' دیانند نے جان چھڑاتے ہوئے کہا۔''لیکن...... لیکن پتا جی مجھے مندر جانا اچھا نہیں لگتا۔ سنتوش نے اپنے دل کی بات کہی۔'' یہ کیا بکواس کر رہے ہو تم۔'' دیانند کو یکدم غصہ آ گیا۔''یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔'' وہ ابھی بچہ ہے اور آپ اسے ڈانٹ رہے ہیں۔ راگنی نے دیانند کو سمجھایا ساتھ ہی اس نے سنتوش کو سینے

سے لگالیا۔ ''یہ باتیں بھی تو کیسی عجیب کر رہا ہے۔'' مندر نہیں جائے گا یہ۔'' دیانند نے غصے سے اٹھتے ہوئے کہا اور بڑبڑاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا بیٹا اچھے سمے پر ایسی اب شگون باتیں نہیں کرتے راگنی نے پیار سے سنتوش کو سمجھایا جواباً سنتوش کچھ نہ بولا۔

شام کو اس کا دوست رام آ گیا...... سنتوش باہر چلتے ہیں کھیلنے کے لئے...... رام نے کہا۔ ''اگر میں رام کے ساتھ چلا گیا تو مندر جانے سے بچ جاؤں گا۔'' سنتوش نے سوچا وہ ایک طرف سبزی کاٹتی راگنی کی طرف بڑھیا۔ ''ماں میں ذرا رام کے ساتھ باہر کھیلنے جا رہا ہوں۔'' سنتوش نے راگنی کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ''پرنتو بیٹا ہمیں تو مندر جانا ہے۔'' راگنی نے کہا۔ ''تھوڑی دیر میں آ جاؤں گا مما۔'' پتا جی کے آنے تک۔ سنتوش نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے جاؤ پر زیادہ سمے نہ لگانا بلکہ جلدی واپس آنا۔'' راگنی نے مسکراتے ہوئے کہا تو جواباً سنتوش مسکرایا اور رام کے ساتھ باہر نکل آیا۔

''ایسا کرتے ہیں کسی سکون والی جگہ پر بیٹھتے ہیں۔'' سنتوش نے کہا۔ ''وہ کون سی جگہ۔'' رام نے پوچھا۔ ''قبرستان'' سنتوش نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''قبرستان'' رام حیرانگی سے بولا۔ ''اس سمے۔''

اس سمے کیا ہے وہاں۔ ''جواباً سنتوش بھی حیران ہوا۔'' بالکل تو نہیں ہو گیا تو۔ ''قبرستان میں اس سمے مرے ہوئے مسلمانوں کی آتمائیں گھومتی ہیں۔'' رام نے گھبراتے ہوئے کہا تو سنتوش بے اختیار مسکرا دیا۔ ''یہ سب بے تکی باتیں ہیں۔'' سنتوش نے کہا۔ ''نہیں یار میں نے اپنے پتا سے سنا ہے۔'' رات کے سمے قبرستانوں اور آتمائیں بھٹکتی ہیں۔ رام نے بابا۔ ''رات کے سمے نہ تو ہم رات ہونے سے پہلے پہلے واپس آ جائیں گے۔'' سنتوش نے کہا۔ تو رات ہونے میں کون سا سمے باقی ہے۔'' رام نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو سورج کو اپنے اندر چھپانے کی کوششوں میں لگا ہوا تھا۔ ''ہم بس قبرستان میں دس پندرہ منٹ بیٹھیں گے اور پھر واپس آ جائیں گے۔'' سنتوش نے بظاہر تجویز پیش کی۔

''یار تو قبرستان کے پیچھے ہی کیوں پڑ گیا ہے گاؤں میں کوئی اور جگہ سکون کے لئے نہیں ہے۔'' رام نے غصے سے کہا۔ ''ہیں تو سہی مگر کیوں قبرستان ہی ایسی جگہ ہے جہاں پتا جی نہیں آئیں گے۔'' پتا جی نہیں آئیں گے، میں تیرا مطلب نہیں سمجھا۔'' رام کے لہجے میں حیرانگی عیاں تھی۔ ''مطلب تجھے میں بعد میں سمجھاؤں گا۔'' سنتوش نے کہا اور رام کا بازو پکڑ کر قبرستان کی طرف جانے لگا اور رام بیچارہ بے اختیار اس کے ساتھ چل پڑا اور یار اگر میرے پتا جی کو پتہ چل گیا تو وہ مجھے بہت مارے گا۔'' رام رونی صورت بنا کر بولا۔ ''تو چنتا نہ کر ان کے پتہ چلنے سے پہلے پہلے ہم واپس آ جائیں گے۔'' سنتوش نے کہا۔ ''ویسے تو قبرستان جا کس کارن رہا ہے۔'' رام نے پوچھا وہ دونوں اب قبرستان میں داخل ہو گئے تھے۔ ''پتا جی کے کارن'' سنتوش نے بتایا۔ ''میں سمجھا نہیں۔ ایک تو تو بات کو سمجھنے کی بہت کوشش کرتا ہے۔'' سنتوش نے رام کے سر پر چپت رسید کرتے ہوئے کہا۔ ''چل کہیں بیٹھتے ہیں۔''

وہ دونوں ایک پکی قبر پر بیٹھ گئے۔ ''مجھے آج ہی مما نے بتایا کہ تم گھر آ چکے ہو۔'' اسی کارن میں تم سے ملنے آ گیا۔ رام نے مسکراتے ہوئے کہا۔ آپ کا بہت بہت دھنے واد...... سنتوش نے کہا تو رام بے اختیار مسکرا دیا۔ اچھا اب یہ بتا کہ تیرا اپھارن کیسے ہوا۔ رام نے پوچھا۔ ''چھوڑ یار بڑی لمبی کہانی ہے اگر میں سنانے بیٹھ گیا تو رات کا سمے ہو جائے گا اور رات کے سمے یہاں مسلمانوں کی آتمائیں گھومتی ہیں۔ سنتوش نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''شش...... رام نے غصے سے ہونٹوں پر انگلی رکھی سنتوش نے سوالیہ نظروں سے رام کو دیکھا۔ چپ کر بیوقوف اگر اس قبر کی آتما جس قبر پر ہم بیٹھے ہیں اس نے سن لیا تو وہ نیراش ہو جائے گی۔'' رام نے خوفزدہ لہجے میں کہا تو سنتوش ایک زوردار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ ''تو ہنس مت۔''

ویسے رام ان باتوں پر میرا وشواش نہیں ہے۔ سنتوش مضبوط لہجے میں بولا۔ ''تو تو ہے ہی بدو رام......

رام پہلی دفعہ ہنسا ساتھ ہی وہ قبر سے اٹھ کھڑا ہوا...... کیا ہوا سنتوش نے حیرانگی سے گردن اٹھا کر رام کی طرف دیکھا اور رام نے اسے اپنے دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی دکھائی۔ ایسے کام گھر سے کر کے آئے ہیں۔ سنتوش نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ ''ایسے کام اچانک ہی حملہ کرتے ہیں۔'' ''چل اٹھ اب گھر چلتے ہیں۔'' رام تیز لہجے میں بولا۔ ''نہیں یار ابھی تو گھر نہیں جاتا، سنتوش نے نفی میں سر ہلایا۔'' ''تو کب...... رام نے وقفے وقفے سے دونوں لفظوں کو لمبا کیا اگر ایک سیکنڈ اور ہوا تو میری پینٹ تو گیلی۔''

تو ایسا کر وہ سامنے درخت نظر آ رہا ہے نہ وہاں جا کر اپنی ٹینکی خالی کر دے...... سنتوش نے ہاتھ کے اشارے سے درخت کی طرف اشارہ کیا...... نہ بابا نہ میں کبھی یہاں نہیں کروں گا۔'' رام نے تیزی سے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں بھگوان کی سوگند کھا کر کہتا ہوں میں تجھے نہیں دیکھوں گا۔'' سنتوش نے کہا۔ ''نہیں یار یہ بات نہیں ہے۔'' رام نے کہا۔ ''تو پھر کیا بات ہے۔'' سنتوش نے پوچھا۔ ''یہ جگہ خطرناک ہے۔'' رام نے ڈرتے ہوئے وجہ بتائی۔ ''بیوقوفوں جیسی باتیں نہ کر۔'' جا جلدی سے فارغ ہو کے آ جا...... سنتوش غصے سے بولا۔ ''نہیں یار میں نہیں جاؤں گا۔ رام گھبراتے ہوئے بولا۔ ''میں ابھی یہاں مزید بیٹھنا چاہتا ہوں اور جانے میں تجھے بھی نہیں دوں گا۔'' سنتوش ضدی لہجے میں بولا۔ ''دیکھ سنتوش ضد اچھی چیز نہیں ہے۔'' آخر کار کارن کیا ہے جو تو گھر نہیں جا رہا۔ ''تو بس جا اور جلدی سے واپس آ جا۔'' سنتوش نے رام کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے میں جاتا ہوں اگر مجھے کچھ ہو گیا نہ تو...... تو میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' رام نے غصے سے کہا اور درخت کی طرف بڑھ گیا اور سنتوش ایک زوردار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ رام اب درخت کے پیچھے جا کر بیٹھ گیا تھا۔ سنتوش نے شرٹ کے اندر چھپا اللہ والا لاکٹ باہر نکالا اور اسے دیکھنے لگا وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ جس مکان میں اغوا کر کے اسے رکھا گیا تھا اسی لاکٹ کی بدولت وہاں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوا تھا۔ ابھی تک اس نے خود کبھی بھی اپنے ماں باپ سے اس لاکٹ کا ذکر نہیں کیا تھا۔ لیکن حیرانگی والی بات یہ تھی کہ اس کی ماں جب بھی اس کے کپڑے چینج کرتی اس نے کبھی بھی اس لاکٹ کی طرف توجہ نہیں کی تھی سنتوش لاکٹ کی طرف متوجہ تھا۔

ایک زوردار چیخ فضا میں گونجی تو سنتوش چونکا اور اس نے حیرت سے سامنے کی طرف دیکھا اور اس نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا رام چیختا ہوا سنتوش کی طرف بھاگا آ رہا تھا وہ ایک بہت بڑی چمگادڑ تھی جس کے خوف سے رام بھاگ رہا تھا۔ سنتوش جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہوا...... ''س...... س...... ن...... تو...... ش...... م...... م...... مجھے بچاؤ۔'' رام دور سے چیخا وہ چمگادڑ عام چمگادڑوں سے کافی بڑی تھی سنتوش بھی اتنی بڑی چمگادڑ دیکھ کر حیران رہ گیا وہ بھی ڈر سا گیا تھا۔ ''رام جتنی جلدی ہو سکے بھاگو...... ''سنتوش کے مندر سے گھبراہٹ کے باعث یہی الفاظ نکلے، وہ بھاگنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ رام لڑکھڑاتا ہوا زمین پر جا گرا اور رام کی طرف بڑھتی ہوئی چمگادڑ اسے چھوڑ کر ڈرے سہمے سنتوش کی طرف بڑھی۔

سنتوش کو اور تو کچھ نہ سوجھا اس نے مضبوطی سے اللہ والے لاکٹ کو مٹھی میں بند کر لیا، اس وقت فضا میں مردانہ چیخ گونجی جو دہلا دینے کے لئے کافی تھی۔ ہوا یوں کہ سنتوش کی طرف بڑھتی چمگادڑ میں نجانے کہاں سے آگ بھڑک اٹھی اور چمگادڑ زمین پر جا گری۔ زمین پر گرتے ہی چند سیکنڈوں میں چمگادڑ کو آگ نے نگل لیا اور راکھ بنا دیا۔ سنتوش حیرانگی سے منہ کھولے زمین پر پڑی چمگادڑ کی راکھ کو دیکھنے لگا۔ ''س...... س...... سنتوش دیکھ کیا رہے ہو جلدی سے بھاگو۔ یہاں سے۔'' رام نے سنتوش کو کندھے سے پکڑ کر ہلایا۔ سنتوش چونکا پھر ایک نظر اس نے زمین پر پڑی چمگادڑ کی راکھ پر ڈالی اور پھر پریشان حال رام کی طرف بڑھا۔ ''ج...... ج۔'' جلدی بھاگو سنتوش نہیں تو کوئی اور انہونی ہو جائے گی۔''

(جاری ہے)

موت کا میلہ

فاطمہ خان۔علی پور مظفر گڑھ

رات کے اندھیرے میں اچانک ایک بونا نمودار ہوا،اس کی آنکھوں میں جیسے شعلے لپک رہے تھے، پھر اس کی آنکھوں میں چنگاریاں نظر آئیں اور پر دیکھتے ہی دیکھتے اچنبھا ہوا کہ......

خوف کے افق پر چنگھاڑتی ہوئی......اپنی نوعیت کی عجیب و غریب......خوفناک کہانی

وہ چاروں میکسیکو کے ایک دیہی علاقے میں چھوٹے مگر صاف ستھرے ہوٹل میں چائے اور گرم گرم مونگ پھلیوں سے خوب انصاف کر رہے تھے شام کے گہرے سائے آہستہ آہستہ پھیلتے جا رہے تھے اور سردی ایسی کہ جسم میں سرایت کرتی جا رہی تھی۔ مگر ہوٹل کے اندر جلتے ہوئے الاؤ نے انہیں سردی کے بے رحم تھپیڑوں سے بچا رکھا تھا جیک، کرسٹی، مائیکل اور روزی یونیورسٹی کے تیسرے سال میں تھے مگر ان کے درمیان دوستی سے بڑھ کر محبت کا رشتہ تھا۔ مختلف علاقوں اور مختلف خاندانوں سے تھے مگر جہاں بھی جاتے ایسا معلوم ہوتا کہ ایک ہی خاندان سے ہیں۔ جہاں بھی ہوتے ایک ساتھ ہوتے پڑھائی میں ایک دوسرے کی مدد کرتے، کسی ایک کو بھی ذرا سی تکلیف ہوجاتی تو تینوں اس کی تکلیف کو برابر محسوس کرتے یہ تھی ان چاروں کی

دوستی اور محبت۔

جیک ایڈوانچر پسند بندہ تھا کبھی اس کے سر پر پہاڑوں کی چوٹی سر کرنے کا بھوت چڑھ جاتا تو کبھی کسی دور دراز علاقے میں جا کر گھومنا پھرنا پسند کرتا۔ جیک کے ان تمام ایڈوانچر میں مائیکل، روزی اور کرسٹی بھی اس کے ساتھ ساتھ ہوتے تھے اور ہمیشہ ہی خوب لطف اندوز ہوا کرتے اس مرتبہ بھی جیک ہی ان تینوں کو اپنے ساتھ میکسیکو کے اس دیہی علاقے میں لایا تھا اور وہ سب ہمیشہ کی طرح پر جوش تھے سردی کے موسم میں چائے اور گرم گرم مونگ پھلی نے اتنے لمبے سفر کے بعد پھر سے ان کو تر وتازہ کر دیا تھا روزی بول پڑی۔ ''تو پیارے جیک کیا اب تم ہمیں بتاؤ گے کہ یہاں اس دیہات میں بھلا کیسا ایڈوانچر؟''

مونگ پھلی کا دانہ منہ میں ڈالتے ہوئے وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔ ''ارے روزی تم ہمیشہ سے ہی جلد باز رہی ہو اب جب ہم یہاں آ ہی گئے ہیں تو تمہیں میں بتا بھی دوں گا کہ اس بار کیا کرنے والے ہیں ہم۔'' جیک کی اس بات نے سب میں ایک مرتبہ پھر تجسس کی ایک لہر دوڑا دی۔

''یہ بھلا کیا بات ہوئی جیک تم اب تنگ کر رہے ہو ہمیں کچھ نہ بتا کر۔'' کرسٹی جو کافی دیر سے خاموش بیٹھی تھی بول پڑی۔ اب مائیکل نے بھی لقمہ دینا اپنا فرض سمجھا۔'' جیک اب تم بتاتے ہو یا میں دو تین لگا دوں تمہیں؟''

اس پر جیک نے مصنوعی خوف زدہ چہرہ بنایا اور بول پڑا۔ ''نہیں نہیں مائیکل پلیز! یہ ظلم مت کرنا ہم سب جانتے ہیں کہ تم ایک باڈی بلڈر ہو اب اس کا ثبوت مت دو پلیز۔'' پلیز! ہمیں تم پر یقین ہے میرے دوست۔'' اس پر سب قہقہہ لگائے بنا نہ رہ سکے۔

اب جیک پھر گویا ہوا۔ ''دیکھو میرے جگر کے ٹکڑوں ہمیشہ میں تم سب کو ایسی جگہوں پر لے جاتا رہا۔ جہاں کم و بیشتر سب لوگ ہی جاتے ہیں مگر آج ہم ایک ایسی جگہ پر آئے ہیں جہاں عموماً لوگ آنے سے ڈرتے ہیں میں نے اپنے ایک جاننے والے سے سنا ہے کہ میکسیکو کے اس دیہی علاقے میں ہر سال ایک میلہ لگتا ہے لیکن وہ میلہ عام میلہ نہیں ہر سال وہاں کسی نہ کسی کی موت ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ جو میں نے سنی ہے وہ بڑی ہی عجیب اور ہنسانے والی ہے۔''

''وہ یہ کہ احمق لوگوں کا کہنا ہے کہ میلے میں ایک بونے جوکر کی روح پھرتی ہے جو موقع ملنے پر کسی تنہا جگہ پر لوگوں کا کام تمام کر دیتی ہے، ہے ناں ہنسنے والی بات۔''

''میں بس اس بونے جوکر کو دیکھنا چاہتا ہوں بھلا ایک بونا کیسے ہر سال لوگوں کا قتل کر سکتا ہے۔'' وہ تینوں ہکے بکے جیک کے منہ کو تک رہے تھے۔ کہ کرسٹی نے اچانک کہا۔ ''Are You Mad'' ''تم ہمیں ایک ایسی جگہ لے کر آئے ہو جہاں زندگی کی بھی کوئی گارنٹی نہیں، موت چاہے جیسے بھی ہو زندگی سے تو ہاتھ دھونا پڑے گا تمہارے اس ایڈوانچر کے چکر میں۔''

اب روزی بھی کرسٹی کے موقف کی بھرپور حمایت کرنے لگی مگر ایک مائیکل تھا جو جیک کی طرح ہی پر جوش نظر آ رہا تھا اب اس نے کچھ اس طرح بات شروع کی۔ ''ارے تم لڑکیاں بھی نا سب کی سب ڈرپوک ہوتی ہو۔ پاگل یہ جن، بھوت اور روح کچھ نہیں ہوتی مجھے سو فیصد یقین ہے کہ یہ قتل کا معاملہ ضرور کسی انسان کی سازش ہے ضرور کوئی انسان ہے اس سب کے پیچھے جو یہ سب کر کے لوگوں کے دل میں ڈر پیدا کر رہا ہے اگر ہم اس کا پتہ لگا لیتے ہیں اور اس پر اسرار بات کا راز معلوم کر لیتے ہیں تو سوچو ہمیں کتنی شہرت ملے گی اور مجھے پورا یقین ہے کہ ہم ضرور پتہ لگا لیں گے۔''

شاباش جیک اس مرتبہ تم نے ایک زبردست ایڈوانچر کا انتخاب کیا ہے مائیکل ہمیشہ ہی ایسے دلائل دیا کرتا کہ سب جھٹ سے مان جاتے اور نہ کرنے کی گنجائش تک پیدا نہ ہوں۔

ہمیشہ کی طرح اب بھی ایسا ہی ہوا کرسٹی اور روزی نہ چاہتے ہوئے بھی مان گئیں وہ چاروں آٹھ گھنٹے کا سفر کرتے ہوئے اتنی سردی میں میکسیکو کے اس دیہی علاقے تک آئے تھے اور اب بغیر میلہ دیکھے واپس لوٹ جاتے یہ ناممکن تھا۔ جیک نے بل کی ادائیگی کے

لئے ایک شخص کو بلایا اور اسے بل ادا کر کے کہنے لگا۔ ''اچھا کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہاں لگنے والا سالانہ میلہ کب شروع ہوگا؟''

یہ سنتے ہی اس شخص کا رنگ فق ہوگیا۔ ''وہ موت کا میلہ ہے بیٹا مت جاؤ وہاں ورنہ تم بھی مارے جاؤ گے۔''

''ارے انکل ہم بہت دور سے یہاں میلہ دیکھنے آئے ہیں اب آپ ہمیں نہ بتا کر کیسی مہمان نوازی کر رہے ہیں بھلا؟ ہمیں کوئی ڈر نہیں، آپ پلیز، بتا دیں کہ میلہ کب اور کہاں شروع ہوگا؟''

وہ ادھیڑ عمر شخص پہلے پہل ہچکچاہٹ کا شکار رہا پھر مجبوراً بول پڑا۔ ''بیٹا میلہ کل صبح نو بجے کے قریب شروع ہوگا یہاں سے کچھ دور بائیں ہاتھ پر ایک وسیع میدان ہے وہیں پر ہر سال موت رقص کرتی ہے میں تو یہی کہوں گا کہ مت جاؤ وہاں آگے تم سب کی مرضی۔''

یہ سن کر جیک گویا ہوا۔ ''آپ کا بہت بہت شکریہ انکل۔''

ادھیڑ عمر شخص چلا گیا اب وہ تینوں ایک دوسرے کے چہرے پر دیکھنے لگے آیا آگے کا ارادہ کیا ہے چونکہ جیک کے پاس ہر مسئلے کا حل موجود ہوتا وہ گویا ہوا۔ ''ارے رات کا کیا ہے ہماری اتنی بڑی جیپ کب کام آئے گی۔ اتنا تو آرام دہ جیپ ہے دوستو! آرام سے ہیٹر لگا کر رات گزار لیں گے۔ کیوں کیا خیال ہے؟''

''اب اس کے سوا کوئی اور چارہ بھی نہیں ہمارے پاس چلو چلیں۔'' کرسٹی گویا ہوئی۔

اب وہ چاروں جیپ میں موجود تھے، ہیٹر چل رہا تھا اور جیپ کی آرام دہ سیٹیں ان چاروں کے لئے کافی تھیں کرسٹی اور روزی جیپ کے پچھلے حصے پر آرام سے سیٹوں پر براجمان تھیں جبکہ جیک اور مائیکل اگلے حصے میں ہیٹر کی گرمی اور حدت سکون اور محسوس ہو رہی تھی اور سردی کی لمبی رات نیند کا کیا ہے وہ تو سولی پر بھی آجاتی ہے وہ چاروں بھی پلک جھپکتے ہی نیند کی وادیوں میں کھو گئے جب ان کی آنکھ کھلی تو صبح کے ساڑھے آٹھ بج رہے تھے اور دھند اتنی کہ ہر چیز اس کی لپیٹ میں

یہ مہینہ کیسا رہے گا

اس مہینے مالی اخراجات میں کمی رہے گی کیونکہ بیگم، بہن کی شادی کے لئے دھڑا دھڑ شاپنگ کر رہی ہیں۔ تعلقات میں میانہ روی اختیار کیجئے۔ کیونکہ بیگم کے جاسوس آپ سے زیادہ چوکس ہیں۔ سابقہ محبوبہ سے ملنے کا اندیشہ ہے۔

پچھلے ہفتے بس اسٹاپ پر لڑکیوں کی سینڈلوں نے آپ کے سر پر جو گومڑ بنائے تھے۔ ان گومڑوں میں اس ہفتے شدید تکلیف رہے گی۔ اس مہینے کوئی بری خبر سننے کو ملے گی۔ شاید بیگم کے والدین آپ کے گھر رہنے کے لئے آرہے ہیں۔ قارئین کے لئے ڈر کے لئے خوشخبری! پچھلے سال جو مراسلات آپ نے بھیجی تھی۔ ان کا اس ماہ شائع ہونے کا امکان ہے۔

(شاہد علی۔کراچی)

چھپ سی گئی تھی۔ روزی نے جمائی لی اور گویا ہوئی۔

''چلو دوستو! میلہ دیکھنے چلیں وہاں سے کچھ کھا بھی لیں گے بڑی بھوک لگ رہی ہے۔''

جیک نے ڈرائیورنگ سیٹ پر اپنی پوزیشن سنبھال لی لوگوں سے پوچھتے پوچھتے وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں میلہ لگتا تھا۔

اس جگہ جو لوگ نظر آرہے تھے سب کے سب سیاح معلوم ہوتے تھے اتنا زیادہ ہجوم نہ تھا البتہ کھانے پینے کی چیزوں کے اسٹال متواتر لگے ہوئے تھے۔ ہر قسم کا جھولا موجود تھا اور پھیری والے بھی آہستہ آہستہ اپنی پوزیشن سنبھال رہے تھے۔ روزی کو ایک جگہ پر چائے اور بسکٹ کا اسٹال نظر آیا اور وہ گرم جوشی سے بولا۔ ''وہ دیکھو دوستو! چلو چل کر وہاں چائے پیتے ہیں۔''

وہ سب اترنے لگے اور چائے کے اسٹال پر جانے لگے کہ کرسٹی بول اٹھی۔ ''ارے میں اپنا بیگ جیپ میں ہی بھول آئی تم سب چلو میں لے کر آتی ہوں۔''

وہ تینوں آگے کو بڑھ گئے اور کرسٹی بیگ لینے

جیب کی طرف بڑھ گئی جیپ میں سے وہ بیگ اٹھا ہی رہی تھی کہ کسی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اس پر وہ بری طرح چونک پڑی اور پیچھے کو مڑی وہاں ایک ادھیڑ عمر شخص موجود تھا جس کا چہرہ بری طرح جھلسا ہوا تھا اور شکل بے حد خوف ناک تھی اسے دیکھتے ہی کرسٹی بری طرح ڈرتی اور ایک قدم پیچھے کو ہٹی ''ت ت ......تم کون ہو؟'' اس نے کانپتی ہوئی آواز میں دریافت کیا۔

''میں کہتا ہوں تم سب چلے جاؤ یہاں سے موت کا تعاقب کرتے کرتے تم سب کب موت کی وادی میں اتر جاؤ گے کہ تم کو خبر بھی نہ ہوگی چلے جاؤ'' اس خوف ناک چہرے والے شخص نے اپنی بھاری آواز میں اس طرح کہا کہ کرسٹی کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

اس نے اپنی تمام تر ہمت اکٹھے کرتے ہوئے گردن موڑی اور زور سے چلا اٹھی۔ ''جیک، روزی، مائیکل پلیز ہیلپ۔'' جیسے ہی اس نے گردن واپس موڑی وہاں کوئی موجود نہ تھا وہ تینوں بھاگتے ہوئے آئے کرسٹی پھٹی پھٹی آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

وہ تینوں اب اس سے دریافت کر رہے تھے کہ ''آخر ہوا کیا'' اور وہ پریشانی کے عالم میں حواس باختہ سی ان تینوں کو دیکھ رہی تھی۔ اب جب اس نے سب کچھ بتایا تو وہ تینوں محض اتنا کہہ سکے کہ'' یہ تھکاوٹ کی وجہ ہے اور کچھ نہیں۔''

مگر یہ کسی قسم کا وہم نہ تھا کرسٹی کو اس بات کا مکمل یقین تھا۔

چائے پینے کے بعد وہ چاروں اب میلہ گھومنے لگے مگر اس جوکر کی روح کا نہ کوئی اتا تھا نہ کوئی پتا مختلف اسٹالز کو دیکھتے دیکھتے اور ہر ذائقہ دار چیز کو کھانے کے بعد وہ چاروں ایک سیمنٹ کے بینچ پر جا بیٹھے۔'' ارے چار لوگ ہم صبح سے یہاں پھر رہے ہیں کہاں رہ گیا وہ جوکر اور اس کی روح......؟'' مائیکل نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

''ہاں یار ابھی تک تو کہیں بھی ظاہر نہیں ہوا جوکر لیکن میرے خیال میں ہمیں رات تک یہیں رہنا چاہئے، جوکر کی رحو ہو یا جوکر کے روپ میں کوئی قاتل انسان ہمیں اس راز پر سے پردہ ضرور اٹھانا چاہئے۔'' جیک نے ارادہ ظاہر کیا۔

اس پر روزی نے بھی اس کی حمایت کی مگر کرسٹی بدستور خاموش تھی کیونکہ صبح کے واقعہ نے اسے ذرا پریشان کر دیا تھا خیر جیک کے اس مشورے پر وہ تینوں بھی متفق ہوگئے اور ایک مرتبہ پھر سے ادھر سے ادھر چکر لگانے لگے۔

سردیوں کے دن مختصر ہونے کی وجہ سے جلد ہی شام نے ڈیرے ڈالنے شروع کر دیئے مگر نہ ہی جوکر نظر آیا اور نہ ہی کسی شخص کی موت کی کوئی خبر سنائی دی۔

اب روزی سب سے زیادہ تھکاوٹ محسوس کر رہی تھی ایک تو آٹھ گھنٹے کا اتنا طویل سفر اور دوسرا میلے میں سارا دن ادھر سے ادھر ادھر سے ادھر پھرنے کی وجہ سے ٹانگیں بری طرح دکھ رہی تھیں۔

''اب میں مزید نہیں چل سکتی پلیز! میرے لئے چائے کا ایک کپ لادو، میں یہاں بنچ پر بیٹھی ہوں۔'' روزی نے گویا ہاتھ کھڑے کر دیئے تھے۔

''ہاں تم بیٹھو ہم اپنے اور تمہارے لئے لے کر آتے ہیں۔'' مائیکل نے ہاں میں ہاں ملائی۔

''روزی آرام سے بنچ پر بیٹھ گئی، ابھی چین کا سانس لیا ہی تھا کہ اپنے عقب سے اسے'' کھڑ کھڑ'' کی آواز آنے لگی۔ مڑ کر دیکھا ہی تھا کہ کسی آہنی گرفت نے اسے کھینچ لیا۔ گرفت اتنی سخت تھی کہ وہ چلا تک نہ سکی۔

جیک، کرسٹی اور مائیکل اپنی اپنی چائے لے کر واپس بنچ کی طرف آئے تو وہاں روزی موجود نہ تھی۔'' ارے یہ روزی کہاں چلی گئی یہیں پر تو تھی۔'' جیک نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

کرسٹی بدحواسی میں بول پڑی۔'' میں نے کہا تھا ناں تم سب سے کہ واقعی کوئی بدروح ہے یہاں وہ خوف ناک شخص یہی کہہ رہا تھا کہ چلے جاؤ یہاں سے مگر تم لوگوں نے میری بات سنی نہیں دیکھا اب روزی غائب ہوگئی۔''

مائیکل نے کرسٹی کی بدحواسی دیکھی تو گویا ہوا۔'' دیکھو پریشان نہ ہو روزی یہیں کہیں ہوگی ہم اسے

ڈھونڈ لیں گے۔" جیک نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

مائیکل نے تجویز دی کے ہر کسی کو الگ الگ ہو کر ایک حصے میں جا کر روزی کو تلاش کرنا چاہئے کیونکہ اگر ایک ساتھ مل جل کر گئے تو بہت وقت لگ جائے گا۔"

یہی سب سے بڑی غلطی تھی جو انہوں نے کی، اور گویا موت کو خود دعوت دی۔

جیک اب اس میدان کے ایک حصے لگے تمام جھولوں کو دیکھتا پھر رہا تھا کیا معلوم روزی کسی نہ کسی جھولے میں بیٹھ گئی ہوگی، مگر لوگ تو جانے شروع ہو گئے اب تو جھولے بھی خالی تھے تو بھلا روزی کیوں بیٹھے گی کسی جھلوے میں وہ یہ سوچ کر مڑنے ہی لگا تھا کہ اس کے عقب میں موجود جھولا چل پڑا جس نے اسے بری طرح ڈرا دیا تھا اس نے مڑ کر دیکھا تو تیزی سے گھومتے ہوئے جھولے میں اسے ایک جوکر کی مبہم سی شکل نظر آئی جسے دیکھ کر گویا ایک پل کے لئے اس نے حواس کھو دیئے۔

دوسرے ہی پل جان بچانے کے لئے وہ دوڑ پڑا اگر یہ بے سود تھا جوکر کی بدروح نے اس پر چھلانگ لگا دی اب اس نے اس کی خوف ناک صورت دیکھی تو اسے یقین آ گیا کہ واقعی یہ جوکر کی بدروح ہے۔ اس کی سفید آنکھیں بونا قد اور نوکیلے دانت۔ یہ سب دیکھ کر جیک کو گویا اپنی موت کا یقین ہو چلا تھا اور ہوا بھی وہی جوکر نے اپنے نوکیلے دانت اس کی شہ رگ میں پیوست کر دیئے۔ خون کا ایک فوارہ سا پھوٹ پڑا اور چند ہی ساعتوں میں جیک ٹھنڈا پڑ گیا۔

روزی کو ہر ایک اسٹال پر جا کر دیکھ رہا تھا کہ شاید وہ کہیں مل جائے شدید دھند کی وجہ سے اس نے موبائل کی فلیش لائٹ جلا رکھی تھی تمام اسٹالز کے شٹرز بند تھے تو بھلا کیوں آئے گی یہاں وہ یہ سوچ کر مڑنے لگا تھا کہ اسے اپنی پنڈلی میں کسی نوکیلی چیز کی چبھن محسوس ہوئی اس نے فلیش لائٹ کا رخ نیچے کی جانب کیا تو بوکھلا سا گیا ایک بونا جوکر اس کی پنڈلی سے خون چوس رہا تھا اور حد یہ کہ اس کے لمبے دانت اب مائیکل کی پنڈلی کی ہڈی تک آ گئے تھے درد کی ایک شدید لہر اٹھی اور مائیکل بل کھاتا ہوا زمین پر آ رہا چند ہی لمحوں میں بونے نے اس کا کام بھی تمام کر دیا۔

جیک روزی اور مائیکل وہ سب بونے کا شکار بن گئے تھے اس بات سے بے خبر کرسٹی ڈرتی کانپتی دعائیہ کلمات دہراتی اس میدان میں روزی کو آواز دیتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی موبائل کی فلیش لائٹ اس نے آن کر رکھی تھی دور ایک درخت کے نیچے اسے ایک ٹائر کا جھولا نظر آیا جس پر غالباً کوئی جھول رہا تھا۔ "روزی کیا یہ تم ہو......ر......ر......روزی جواب دو نا پلیز کیا یہ تم ہو؟" وہ متواتر آگے کی طرف بڑھ رہی تھی جب قریب پہنچی تو وہی بونا ٹائر کے اس جھولے میں جھول رہا تھا کرسٹی ہیجانی کیفیت میں چلانے لگی فلیش لائٹ کی روشنی میں بونے کی سفید آنکھیں چمک رہی تھیں کہ اس نے اپنا منہ کھولا۔ "وہ...... وہ...... سب مارے گئے مار دیا ان کو میں نے کرسٹی اب تمہاری باری۔" یہ سننا تھا کہ کرسٹی نے اندھا دھند بھاگنا شروع کر دیا۔

جیپ چند قدموں کے فاصلے پر موجود تھی کرسٹی کو گویا امید کی ایک کرن نظر آئی اس نے آن کی آن میں جیپ میدان سے باہر نکالی اور اسے دوڑانے لگی نہ جانے کس کیفیت میں وہ شہر کی حدود تک پہنچی ایک ہوٹل کے نزدیک اس نے جیپ کا دروازہ کھول اور دھڑام سے زمین پر آ گری۔

کرسٹی کی قسمت اچھی تھی کہ وہ بچ گئی تھی مگر اس واقعہ نے اس کے دماغ پر بہت برا اثر چھوڑا تھا کہ اسے پاگل خانے میں داخل کرا دیا گیا تھا۔

اس واقعہ کے بعد اس میدان کو حکومت نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سیل کر دیا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ اس میدان کو سیل کر دینے کی وجہ سے وہاں کوئی نہیں جاتا مگر رات کو وہاں سے عجیب و غریب اور دل دہلا دینے والی آوازیں سنائی دیتی ہیں مزید یہ کہ اب بھی وہاں بونے کی بدروح گھومتی نظر آتی ہے۔

آسیبی درندہ

گلاب خان سولنگی۔ کشمور

لوگوں کے درمیان مردہ چیتا پڑا تھا کہ اچانک اس کے چارو طرف گاڑھا گاڑھا دھواں اٹھنا شروع ہوا پھر جب دھواں چھٹا تو وہ مردہ چیتا غائب تھا یہ دیکھ کر لوگوں پر کپکپی طاری ہوئی اور پھر......

اچھی کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے دل فریفتہ......اور دلگرفتہ......شاہکار کہانی

صبح سے شام ہونے کو آئی تھی لیکن مجھے اپنے بیل کو ڈھونڈنے میں کامیابی نہیں ملی تھی۔ جنگل خاصا طویل تھا، یہی وجہ ہے کہ جنگل کا چپہ چپہ چھان مارا تھا، لیکن شام تک کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوسکا میں بھی تھک ہار کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور اگلے لائحہ عمل کے مطابق سوچنے لگا اگر میں خالی ہاتھ واپس گاؤں گیا تو بیوی بچوں کو کیا کھلاؤں گا، واحد بیل تھا جسے کھیتوں میں جوت کر بچوں کی روزی روٹی کماتا تھا، آج وہ بھی جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ مجھے اندیشہ تھا مبادہ یہ بھی دوسرے بیلوں کی طرح جنگلی ٹائیگر کا شکار نہ ہوجائے جو پچھلے کئی سالوں سے گاؤں کے کسانوں اور بیلوں کو اپنا شکار بناتا آرہا ہے اور اس ٹائیگر نے ہی میرا پہلا بیل شکار کر کے کھا گیا تھا اور قرضہ لے کر میں نے دوسرا بیل خریدا تھا ابھی تک وہ قرضہ بھی نہیں چکایا تھا کہ میرا دوسرا بیل بھی غائب ہوگیا چاہے مجھے رات ہوجائے میں خالی ہاتھ واپس نہیں جاؤں گا، یا تو اپنے بیل کو ڈھونڈوں گا یا پھر ٹائیگر کا شکار کر کے اپنا بدلہ لوں گا چاہے مجھے اپنی جان سے ہاتھ ہی کیوں نا دھونا پڑے۔

میرا نام چنگ یو ہے، میں ایک غریب کسان ہوں، ہمارا چھوٹا سا گاؤں چائنا کے شہر بیجنگ کے شمال میں صرف دس کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے کہنے کو تو یہ جدید دور ہے لیکن ہمارا گاؤں اب بھی قدیمی دور سے باہر نہیں نکلا۔ مطلب کہ دور جدید میں پائی جانے والی ساری سہولیات سے عاری ہمارا گاؤں چائنا جیسے تیزی سے ترقی کرنے والے ملک میں ایک عجوبہ نہیں تو اور کیا ہے؟ خیر بہت تعریف کرلی میں نے اپنے گاؤں کی، اب آتے ہیں اپنی زندگی کی طرف۔ تو صاحب اپنی زندگی کیا ہے بس یوں سمجھیں کہ ایک جہد مسلسل ہے ایک طویل سڑک ہے اور پیدل جانا ہے ایک نامعلوم منزل کی طرف یا ایک کڑوی کسیلی دوائی ہے جو کہ ہر حال میں پینی ہے۔ میری بیوی کا نام سین جا ہے اور ہمارے دو بچے ہیں گاؤں کے تقریباً سبھی لوگ کسان ہیں اور کھیتی باڑی کر کے اپنا گزارا کرتے ہیں وہ سادہ کھاتے ہیں اور سادہ رہتے ہیں دکھاوا نہیں کرتے اس لئے زیادہ تر خوش رہتے ہیں میں بھی ایک جھونپڑی میں رہتا ہوں پورا دن کھیتوں میں محنت کر کے اپنے کنبے کو ہر طرح سے خوشحال رکھنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔

ہماری پریشانی تب بڑھتی ہے جب کوئی بچہ بیمار پڑ جاتا ہے اور دس میل دور ہم اسے بیل گاڑی پر شہر علاج

کے لئے لے جاتے ہیں باقی ہم اپنے حال میں خوش ہیں اور ہم نے زندگی کے ہر شعبے میں سادگی اپنائی ہوئی ہے۔
لیکن صاحب پچھلے چند سالوں سے ایک خون خوار ٹائیگر نے گاؤں والوں کا ناک میں دم کر کے رکھ دیا ہے۔ وہ کھیتوں سے بیلوں کو چیر پھاڑ کر جنگل میں بھاگ جاتا ہے اور پچھلے چند ماہ سے وہ آدم خور بھی بن گیا ہے اور گاؤں کے چند افراد کو اپنا شکار بنایا جن کی لاشیں بھی جنگل سے بری حالت میں برآمد ہوئی تھیں اس دن کے بعد رات کے وقت کوئی بھی آدمی جنگل کی طرف نہیں جاتا ،لیکن میں کیا کروں، میرا اکلوتا بیل جو صبح سے غائب ہے جس کی تلاش مجھے یہاں لے آئی ہے۔
''ہیلو مسٹر چنگ یو! آپ اس وقت یہاں پر؟''
فاریسٹ آفیسر جن تاؤ، شکر ہے آپ کا بھی دیدار ہو گیا !میرے دوست مجھے جنگل گھومنے کا شوق بالکل بھی نہیں ہے اور آپ سے تو میری بنتی بھی نہیں ہے تو اس لئے ظاہر ہے میں کسی کام سے یہاں پر موجود ہوں۔ فاریسٹ آفیسر ڈیوٹی ختم کر کے واپس جا رہے تھے تو چنگ یو کو دیکھ کر رک گئے اور طنزیہ طور پر اسے ہیلو ہائی کیا۔
''پھر کوئی بیل بھاگ گیا ہوگا۔ ارے سنو !یار دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے اور آپ لوگ اب بھی بیل گاڑی کے دور میں جی رہے ہو...... میری مانو تو۔''
چنگ یو درمیان میں اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ''اب رہنے دو اپنے مشورے۔''
''آج خیر تو ہے کس طرح آنا ہوا؟'' فاریسٹ آفیسر بڑی ڈھٹائی سے ہنسا۔ ''ہمارا کام آپ لوگ جو کر رہے ہو بھلا ہمیں کیا ضرورت کسی خون خوار درندے سے لڑنے کی اور ویسے بھی میری نئی نئی شادی ہوئی ہے تو میرے کسان دوست مجھے معاف کرنا میری بیوی نے مجھے جلدی گھر آنے کو کہا ہے وہ کیا ہے نہ کہ آج رات سال نو کی تقریبات پر ہمیں بیجنگ جانا ہے جہاں نئے سال کی خوشی میں آتش بازی اور مختلف تقریبات ہونی ہے میں تو چلا نئے سال کا جشن منانے، اگر آپ کو بیل مل جائے تو اسے بھی میری طرف سے ہیپی نیو ایئر بول دینا، ویسے مجھے نہیں لگتا کہ ٹائیگر نے اسے نیا سال دیکھنے کے لئے زندہ چھوڑ دیا ہو...... دیر ہو گئی ہے چلتا ہوں۔''
اسے جاتا دیکھ کر میرا بھی پارہ چڑھ گیا۔
''حرام خور! ہڈ حرامی کی بھی حد ہوتی ہے، اتنے عرصے سے ٹائیگر نے ہمارا جینا حرام کر دیا ہے اور ان کے محکمے نے چشم پوشی کر رکھی ہے اگر گاؤں والوں نے ہی سب کرنا ہے تو بند کیوں نہیں کرتے اپنی دکان (محکمہ

)بے کار آدمی میرے بس میں ہو تو ٹائیگر سمیت اس کو بھی گولی ماردوں۔" کافی دیر تک میں زیر لب بڑبڑاتا رہا۔

آخر کسی حد تک غصہ کم ہوا تو ٹائیگر کے بارے میں سوچنا شروع کیا میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا صرف ایک بھالا تھا جو صحیح جگہ لگتے تو شیر کے خاتمے کے لئے کافی تھا جلدی میں ٹارچ لانا بھی بھول گیا تھا بیٹھے بیٹھے مغرب ہوگئی اور ہر سو اندھیرا، پھیلنے لگا مجھے بیل کی تلاش تھی اور اس آس پر کہ شاید وہ زندہ ہو میں اٹھا اور سیدھا جنگل کی طرف رخ کیا جنگل کافی وسیع رقبے پر پھیلا ہوا تھا اور اندھیرا ابھی گہرا ہوتا جارہا تھا، میں اپنے بیل کو مخصوص آواز میں پکاررہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ میری آواز ضرور پہچانے گا اور اپنی موجودگی کا ثبوت دے گا میرے ہاتھ میں بھالا تھا اور میں کسی ماہر شکاری کی طرح اپنے شکار کے تعاقب میں آگے ہی آگے بڑھتا جارہا تھا۔ عموماً ایسے جنگل میں گنتی کے چند ہی ٹائیگر ہوں گے لیکن ان کی تعداد کا صحیح اندازہ کسی کو بھی نہیں تھا اور دلچسپی لے بھی کون سکتا تھا ایسے بیک ورڈ ایریا میں جہاں انسان غربت سے نیچے کی سطح پر زندگی گزاررہے ہوں وہاں بھلا جنگلی جانوروں پر کون غور کرے گا لیکن مجھے ان باتوں سے کیا لینا دینا، مجھے تو اپنے بیل کی پڑی تھی جو میرے لئے روزی روٹی کا سہارا تھا اور متاع کل تھا۔ اس لئے وہ ہمارے لئے بہت قیمتی تھا۔

سردی اپنے عروج پر تھی۔ درختوں سے گرتے ہوئے پتے موسم کی شدت کا پتا بتارہے تھے ایسی پت جھڑ کے بعد وہاں پر موجود درخت اپنی پراسراریت سے ہمیں ڈرا سے رہے تھے۔ رات کے اس سناٹے میں تمام حشرات اور جنگلی جانور جاگ گئے تھے جو دن کے وقت کہیں چھپ جاتے ہیں وہ سارے کے سارے اس سے وہاں پھرتے، چیختے اور چلاتے نظر آرہے تھے۔ الو کی آواز ہماری سماعتوں سے ٹکرا کر ہمیں اک انجانے خطرے کی آواز سنا رہی تھی۔ گیدڑ بھی کسی سے کم نہیں تھے رہ رہ کر ان کی فلک شگاف چیخیں مجھے دہلا رہی تھی۔ میں نے متعدد گرم کپڑے زیب تن کئے ہوئے تھے پھر بھی سردی کی شدت سے ہمارا دماغ ماؤف ہورہا تھا۔

مجھے ٹائم کا اندازہ اس وقت ہوا جب بیجنگ شہر میں رات کے بارہ بجے کے بعد نئے سال کی آمد کی خوشی میں بھرپور آتش بازی کا مظاہرہ کیا گیا اور پورا شہر برقی روشنیوں میں نہا گیا۔

دوسری طرف ہوائی فائرنگ شروع ہوگئی تب میں نے جانا کہ رات کا پچھلا پہر شروع ہوا چاہتا ہے۔ شہر ہم سے دس میل دوری پر تھا لیکن یہاں جنگل سے مجھے وہاں کی روشنی اور فلک شگاف فائرنگ دیکھنے اور سننے میں کوئی دقت پیش نہیں ہوئی۔ "ہائے میری قسمت! ایک طرف دنیا رنگ ونور کی دنیا میں کھوئی ہوئی ہے اور شاندار جشن کے مظاہرہ ہورہے ہیں تو دوسری طرف یہاں میں غریب کسان اپنے بیل کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں، ہم غریبوں کی زندگی تو بس پیٹ سے شروع ہوکر پیٹ پر ہی ختم ہوجاتی ہے، غم روزگار کی وجہ سے ایسے امیروں کی تقریبات ہمارے لئے ایک معمہ ہے خواب ہے یا حقیقت مجھے ان چیزوں سے غرض نہیں ہے، غرض ہے تو بس یہ کہ اگر بیل نہیں ملا تو کھائیں گے کیا، بیوی بچوں کو کیا جواب دوں گا کہ بیل نہیں ملا اب کھانا پینا چھوڑ دو، یہ جو اتنی آتش بازی ہورہی ہے کاش وہ پیسہ غریبوں میں تقسیم کیا جائے تو ان کو بھی خوشی میسر آجائے اور وہ بھی نئے سال کے استقبال میں شامل ہوجائیں۔" میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ سرعت سے دو سائے پاس والی جھاڑیوں میں غائب ہوگئے۔

رات کے اس پہر کون ہوسکتا ہے، کوئی بھوت پریت تو نہیں، یہ سوچتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے، لیکن میرا تجسس بڑھتا جارہا تھا میں ڈرتے ڈرتے ان جھاڑیوں تک گیا اور جوں ہی میں نے ان جھاڑیوں کے اندر جھانکا تو اگلا منظر دیکھ کر میں حیران رہ گیا، ایک پریمی جوڑا آپس میں بوس وکنار میں مصروف تھا۔ مجھے یوں اچانک دیکھ کر وہ ایک دوسرے سے الگ ہوگئے اور سر شرم سے جھکا لئے، میں ان کو جانتا تھا وہ ہمارے ہی گاؤں کے تھے۔ "شرم نہیں آتی تم لوگوں

کو یہ سب کرتے ہوئے، رات کے اس پہر ماں باپ کی عزت نیلام کررہے ہو اور تم لوگوں کو ٹائیگر سے بھی ڈر نہیں لگتا؟"

میرے چلانے سے وہ سہم سے گئے لڑکا بولا۔" پلیز! انکل یہ بات کسی کو نہیں بتانا دراصل ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور ہمارے والدین ہمیں ملنے نہیں دیتے اسی لئے روزانہ ہم یہاں چھپ کر ملتے ہیں جوانی کے جوش نے ہمیں اردگرد کے ماحول اور ٹائیگر کے ڈر سے بے گانہ کردیا ہے، ہم تو بس ایک دوسرے سے پیار کرتے ہیں اور ویسے بھی آج نئے سال کا جشن ہے تو ہم نے سوچا جہاں پوری دنیا رنگینیوں میں کھوئی ہوئی ہے تو ہم غریبوں نے کیا قصور کیا ہے، ہمیں بھی جینے کا حق ہے، ہم بھی جذبات رکھتے ہیں۔" لڑکے کی تقریر کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

میں نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔" سنو لڑکی! میں تمہارے والد کو اچھی طرح جانتا ہوں وہ بھلا انسان پورا دن کھیتوں میں محنت مزدوری کرتا ہے اور خود کو تکلیف دے کر اپنی فیملی کو خوش رکھتا ہے ایک غیرت مند باپ کی تم جیسی بے شرم کو ذرا بھر بھی احساس نہیں ہوا کہ اپنے بوڑھے باپ، کی عزت کس طرح پیروں تلے روند کر کسی غیر مرد کے ساتھ یہاں پھلجھڑیاں اڑا رہی ہو، تجھے شرم نہیں آتی کہ تمہارا باپ سارے دن کے کام کی تھکن سے چور بستر پر کراہ رہا ہوگا اور تم یہاں بے شرمی کی ساری حدیں پار کرکے رنگ رلیاں منا رہی ہو۔ بے ہودہ لڑکی تمہیں تمہارا والدین نے کس طرح پالا ہوگا، جب تو بیمار پڑی ہوگی تو کس طرح انہوں نے تیرا علاج کرایا ہوگا مہنگے سے مہنگا لباس تیرے لئے خریدا ہوگا اور خود پیوند لگے کپڑے میب تن کئے ہوں گے، راتوں کو اٹھ اٹھ کر تیری خدمت کی ہوگی، اور آج تو نے ان کو رلایا ہوگا، نادان لڑکی یقین رکھ یہ دنیا مکافات عمل ہے جو بوئے گا وہی کاٹے گا، جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ یاد رکھنا ایک دن تم بھی روگی...... ضرور روگی۔"

جنگل کی خاموش فضاء میں میرے ہی لفظوں کی

پانچ چیزوں کے جوابات

حضرت شفیق بن ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے پانچ چیزوں کے متعلق سوال کیا تمام نے ایک ہی جواب دیا۔

1- میں نے پوچھا۔" عاقل کون ہے؟" سب نے یہی جواب دیا کہ" عاقل وہ شخص ہے جو دنیا سے محبت نہیں رکھتا۔

2- میں نے پوچھا۔" دانا اور ہوشیار کون شخص ہے۔" جواب ملا۔" جسے دنیا دھوکہ نہ دے سکے۔"

3- میں نے پوچھا۔" غنی کون ہے؟" جواب آیا۔" جو اپنے لئے اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی ہوجائے۔"

4- میں نے پوچھا۔" فقیہ کون ہے؟" جواب ملا۔ " جو زیادہ کی طلب نہیں رکھتا۔"

5- میں نے پوچھا۔" بخیل کون ہے؟" جواب ارشاد ہوا۔" جو شخص اپنے مال میں سے اللہ پاک کا حق ادا نہیں کرتا۔"

(ناصر علی- بھولے دی جھوک ساہیوال)

گونج سنائی دے رہی تھی۔ بڑی مشکل سے میں نے خود کو سنبھالا میں واقعی جذباتی ہوگیا تھا۔ میں نے بیل کی تلاش موخر کردی اور ان دونوں کو لے کر سیدھا اپنے گاؤں آیا انہیں ان کے والدین کے حوالے کیا اور حقیقت سے آگاہ کیا میں جب اپنی جھونپڑی نما گھر میں داخل ہوا تو اپنی بیوی کو منتظر پایا۔" بیل ملا" اس نے آتے ہی مجھ سے بیل کے بارے میں پوچھا۔

" آج نہیں ملا شاید کل مل جائے۔" مجھے مایوس دیکھ کر اس نے مجھے کافی حوصلہ دیا۔ میں نے بقیہ رات یہ سوچتے ہوئے گزاری کہ ہر سال کی طرح یہ سال بھی اگر محرومی و غربت میں گزرا تو ہمارے بچے کیا سوچیں گے۔

اگلے روز شدید دھند چھائی ہوئی تھی لیکن ایسے میں پھر بھی میں جنگل گیا لیکن مجھے کامیابی نہیں ملی

اور آج بھی نامراد واپس لوٹا۔ موسم شدید سرد تھا اکثر گاؤں والے گھروں میں قید ہو کر رہ گئے تھے، میں نے لکڑیوں کا کافی ایندھن جمع کیا ہوا تھا اور وہ ایسے شدید موسم میں کام آ گیا، میں، میری بیوی اور بچے دیک کر اندر بیٹھے ہوئے تھے، دھند کی وجہ سے وقت کا صحیح اندازہ نہیں ہو رہا تھا، شاید دوپہر تھی، ہم لوگ کھانے سے فارغ ہو کر انگیٹھی کے گرد بیٹھے ہوئے تھے جو لکڑی کے کوئلوں سے جل رہی تھی۔ کوئلوں کی آگ کی تپش سے سردی سے کافی بچت ہو گئی تھی۔ بیوی نے انگیٹھی پر گرم قہوہ بنانے کے لئے کیتلی رکھی۔ مجھے بھی بیل کی تلاش کے دوران کافی سردی اور زکام ہو گیا تھا ایسے میں گرم قہوے کے ساتھ جڑی بوٹیوں کی آمیزش سے نزلہ زکام کی دوائی کا رواج یہاں چائنا میں عام ہے۔

تو صاحب ایسے کٹھن حالات میں بھی ہمیں اپنا گاؤں عزیز تھا، ہم کسی بھی صورت اپنا گاؤں نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ مجھے پریشان دیکھ کر میری بیوی میرے پاس آئی۔ ''یو لوز یور اور اسے بیچ کر نیا بیل خریدو مگر پریشان مت ہو۔''

مجھے پتا ہے کہ وہ اپنے زیور سے کتنا پیار کرتی ہے اور کس طرح زیور کو سنبھال کر رکھا ہے میں نے پہلے تو انکار کیا لیکن اس کے اسرار پر بادل ناخواستہ میں نے زیور اس سے لئے اور اگلے ہی دن شہر سے ایک نیا بیل خرید کر لایا جسے دیکھ کر بیوی بچے بہت خوش ہوئے۔

معمولات زندگی دوبارہ بحال ہوئی اب میں کھیتوں میں دوگنی محنت کرتا تھا اور بیل کی حفاظت بھی۔

پورا ایک ماہ سکون سے گزرا، لوگ ٹائیگر کو بھول سا گئے تھے کہ ایک رات اچانک گاؤں کے ایک کسان کے گھر سے رونے کی آوازیں آنے لگیں، سردی بدستور جاری تھی، میں نے اوورکوٹ پہنا اور سیدھا وہاں پہنچا۔ سارے گاؤں والے وہاں جمع تھے پتا چلا کہ بوڑھا کسان اپنے بیل سمیت لاپتا ہے گھر والوں نے اس کا کافی انتظار کیا لیکن وہ کہیں نہیں ملے، لوگوں کا کہنا ہے کہ ٹائیگر نے پہلے بیل کا شکار کیا اور پھر بوڑھے کی لاش پاس والے جنگل میں غائب کر دی ہو گی۔

سارے گاؤں والے رات کے وقت ہی لاٹھیاں اور کلہاڑیاں لے کر اسے جنگل کی طرف ڈھونڈنے نکلے، میں نے بھی ہاتھ میں نیزا لیا اور ان کے ساتھ ہو لیا ٹارچ کی روشنی میں سب لوگوں نے جنگل کی تلاشی شروع کر دی ڈھونڈتے ڈھونڈتے آخر کار ایک آدمی کی نظر دور ایک لاش پر پڑی۔ ''وہ دیکھو گاؤں والوں لگتا ہے وہاں کوئی لاش پڑی ہے۔'' سارے لوگ وہاں جمع ہو گئے۔

لاش بری طرح مسخ شدہ تھی لگتا ہے کسی جانور نے بے دردی سے اسے چیر پھاڑ کر کھایا ہوا تھا ہم نے اس کے کپڑوں سے پہچانا کہ وہ بھی بدنصیب بوڑھا کسان ہے جس کی ہمیں تلاش تھی۔

میں نے جنگل کا جائزہ لیا وہاں بہت گھری جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں اور ایک درخت پر میں نے ایک فاختہ کا گھونسلا بھی دیکھا جسے نشانی کے طور پر میں نے ذہن میں بیٹھا لیا، کیوں کہ میرے خیال میں ٹائیگر کا ٹھکانا بھی یہیں کہیں ہونا چاہئے۔ اتنے سارے آدمیوں کو دیکھ کر یقیناً وہ بھاگ گیا ہو گا، خیر گاؤں والوں نے لاش اٹھائی اور ہم لوگ واپس گاؤں آ گئے بوڑھے کسان کے گھر تو کہرام مچ گیا اور ہم بھی پوری رات سو نہیں سکے۔

کافی دنوں تک ماحول سوگوار سا رہا۔ ہر کوئی اپنے کام میں مگن ہو گیا لیکن میرے ذہن میں اب بھی بوڑھے کسان کی لاش اور ٹائیگر سے بدلہ لینے جیسے خیالات گردش کر رہے تھے اور یونہی اچانک ایک دن میں بغیر کسی کو بتائے نیزہ لے کر جنگل میں آ گیا، بوڑھے کسان کی لاش کے پاس جو درخت تھے ان میں سے ایک درخت پر فاختہ کا گھونسلا تھا کافی دیر کی محنت کے بعد آخر کار وہ درخت مجھے مل ہی گیا۔ ''ٹائیگر کا ڈیرہ یقیناً یہیں ہو گا، میں نے تلاش تیز کر دی تھوڑا آگے چل کر مجھے پہلی کامیابی مل گئی۔ میرے سامنے مٹی کا ایک بڑا تودہ تھا جو جھاڑیوں کے درمیان گھرا ہوا تھا وہاں مجھے اپنے پیارے بیل کی باقیات اور پٹہ نظر آیا۔ ''معاف کرنا میرے دوست میں تم کو نہیں بچا پایا۔'' میری آنکھیں نم ہو گئیں۔

اچانک کہیں سے ٹائیگر نمودار ہوا اور اس نے پیچھے سے میرے اوپر چھلانگ لگادی، اس کا زوردار پنجہ میرے کندھے کو زخمی کر گیا اور منہ کے بل میں زمین پر گرا اس سے پہلے کہ وہ دوسرا حملہ کرے ایک زوردار بندوق کی گولی کی آوازشوں کر کے ٹائیگر کے قریب سے گزری جس کی آواز سن کر وہ حواس باختہ ہوگیا اور ایک طرف کو بھاگ گیا۔ دراصل یہ کارروائی اتنی سرعت کے ساتھ ہوئی کہ مجھے ابھی تک یقین نہیں ہو رہا تھا کہ ٹائیگر مجھے زخمی کر کے بھاگ گیا ہے۔

لیکن یہ گولی کس نے چلائی۔ یقیناً وہ میرا محسن ہوگا جس نے ایسے وقت میں میری جان بچائی۔ ''فاریسٹ آفیسر جن تاؤ! یہ تم ہو جس نے میری جان بچائی۔'' اسے دیکھ کر مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا، کیوں کہ میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ شخص ایسا بھی کرسکتا ہے۔

وہ مسکراتا ہوا میرے قریب آیا، مجھے سہارا دے کر اٹھایا اور گویا ہوا۔

''ہاں یہ میں ہوں فاریسٹ آفیسر جس نے تمہاری جان بچائی۔ جس سے تم شدید نفرت کرتے تھے۔ یاد رکھنا میرے دوست، کبھی کسی کو کمتر نہیں سمجھنا اور ہاں مجھے اپنی ڈیوٹی کرنی خوب آتی ہے اور گورنمنٹ آف چائنا یونہی ہمیں تنخواہ دیتی، کیوں مان گئے ناں؟''

میں نے شرمندگی سے اس سے اپنے رویے کی معافی مانگی۔ اگر وہ آج نہیں ہوتا تو یقیناً وہ ٹائیگر مجھے بھی چیر پھاڑ ڈالتا۔ ''میرے کسان دوست تلوار اور نیزے کا زمانہ پرانا ہوا اگر ٹائیگر کو مارنا ہے تو میری طرح بندوق اٹھاؤ اور پھر اس درندے کا مقابلہ کرو۔''

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''بندوق کا بندوبست بھی تو میں نے کرنا ہے۔''

''میرے پاس ایک اور لائسنس یافتہ بندوق موجود ہے، جو میں تم کو دے سکتا ہوں، مگر ایک بات یاد رکھنا بندوق کا استعمال صرف ٹائیگر پر ہونا چاہئے کسی انسان پر نہیں۔''

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''میں اتنا بھی بدھو نہیں ہوں ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میں بندوق چلانا بخوبی جانتا ہوں، جب بھی گاؤں میں میلہ لگتا ہے تو میں وہاں پر نشانہ بازی کے مقابلے میں حصہ لیتا ہوں اور انعام بھی حاصل کرتا ہوں۔'' ارے میلے سے یاد آیا، پرسوں ہمارے گاؤں میں میلہ شروع ہو رہا ہے خوب موج مستی اور رونق ہوگی آپ کو بھی دعوت ہے، صاحب ہم غریبوں کے لئے میلہ ہی واحد تفریح کا ذریعہ ہے۔''

فاریسٹ آفیسر نے میرا زخم دیکھتے ہوئے کہا۔ ''چلو پہلے اس کی مرہم پٹی کردوں باقی میلے میں بھی آئیں گے۔'' اس نے اپنے آفس میں پڑے فرسٹ ایڈ باکس میں سے دوائی نکالی اور میری مرہم پٹی بھی کی، جاتے ہوئے کہا کہ کل آ کر بندوق لے جانا۔''

میں سیدھا گاؤں واپس آ گیا بیوی سے کہا درخت سے گر گیا تھا اس لئے کندھا زخمی ہوگیا ہے۔

اگلے دن فاریسٹ آفیسر نے بندوق اور کارتوس میرے حوالے کرتے ہوئے تاکید کی۔ ''دیکھو دوست مجھے امید ہے کہ آپ ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جلد از جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہوگے میں بھی آپ کے ساتھ ہوں بس اب ہمیں اس خون خوار درندے کو مزید کسی کا نقصان کرنے نہیں دینا۔'' کچھ کارتوس میں نے سنبھال کر رکھے اور کچھ پریکٹس کرتے ہوئے استعمال کرلئے۔

آج بھی گاؤں والے بہت خوش تھے کیوں کہ آج میلہ جو ہے، میں بھی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ میلا دیکھنے آیا ہوں، کیا خوب رونق لگی ہوئی ہے، ہر جگہ بچوں کے جھولے، بڑے بڑے اسٹالز، مٹھائی کی دکان، سرکس، کھیل، کرتب وغیرہ وغیرہ میں نے بیوی بچوں کو ایک بڑے سے جھولے میں بیٹھایا اور خود اپنے پسندیدہ کھیل یعنی بندوق سے نشانہ بازی کے مقابلے میں حصہ لیا اس مرتبہ میں کافی دلچسپی سے کھیل رہا تھا کیوں کہ میں نے اصل ٹائیگر کا نشانہ جو لینا تھا، یہ گولی اپنے ٹارگٹ کو لگی، میرے نشانے پر سب لوگوں نے تالیاں بجا کر میری حوصلہ افزائی کی۔

سارا دن یہ سلسلہ چلتا رہا، میلے میں فاریسٹ آفیسر بھی آیا ہوا تھا میں کافی تھک چکا تھا لیکن بیوی بچوں کے اصرار پر مجھے بھی میلے میں خاص ناٹک دیکھنا پڑا۔ مختصراً یہ کہ ناٹک تھا تو بچوں کے لئے لیکن بڑے بھی شوق سے دیکھ رہے تھے، اسٹیج کو بڑی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا اور ہر سین کے مطابق وہاں سامان رکھا گیا تھا، سین یہ تھا کہ ایک شیر روزانہ گاؤں والوں کی بکریاں کھا جاتا ہے لیکن تلاش کرنے میں کہیں بھی نہیں ملتا۔

گاؤں والوں نے پنچایت بلائی تو ایک بوڑھا شخص کھڑا ہو گیا اور کہا۔ ''دوستو! جس طرح انسان پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح جانور بھی پانی کے سوا زندہ نہیں رہ سکتے، ہم شیر کو اور جگہ تلاش کیوں کریں وہ ندی پر روزانہ پانی پینے تو ضرور آتا ہوگا۔''

کتنا بہترین مشورہ دیا تھا بوڑھے فن کار نے، باقی لوگ تو ناٹک دیکھتے رہے لیکن مجھے میری منزل مل گئی تھی ہاں وہ ٹائیگر بھی جنگل کے تالاب میں پانی پینے ضرور آتا ہوگا اور ہم اسے کہاں کہاں تلاش کر رہے تھے۔ نہ جانے کب ناٹک ختم ہوا لیکن میں ٹائیگر کے شکار کے خیالوں میں گم بیوی نے ہاتھ پکڑ کر گھر جانے کو کہا تب ہوش آیا، شام کو سب ہنسی خوشی اپنے گھر میں موجود تھے لیکن میں ذہنی طور پر جنگل کے تالاب کے کنارے کھویا ہوا تھا، حد تو یہ ہے کہ خواب میں بھی میں بندوق چلا رہا تھا۔

صبح سویرے منہ اندھیرے ہی میں تیاری کرنے لگا، وافر مقدار میں کارتوس اور بندوق اٹھائی اور سیدھا جنگل کا رخ کیا کھانے پینے کی چیزیں اور پھل فروٹ بھی وافر مقدار میں ساتھ لیا، کیا پتا کتنا وقت لگ جاتا، میں اپنی پوری تیاری میں نکلا تالاب جنگل کے وسط میں تھا جو کافی گہرا تھا اردگرد جنگلی جڑی بوٹیاں اور گھاس پھوس اگی ہوئی تھی جبکہ پورا تالاب جنگل میں گھرا ہوا تھا میں کافی دیر تک وہاں جائزہ لیتا رہا صبح کا وقت تھا کوئی اکا دکا جانور وہاں پانی پانے آرہا تھا۔ تالاب کی طرف سارے جنگل سے کافی تعداد میں راستے آتے تھے۔

جانے ٹائیگر کس راستے سے آتا تھا مجھے اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ طویل انتظار کے بعد میں نے دیکھا کہ جنگل کے بڑے جانور ایک ڈھلوانی جگہ سے تالاب میں سے پانی پینے کے لئے آئے ہوئے تھے جبکہ چھوٹے چھوٹے جانور ہرن وغیرہ تالاب کے دوسرے کنارے بڑے جانوروں سے دور پانی پی رہے تھے جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ ٹائیگر بھی اسی جگہ سے پانی پیتا ہوگا جہاں یہ بڑے جانور موجود تھے۔

میں تقریباً 30 قدم پیچھے ہٹا اور تالاب کے عین سامنے گہری جھاڑیوں میں گھس کر اپنی جگہ بنائی تا کہ کوئی بھی مجھے یہاں دیکھ نہ سکے، جھاڑیوں کے اردگرد جنگلی گھاس اگی ہوئی تھی۔

تالاب سے میں اتنے فاصلے پر تھا کہ بندوق کی گولی آسانی سے اپنا اثر دکھا سکتی تھی۔ صبح سے دوپہر ہونے کو آئی تھی لیکن ٹائیگر کا کہیں پتا نہیں تھا، باقی جنگل کے دوسرے جانور باری باری پانی گھاٹ پر آ جا رہے تھے، اپنے ساتھ لائے پھل فروٹ پر فی الحال گزارہ کیا باقی جانوروں کی نظروں سے تو میں اوجھل تھا لیکن ایک بندر نے مجھے دیکھ لیا تھا اور ناک میں دم کر کے رکھ دیا تھا وہ بار بار میری طرف آتا اور عجیب وغریب اشارے کرتا اور شور کرتا، مجھے ڈر تھا کہ یہ للو کہیں جنگل میں جا کر اپنی زبان میں دوسرے جانوروں کو نہ بتا دے۔

میں نے ایک کیلا اسے دیتے ہوئے کہا۔'' بندر میاں! میرے پیچھے کیوں پڑے ہو، جاؤ میاں اپنا کام کرو، میں یہاں کسی نیک مقصد کے لئے بیٹھا ہوں یہ لو دوسرا کیلا بھی کھاؤ اور اپنا کام کرو۔'' وہ بھلا میری زبان کیونکر سمجھتا اس کی تو نظر کیلوں کے گچھے پر تھی، میں نے خاموشی سے کیلوں کا گچھا اٹھایا بندر بھی میرے پیچھے آ رہا تھا، میں نے بہت دور وہ گچھا رکھا تو بندر کیلوں پر ٹوٹ پڑا۔

میں چپکے سے واپس اپنی جگہ آ کر بیٹھا یہ کیا بندر پھر آ گیا جب کھانے کی ساری چیزیں اس کے سامنے پیش کیں پھر بھی وہ باز نہیں آ رہا تھا، ایک پتھر اس کی طرف پھینکا تو وہ شور کرنے لگا۔

''ارے بندر میاں شور کیوں کرتے ہو لگتا ہے

میرا بنا بنایا کام بگاڑنے کا ارادہ ہے، یہ لوچنے اس کے علاوہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے ادھر آؤ لے لوچنے۔'' ابھی ہم اس کشمکش میں تھے کہ یکایک پرندوں کا شور بڑھنے لگا اب بندر بھی وہاں متوجہ ہو گیا تھا کہ یہ کیسا شور ہے، میں فوراً سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو ٹائیگر آ رہا ہے جسے دیکھ کر کوئے اور چیل چلا رہے تھے اور چھوٹے موٹے جنگلی جانور دائیں بائیں بھاگ رہے تھے۔ بندر میاں بھی کہیں بھاگ گئے تھے۔

اور پھر آخرکار میرا اندازہ صحیح ثابت ہوا میں نے دیکھا کہ ٹائیگر ایک مرے ہوئے بیل اپنے نوکیلے دانتوں میں اٹھائے اسے گھسیٹتے ہوئے تالاب کنارے آ رہا ہے جبکہ وہ شدید تھکا ہوا معلوم ہو رہا تھا، تھوڑی دیر کے توقف کے بعد وہ سانس لیتا اور پھر اپنے شکار کو گھسیٹتا ہوا تالاب کی طرف بڑھ رہا تھا، آج پھر اس نے کسی غریب کسان کے بیل کو اپنا شکار بنایا تھا، میں نے بھی بندوق سنبھال کر شست لی، ٹائیگر شدید پیاسہ تھا اس نے شکار وہیں چھوڑا اور دائیں بائیں دیکھتا ہوا تالاب کی طرف بڑھنے لگا وہ پانی کے قریب پہنچ چکا تھا اس نے اطمینان سے پانی پیا اور واپسی کے لئے مڑا، میں مہارت سے شست لے چکا تھا۔

وہ عین میری بندوق کے نشانے پر تھا، میں نے وقت ضائع کئے بغیر یکے بعد دیگرے اس پر گولی چلا دی پھر کیا تھا گولی کی آواز سن کر سارے پرندے شور کرتے ہوئے اڑ گئے اور ٹائیگر میاں بھی بھاگنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا، لیکن گولی نے اپنا کام کر دکھایا تھا، میں بھی اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا وہ بھاگتے بھاگتے گر گیا جب میں اسکے قریب پہنچا تو وہ مر چکا تھا ایک گولی اس کا سر چیرتے ہوئے باہر نکل گئی تھی جس سے اس خون خوار درندے کا کام تمام ہو گیا تھا۔

گولی کی آواز سن کر تھوڑی دیر بعد فاریسٹ آفیسر بھی بھاگتا ہوا وہاں پہنچا اور مردہ ٹائیگر کو دیکھ کر مجھے شاباش دی۔ ''ویلڈن میرے کسان دوست تم نے اپنا کام کر دکھایا اور گاؤں والوں کو اس موذی جانور

اللہ کی بادشاہت

ساری کائنات کی بادشاہی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ کی بادشاہی آسمانوں پر بھی اور زمینوں پر بھی۔ ساری کائنات اللہ کی مٹھی میں ہے۔ اللہ کو زمین، آسمان بھی سجدہ کریں۔ چاند، ستارے، رات دن، سمندر، پہاڑ، بارش کے قطرے تک اللہ کے تابع۔ اللہ کا کوئی شریک نہیں، اس کا نہ کوئی وزیر ہے نہ کوئی مشیر، وہ خود نظام چلاتا ہے، وہ پھیکی اور بے کیف زمین سے ایسی گلاب کی پنکھڑی کو نکالتا ہے ایسی چنبیلی کو نکالتا ہے جو پورے گھر کو مہکا دے۔ اس کے خزانوں کی کوئی حد نہیں اس کی طاقت کی کوئی حد نہیں۔ اس کے علم کی کوئی حد نہیں وہ ہر عیب سے پاک، ہر شرک سے پاک، جس کے ساتھ اللہ ہو جائے اس کو عزت ملے گی۔ طاقت ملے گی وہ بغیر ہتھیاروں کے بھی کامیاب، وہ بغیر پیسوں کے بھی باعزت۔ اللہ سے ڈرو گے تو امریکہ کا ڈر نکل جائے گا۔ ہندوؤں کا اور یہودیوں کا ڈر نکل جائے گا۔ اللہ پوچھتا ہے میری رضا کہاں ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ میری اطاعت میں ہے۔ میری مانو گے تو میں راضی ہو جاؤں گا تو پھر برکت دوں گا۔ بادشاہیاں آئیں گی اقتدار ملے گا، غلبہ ملے گا۔ اس لئے اللہ کی طرف لوٹو۔ والسلام شکریہ۔

(شرف الدین جیلانی۔ ٹنڈوالہ)

سے نجات دلائی۔ ویسے تو تم نے اکیلے یہ سب کیسے کیا؟'' میں نے ساری تفصیل اسے بتادی جسے سن کراس نے مجھے گلے لگالیا اور میری ہمت کی داد دی، ہم دونوں نے ٹائیگر کو اٹھایا اور فاریسٹ آفیسر کے دفتر میں لاکر رکھ دیا جہاں جوق در جوق گاؤں والے اسے دیکھنے آرہے تھے اور ہر کوئی میرے گن گاتا، تعریف کیسے پسند نہیں ہے میں بھی خوش ہورہا تھا اور میرے بیوی بچے بھی وہاں پہنچ گئے تھے وہ بھی مجھ سے لپٹ گئے میری بیوی نے تو تعریفوں کے پل باندھ دیئے کافی عرصے بعد غریب گاؤں والوں کے چہروں پر رونق واپس دیکھ کر مجھے اطمینان اور سکون ملا۔

☆......☆......☆

میں دلی طور پر بہت زیادہ خوش تھا، میری نظریں ٹائیگر کے مردہ جسم پر مرکوز تھیں کہ اتنے میں شور اٹھا۔

''ہٹو...... ہٹو۔ عامل صاحب آگئے۔'' اور پھر سارے لوگ اپنی اپنی جگہ سے ہٹنے لگے اور اس طرح درمیان کی جگہ خالی ہوگئی تو میں نے دیکھا ایک باریش بزرگ جو کہ ہمارے گاؤں کے تھے وہ میرے قریب آئے اور میرے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا اور میرے حوصلے و ہمت کی داد دی اور بولے۔

''شاباش...... تم نے وہ کام کیا جو آج تک دوسرے نہ کرسکے، تمہاری بہادری سے میں ہی نہیں بلکہ سارے گاؤں والے بھی خوش ہوئے۔''

کہ اتنے میں ایک اچنبھا ہوا وہاں پر کھڑے سارے لوگوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں عامل صاحب بھی ٹائیگر کے مردہ وجود کو ٹکٹکی باندھے دیکھنے میں مصروف تھے ہوا یوں تھا کہ ٹائیگر کے اردگرد اچانک گاڑھا گاڑھا دھواں اٹھنے لگا تھا اور پھر اس دھوئیں نے ٹائیگر کے وجود کو مکمل طور پر اپنی لپیٹ میں لے لیا یعنی پورے کا پورا ٹائیگر اس دھوئیں میں چھپ گیا اور جب چند لمحے بعد دھواں چھٹا تو ٹائیگر پورے کا پورا اپنی جگہ سے غائب ہوچکا تھا۔

لوگوں کو اچنبھے میں دیکھ کر عامل صاحب گویا ہوئے۔ ''بھائیوں آپ گھبرائیں نہیں، دراصل یہ ٹائیگر نہیں تھا بلکہ ٹائیگر کے روپ میں ایک خطرناک آسیب تھا۔

میں نے اس کے گرد عمل کا جال پھیلا رکھا تھا مگر شرط یہ تھی کہ جب تک وہ کسی کی بندوق سے نکلی ہوئی گولی سے زخمی یا مردہ نہیں ہوجاتا اس وقت تک وہ فنا نہیں ہوسکتا تھا۔

اور آج اس جوان کی بندوق کی گولی نے وہ کام کردکھایا جو ہونا تھا اور گولی کے لگتے ہی وہ مردہ ہوا اور پھر اس کا وجود ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فنا ہوگیا اب کبھی بھی وہ واپس نہیں آسکتا۔

اب آپ گاؤں والے سکھ کا سانس لیں اور اپنے روزمرہ کے کاموں میں بے خوف وخطر مصروف ہوجائیں، اچھا اب میں چلتا ہوں۔'' اور یہ کہتے ہی عامل صاحب گاؤں کی طرف قدم بڑھانے لگے۔

ہم تمام گاؤں والے خوش ہوئے اور سکھ کا سانس لیا میں اس وقت بہت خوش تھا کیونکہ میں نے اپنے بیل کا اس ٹائیگر نما آسیب سے بدلہ لے لیا تھا اور میں اپنی بیوی بچے کے ساتھ گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔

☆......☆......☆

قارئین مغرب زدہ ماحول، ادب وثقافت کے برعکس ہمیں اپنے دیرینہ دوست چائنا کے ادب اور کلچر کو فروغ دینا چاہئے چائنا واحد ملک ہے جو مشکل کی ہر گھڑی یعنی امن ہو یا جنگ ہمارے ساتھ کھڑا ہے اور کھل کر ہماری حمایت کرتا ہے بیشک ہالی ووڈ ہو یا یورپی کردار نگاری ہمارے اہل قلم حضرات کو ہمارے عظیم دوست چائنا کے کرداروں پر بھی قلم اٹھانا چاہئے یہی وجہ ہے کہ راقم کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ ڈر جیسے عظیم اور معیاری رسالے کے لئے چائنا کے کرداروں کو اجاگر کرسکوں مجھے امید ہے کہ دوسرے رائٹرز بھی زور قلم کا عملی ثبوت ضرور دیں گے یعنی'' پاک چائنا دوستی'' کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں گے۔

کالا ناگ

خلیل جبار۔حیدرآباد

خوبرو حسینہ اپنے حسن و جوانی کا جلوہ دکھلا رہی تھی کہ نوجوان اس کی طرف لپکا اور چاہا کہ اسے اپنی بانھوں میں دبوچ لے کہ اتنے میں زور کی ہوا چلی اور وہ خوبرو حسینہ ایک خوفناک سانپ بن گئی کہ پھر……

خودغرضی اور مطلب پرستی کے پالنا میں جھولتی ہوئی دل پر نقش ہونے والی کہانی

وڈیرا قاسم کے بیٹے آچر ان دنوں تعلیم سے فارغ ہوا تھا تعلیم مکمل ہوجانے پر اس نے زمینوں کے معاملات دیکھنے شروع کردیئے تھے وہ روزانہ کھیتوں کی دیکھ بھال کے لئے زمین پر پہنچ جاتا تھا، ان ہی دنوں گندم کی کٹائی ہورہی تھی ہاریوں کے گھر سے ان کی خواتین بھی کٹائی میں حصہ لے رہی تھیں آچر وقفے وقفے سے زمین پر بنائی گئی اوطاق میں سے باہر نکل کر ایک نظر ہاریوں پر ڈالتا اور پھر واپس اوطاق میں چلا جاتا۔

آج عام دن کی نسبت آچر جب اوطاق سے باہر آتا تو وہ خاصی دیر تک باہر کھڑا ہو رہا تھا اس کی نگاہ ہاریوں سے زیادہ خواتین پر تھی ان خواتین میں حسینہ بھی تھی جس کے حسن پر آچر مرمٹا تھا وہ ہاری خورشید کی بیٹی تھی۔ ہاری خورشید ان دنوں بیمار رہنے لگا تھا اس سے اب کام نہیں ہوتا تھا اس کی بیوی بانو خورشید کی تیمارداری

میں لگی رہتی تھی کھانے پینے اور روزمرہ کی ضرورت پوری کرنے کو پیسوں کی ضرورت پڑتی ہے وہ مالی طور پر اتنے مضبوط نہ تھے کہ کئی ماہ گھر بیٹھ کر کھا پی سکیں اور اپنی ضروریات بھی پوری کر سکیں اس لیے خورشید نے اپنی بیٹی حسینہ کو وڈیرا قاسم کے گھر کام وغیرہ کرنے بھیج دیا تھا۔

آچر حسینہ کو دیکھ کر بے چین ہو گیا تھا اس نے اتنی خوبصورت لڑکی گاؤں میں نہیں دیکھی تھی وہ اس کی قربت چاہتا تھا اور اس کی یہ خواہش گھر میں نہیں ہو سکتی تھی اس لیے آچر نے اپنے والد وڈیرا سے کہہ کر اسے کھیتوں میں کام پر لگوا دیا تھا۔

آچر اوطاق کے باہر کھڑا کام کرتی حسینہ پر نگاہ جمائے ہوئے تھا اس کی نظریں حسینہ پر سے ہٹنے کو تیار نہ تھیں منشی رحیم ڈنو جو کسی کام سے گیا ہوا تھا جب وہ لوٹا تو اس نے آچر کو اس قدر حسینہ کی طرف متوجہ پا کر نزدیک آیا اور بولا۔

''سائیں اتنا زیادہ باہر نہ کھڑے ہوں آپ تھک جاؤ گے''

''کیا کروں اس لڑکی نے میرا چین چھین لیا ہے جب تک اس کی قربت نہ ملے گی مجھے قرار نہیں آئے گا مجھ سے اب صبر نہیں ہوتا تم اسے میرے بیڈ روم کی زینت بنا دو۔''

''سائیں ابھی تھوڑا صبر کریں اتنی جلدی ہاتھ رکھنے سے یہ بدک جائے گی۔''

''یہ باتیں مجھ سے زیادہ تم جانتے ہو'' آچر نے ہنستے ہوئے کہا۔

''بے فکر رہیں سائیں آپ کا کام ہو جائے گا بس دو چار دن اور صبر کر لیں'' منشی رحیم ڈنو نے کہا۔

''ٹھیک ہے میں دو چار دن اور صبر کر لوں گا'' آچر نے کچھ رقم منشی کے ہاتھ پر رکھ دی۔

''سائیں اس کی کیا ضرورت تھی ہم آپ کے خادم ہیں'' منشی نے کہا۔

''اسے رام کرنے کو تمہیں کچھ رقم کی ضرورت پیش آئے گی اس لیے تمہیں رقم دے رہا ہوں'' آچر اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا بولا۔ اس کی نظر ابھی تک حسینہ پر ہی تھی پھر وہ آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

''تمہارے والد کی طبیعت کیسی ہے؟''

''پہلے سے بہتر ہے مگر اتنی ہمت نہیں ہو رہی ہے کہ وہ کام پر آ جائیں'' حسینہ نے بتایا۔

''تمہارے والد ہمارے بہت پرانے ہاری ہیں ان کے ساتھ کام کرنے والے کام چھوڑ گئے ہیں مگر ہاری خورشید نے ہمارا ساتھ نہیں چھوڑا'' آچر نے کہا۔

''ابا کو جو یہاں عزت ملی ہے وہ پتا نہیں کہیں اور ملے یا نہ ملے''

''تمہارے والد ہمارا ساتھ نہیں چھوڑیں گے دیکھو بیمار پڑنے پر انہوں نے ہماری خدمت کرنے کو تمہیں بھیج دیا ہے اس بات سے اندازہ لگا لو انہیں ہم سے کتنی محبت ہے'' یہ کہتے ہوئے آچر نے کھیتوں میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں اور پھر اوطاق میں آ کر لیٹ گیا۔

آچر کے ذہن پر حسینہ سوار ہو چکی تھی اٹھتے بیٹھتے اس کی آنکھوں کے سامنے حسینہ کا حسین چہرہ بار بار آتا تھا۔

ایک ہفتہ گزر گیا آچر کو حسینہ کی قربت نصیب نہ ہو سکی رحیم ڈنو پر آچر کی نوازشیں بڑھتی جا رہی تھیں رحیم ڈنو بھی رقم آنے پر بہت خوش تھا آچر نے جب دیکھا کہ رحیم ڈنو کوئی خاص کارکردگی نہیں دکھا سکا تو وہ اس پر برس پڑا۔

''تم جیسا تجربہ کار آدمی بھی اب بیکار ہو گیا ہے ایسا لگتا ہے مجھے تمہاری جگہ کوئی اور آدمی رکھنا پڑے گا۔''

''کیوں سائیں مجھ سے ایسا کیا ہو گیا ہے میں آپ کا تابعدار ہوں جو حکم دو گے وہ کروں گا۔''

''میں نے تمہیں ایک کام کا کہا تھا وہ ابھی تک نہیں ہو سکا ہے'' آچر نے دور کھیتوں میں کام کرتی حسینہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

عبدالرحیم ڈنو کی بے اختیار نظریں اس طرف اٹھ گئیں وہ سمجھ گیا کہ آچر کا اشارہ کس کام کی طرف ہے اس قسم کے کام وہ بہت آسانی سے کر دیتا تھا اس لیے وہ آچر کے زیادہ نزدیک تھا۔

''سائیں جب نیا جانور گھر میں آتا ہے وہ ذرا سا

ہاتھ لگنے پر بدک بدک جاتا ہے حسینہ کی مثال بھی نئے جانور کی سی ہے اس نے کبھی کہیں کام نہیں کیا ہے پہلی بار گھر سے کام کرنے نکلی ہے تھوڑا اس کو پرانا ہونے دو پھر دیکھنا کہ کیسے وہ اشاروں پر کھنچی چلی آتی ہے۔'' عبدالرحیم ڈنو نے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

''تم سے بات نہیں بن رہی تو میں خود کوشش کروں'' آچر نے کہا۔

''سائیں ایسا کام نہیں کرنا بڑے سائیں کو خبر ہونے پر ہماری خیر نہیں ہوگی'' عبدالرحیم ڈنو نے کہا۔

''کیا بڑے سائیں نے جوانی میں عیش نہیں کیا'' آچر غصے سے بولا۔

''بڑے سائیں اب سب کچھ چھوڑ چکے ہیں اور وہ نیک انسان کی طرح زندگی گزار رہے ہیں۔'' عبدالرحیم ڈنو نے کہا۔

''ان کی عمر تک پہنچنے پر میں بھی نیک بن جاؤں گا۔''

''سائیں آپ میری بات کو سمجھنے کی کوشش کریں وہ آپ کو نہیں بلکہ مجھے سنائیں گے یہ بھی ممکن ہے کہ مجھے نوکری سے ہی نکال دیں'' عبدالرحیم نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ لیے تھے۔

''تمہاری نوکری سے نکالے جانے پر مجھے فائدہ ہوجائے گا'' آچر نے ہنستے ہوئے کہا۔

''سائیں بے شک آپ میرا مذاق اڑالیں مگر ایسا ویسا کوئی کام نہ کرنا جس سے سائیں ناراض ہوجائیں۔''

''پھر میں جو کہہ رہا ہوں وہ کام کرو ورنہ......''

''سائیں بس تھوڑی مہلت دے دو'' عبدالرحیم ڈنو آچر کے پاؤں میں پڑ گیا۔

☆......☆......☆

وڈیرا قاسم بہت متقی و پرہیزگار بھی ہو چکا تھا وہ اپنی جوانی میں بہت عیاش قسم کا وڈیرا تھا بس ایک حادثہ تھا جو اسے نیک بنا گیا تھا ایک رات وہ اور اس کے ساتھی اوطاق میں بیٹھے ہوئے تھے کہ راجو ایک خوبصورت دوشیزہ کو پکڑ کر لے آیا۔ وہ لڑکی بہت خوفزدہ تھی۔

''یہ کس کو لے آئے ہو راجو؟'' وڈیرے نے پوچھا۔

کرکٹ اور کمنٹری

کسی ہوٹل میں فل آواز سے ریڈیو بج رہا تھا۔ اور ریڈیو میں کمنٹری آرہی تھی جب کہ گاہک الگ شور مچا رہے تھے چنانچہ ہوٹل میں اس طرح کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

''بیرا ایک کپ چائے لاؤ، ساتھ میں گرم گرم رنز بناؤ۔ مائیکل پیٹر دو روٹی۔ صاحب سے دس روپے اور چالیس رنز لو۔ باسط چھکا بنا کے چاول کی پلیٹ لاؤ، ایک انڈہ الگ آؤٹ۔''

(اویس اکرم۔کراچی)

''سائیں کھیتوں میں پانی دیکھنے گیا تھا کھیتوں میں پانی چھوڑ کر میں جب آرہا تھا یہ لڑکی مل گئی اور میں زبردستی پکڑ کر اسے یہاں لے آیا ہوں''

''راجو یہ تم نے غلط کردیا تمہیں پتا ہے میرا اصول ہے کہ کسی بھی دوشیزہ کے معاملے پر میں زبردستی کا قائل نہیں ہوں پھر تم کیوں اسے لے آئے ہو۔''

''سائیں یہ مجھے بہت خوبصورت لگی اور میں اسے زبردستی پکڑ کر لے آیا۔''

''سائیں کا بچا کھچا میں بھی چکھ لوں گا کیوں نہیں سوچ کر اسے لائے ہونا'' وڈیرے قاسم نے کہا۔

راجو کا خوشی سے چمکتا ہوا چہرہ سائیں کی بات سن کر بجھ گیا سائیں نے اس کی دل کی بات کہہ دی تھی۔

''راجو تجھے پتا بھی ہے کہ میں زبردستی کا قائل نہیں ہوں اگر یہ اپنی خواہش سے آتی تو خیر تھی''

''سائیں واقعی مجھ سے غلطی ہوگئی ہے'' راجو نے اعتراف کیا۔

''کیوں لڑکی کیا تو ہمیں اپنی خوشی سے خوش کرنے کو تیار ہے'' وڈیرے قاسم نے ایک نظر اس کے سراپے پر ڈالی۔

''نہیں......'' وہ غصے سے بولی۔

''مجھے اپنے گھر جانا ہے'' لڑکی کا لہجہ اگرچہ

وڈیرے کی نظر میں بڑا گستاخانہ تھا۔

وڈیرے سے کسی نے بھی اس لہجے میں بات نہیں کی تھی جو بھی بات کرتا تھا وہ بڑے دھیمے لہجے میں بات کرتا تھا یہ بات وڈیرا بھی محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا وہ اپنے اصول کا پکا تھا اس لیے لڑکی کے گستاخانہ انداز کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

''راجو لڑکی کو جہاں سے لایا ہے وہیں چھوڑ آ۔''

''جی سائیں'' راجو نے کہا۔

اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وڈیرے کا فیصلہ اسے پسند نہیں آیا ہے حقیقت بھی یہی تھی کہ اس کا دل دوشیزہ پر آ گیا تھا وہ اسے وڈیرے کے سامنے پیش کر کے اپنی ہوس مٹانا چاہتا تھا مگر وڈیرے نے اپنا اصول بتا کر اس کے ارادے کو خاک میں ملا دیا تھا راجو لڑکی کو لے کر اوطاق سے باہر نکل گیا وڈیرے نے اس کے ساتھ بخشل کو بھی ساتھ کر دیا وڈیرے نے راجو کی آنکھوں میں کچھ پڑھ لیا تھا اس لیے بخشل کو ساتھ روانہ کیا تھا وڈیرا قاسم بڑا چہرہ شناس انسان تھا وہ وقت سے پہلے لوگوں کی شکل دیکھ کر اندازہ کر لیتا تھا کہ وہ کیسا انسان ہے اور وہ اب کیا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے ابھی انہیں دس، پندرہ منٹ ہوئے تھے کہ اچانک بخشل گھبرایا ہوا اوطاق میں داخل ہوا اس کی سانسیں پھولی ہوئی تھیں وہ سخت گھبرا رہا تھا اسے اتنا پریشان دیکھ کر وڈیرا بھی پریشان ہو گیا۔

''کیا ہوا بخشل خیریت تو ہے نا؟''

''سائیں غضب ہو گیا ہے'' بخشل بولا۔

''کیا ہوا کچھ پتا بھی چلے۔''

''سائیں وہ لڑکی انسان نہیں تھی۔

''انسان نہیں تھی تو پھر کون تھی؟'' وڈیرے نے اسے گھورا۔

''سائیں وہ ناگن تھی انسان کے روپ میں۔''

''یہ بات تم کیسے کہہ رہے ہو۔''

''سائیں میں اس لڑکی اور راجو کے ساتھ یہاں سے چلا گیا تھا لڑکی جہاں جانا چاہتی تھی راجو اسے وہاں نے جانے کی بجائے دوسرے راستے سے لے جانے لگا لڑکی نے احتجاج کیا مگر وہ نہ مانا اور زبردستی دوسری طرف لے جانے لگا میں نے راجو کو سمجھایا مگر وہ مجھ پر غصہ ہو گیا۔

''زیادہ بکواس نہ کر''

''سائیں کا حکم ہے کہ اسے عزت کے ساتھ جہاں چاہے چھوڑ آؤ تم سائیں کے حکم کی خلاف ورزی کر رہے ہو۔''

''زیادہ باتیں نہ بنا اتنی اچھی چیز ہاتھ آئی ہے میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔''

''تم ایسا نہیں کر سکتے۔''

کیوں نہیں کر سکتا یہ میرا شکار ہے میں سائیں کے پاس اس لیے گیا تھا کہ ہمارے سائیں ہیں۔ سائیں کا پیٹ بھرا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہمارا پیٹ بھی بھرا ہے اور تجھے میرے ساتھ چلنے کو کہا ہے اس لئے ساتھ چل اور زیادہ بکواس نہ کر اور میرے کسی معاملے میں تجھے مداخلت کرنے کی ضرورت نہیں ہے سائیں کا جو اصول تھا اس پر سائیں نے عمل کیا میرا اصول یہ ہے کہ آئے شکار کو ہاتھ سے جانے نہ دو، بس میں اس پر عمل کر کے رہوں گا۔''

بخشل تو خاموش رہ میں بھی دیکھتی ہوں کہ یہ کتنا بڑا بہادر مرد ہے، یہ آج فیصلہ ہو جائے گا۔'' لڑکی نے کہا۔

''راجو نے ایک نظر لڑکی پر ڈالی اور زور سے ہنسا۔''

''ہاں میں آج ثابت کر دوں گا کہ میں کتنا بہادر مرد ہوں'' راجو نے کہا۔ کچھ فاصلے پر پہنچ کر ایک خالی میدان آ جانے پر راجو رک گیا اس کی نیت سے اندازہ تھا کہ وہ کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

''میں آئی تھی کسی اور ارادے سے لیکن میرا شکار آج تو بنے گا'' لڑکی نے کہا۔

''کس ارادے سے آئی تھی'' راجو چونکا۔

''میں تیرے وڈیرے کو قتل کرنے آئی تھی مگر اس کے ایک اصول نے اسے بچا لیا کہ وہ زبردستی کا قائل نہیں ہے مگر تم زبردستی کے قائل ہو اس لیے تمہیں ضرور سزا ملے گی۔'' لڑکی نے کہا۔

''تم اور مجھے سزا دو گی'' راجو زور سے ہنسا۔

’’راجو اس کو چھوڑ دے‘‘ میں نے ایک بار پھر سمجھایا۔
’’تو اپنی چونچ بند نہیں رکھ سکتا‘‘ یہ کہتے ہوئے راجو نے مجھے زور سے دھکا دیا۔

’’لڑکی تمہارا ایک مرد سے پالا پڑا ہے میں تمہاری گیدڑ بھبکیوں میں آنے والا نہیں ہوں۔‘‘ یہ کہتے ہوئے جیسے ہی راجو نے لڑکی پر دست درازی کی تو لڑکی غائب ہوگئی اور اس کی جگہ ایک ناگن نے لے لی۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا اس نے راجو کو ڈس لیا ناگن کے ڈستے ہی راجو زمین پر گرا اور دم توڑ گیا۔ ناگن تیزی سے آگے بڑھی اور غائب ہوگئی میں نے اسے ہلا جلا کر دیکھا مگر ناگن کا ڈسا لمحہ بھر بھی زندہ نہ رہ سکا تھا۔ راجو کے مرنے پر میں ایسا خوفزدہ ہوا کہ یہاں بھاگ آیا۔

اس واقعہ پر سب ہی حیران رہ گئے راجو کی لاش کو میدان سے لاکر دوسرے دن اس کی تدفین کردی گئی وڈیرے پر راجو کی موت کا بڑا گہرا اثر ہوا، ناگن کا یہ انکشاف کہ وہ وڈیرے کو ڈسنے آئی تھی اس بات نے وڈیرے کو ہلا کر رکھ دیا وہ صرف اپنے اصول کی بناء پر زندہ بچ گیا تھا ورنہ اس رات وڈیرے کی موت یقینی تھی۔ اس رات سے وڈیرے نے اپنے آپ کو بدلنا شروع کردیا تھا اور وہ بالکل بدلتا چلا گیا۔

☆......☆......☆

آچر کسی کام سے گیا ہوا تھا جب وہ کھیتوں پر لوٹا تو اس نے دیکھا کہ حسینہ اوطاق میں بیٹھی ہے اوطاق دو منزل پر مشتمل تھا نیچے باتھ روم بنا ہوا تھا اس لیے کام کرنے والی خواتین اور ہاری حاجت کے لئے اس میں چلے جاتے تھے حسینہ کو اوطاق میں جاتا دیکھ کر خوشی سے آچر کی باچھیں کھل اٹھیں وہ لپک کر وہاں پہنچا عبدالرحیم ڈنو بھی اپنے گھر گیا ہوا تھا اوطاق پر اب آچر ہی رہ گیا تھا اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائیں خواتین اور ہاری اپنے کاموں میں مصروف تھے اس نے اس شاندار موقع سے فائدہ اٹھانے کا سوچ کر اوطاق کا دروازہ بند کردیا وہ باتھ روم کی طرف بڑھا باتھ روم خالی تھا اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر اسے وہاں نہ پاکر وہ سمجھ گیا کہ حسینہ اوپر

گئی ہے وہ اوپر کمرے میں کیوں گئی ہے یہ اس کے اس وقت سوچنے کا نہیں تھا آچر اس بھرپور موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا اس لیے آچر تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اوپر چلا آیا اس کا خوشی کے مارے ایک ایک انگ پھول رہا تھا اس کی توقع کے برعکس حسینہ کمرے میں نہیں تھی ایک لمحے کو وہ پریشان ہوگیا تھا وہ نیچے بھی نہیں تھی اوپر کمرے میں بھی نہیں تھی وہ کہاں چلی گئی۔ ضرور وہ چھت پر گئی ہوگی مگر چھت پر وہ اس وقت کیا کرنے گئی ہے یہ ابھی سوچنے کا وقت نہیں ہے اس لیے آچر نے کچھ دیر حسینہ کا انتظار کیا جب وہ نہ آئی تو وہ بے صبرے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے چھت پر پہنچ گیا۔

خالی چھت دیکھ کر اسے زبردست حیرت کا جھٹکا لگا چھت پر بھی کوئی نہیں تھا وہ سوچ میں پڑ گیا کہ حسینہ کہاں چلی گئی وہ چھت پر ٹہلتا ہوا آگے بڑھا اور نیچے کی طرف دیکھا حسینہ اوطاق میں سے نکل کر کھیتوں کی طرف جارہی تھی اس بات نے آچر کو اور زیادہ حیرت زدہ کردیا اس نے اپنی آنکھوں سے حسینہ کو اوطاق میں داخل ہوتا ہوا دیکھا تھا اور اس کے ڈیرے میں داخل ہونے پر وہ دکھائی نہ دی تھی اب اس کے چھت پر آجانے سے حسینہ اوطاق سے نکل کر جاتی ہوئی دکھائی دے گئی تھی۔ ضرور کچھ گڑبڑ تھی جب حسینہ اوطاق کے اندر تھی پھر وہ اسے کیوں دکھائی نہیں دی۔

وہ مایوس ہوکر نیچے اتر آیا اور چارپائی پر لیٹ گیا، بار بار اس کے ذہن میں حسینہ کا خیال آرہا تھا اس کی نظریں دھوکہ نہیں کھاسکتی تھیں حسینہ نیچے اور اوپر کے کمرے میں نہیں تھی اگر ہوتی تو وہ ضرور نظر آتی انہیں سوچوں میں چارپائی پر لیٹے لیٹے اسے نیند آگئی۔۔

اچانک اس کی آنکھ کھل گئی کوئی اوطاق میں آیا تھا اس نے جب دیکھا اسے حسینہ نظر آئی، اوطاق میں حسینہ کو دیکھ کر خوشی کے مارے اس کی باچھیں کھل اٹھیں تھیں حسینہ کے سر پر ایک گٹھڑی تھی۔

''اس گٹھڑی میں کیا ہے'' اس نے پوچھا۔

''سائیں پتا نہیں کیا ہے اس میں ماسی کریمن نے دی ہے اور کہا ہے کہ اسے اوپر کمرے میں رکھ آؤ'' حسینہ نے بتایا۔

''ہاں اس گٹھڑی کو اوپر رکھ آؤ'' آچر نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

حسینہ جیسے ہی اوپر گئی آچر نے جلدی سے اوطاق کا دروازہ بند کردیا اس کے خوشی کے مارے اس کا انگ انگ پھڑک رہا تھا اس نے دل میں ارادہ کرلیا تھا چاہے کچھ بھی ہوجائے آج حسینہ اس کے ہاتھ سے بچ کر نہیں جائے گی۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اوپر کمرے میں چلا گیا کمرے میں جاکر وہ دھک سے رہ گیا حسینہ کمرے میں نہیں تھی۔

ایک کالا ناگ کنڈلی مارے بیٹھا تھا اس کے پھن کا رخ اس کی جانب تھا آچر ناگ کو دیکھ کر گھبرا گیا خوف کے مارے اس کے چہرے سے پسینے پھوٹ پڑے تھے اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہے حسینہ کہاں گئی اور اس کی جگہ یہ کالا ناگ کہاں سے آگیا، اس سے پہلے کہ کالا ناگ اس پر حملہ کرے وہ تیزی کے ساتھ پلٹا اور نیچے آگیا، نیچے آنے پر آچر کو ایک اور جھٹکا لگا حسینہ اوطاق کا دروازہ کھول کر باہر جارہی تھی اس نے اپنے سر کو ایک زوردار جھٹکا دیا اور حسینہ کو دیکھا اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا اسرار ہیں اس نے خود اپنی آنکھوں سے کمرے میں حسینہ کو جاتے دیکھا تھا لیکن وہ اوپر کی بجائے نیچے تھی حسینہ کی بے اختیار اس پر نظر پڑی وہ ایک لمحے کو مسکرائی اور باہر نکل گئی۔

شام گئے جب عبدالرحیم ڈنو اوطاق پر آیا اس نے آچر کو سوچوں میں گم پایا۔

''سائیں خیریت ہے ناں''

''ہاں خیریت ہی ہے مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے؟'' آچر نے کہا۔

''ہاں پوچھو۔''

''کیا حسینہ واقعی ہاری خورشید کی بیٹی ہے۔'' آچر نے پوچھا۔

عبدالرحیم ڈنو اس کی بات پر گہری سوچ میں پڑ گیا۔

''کیا میں نے کوئی مشکل سوال کرڈالا ہے؟''
''میں یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ خیال آپ کو کیسے آیا۔''
''میں بس ایسے ہی پوچھ رہا ہوں۔''
''حسینہ خورشید کی سگی بیٹی نہیں ہے وہ اسے کھیتوں سے ملی تھی اس نے اپنے طور پر اس کے والدین کو تلاش کرنے کی بہت کوشش کی مگر اس کے والدین کا کوئی سراغ نہ ملنے پر اس نے حسینہ کو اپنے پاس رکھ لیا جب سے وہ اس کے پاس ہے۔'' عبدالرحیم ڈنو نے بتایا۔
''اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا شک درست نکلا'' آچر نے کہا۔
''کیسا شک سائیں؟'' عبدالرحیم ڈنو نے پوچھا۔
''یہی کہ حسینہ ہاری خورشید کی بیٹی نہیں ہے۔''
''سائیں حسینہ بہت اچھی لڑکی ہے وہ ان دونوں میاں بیوی کا اتنا خیال رکھتی ہے جتنا اس کی سگی بیٹی بھی نہیں کرتی۔''
''کیا وہ اپنے منہ بولے ماں باپ کی ہی خدمت کرتی رہے گی میرا کب خیال کرے گی'' آچر نے کہا۔
اس بات پر عبدالرحیم ڈنو زیرلب مسکرایا۔
''سائیں کو بہت جلدی ہے۔''
''کیا کروں یہ ظالم چیز ہی ایسی ہے مجھ سے اب اور صبر نہیں ہوتا۔''
''سائیں میں کچھ کرتا ہوں'' عبدالرحیم ڈنو نے کہا۔
''لیکن جلدی کرو'' آچر نے بے صبری سے کہا۔
''عبدالرحیم ڈنو کسی گہری سوچ میں غرق ہوگیا تھا ایسی کیفیت جب بھی اس پر سوار ہوتی تھی وہ مسئلے کا حل نکال لیتا تھا۔'' عبدالرحیم ڈنو کو سوچ میں غرق دیکھ کر آچر سمجھ گیا کہ اس کا کام ہونے والا ہے۔
''سائیں میں حسینہ کو کسی کام سے اوطاق میں بھیجوں گا وہ جیسے ہی اوطاق میں داخل ہو دروازہ بند کردینا، پر جو بھی ہوگا میں سنبھال لوں گا۔'' عبدالرحیم ڈنو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
''یہ کی نا تم نے مردوں والی بات'' آچر نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔
''کیا کریں سائیں مجھ سے آپ کی حسینہ کے لئے بے تابی دیکھی نہیں جاتی اس لیے میں یہ اقدام کرنے پر مجبور ہوگیا ہوں بڑے سائیں میری بات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اگر حسینہ نے شکایت بھی کی تو میں کہہ دوں گا وہ جھوٹ بول رہی ہے میں خود اوطاق میں موجود تھا یہ سائیں کو بدنام کرنا چاہتی ہے عبدالرحیم ڈنو نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔
آچر اس کی بات سن کر خوش ہوگیا تھا اس نے کچھ رقم عبدالرحیم ڈنو کی جیب میں زبردستی ٹھونس دی۔
''سائیں اس کی کیا ضرورت تھی۔''
''رکھ لو یہ میری طرف سے خرچی ہے'' آچر نے کہا۔
''سائیں ہم آپ کے ملازم ہیں خرچی نہ بھی ملے پھر بھی خدمت کرتے رہیں گے۔'' عبدالرحیم نے کہا۔
دوسرے دن عبدالرحیم ڈنو کھیتوں کی طرف جاتے ہوئے آچر کو ہوشیار کرگیا تھا۔ آچر دل میں بہت خوش تھا عبدالرحیم ڈنو میں یہ خاص بات تھی کہ وہ جو وعدہ کرلیتا تھا پھر اسے نبھاتا بھی تھا آچر کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئی تھیں وہ آنے والے لمحات کے تصور سے ہی خوش ہوگیا تھا اب اسے حسینہ کا انتظار تھا۔ دروازے سے حسینہ کو اندر آتا دیکھ کر آچر کی خوشی کے مارے باچھیں کھل گئی تھیں۔ عبدالرحیم ڈنو نے اپنا وعدہ پورا کردیا تھا۔ وہ تیزی سے چارپائی پر سے اٹھا اور لپک کر دروازہ بند کردیا۔
''آج تو میرے ہاتھوں سے بچ کر نہیں جاسکے گی اے حسینہ تو نے مجھے بہت تڑپایا ہے۔'' آچر نے خود کلامی کی۔
آچر حسینہ پر جھپٹنے کو پلٹا تو وہاں حسینہ کو نا پاکر وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ اس نے خود اپنی آنکھوں سے حسینہ کو اوطاق میں داخل ہوتا دیکھا تھا اس کی نظریں کیسے دھوکہ کھاسکتی تھیں۔ اوطاق کے اندر سے اتنی جلدی حسینہ کس طرح غائب ہوسکتی تھی۔
سانپ کی پھنکار پر آچر چونکا سیڑھیوں پر وہی کالا

ناگ کنڈلی مارے بیٹھا تھا سانپ کو دیکھ کر آچر بری طرح سے خوف زدہ ہوگیا اور بدحواس ہوکر اوطاق سے باہر نکل گیا۔ عبدالرحیم ڈنو جو کھیتوں میں کھڑا تھا اس نے جو آچر کو بدحواس کی حالت میں اوطاق سے باہر آتا دیکھا وہ لپک کر اس کے پاس آیا۔

''سائیں کیا ہوا اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟''

''اندر کالا ناگ ہے'' آچر نے بتایا۔

''کالا ناگ!'' عبدالرحیم نے حیرت سے آچر کو دیکھا۔

''ہاں وہ کالا ناگ ہی ہے۔''

''کہیں وہ حسینہ کو ڈس نہ لے، آؤ اندر چل کر اس کالے ناگ کو مارتے ہیں۔''

''اندر حسینہ نہیں ہے۔''

''یہ کیسے ممکن ہے کہ اندر حسینہ نہیں ہے۔ میں نے خود حسینہ کو اوطاق میں جاتا دیکھا ہے۔'' عبدالرحیم ڈنو نے کہا۔

''میں نے بھی اسے اوطاق میں داخل ہوتے دیکھا تھا مگر اب نہیں ہے۔''

''آؤ دیکھتے ہیں'' عبدالرحیم یہ کہتے ہوئے آگے بڑھا۔

اسے آگے بڑھتا دیکھ کر آچر بھی اس کے پیچھے چل دیا اوطاق میں کالا ناگ غائب تھا حسینہ بھی وہاں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

''میں نے کہا تھا نا کہ حسینہ اوطاق میں نہیں ہے'' آچر نے اپنی بات پر زور دیا۔

''واقعی تم ٹھیک کہہ رہے ہو یہاں حسینہ نہیں ہے اگر وہ اوطاق میں نہیں ہے تو پھر وہ کہاں غائب ہوگئی ہے'' عبدالرحیم ڈنو سوچ میں پڑ گیا تھا۔

''تم نے اسے اوپر جا کر دیکھا کہیں وہ اوپر نہ چلی گئی ہو'' عبدالرحیم ڈنو نے سیڑھیوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''سیڑھیوں پر کالا ناگ بیٹھا تھا وہ کیسے اوپر جاتی۔'' آچر نے کہا۔

''وہ کالا ناگ بھی یہاں نظر نہیں آ رہا ہے سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کیا بھید ہے۔'' عبدالرحیم ڈنو نے کہا۔

ابھی وہ دونوں کسی نتیجے پر پہنچے نہ تھے کہ حسینہ باتھ روم سے باہر نکلی اس نے دونوں کو مسکراتے ہوئے دیکھا اور بولی۔

''چاچا میں نے وہ پوٹلی وہاں رکھ دی ہے اور اب میں کھیتوں میں جا رہی ہوں کام بہت ہے اسے آج ہی نمٹانا ہے۔''

اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتے حسینہ تیزی سے اوطاق سے باہر نکل گئی۔ وہ دونوں اسے حیرت سے جاتا دیکھتے رہ گئے۔

''سائیں میں نے آپ کو ایک موقع دیا اور آپ نے اسے گنوا دیا۔ دیکھ لو وہ اوطاق میں ہی تھی اب میں دوبارہ حسینہ کو نہیں بھیج سکتا ورنہ ہاری اور خواتین کو شک ہوجائے گا حسینہ کے شور مچانے پر وہ اس کے حق میں ہی گواہی دیں گے۔''

''ہاں حسینہ اوطاق میں ہی تھی مگر وہ منحوس کالا ناگ ایسا آیا کہ میں حواس باختہ ہوگیا تھا کچھ سمجھ میں نہیں آیا اور یہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔'' آچر نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔

''یہ تمہارا وہم ہے اوطاق میں کالا ناگ نہیں تھا ورنہ آپ سے پہلے حسینہ اوطاق سے نکل کر بھاگ اٹھتی'' عبدالرحیم ڈنو نے کہا۔

وہ کچھ دیر آچر کے پاس بیٹھ کر چلا گیا آچر اس کے جانے پر چارپائی پر لیٹ گیا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ آج یہ کیا ہو رہا ہے اس کی نظریں کیسے دھوکہ کھا گئیں۔

اوطاق میں اگر کالا ناگ تھا تو اسے ابھی بھی ہونا چاہئے تھا اچانک ناگ کی پھنکار پھر سنائی دی۔ اس نے جھک کر چارپائی کے نیچے دیکھا تو کالا ناگ چارپائی کے نیچے موجود تھا سانپ چارپائی کے نیچے دیکھ کر آچر پر خوف کے مارے کپکپی طاری ہوگئی تھی وہ اس وقت چارپائی سے اتر کر بھاگنے کا رسک نہیں لے سکتا تھا اس لیے وہ دم سادھے لیٹا رہا۔ کالا ناگ چارپائی سے نکل کر

اب آہستہ آہستہ رینگتا ہوا اوطاق سے باہر نکل گیا۔
کالے ناگ کے باہر جانے پر آچر سوچ میں پڑ گیا۔ حسینہ اور کالے ناگ میں ضرور کچھ بات تھی۔ کالا ناگ حسینہ کو بچانا چاہتا تھا اس لیے وہ عین اس وقت آموجود ہوتا تھا جب وہ حسینہ پر قابو کرلینا چاہتا تھا۔ اس کالے ناگ کی موجودگی میں وہ کبھی بھی اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہوسکتا تھا۔ اسے اب اپنے پلان میں تبدیلی کرنا ضروری ہوگیا تھا۔
آچر صبح کے وقت اوطاق میں آیا تو وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ اس کی آمد سے پہلے ہی حسینہ اوطاق میں موجود تھی حسینہ کو دیکھ کر وہ سب کچھ بھول گیا اور اس نے حسینہ کو اپنی بانہوں میں زبردستی لینے کی کوشش کی وہ اس سے زیادہ پھرتیلی نکلی اور چکنی مچھلی کی طرح اس کے ہاتھوں سے نکل گئی وہ پھر آگے بڑھا اور اس نے پیچھے سے حسینہ کی چوٹی پکڑ لی حسینہ غصے سے پلٹی آچر کو اس کے غصے کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ اپنی ہوس آج ہر صورت میں پوری کرلینا چاہتا تھا حسینہ نے غصے سے ایک زوردار تھپڑ آچر کے منہ پر دے مارا، اس ایک تھپڑ کے پڑنے پر آچر کے چودہ طبق روشن ہوگئے کچھ دیر تک آچر کو اپنے گرد تارے گھومتے نظر آتے رہے ہوش آنے پر اس نے حسینہ کو غور سے دیکھا۔
''کون ہو تم؟''
''میں کوئی بھی ہوں تمہاری یہ ہمت کیسے ہوئی، مجھ پر بری نگاہ ڈالنے کی۔''
''میں تمہیں کوئی لڑکی سمجھتا ہوں۔''
''میں عام لڑکی نہیں ہوں، میرا تعلق جنات کے قبیلے سے ہے میں خورشید ہاری کی مالی مدد کرنا چاہتی تھی مگر وہ انتہائی خوددار انسان ہیں وہ میری مدد کو قبول نہ کرتے اس لیے مجھے گمشدہ لڑکی کا ڈرامہ کرنا پڑا ان کے ساتھ رہتے ہوئے میں گھر میں ان کے کام میں ہاتھ بٹاتی تھی پھر وہ بیمار ہوگئے تو میں پھر کام کرنے تمہارے گھر چلی آئی تمہاری مجھ پر بری نگاہ تھی میں سب کچھ سمجھتے ہوئے تمہیں دھوکہ دیتی تھی۔ میں کالے ناگ کا روپ دھار لیتی تھی کہ کسی طرح تم باز آجاؤ جب تم باز نہیں آئے تو مجبوراً مجھے آج تمہیں سبق سکھانے کا خیال آیا تم اسی وقت مرغا بن جاؤ تم آج اپنی جان سے جاؤ گے۔'' وہ بولی۔
آچر جس کا دماغ پہلے سائیں سائیں کررہا تھا اس نے حکم کی تعمیل کی اور نا چاہتے ہوئے بھی مرغا بن گیا۔
''بولو اب تم کام کرنے والی لڑکیوں کو بہن سمجھو گے۔''
''ہاں میں بہن سمجھوں گا۔'' آچر نے کہا۔
''بولو کبھی بھی کسی مجبور لڑکی کو اپنی جنسی خواہش کے لئے تنگ نہیں کرو گے۔''
''آچر نے کہا میں وعدہ کرتا ہوں کسی بھی مجبور لڑکی کو تنگ نہیں کروں گا۔''
''وہ بولی کبھی بھی میرا راز فاش نہیں کرو گے۔''
''نہیں کروں گا۔'' وہ بولا۔
''جس دن بھی تم نے میرا راز فاش کیا وہ دن دنیا میں تمہارا آخری ہوگا۔''
''میری بہن بے فکر رہو میری زبان سے یہ راز کبھی نہیں نکلے گا۔'' آچر نے باقاعدہ ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔
''میں بوڑھے خورشید اور اس کی بیوی کی اس وقت تک خدمت کرتی رہوں گی جب تک وہ زندہ ہیں ان کا انتقال ہوجانے پر میں اس گاؤں سے چلی جاؤں گی۔ اور کسی کو نظر نہ آؤں گی اور ہاں جب بھی تم نے کسی مجبور اور بے بس لڑکی کو تنگ کیا یا ہوس کا نشانہ بنایا تو میں گاؤں لوٹ کر تمہیں ایسا سبق سکھاؤں گی کہ موت سے ہمکنار ہوجاؤ گے۔''
''حسینہ بہن میرا تم سے یہ وعدہ ہے کہ کبھی بھول کر تمہیں شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔''
''ٹھیک ہے اب تم سیدھے ہوجاؤ، میں جارہی ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے حسینہ باہر نکل گئی۔
آچر نے اس کے باہر نکل جانے پر خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کی جان بچ گئی، اس کے دماغ میں جو حسینہ کی قربت حاصل کرنے کا نشہ تھا وہ اب ہرن ہوچکا تھا۔

قوسِ قزح

قارئین کے بھیجے گئے پسندیدہ اشعار

دل بے تاب ہے بکھر جانے کو
آنکھ سے آنسو گرا بہنے کو
کوئی دیتا نہیں ہے ساتھ اپنا
غم ہی زندگی میں ملے اٹھانے کو
(محمد اسلم جاوید......فیصل آباد)

وہ جو ستاروں پہ ڈال چکے کمند
ہوگئے زمین کے ٹکڑے میں دفن
عجیب ان کے عروج تھے
عجیب ان کی زندگی کا انجام ہے
(انوری رمضان......پنڈ دادن خان)

میری منزل کے جو جگنو ہیں وہ تیرے ہیں
تیری راہوں کے جو اندھیرے ہیں وہ میرے ہیں
چھو سکتی نہیں کوئی آفت اور بلا تجھ کو
کیوں کہ تم پہ دعاؤ کے جو پھیرے ہیں وہ میرے ہیں
(شرف الدین جیلانی......ٹنڈوالہ یار)

میں اپنی زندگی میں ہر کسی کو اہمیت اس لئے دیتا ہوں
جو اچھا ہوگا وہ خوشی دے گا جو برا ہوگا وہ سبق دے گا
(فاطمہ انجم......لاہور)

کچھ کھوجانے سے پہلے دور ہوجانے سے پہلے
خود کو ڈھونڈ لیتی ہوں مگر ایسا نہ ہو کہ
خود کو بھی گنوا بیٹھوں جہاں سے دور جا بیٹھوں
میری قسمت میں نہ جانے کہاں تک تنہائی ہے
(صائمہ امجد......حیدرآباد)

ہم سے کھیلتی رہی دنیا
تاش کے پتوں کی طرح
جو جیت گیا اس نے بھی پھینک دیا
جو ہار گیا اس نے بھی پھینک دیا
(خضر حیات......روڈہ تھل، خوشاب)

گلستان کیلئے رونے سے کچھ بنتا نہیں فانی
نظر میں حسن پیدا کر سنور جائے گا ویرانہ
(انتخاب: ایس حبیب خان......کراچی)

سحر ازل کو جو دی گئی وہی آج تک ہے مسافری
اسے طے کریں تو پتہ چلے کہاں کون کس کی طلب میں ہے
(انتخاب: عمران حمید......دیپالپور)

جہاں بانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا
(انتخاب: قادر علی......ساہیوال)

نہ چھیڑ قصہ وہ الفت کا بڑی لمبی کہانی ہے
میں زندگی سے نہیں ہارا بس کسی اپنے کی مہربانی ہے
(چوہدری محمد کامران......روڈہ تھل، خوشاب)

یہ تو دیکھو کہ وہ غم خوار ہیں کتنے
تیرے لئے وہ جی دار ہیں کتنے
ضروری نہیں وہ دلائیں وفاؤں کا یقین
تم بھی تو دیکھو وہ وفادار ہیں کتنے
(عبدالجبار رومی انصاری......قصور)

تم ایک چراغ کی خیرات دے رہے ہو مجھے
میں آفتاب سے اپنا دامن چھڑا کے آیا ہوں
سمندر بھی نہ سہہ سکے گا میرے اشکوں کے دھارے
کہ درد میں ڈھل کے نکلے ہیں دل کے ارمان سارے
(ڈاکٹر رانا عامر شہزاد......ننکانہ صاحب)

میں سب میں تقسیم تھا مگر پھر بھی
کسی بہانے خفا ہوگیا، کوئی نہ کوئی
میں کس سے پوچھنے نکلوں کسے تلاش کروں
قدم قدم پہ جدا ہوگیا، کوئی نہ کوئی
(عروج ماہین......پنڈ دادن خان)

رات سڑکوں پہ بیت جاتی ہے
گھر کے بستر اداس رہتے ہیں
(مقصود احمد بلوچ......میاں چنوں)

اے کاش کوئی معجزہ ہوجائے
کہ اک شخص صرف میرا ہوجائے
(انتخاب: ذکا اللہ بھٹی......گوجرانوالہ)

☆☆

غزل

جب بھی تیری وفاؤں پہ زوال آئے گا
تیرے ہونٹوں پہ ایک سوال آئے گا
کون بخشے گا رونق اجڑے ہوئے گھر کو
کس کو بھری دنیا میں کب خیال آئے گا
تیرے قریب رہ کے غم ہی پائے ہیں
کوئی اپنا وعدہ کیسے پھر سے بھول جائے گا
الزام تیری جدائی کا محفل مں ہے نمایاں
تیری ہلکی سی مسکراہٹ سے کسی کا مقدر بدل جائے گا
آثار تھکن کے جب نمایاں ہوں گے کبھی
آنکھ سے آنسو گرے تھے پھر مچل جائے گا
کسی کی باتوں سے پھولوں کی خوشبو آئے جاوید
میری نظروں کا تجھ پہ جادول چل جائے گا
(محمد اسلم جاوید......فیصل آباد)

چاند سورج بجھ گئے روشن ستارے کھوگئے
روشنی انگیز جب جذبے ہمارے کھوگئے
جب سے تیری دلنوازی کے اشارے کھوگئے
ڈوبنے والوں کو تنکے کے سہارے کھوگئے
گرمئی خوں کا تھا مرہونِ کرم ہر حسن و رنگ
سردی جذبات میں رنگیں نظارے کھوگئے
رفتہ رفتہ بجھ گئی ہر شمعِ الطاف و کرم
روح دل کی روشن کے سب منارے کھوگئے
ہر طرف امواج طوفاں خیز کے گرداب میں
بحر ہستی کے سکوں ساماں کنارے کھوگئے
تابہ امکاں اپنی اپنی کوششوں کے باوجود
وقت کے سیلاب کی موجوں کے مارے کھوگئے
جور پیہم کا بیاں واجد بلا تشبیہ ہے
شدت احساس میں سب استعارے کھوگئے
(پروفیسر واجد نگینوی......کراچی)

اس دور کے انسان وفا بھول گئے ہیں
بیچارے فرشتے ہیں، خطا بھول گئے ہیں
اب میری محبت کو نہیں اس کی بھی پروا
وہ یاد مجھے کرتے ہیں یا بھول گئے ہیں
منزل میرا مقصود ہے یا دوری منزل
یہ بات میرے راہنما بھول گئے ہیں
مدت ہوئی میں غم سے بھی محروم ہوں یا رب!
کیا حادثے بھی میرا پتا بھول گئے ہیں
کس منہ سے شکایت کریں ہم تلخی غم کی
کیا زہر مسرت کا مزا بھول گئے ہیں
کہنا ہے خمار ان سے بہت کچھ ہمیں لیکن!
کیا چاہیے کیا یاد ہے کیا بھول گئے ہیں
(انتخاب ایس حبیب خان......کراچی)

بنا کے اپنا وہ پھر سے بے گانہ کرگیا
دے کر غم ساتھ خوشیاں لے کر گیا
سوچا تھا ساتھ نبھائے گا عمر بھر
وہ تو ہر وعدہ وفا سے ہی مکر گیا
خواہشوں کے تاروں سے چمکا آسماں
دے کر کالی رات وہ لے روشن قمر گیا
بڑی من مانیوں کے پرواز بھرے تھے
اب گستاخ دل کیسا سدھر گیا
آنکھوں کے جام جو خالی رہے تھے کبھی
بعد اس کے چھلکا جو پیمانہ بھرگیا
سنگ اس کے خواب سجائے آنکھوں نے
وہ گیا کیا ہر خواب بکھر گیا
سوتے سوتے چونک اٹھتے ہیں اکثر
خوابوں سے بھی جانے چلا کدھر گیا
دل کافر کو سب کچھ میسر تھا
نہ جھکا سامنے خدا کے چاہے جدھر گیا
لگی ٹھیس تو ہوا خدا سے نادم نینا
جب ہر دعا سے اس کا اثر گیا!!!
(شاعرہ: ایڈووکیٹ نیناخان......کراچی)

سال نو......!

سال نو کی آمد پر
آؤ مل کر عہد کریں کہ آئندہ
چھوٹی چھوٹی باتوں پر
ہم آپس میں نہیں جھگڑیں گے
اک دوجے کا دکھ بانٹیں گے
راستہ نہیں بھولیں گے
وعدوں کو دعوؤں کو
پچھلے سال کی مانند!

(ایس امتیاز احمد......کراچی)

اپنی کہانی لکھوں کہ لکھوں افسانہ
حال لکھوں کہ لکھوں بیتا زمانہ
ہوش جب آیا میں اک عام سی کلی تھی
اپنوں کے ہاتھوں نازوں سے پلی تھی
مالی نے مجھ کو جینا سکھایا
اچھے برے ہر موسم سے بچایا
میری تھی جوانی کام تھا خوش رہنا
لوگوں کی باتیں سن کر بھی اپنی دنیا میں مگن رہنا
اپنے ہی چمن کے اک بھنورے نے جب دیکھا
دیکھ کے اس نے پھر جانے کیا سوچا
پیار کا اس نے اک جال بچھایا
میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی خود کو پھنسایا
پھنس کے ایسی ہوئی ہوں بکھری سی کلی
بے بس ہو کے چڑھی ہوں پیار کی بلی
اب میں ہوں اور آنسو ہیں میرے
سدا خوش رہو میری خوشیوں کے لٹیرے

(عبدالجبار رومی انصاری......قصور)

رات گہری ہے مگر چاند چمکتا ہے ابھی
میرے ماتھے پہ ترا پیار دمکتا ہے ابھی
میری سانسوں میں ترا لمس مہکتا ہے ابھی
میرے سینے میں ترا نام دھڑکتا ہے ابھی
زیست کرنے کو مرے پاس بہت کچھ ہے ابھی
تیری آواز کا جادو ہے ابھی میرے لئے
تیرے ملبوس کی خوشبو ہے ابھی میرے لئے
تیری بانہیں، تیرا پہلو ہے ابھی میرے لئے
سب سے بڑھ کر، میری جاں تو ہے ابھی میرے لئے
زیست کرنے کو میرے پاس بہت کچھ ہے ابھی

(شرف الدین جیلانی......ٹنڈو الہ یار)

ہاں!
سنو! اے عدل کے ایوانو!
کیا یہ ہے تمہارا انصاف؟
کیوں ہر روز بے زار انسان
منہ موڑتے ہیں زندگی سے
کیوں کوئی ملالہ کی طرح
سب کو انگلینڈ نہ سہی
سرکاری اسپتال تک نہیں پہنچاتے
میرے اس سوال کے آگے
تمہارے جواب کیوں بے جان ہو جاتے ہیں؟
سنو! اے عدل کے ایوانو
تمہارے اونچے محراب
تمہاری عمارتوں کا سفید رنگ
اور ان پر لہراتے
قومی پرچم
کیوں بے جان ہو جاتے ہیں
خاموشی میں یک جان ہو جاتے ہیں
جب میں ایک سوال کرتی ہوں
میں ایک قبائلی بچی ہوں
ڈھیروں ملال کرتی ہوں
میں بھی اسکول جاتی ہوں
مجھ پر بھی طیارے سے بم گرا تھا
تم صرف ملالہ کے لئے کیوں تڑپتے ہو؟
آخر کس شہ پر اکڑتے ہو؟
ملالہ کو تم نے بچالیا
پر میں جیون ہار گئی

(عروج ماہین طہٰ......سرگودھا)

عشق میں شامل تمہاری جب رضا ہوجائے گی
درد کی لذت سے الفت آشنا ہوجائے گی
بے حجابی پھر تمہارا جان من معمول ہے
بے ارادہ کوئی مجھ سے پھر خطا ہوجائے گی
اچھی نظروں سے جہاں کو دیکھ لوگر ہم نوا
ساری دنیا پھر تمہاری ہم نوا ہوجائیگی
بدلے بدلے تیوروں پر ہے زمانے کی اٹھان
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائیگی
ہر تمنا میرے دل کی ساتھ اپنے لے چلے
بعد ان کے زندگی یہ اک سزا ہوجائیگی
گر نظر کا حسن تجھ کو بخش دے رب العلیٰ
ساری دنیا ہی میں نظر میں ماہ و لقا ہوجائیگی
ماشاء اللہ پڑھ رہا ہوں دیکھ کر صورت تیری
حسن میں شامل خدا کی یوں ثنا ہوجائیگی
آ کے مرقد پہ مری وہ اتنا کہہ کر چل دیئے
اب ہے جلدی پھر کبھی آ کر دعا ہوجائیگی
لے لیا شاکر جو تو نے ناؤ پہ ساحل کا نام
یوں مخالف پھر تمہارے یہ ہوا ہوجائیگی

(محمد حنیف شاکر......ننکانہ صاحب)

یوں تو میخانے میں کم ہے نہ پانی کم ہے
پھر بھی کچھ کشتی صہبا میں روانی کم ہے
سچ تو یہ ہے کہ زمانہ جو کہے پھرتا ہے
اس میں کچھ رنگ زیادہ ہے کہانی کم ہے
آؤ ہم خود ہی دریا پار سے ہو آتے ہیں
یہ جو پیغام ہے قاصد کی زبانی کم ہے
تم بضد ہو تو چلو ترک ملاقات سہی
ویسے اس دل نے میری بات تو مانی کم ہے
یاد رکھنے کو تو اے دوست بہت حیلے تھے
اک تیرا زخم جدائی تو نشانی کم ہے
دفتر شوق مرتب ہو تو کیسے ہو شہزاد
دل نے ہر بار کہا ایک کہانی کم ہے

(ڈاکٹر رانا عامر شہزاد......ننکانہ صاحب)

رات کٹتی رہی چاند ڈھلتا رہا
آتش ہجر میں کوئی جلتا رہا!!!
پردیس کی تنہائیاں دل کو ڈستی رہیں
کوئی گھر کی دہلیز کو تکتا رہا!!!
اشک پلکوں پہ آ کر بکھرتے رہے!
نام لب پہ کسی کا لرزتا رہا!!!
رات بھر کوئی چین سے سوتا رہا
رات بھر کوئی تنہا سسکتا رہا
رات دونوں کی کٹ گئی مگر!!!
کوئی سوتا رہا کوئی روتا رہا

(مقصود احمد بلوچ......میاں چنوں)

چلو مان لیا دوست تمہاری بات سچی لگتی ہے
دولت نامی شے ہی آج کل سب کو اچھی لگتی ہے
چلو یہ بھی مان لیا ہم نے کہ دنیا کے اس پنڈار میں
دولت کی چمک سے ہر شے خریدی جاسکتی ہے
مگر یہ کیوں بھول گئے تم دوست کہ چاہے جتنے بھی جتن کرلو
دولت سے تم ہر "چیز" تو خرید سکتے ہو
مگر کیا اک بات مجھ کو بتاؤ گے تم؟
خدا کے سچ کو کبھی خرید پاؤ گے تم؟
پرخلوص جذبے کہاں سے لاؤ گے تم؟
اپنی چھوٹی سی دنیا کو کیسے سجاؤ گے تم؟
دل کا سکون کہاں سے پاؤ گے تم؟
جب خدا کی یاد سے دور جاؤ گے تم!
چلو مانا کہ دولت کی وجہ سے دنیا تمہاری مٹھی میں ہے
مگر مجھے اتنا بتادو تم کہ دنیا کے ترازو میں
دولت کے بل بوتے پر کیا خوشی خرید سکتے ہو تم؟
کہ دل کی لاکھ مانو تم مگر اتنا بتادو تم
کہ وقت کے دھارے میں۔ بہہ کر
کیا سچے رشتوں کو خرید سکتے ہو تم؟
چلو اک آخری بات ہی مجھ کو بتادو تم
کہ اس مادہ پرست دنیا میں، دولت کی عفریت سے
کیا پرخلوص محبت خرید سکتے ہو تم؟
کیا محبت خرید سکتے ہو تم؟
کیا محبت خرید سکتے ہو تم؟

(شاعرہ: رابعہ آفرین امانت......لاہور)

اے محبت تو میری محبت کا خیال رکھنا
میں رہوں نہ رہوں تو اسے سنبھال رکھنا
محبت نادان ہے وہ میری جان وفا
تو اس کی ہنسی کو ہمیشہ برقرار رکھنا
نہ گرے آنسوؤں کی ایک بوند بھی اس کی آنکھوں سے
تو موتیوں کی طرح اس کے آنسوؤں کو سنبھال رکھنا
جب بھی وہ رویا میرے یار تو اسے اتنا کہنا
کہ میں لوٹ آؤں گا بس مجھ پر تھوڑا اعتبار رکھنا
اور جب تک لوٹ نہ آؤں تب تک اے محبت
تو میری محبت کا خیال رکھنا
(خضر حیات......روڈہ تھل، خوشاب)

سنا تھا اے زندگی!
کہ تو امتحان لیتی ہے
کہ تو درد بہت دیتی ہے
کہ تو زندہ درگور کردیتی ہے
یہ سن کر ہنسا کرتے تھے ہم
آوازیں تجھ پر کسا کرتے تھے ہم
آج جب تیرے رنگ دیکھے
خوشیوں میں پڑے بھنگ دیکھے
تو سمجھ میں آیا ہے
یہ جو تیرا جال مایہ ہے
کہ تو صرف امتحان نہیں لیتی ہے
بلکہ سارا جہان لوٹ لیتی ہے
سنا تھا اے زندگی!
کہ تو امتحان لیتی ہے!
(شاعرہ: کائنات رشک تنویر......لاہور)

ہنستے ہوئے لوگوں کو رلانے والے بہت
چہرے پہ آنسو چھپانے والے بہت
ہم جن پر اعتبار بہت زیادہ کرتے رہے
مگر ان اعتباروں کو توڑنے والے بہت
جس طرح شیشہ ٹوٹ کر زخم دیتا ہے
شیشہ دل کو توڑ کر زخم دینے والے بہت
ہنستے ہوئے لوگوں کو رلانے والے بہت
(رابعہ عباس......بستی فتے والی)

زندگی میں تو نہیں تو آرزو کس لئے
یہ محبت کس کے لئے یہ جستجو کس کے لئے
میں تجھے دیکھا کروں اور تو مجھے دیکھا کرے
یہ نہیں تو جان جاناں روبرو کس کے لئے
ہر سجاوٹ جسم و جاں کی میں نے کی تیرے لئے
تو اگر ملتا نہیں تو رنگ و بو کس کے لئے
دلبری کے تیرے چرچے جا بجا میں نے سنے
تو اگر میرا نہیں تو یہ چاہت کس کے لئے
ہر غزل میں نے لکھی اے جان جاں تیرے لئے
تو اگر سنتا نہیں تو گفتگو کس کے لئے
(شرف الدین جیلانی......ٹنڈو الہ یار)

سرد راتوں کو میرے پاس آتی ہیں تیری یادیں
ہر شب تنہائی میں ستاتی ہیں تیری یادیں
لوٹ کر اب بھی نہ آئے گا تیرے پاس
ہر شب یہی کہہ کر مجھے رلاتی ہیں تیری یادیں
روز و شب تجھے بھلانے کی کوشش کرتا ہوں
تیرا نام لے کر تڑپاتی ہیں مجھے تیری یادیں
جب بھی بجھ جاتا ہے تیرے پیار کا دیا
مجھ سے پوچھے بغیر اسے جلاتی ہیں تیری یادیں
فلک بھلانا چاہتا ہوں جس صورت کو
ہر شب وہی صورت دکھاتی ہیں تیری یادیں
(فلک زاہد......لاہور)

چشم انتظار تیری راہ میں بچھی ہے
صرف دل ہی نہ جھکا، گردن بھی یہ جھکی ہے
تیرے تصور کے دارالامان میں بھی جینے نہیں دیتی
خدا جانے اس فانی دنیا کو کیا مجھ سے دشمنی ہے
جس سفر میں تو ساتھ نہ ہو میرے
لگتی مجھے وہ ہر گلی، ہر راہ وحشی ہے
جچتا تو تجھ پہ ویسے ہر رنگ ہے اے ہمسفر!
مگر شام سے بجلی ڈھا رہی تیری پوشاک وہ ہری ہے
اب تو میرا مشغلہ ہے صرف یہ کشت سخن شاہد
(رابعہ امانت علی......لاہور)

☆☆

چڑیل

اشتیاق احمد۔لاہور

اچانک اور چشم زدن میں اپسرا نما حسینہ کی ہیت بدل گئی، اور اس کا خوب صورت چہرہ بدھیت و مکروہ ہوگیا، اس پر نظر پڑتے ہی نوجوان پر جیسے سکتہ طاری ہوگیا اور پھر اچانک ناقابل یقین واقعہ رونما ہوا۔

بھولی بھالی صورت والے ہوتے ہیں جلاد بھی، اس حقیقت کو احاطہ کرتی خوفناک اور انوکھی کہانی

شام سے پہلے شام ہونے کو تھی۔ شام کے دھندلکے ہر چیز کو اپنی آغوش میں تیزی سے بھرتے جا رہے تھے۔ عین اس وقت جب رات کی کالی چادر نے ہر چیز کو اپنی آغوش میں چھپانا شروع کر دیا تھا۔ موسم نے یک لخت کروٹ بدلنا شروع کر دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے بادلوں نے ستاروں اور چاند کو اپنی اوٹ میں چھپالیا۔

موسم میں خنکی بڑھ گئی تھی۔ ویسے تو نومبر کے اوائل دن تھے۔ لیکن موسم کی بدلتی کروٹ نے یک لخت موسم اتنا خراب کر دیا تھا کہ چاروناچار لوگوں کو بستروں میں دبکنا پڑا تھا۔

عمران کو بس اسٹاپ پر کھڑے کافی وقت بیت چکا تھا لیکن ابھی تک گاڑی نہیں آئی تھی۔ موسم کی بدلتی کروٹ نے اس کی پیشانی پر پریشانی کی سلوٹیں عیاں کر دی تھیں۔ عین اس وقت جب بادل پہلی بار گرجا اور بجلی کی

چمک نے چہار سو اجالا پھیلایا۔ جیسے جیسے وقت بیت رہا تھا عمران کی پریشانی میں بتدریج اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اپنی کلائی پر بندھی گھڑی میں ٹائم دیکھ رہا تھا کہ اسی وقت دور سے آتی بس کے ہارن نے اس کی سماعت پر دستک دی اور خوشی سے اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

عمران سرعت سے آگے بڑھا اور بس کو رکنے کا اشارہ کیا۔ بس اس کے قریب آ کر رک گئی۔ عمران لپک کر بس میں سوار ہو گیا۔ یہ دیکھ کر اس کی حیرت ہویدا رہ گئی کہ بس کے اندر ڈرائیور کے علاوہ صرف ایک سواری تھی۔ بس کے اندر نہ تو مزید کوئی سواری تھی اور نہ ہی بس کا کنڈکٹر موجود تھا۔

عمران اس سواری کے ساتھ والی سیٹ پر سرعت سے براجمان ہو گیا۔ ابھی تک اس نے اس سواری کو نہیں دیکھا تھا۔ عمران نے جو لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ سردی کی سختی کو روکنے کے لیے ناموزوں تھا۔ جس کی وجہ سے عمران بری طرح سے کانپ رہا تھا۔

سردی سے کانپتے عمران کی نگاہ یک لخت اس سواری پر پڑی۔ اور وہ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن رہ گیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس پری پیکر کو دیکھ کر عمران کے اندر سے سختی کا احساس ہی ختم ہو گیا تھا۔ تو یہ بات بجا ہو گی۔ اس لڑکی کے لباس سے لگ رہا تھا کہ وہ کسی اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔

وہ لڑکی بھی متواتر عمران کو ہی تکے جا رہی تھی۔ عمران اس سے آنکھیں ملانے کی جسارت نہ کر پا رہا تھا۔ لیکن اس پری پیکر کا چہرہ جیسے اس کے دل و دماغ پر قابض ہو گیا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس پری پیکر کے چہرے کو تکے بنا نہ رہ پا رہا تھا۔

گاڑی اپنی رفتار سے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ڈرائیور بار بار کن اکھیوں سے آئینے میں اس پری پیکر کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ عمران بھی اس لڑکی کو گھور رہا تھا۔ اور یہی نہیں وہ پری پیکر بھی عمران کو تکے جا رہی ہے۔ ڈرائیور ادھیڑ عمر کا ہونے کے باوجود اس لڑکی پر ہوس کی نگاہ جمائے ہوئے تھا۔

عمران کباب میں ہڈی کی طرح ثابت ہوا تھا۔ وہ تو اسے چڑھانا نہیں چاہتا تھا لیکن لڑکی نے عمران کو ہاتھ سے اشارہ کرتے دیکھا اور ڈرائیور کو زور سے آواز دے کر کہا تھا کہ سواری بیٹھا کر آگے چلے۔ دوسری طرف موسم تھا کہ پہلے سے زیادہ خراب ہوئے جا رہا تھا۔ خنکی حد سے تجاوز کرتی جا رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ جس کی وجہ سے رہی سہی کسر بھی پوری ہو گئی۔

لڑکی نے اپنی سیٹ کے پاس پڑے سفری بیگ سے ایک چادر نکال کر عمران کی طرف بڑھائی۔

''لگتا ہے آپ کو کچھ زیادہ سردی محسوس ہو رہی ہے؟'' لڑکی نے چادر عمران کو بڑھاتے ہوئے کہا۔

عمران نے سرعت سے چادر تھام لی اور اپنے جسم پر لپیٹ لی۔

''تھینکس۔'' عمران نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

''کوئی بات نہیں۔'' لڑکی نے شرارتی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

گاڑی شکر گڑھ سے ابھی کافی دور تھی۔ شکر گڑھ کی طرف آنے والا یہ راستہ بالکل سنسان تھا۔ جسے ڈرائیور نے اپنی ہوس کی خاطر اپنایا تھا لیکن اس کی ہوس کی پیاس اسے بجھتی ہوئی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ نفرت بھری نگاہوں سے بار بار آئینے میں اس پری پیکر اور عمران کو دیکھ رہا تھا۔ جن کے درمیان گفت وشنید کا ایک سلسلہ چل پڑا تھا۔

آناً فاناً گاڑی کو ایک چھوٹا سا جھٹکا لگا اور گاڑی رک گئی۔ گاڑی اس وقت شکر گڑھ سے تقریباً بارہ تیرہ کلومیٹر پیچھے چھمال کے قریب رکی تھی۔ عمران اور وہ اپسرا دونوں حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر اس ڈرائیور کو گھورنے لگے۔

''کیا ہوا انکل؟'' اس دوشیزہ نے ڈرائیور کو مخاطب کیا تو ڈرائیور جل بھن کر رہ گیا۔

''مجھے کیا پتہ؟'' ڈرائیور نے غصے سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے جواب دیا۔

''آپ ڈرائیور ہیں۔'' اس پری پیکر نے ڈرائیور کو یاد دہانی کرواتے ہوئے کہا۔

''اگر آپ کو نہیں پتہ تو اور کس کو پتہ ہوگا؟''

لڑکی کے انداز میں حیرانگی کے ساتھ ساتھ غصہ بھی تھا۔ اسے شاید ڈرائیور کی بات پر تاؤ چڑھ گیا تھا۔ ڈرائیور نے لڑکی کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور ڈرائیونگ سیٹ والا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ تاکہ دیکھ سکے کہ بس میں کیا مسئلہ درپیش آیا ہے۔

''بڑا عجیب انسان ہے یہ۔'' لڑکی نے ڈرائیور کے اترنے کے بعد عمران کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''یہ ایسے ہی ہوتے ہیں۔'' عمران نے اس کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

''گاڑی میں کوئی مسئلہ بن گیا ہے۔ جو میری سمجھ سے بالاتر ہے۔'' ڈرائیور نے اپنی سیٹ سنبھالتے ہوئے کہا۔

''اس لیے جب تک موسم ٹھیک نہیں ہوتا۔ ہم سب کو یہیں رکنا پڑے گا۔ تاکہ موسم ٹھیک ہو تو کسی سے رابطہ کرکے اسے یہاں بلوایا جاسکے۔ موبائل کے سگنل بھی نہیں ہے۔ اگر تم میں سے کسی کے موبائل پر سگنل آرہے ہیں۔ تو اپنا موبائل مجھے دو تاکہ میں رابطہ کرکے کسی مستری کو یہاں بلوالوں۔''

ڈرائیور اپنی سیٹ سے منہ پیچھے کرکے بولے جارہا تھا۔ عمران اور وہ پری پیکر ہکا بکا ہوکر اسے تکے جارہے تھے۔

''اس اندھیری اور طوفانی رات میں ہم اس وقت تک یہاں رہیں گے جب تک موسم ٹھیک نہ ہو جائے؟'' اس پری پیکر نے سوالیہ آنکھوں سے ڈرائیور کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''اور کوئی حل بھی تو نہیں ہے۔'' ڈرائیور نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔

''امپاسبل۔'' لڑکی ناک بسورتے ہوئے بولی۔

''آپ کی ذمہ داری ہے کہ اس گاڑی میں ہونے والی پرابلم کو دیکھیں۔ تاکہ جتنی جلدی ہوسکے یہاں سے

باتوں سے خوشبو آئے

☆ جو شخص آپ سے محبت کرتا ہے وہ آپ پر ضرور تنقید کرے گا۔

☆ کامل ایمان کی تین خصلتیں ہیں عقل، علم اور حلم۔

☆ جہالت تمہارا سب سے قابل نفرت دشمن ہے۔

☆ زبانوں کو شکوہ سے روکو خوشی کی زندگی عطا ہوتی ہے۔

☆ یہ نہ دیکھ کہ بات کس نے کی ہے بلکہ یہ دیکھ کہ بات کیسی کی ہے۔

☆ بخیل ہمیشہ ذلیل ہوتا ہے۔

☆ محنت نہ کرنا محتاجی کا باعث ہے۔

☆ جھوٹ تمام گناہوں کی ماں ہے۔

☆ بے حسی آدھی موت ہے۔

☆ آدمی کو اپنی اولاد کو ادب سکھلا دینا بھی ایک صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

(پرنس بابر علی رند بلوچ۔ بھولے دی جھوک ساہیوال)

چلیں۔ ایسے تو ساری رات یہاں نہیں گزاری جاسکتی۔ ایک تو موسم خراب ہے۔ اوپر سے رات...... امپاسبل۔ کچھ بھی ہو آپ چیک کیجئے۔ ہمیں ابھی چلنا ہے یہاں سے۔''

لڑکی کا لہجہ تحکمانہ تھا۔ عمران اس کے لہجے پر جہاں حیرت زدہ تھا۔ وہیں وہ ڈرائیور پیچ وتاب کھا کر رہ گیا۔ وہ پہلے ہی عمران کی وجہ سے غصے سے لال پیلا ہوئے جارہا تھا۔ اوپر سے اس لڑکی نے اس کا دماغ خراب کرنا شروع کردیا تھا۔

''میم صاحب۔'' ڈرائیور دانت پیستے ہوئے بولا۔

''اتنی ہی جلدی ہے تو یہ سیدھا راستہ جارہا ہے۔ اٹھایئے اپنا سامان اور ہولیجئے اپنے راستے پر۔ یہ آپ کی گاڑی نہیں بلکہ پبلک ٹرانسپورٹ ہے۔ اگر آپ

کوٹھیک کرنی آتی ہے تو نیچے اتر کر اس کارِ خیر میں شامل ہو جایئے ورنہ چپ چاپ یہاں بیٹھی رہو۔''

لڑکی ڈرائیور کی بات سن کر پیچ وتاب کھا کر رہ گئی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن کہتے کہتے رک گئی۔ پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنا بیگ اٹھالیا۔

''یہ کیا کررہی ہیں آپ؟'' عمران نے اس پری پیکر سے پوچھا۔

''میں پیدل جاؤں گی۔'' لڑکی نے دھیمی سی آواز میں جواب دیا۔

''وٹ یومین؟'' عمران اس کی بات سن کر حیرت زدہ رہ گیا۔

''آپ جانتی ہیں کہ رات کے اس پہر جب ہر طرف رات کی کالی چادر تنی ہوئی ہے۔ اور اوپر سے موسم اتنا خراب ہے۔ بارش ہورہی ہے۔ اس موسم میں یہ باتیں......''

لڑکی نے اسے مزید کچھ کہنے کا موقع نہ دیا اور ہاتھ کے اشارے سے چپ کروادیا۔

''میرے خیال میں میں نے ابھی تک آپ کو ساتھ چلنے کا نہیں کہا؟'' لڑکی نے اسے یاددہانی کرواتے ہوئے کہا۔

''رات کے اس پہر ایک اکیلی لڑکی کا ایسے موسم سفر کرنا بہتر نہیں ہے۔'' عمران نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

''تو کیا آپ میرے ساتھ چلیں گے؟'' لڑکی نے سوالیہ آنکھوں سے بیگ اٹھا کر عمران کو دیکھا۔

''مم......میں؟'' عمران نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔

''شاید میں نے آپ کو ہی کہا ہے۔'' لڑکی نے کہا۔

''ویسے امید نہیں ہے کہ آپ میرے ساتھ چل سکیں کیونکہ آپ کو پہلے ہی اتنی ٹھنڈ محسوس ہورہی ہے۔''

لڑکی کے لہجے میں طنز کی کڑواہٹ کو عمران نے پہلے ہی محسوس کیا تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔'' عمران نے کہا۔

اتنا کہہ کر عمران اپنی جگہ پر ایستادہ ہوگیا۔ لڑکی چپ چاپ گاڑی سے باہر نکل گئی۔ ڈرائیور حیران کن آنکھوں سے ان دونوں کو گھور رہا تھا لیکن وہ منہ سے کچھ نہیں بول رہا تھا۔ اس کے ذہن میں یہی بات تھی کہ دونوں تھوڑی دور جا کر اندھیری رات کے خوف سے یا موسم کی سختی سے گھبرا کر واپس آجائیں گے لیکن شاید وہ نہیں جانتا تھا کہ جوانی کی ضد کے سامنے کوئی چیز ٹک نہیں پاتی۔

عمران بھی اس لڑکی کے پیچھے گاڑی سے نیچے اتر گیا۔ دونوں سڑک پر چلتے جارہے تھے۔ ڈرائیور نے گاڑی کی ہیڈ لائٹس آن کردی تھیں تاکہ وہ دونوں اسے دکھائی دیتے رہیں۔ عمران نے اترتے ہی اس دوشیزہ کے ہاتھ سے اس کا سفری بیگ تھام لیا تھا۔

''ویسے ابھی تک آپ نے مجھے اپنا نام نہیں بتایا؟'' عمران نے اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

''رابعہ۔'' اس دوشیزہ نے مختصر سا جواب دیا۔

''بہت پیارا نام ہے۔'' عمران نے تعریفانہ انداز میں کہا لیکن رابعہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

''ہم اگر اسی طرح روڈ پہ چلتے رہے تو ممکن ہے کوئی نہ کوئی گاڑی پیچھے سے آجائے۔''

عمران کی بات سن کر لڑکی رک گئی۔ اسے رکتا دیکھ کر عمران بھی رک گیا۔ دوسری طرف ڈرائیور ان دونوں کو رکتا دیکھ کر زیرلب مسکرادیا۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ دونوں اب واپس پلٹنے والے ہیں۔

''اگر ہم جنگل کے اندرونی راستے کو اختیار کریں تو تھوڑی دیر میں یا تو کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائیں گے۔ یا پھر جلد ہی شکرگڑھ کے قریب جا نکلیں گے۔'' رابعہ نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

''رات کے اس پہر جنگل کا راستہ اپنانا بہتر نہیں ہے۔'' عمران نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

''مجھے حیرت ہورہی ہے کہ لڑکا ہو کر آپ ایسی بہکی بہکی باتیں کررہے ہو۔'' لڑکی نے عمران کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو عمران جھینپ کر رہ گیا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔'' عمران نے وضاحت

ہیپاٹائٹس اور علاج

(کالا یرقان)

پڑھیئے ہیپاٹائٹس کیوں اور کیسے ہوتا ہے، جگر کی ساخت، جگر کا اہم کام، یوریا بننے کا عمل، ناکارہ خون کے ذرات، مفید عضو، ہیپاٹائٹس اور کینسر، جنسی علامات، مرض کی وجوہات، قدرتی نظام، گردوں کا عمل، ہیپاٹائٹس اے، اور ہیپاٹائٹس بی، ایلوپیتھی اور ہومیو پیتھی علاج، ہیپاٹائٹس کا طبی علاج، دافع درد جگر، نسخہ دافع یرقان، نسخہ آملہ، شربت انار، عرق کاسنی، نسخہ آب آہن تاب، خشک انجیر سے علاج، گردے کا درد، گردے کا ورم، جگر پر ورم، جگر میں گرمی، یرقان (پیلیا)، زیادہ پیشاب آنا، گردوں کے نقص، جگر میں ورم کے لئے، تلی کا رائے سے علاج، تلی بڑھنا، تلی کا ورم، آک سے یرقان کا علاج، امراض گردہ مثانہ کے چند نسخے، دن میں صرف دو بار کھایئے، دن میں آٹھ گلاس پانی پینا ضروری ہے، روزانہ پندرہ منٹ ورزش کریں، حفظان صحت کے 39 اصول، اور دیگر معلومات اور ان کا علاج گھر بیٹھے کیجئے۔

حکیم غلام مصطفیٰ

کرتے ہوئے کہا۔

"میں یہ بات اس لیے کہہ رہا ہوں کہ رات کے اس پہر جنگل کا راستہ ہمارے لیے غیر محفوظ بھی ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کسی مشکل سے دوچار ہونا پڑ جائے۔ اوپر سے موسلا دھار بارش شروع ہے۔"

"کچھ نہیں ہوگا۔" رابعہ نے عمران کے ہاتھ سے بیگ تقریباً کھینچ کر خود پکڑلیا۔

"بہت بزدل انسان ہیں آپ۔"

رابعہ عمران کے ہاتھوں سے بیگ لے کر چل پڑی۔ عمران تقریباً اس کے پیچھے بھاگ پڑا۔ دوسری طرف ڈرائیور انہیں جنگل کی طرف جاتے دیکھ کر گنگ رہ گیا۔ اس کے ہوس بھرے ذہن میں شیطان نے پناہ لینا شروع کردی۔ وہ یہی سمجھا کہ شاید عمران اسے جنگل میں اپنی ہوس کی آگ بجھانے کے لیے لئے جارہا ہے۔

ڈرائیور کے اندر کا شیطان سر اٹھانے لگا۔ اس نے تہیہ کرلیا کہ بجائے گاڑی میں بیٹھنے کے کیوں نہ ان کا پیچھا کیا جائے۔ یہی سوچ کر وہ ان کے پیچھے سرعت سے چل دیا۔

دوسری طرف ایک بار پھر عمران نے آگے بڑھ کر رابعہ کے ہاتھ سے اس کا سفری بیگ تھام لیا۔

دونوں چلتے جارہے تھے لیکن کافی دیر تک دونوں کے درمیان کسی قسم کی کوئی بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ عمران رابعہ سے بات کرنے ہی لگا تھا کہ رابعہ رک گئی۔ عمران بولتے بولتے چپ ہوگیا اور سوالیہ نگاہوں سے رابعہ کو گھورنے لگا۔ دوسری طرف ڈرائیور ان کے تقریباً قریب ہی پہنچ چکا تھا اور ایک درخت کی اوٹ سے ان دونوں کو گھورنے لگا۔ وہ دونوں کی ہر ہر حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھا۔

"کیا ہوا......؟" عمران نے اسے سوالیہ آنکھوں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

جواباً رابعہ نے ایک طرف انگلی سے اشارہ کیا۔

عمران نے جب اس کی انگلی کے اشارے کی طرف دیکھا تو حیران و ششدر رہ گیا۔ جس طرف رابعہ نے اشارہ کیا تھا۔ اس طرف دھواں دھواں دکھائی دے رہا تھا۔ بجلی بار بار چمک رہی تھی۔ جس میں دھواں مترشح دکھائی دے رہا تھا۔ عمران جیسے جیسے اس دھوئیں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ویسے ویسے اس کا پورے ذہن پر دھند کی چادر چھانے لگی تھی۔

دوسری طرف ڈرائیور حیرانگی سے اس طرف دیکھے جارہا تھا۔ جس طرف رابعہ نے اشارہ کرکے عمران کو دیکھنے کو کہا تھا لیکن اسے کچھ بھی ایسا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہوکر کبھی عمران کو دیکھتا تو کبھی اس مہ جبیں کو جس نے اسے اپنا دیوانہ کرلیا تھا۔ اچانک ڈرائیور نے جو منظر دیکھا۔ اسے دیکھ کر اس کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی۔

☆......☆......☆

عمران کے گھر نہ پہنچنے پر اس کے گھر میں ہلہ گلہ مچ گیا تھا۔ اس کے بھائی نے اس کے دوستوں کے سے پتہ کیا لیکن سب اس بات سے ناواقف تھے کہ وہ کہاں ہے۔ پھر سب عمران کے بھائی ریحان کے ساتھ ہولیے تھے۔

عباس اور اشتیاق دونوں عمران کے بھائی ریحان کے ساتھ ساتھ تھے۔ سب کے چہرے پر پریشانی کی سلوٹیں عیاں تھیں۔ تینوں نے تہیہ کیا کہ شہر جاکر اس جگہ سے پتہ کریں جہاں عمران ڈیوٹی کرتا تھا۔ لیکن عمران کے والدین انہیں اس بات کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ ایک تو اندھیری رات تھی۔ دوسرا موسم اتنا خراب تھا کہ اس موسم میں سفر کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔

بہت چاہنے کے باوجود بھی انہیں اجازت نہ مل سکی تھی۔ بے شک عمران کے گھر والے بھی اس کے نہ آنے کی وجہ سے پریشان تھے لیکن سب نے یہ سمجھ کر خود کو تسلی دے لی تھی کہ ممکن ہے۔ موسم کی خرابی کی وجہ سے اسے کسی نے آنے نہ دیا ہو۔ عمران ایک میڈیکل اسٹور پر کام کرتا تھا اور اکثر و بیشتر ایسا ہوتا تھا کہ وہ رات وہیں رک جاتا تھا۔ لیکن جب بھی وہ وہاں رکتا

تھا گھر فون کرکے ضرور بتاتا تھا۔
آج پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ ابھی تک واپس بھی نہیں آیا تھا۔ اور اس نے فون بھی کرکے نہیں بتایا تھا۔

☆......☆......☆

دوسری طرف عمران حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہوکر آس پاس دیکھ رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے چاروں طرف دھواں ہی دھواں پھیل گیا ہو۔ پھر یکبارگی وہ دھواں چھٹنے لگا تو اس کے ذہن کی پر رابعہ کا چہرہ جگمگا اٹھا۔

اس نے سرعت سے ادھر ادھر دیکھا لیکن اگلا منظر دیکھ کر حیران وششدر رہ گیا۔ رابعہ کا دور دور تک کوئی پتہ نہیں تھا۔

دوسری طرف ڈرائیور نے جو منظر دیکھا اسے دیکھ کر حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ عمران کسی سحرزدہ انسان کی طرح اس طرف دیکھے جا رہا تھا۔ جس طرف رابعہ نے اشارہ کیا تھا۔ اور دوسرے ہی لمحے رابعہ یوں غائب ہوگئی جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

ڈرائیور سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے بھاگا اور سیدھا جا کر گاڑی میں براجمان ہو گیا۔ اس کا سانس بری طرح سے پھولا ہوا تھا۔ گاڑی کے اندر اس نے وظائف والی ایک چھوٹی سی کتاب رکھی ہوئی تھی۔ اس نے جلدی سے وہ کتاب نکال کر سینے سے لگالی۔ دوسرے ہی لمحے اسے عمران کا خیال آیا۔ اس نے رب کا نام لیا اور گاڑی سے باہر نکل آیا۔ اس کے دل سے پناہ گزیں شیطان نکل چکا تھا۔ اب اس کے دل میں ایک احساس مند انسان جنم لے چکا تھا۔ جو اسے بار بار عمران کی مدد کرنے پر اکسا رہا تھا۔

ڈرائیور نے اپنے پرکھوں سے سنا ہوا تھا کہ روحانی علوم کے سامنے شیطانی علوم کچھ بھی نہیں ہوتے۔ اس وظائف والی کتاب کو سینے سے لگائے وہ متواتر آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے دل میں ایک نیا جذبہ پیدا ہو چکا تھا۔ عمران کی طرف سے اسے کافی پریشانی لاحق ہو چکی تھی۔ وہ جان چکا تھا کہ وہ خوبصورت دوشیزہ لڑکی نہیں بلکہ کوئی اور ہی مخلوق تھی۔ یہی نہیں اسے اتنا پتہ چل چکا تھا کہ عمران کسی مصیبت سے دوچار ہو چکا ہے۔ اس سے قبل کہ وہ مخلوق اس پر پوری طرح سے حاوی ہو جائے وہ ہر ممکن عمران کو بچانا چاہتا تھا۔

دوسری طرف عمران اپنی جگہ پر حیران و پریشان ایستادہ تھا۔ اس کی نگاہیں بار بار ادھر ادھر گھوم رہی تھیں۔ اچانک اس کی نگاہیں ایک جگہ رک گئیں۔ اس نے دیکھا کہ ایک جگہ سے روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی عمران اس روشنی کی طرف بڑھنے لگا۔ اسے امید ہوگئی کہ ہو نہ ہو رابعہ اسی طرف گئی ہوگی۔ جس طرف سے روشنی دکھائی دے رہی ہے۔

جیسے جیسے عمران آگے بڑھ رہا تھا۔ ویسے ویسے وہ روشنی کا دکھائی دینے والا چھوٹا سا نقطہ بڑھتا جا رہا تھا۔ اور جب عمران اس جگہ پہنچ گیا جہاں سے وہ روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ تو اگلا منظر دیکھ کر اس کی حیرت ہویدا رہ گئی۔ وہ روشنی ایک محل نما عمارت تک اسے لے آئی تھی۔ عمران کی حیرت ہویدا رہ گئی کہ اس جنگل میں ایسی محل نما عمارت کس نے بنائی تھی۔ دوسرے ہی لمحے اس کے ذہن میں رابعہ کا خیال آیا۔ رابعہ کا خیال آتے ہی وہ اس عمارت میں داخل ہو گیا۔

وہ محل نما عمارت باہر سے جتنی خوبصورت دکھائی دے رہی تھی۔ اندر سے اس سے بھی زیادہ خوبصورت تھی۔ عمران کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ حقیقت میں کسی محل میں داخل ہو گیا تھا۔ لیکن سب سے زیادہ حیران کن بات یہ تھی کہ اندر کوئی بھی انسان اسے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ عمران پیہم آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

عمران کو اپنے اردگرد لمبی راہداریاں دکھائی دے رہی تھیں۔ ان راہداریوں میں ان گنت کمرے بنے ہوئے تھے۔ اچانک اس کی نگاہ ایک کمرے پر پڑی جس میں سے روشنی چھن چھن کر باہر نکل رہی تھی۔ ویسے تو راہداری میں بھی روشنی تھی۔ لیکن اس کمرے سے نکلنے والی روشنی اتنی تیز تھی کہ عمران کو حیرت محسوس ہوئی۔

عمران کی چھٹی حس اسے انجانے خطرے سے آگاہ کررہی تھی لیکن اس کے دل و دماغ پر رابعہ چھائی ہوئی تھی۔ جو اسے بیچ جنگل میں چھوڑ کر غائب ہوگئی تھی۔ عمران اس کمرے کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔ جس میں سے روشنی چھن چھن کر باہر نکل رہی تھی۔ عمران نے تھوڑا سا دباؤ دروازے پر دیا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔

اگلا منظر دیکھ کر عمران حیرت و خوشی سے پاگل سا ہوگیا۔ اس کے سامنے ایک نرم و گداز بستر پر رابعہ خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی۔ عمران کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں ہورہا تھا۔ رابعہ کا چہرہ اب پوری طرح سے اس کے سامنے تھا۔

اچانک رابعہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور عمران کو اپنائیت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ رابعہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنی طرف بلایا۔ رابعہ نے اپنی بانہیں یوں پھیلا رکھی تھیں جیسے وہ عمران کو اپنے گلے سے لگانے کی خواہش مند ہو۔

''یہ کیا بات ہوئی بنا بتائے ہی وہاں سے تم نو دو گیارہ ہوگئی۔'' عمران نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے شکوہ کناں لہجے میں کہا۔

''میرے گلے لگ جاؤ عمران۔'' رابعہ نے اس کی بات کو پس پشت ڈالتے ہوئے کہا۔

''تم نہیں جانتے کہ کتنے دنوں کی بھوکی پیاسی ہوں میں۔''

عمران رابعہ کی بات کا مطلب سمجھنے سے قاصر تھا۔ دوسرے ہی لمحے عمران رابعہ کے گلے لگ گیا۔ لیکن اگلے ہی لمحے ایک کرب و اذیت میں ڈوبی ہوئی چیخ عمران کے حلق سے خارج ہوگئی۔

☆......☆......☆

دوسری طرف ڈرائیور متواتر عمران کا پیچھا کرتے کرتے اس عمارت میں داخل ہوگیا۔ عمران نے اس کی موجودگی کو ابھی تک نہیں بھانپا تھا۔ ڈرائیور اس کے پیچھے پیچھے ہی چلا جارہا تھا۔ عمران ایک کمرے کے سامنے رکا تو ڈرائیور کو تشویش ہوئی۔ وہ ایک ستون کی آڑ میں کھڑا ہوکر اسے تکنے لگا۔ جیسے ہی عمران اس کمرے میں داخل ہوا ڈرائیور سرعت سے اس کمرے کی طرف بڑھا لیکن اگلا منظر اس نے جو دیکھا۔ اسے دیکھ کر اس کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی۔

ایک بدصورت چڑیل اپنے لمبے لمبے دانت عمران کی گردن میں پیوست کرچکی تھی۔ جبکہ عمران کے حلق سے ایک ساعت شکن چیخ برآمد ہوئی۔ دوسرے ہی لمحے ڈرائیور کمرے میں داخل ہوا تو یکبارگی اس چڑیل نے عمران کو چھوڑ دیا اور حیرت سے ڈرائیور کو تکنے لگی۔

عمران کو اس نے اچھال کر دیوار میں مارا تھا۔ عمران دیوار سے اتنی زور سے جا لگا تھا کہ گرتے ہی بے ہوش ہوگیا۔

''نکل جاؤ یہاں سے۔'' اس بدصورت چڑیل نے ڈرائیور کی طرف دیکھتے ہوئے غصے سے کہا۔

''اس کتاب کو دور رکھو مجھ سے۔''

''تو یہ ہے تمہارا اصلی چہرہ۔'' ڈرائیور نے غصے سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے اسے للکارا۔

''مجھے اسی وقت شک پڑ گیا تھا۔ جب میں نے تمہیں جنگل میں غائب ہوتے دیکھا تھا'' ڈرائیور نے اسے کھا جانے والی آنکھوں سے گھورتے ہوئے مخاطب کیا۔

''میں تمہیں بھی مار ڈالوں گی وگرنہ نکل جاؤ یہاں سے۔'' اس بدصورت چڑیل نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

''تمہاری جرات سے بھی باہر ہے مجھے مارنا۔'' ڈرائیور نے وظائف والی کتاب کو سینے سے چپکاتے ہوئے کہا۔

''موت تو تمہاری لکھی جاچکی ہے خبیث چڑیل۔''

اتنا کہہ کر ڈرائیور اس کی طرف بڑھنے لگا۔ اس بدصورت چڑیل کی حالت کافی دگرگوں دکھائی دے رہی تھی۔

اتنی دیر میں عمران بھی ہوش میں آچکا تھا۔ وہ ڈرائیور کو دیکھ کر خوشی سے بیگانہ ہوگیا تھا۔ جہاں وہ رابعہ کی اصلیت سے ہوش سے بیگانہ ہوگیا تھا۔ وہیں ڈرائیور کو دیکھ کر اس کی ڈھارس بندھ گئی تھی۔

''اسے مارڈالو خدا کے لیے۔'' عمران نے روتے ہوئے ملتجی لہجے میں کہا تو ڈرائیور سمیت اس بدہیت چڑیل نے بھی اس کی طرف دیکھا۔

''تم خاطر جمع رکھو عمران۔'' ڈرائیور نے اس کی ڈھارس بندھاتے ہوئے کہا۔

''تمہیں جو بھی قرآنی آیات آتی ہیں۔ان کا زورزور سے ورد کرو۔یہ چڑیل یہاں سے باہر نہیں نکل سکتی۔کیونکہ میرے ہاتھ میں کلام الٰہی ہے۔اور جب تک میں دروازے کے سامنے کھڑا ہوں یہ اس طرف قدم بھی نہیں رکھ سکتی۔آج اس کی موت لکھی جاچکی ہے۔''

ڈرائیور نے تحکمانہ لہجے میں کہا تو عمران نے اونچی آواز میں قرآنی آیات کا ورد کرنا شروع کردیا۔

''میرے مالک میرا وضو نہیں ہے۔میں نہیں جانتا کہ میں کس حالت میں ہوں لیکن آج میں تیرے ایک بندے کی نہ صرف مدد کرنا چاہتا ہوں بلکہ ایک آدم خور کو ابدی نیند سلانے کا جذبہ رکھتا ہوں۔مجھ پر رحم فرما اور اس خبیث چڑیل کا خاتمہ فرما۔'' ڈرائیور نے وظائف کی کتاب کھولتے کھولتے دل ہی دل میں دعا کی اور دوسرے ہی لمحے وہ کتاب کھول کر سورۃ یسین اونچی آواز میں پڑھنی شروع کردی۔

اس بدصورت چڑیل کی چیخیں پورے کمرے میں گونج رہی تھیں۔اس نے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھا ہوا تھا تاکہ عمران اور ڈرائیور کی آواز اس کی سماعت سے نہ ٹکرائے لیکن عمران اور ڈرائیور اتنی اونچی آواز میں ورد کررہے تھے کہ اس کی ہر سعی بے کار ثابت ہوئی۔اس چڑیل کی حالت سے محسوس ہورہا تھا کہ وہ شدید کرب واذیت کا شکار ہے۔

دوسرے ہی لمحے ایک ناقابل یقین واقعہ رونما ہوا۔عین اس وقت جب ڈرائیور نے سورۃ یسین مکمل کی اس بدصورت چڑیل کے جسم نے آگ پکڑلی۔ڈرائیور نے آگے بڑھ کر عمران کو ہاتھ سے پکڑ کر اٹھایا۔

''جلدی کرو بھاگو یہاں سے۔'' ڈرائیور نے اسے کھینچتے ہوئے کہا۔

عمران نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا اور دوسرے ہی لمحے دونوں سرپٹ دوڑے جارہے تھے۔ابھی دونوں اس عمارت سے نکل کر تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ انہیں یوں لگا جیسے کوئی زوردار دھماکہ ہوا ہو۔انہوں نے پلٹ کر دیکھا تو اگلا منظر دیکھ کر حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہوگئے۔وہ عمارت زمین بوس ہوچکی تھی۔اور ہر طرف گردوغبار پھیل چکا تھا۔

باہر بارش رک چکی تھی۔مطلع بھی بالکل صاف ہوچکا تھا۔دونوں کلام الٰہی کا ورد کرتے ہوئے بس کی طرف بڑھ رہے تھے۔

''میں آپ کا ازحد مشکور ہوں کہ آپ نے میری جان بچائی۔'' عمران نے ڈرائیور کی طرف مشکور نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''شکر اس خالق کا کرو جس نے میرے دل میں یہ خیال پیدا کیا کہ میں تم دونوں کا پیچھا کروں۔'' ڈرائیور نے اسے بتایا اور پھر ساری بات سے آگاہ کیا کہ وہ کس طرح اس چڑیل (رابعہ) پر فدا ہوئے بیٹھا تھا۔

پھر ان دونوں کو جنگل میں جاتے دیکھ کر وہ بھی ان کے پیچھے ہولیا۔اور پھر جو کچھ اس نے دیکھا تھا سب اسے بتایا۔دونوں بس میں جاکر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئے۔ڈرائیور نے چابی گھمائی تو گاڑی اسٹارٹ ہوگئی۔

''یہ سب اس چڑیل کا کیا دھرا تھا۔'' ڈرائیور نے کہا تو عمران اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''میں نے گاڑی کو اچھی طرح سے چیک کیا تھا اس کے اندر کسی بھی قسم کا کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن باوجود اس کے وہ بند ہوگئی تھی۔اب ساری بات سمجھ میں آگئی ہے۔یہ اس کی بچھائی ہوئی بساط تھی لیکن افسوس کہ اس کی چال اس پر بھاری پڑگئی۔''

ڈرائیور نے گاڑی گیئر میں ڈالی اور شکر گڑھ کی طرف چل دیا۔دونوں کتنی ہی بار خالق کائنات کا شکر ادا کرچکے تھے۔جس نے انہیں ایک نئی زندگی دی تھی۔

☠

آستین کا سانپ

شہزادہ چاندزیب عباسی

نوجوان نے چلا کر کہا۔ ہم دوسروں کی بہن بیٹی کی طرف بری نظر ڈالتے وقت کیوں بھول جاتے ہیں کہ کوئی ہماری بہن بیٹی سے بھی یہی عمل دھرا سکتا ہے اورجب حقیقت سامنے آتی ہے تو......

خودغرضی اور مطلب پرستی کی ناقابل یقین دل ودماغ کو تھرادینے والی خونی کہانی

کوسٹر جیسے ہی رکی تو مختلف عمروں کے بچے جوش وخروش کے ساتھ کوسٹر سے اترنے لگے کوسٹر کے دروازے کے قریب کھڑے کلاس سکس کے ٹیچر عارف صاحب چھوٹی عمر کے بچوں کو کوسٹر سے اترنے میں مدد دے رہے تھے یہ شہر کے ایک پوش علاقے میں واقع انگلش میڈیم اسکول کے بچے تھے۔ جو اسکول کی طرف سے ساحل سمندر پر پکنک منانے کی غرض سے آئے تھے بچوں کے ساتھ پرنسپل اور اسکول کا دیگر اسٹاف بھی تھا پرنسپل سرجمشید نے اسکول سے روانگی سے پہلے بھی بچوں کو سمجھایا تھا اور ساحل سمندر پر بھی تنبیہ کیا تھا کہ کوئی بچہ اپنے گروپ سے علیحدہ ادھر ادھر جانے کی کوشش نہیں کرے گا ہر کلاس کے بچوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری ان کی کلاس ٹیچرز کی تھی۔

ٹیچرز کچھ ہی دیر میں اپنی اپنی کلاس کے بچوں کو بھول بھال کر اپنی تفریحات میں مشغول ہوگئیں کچھ شیریر قسم کے بچے کھیلتے ہوئے اپنے گروپ سے دور چلے گئے ان میں سے ایک گیارہ سالہ رضوان بھی تھا جو اکیلا ہی ساحل کے ایک ویران گوشے میں جا پہنچا تھا اور اب ساحل کی ریت سے گھروندا بنا رہا تھا۔

قریب ہی کہیں سے نسوانی آواز ابھری۔

’’میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم مجھے اتنا بڑا فریب دوگے میں نے تو چاہت میں اپنا آپ تم پر نچھاور کردیا تھا۔ تم نے اس کا صلہ کیا دیا؟ بلیک میلنگ میں تمہارے حد سے بڑھتے مطالبات پورے کرتے کرتے تنگ آچکی ہوں۔‘‘

رضوان نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا۔ کچھ فاصلے پر ایک چٹان کے قریب ایک تنومند نوجوان اور بیس بائیس سالہ لڑکی آمنے سامنے کھڑے تھے نوجوان نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ ’’میڈم تمہارے ہوش توٹھکانے میں ہیں مجھے للکارنا تمہیں بہت مہنگا پڑے گا پوری دنیا تمہاری بلیو فلم سوشل میڈیا پر دیکھے گی بہتر یہی ہے کہ جیسا میں کہتا ہوں ویسا کرتی جاؤ۔‘‘

’’میں تمہیں زندہ چھوڑوں کی تب ہی تم ایسا کروگے ناں!‘‘ لڑکی نے غصے سے کہا اور اپنے لباس میں پوشیدہ پسٹل نکال کر اس پر تان لیا۔ ’’تت تم پاگل ہوگئی ہو؟ نوجوان نے بوکھلا کر کہا۔

’’ہاں میں پاگل ہوگئی ہوں۔ اب تمہیں گولی مار کر اپنی بربادی کا انتقام لوں گی۔‘‘ وہ سخت اشتعال میں تھی اور غالباً اسلحہ کے استعمال میں بھی اناڑی تھی۔ اسی باعث اس کی پسٹل والا ہاتھ کپکپا رہا تھا۔

''ذرا عقب میں تو دیکھو۔'' نوجوان نے کہا اور ساتھ ہی لڑکی کے عقب میں دیکھتے ہوئے چلایا۔'' نہیں ظفر اسے کچھ مت کہنا یہ مذاق ہے۔'' لڑکی اس کی چال میں آ گئی اور مڑ کر دیکھا شاطر نوجوان کے لئے اتنی ہی مہلت کافی تھی اس نے برق سرعت سے پنڈلی سے بندھا خنجر نکالا اور لڑکی کے سینے میں عین دل کے مقام پر پیوست کر دیا فرشتہ اجل نے لڑکی کو چیخنے کی مہلت ہی نہ دی وہ کٹے ہوئے شہتیر کی مانند گر گئی اور اسی وقت رضوان خوف و دہشت سے چیخا۔ نوجوان نے پلٹ کر گیارہ سالہ رضوان کی طرف دیکھا۔ ''اے رکو کون ہو تم؟

رضوان کو خطرے کا ادراک ہو چکا تھا جیسے ہی وہ خنجر لہراتے ہوئے رضوان کی طرف لپکا وہ چلاتا ہوا جان بچانے کے لئے ایک طرف دوڑا۔

☆......☆......☆

زوہیب حسن جیسے ہی پولیس اسٹیشن میں داخل ہوا ایک دبلے پتلے پولیس کانسٹیبل نے اس کا راستہ روک دیا۔ ''کہاں جا رہے ہو؟''

''مجھے ایس ایچ او صاحب سے ملنا ہے۔'' زوہیب نے کہا۔

''کیوں؟'' کانسٹیبل نے پوچھا۔

''یہ میں انہیں ہی بتاؤں گا۔'' کانسٹیبل کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھتا ہوا دائیں طرف موجود کمرے میں داخل ہوا جس کے دروازے پر SHO شہباز خان کی نیم پلیٹ آویزاں تھی۔ ''جاؤ تمہیں صاحب نے اندر بلایا ہے۔'' کانسٹیبل نے باہر آ کر سرد لہجے میں کہا۔

SHO شہباز خان ادھیڑ عمر کا ہینڈسم شخص تھا ایس ایچ او کے اشارے پر وہ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''سر میرا نام زوہیب حسن ہے میں نائلہ حسن مرڈر کیس کے سلسلے میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے اپنا تعارف کروانے کے ساتھ ساتھ اپنا مدعا بھی بیان کر ڈالا۔ ''کون نائلہ حسن؟'' شہباز خان نے استفسار کیا۔ ''دراصل قصور آپ کا نہیں معاملہ اگر عام شہری کا ہو تو پولیس ڈپارٹمنٹ زیادہ تحقیقات میں وقت ضائع کئے بغیر معاملہ داخل دفتر کر دیتے ہیں۔'' زوہیب کا لہجہ استہزائیہ ہو گیا تھا۔ ''پھر بھی آپ کی یادداشت بحال کرنے کے لئے دوبارہ بتا دیتا ہوں دس ماہ قبل بیس جنوری کو نجی یونیورسٹی کی جو طالبہ نائلہ حسن پراسرار طور پر غائب ہو گئی تھی میں اس کا بھائی زوہیب حسن ہوں گمشدگی کے تین چار روز بعد نائلہ کی لاش ایک سنسان علاقے سے ملی تھی۔''

''اوہ اچھا آپ اس نائلہ حسن کی بات کر رہے ہیں؟'' شہباز خان نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

زوہیب حسن اس کے بارے میں اتنا تو جان ہی چکا تھا کہ شہباز خان روایتی پولیس اہلکاروں سے بالکل مختلف ہے زوہیب کی استہزائیہ گفتگو کے باوجود وہ اس سے خوشگوار لہجے میں مخاطب تھا۔ ''مسٹر زوہیب حسن اس کیس کے آئی او۔ I-O اصفر علی تھے جن کا پچھلے ہفتے ہی ٹرانسفر ہوا ہے نائلہ حسن کی فرینڈ اور کلاس فیلو رومی کے مطابق نائلہ گمشدگی سے چند ہفتے پیشتر اکثر کسی نہ کسی بہانے یونیورسٹی سے باہر جاتی اور گھنٹوں بعد واپس آتی تھی رومی کے بیان کے مطابق ان دنوں وہ بے چین اور کھوئی کھوئی رہتی تھی دونوں ہوسٹل کے ایک ہی کمرے میں رہتی تھیں اس لئے بھی رومی نائلہ کے بہت قریب تھی مگر اس سلسلے میں نائلہ نے اسے صرف اتنا بتایا کہ ''وہ کسی فراز نامی لڑکے سے محبت کرتی ہے۔'' پھر ایک روز جب نائلہ یونیورسٹی سے باہر گئی تو واپس نہیں لوٹی اس کی گمشدگی کے چوبیس گھنٹے بعد ایف آئی آر درج کی گئی اور پھر چوتھے دن ہائی وے سے کچھ فاصلے پر واقع جھاڑیوں کے جھنڈ سے اس کی لاش ملی پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق اس کی موت خنجر سے ہوئی جو عین دل کے مقام پر پیوست کیا گیا تھا اور پھر پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق مقتولہ کنواری نہیں تھی۔'' شہباز خان کا آخری جملہ سنتے ہی زوہیب کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

شہباز خان کہہ رہا تھا۔ ''قاتل کا کوئی سراغ

نہیں ملا اور نہ ہی کوئی گواہ تھا۔ اس لئے اس کیس کو A کلاس میں داخل دفتر کردیا گیا گیا مگر تمہیں دس ماہ بعد بہن کا خیال کیسے آیا؟'' شہباز خان نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''میں تعلیم کے سلسلے میں ملک سے باہر تھا وہیں مجھے اس حادثے کی خبر ملی۔ پچھلے مہینے پاکستان لوٹتے ہی میں نے عہد کیا ہے کہ اپنی بہن کے قاتل کو پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالوں گا۔'' اتنا کہہ کر وہ SHO کے کمرے سے نکل گیا۔

زوہیب حسن کا تعلق پنجاب کے ایک دیہی علاقے سے تھا اس کے والد ملک حسن جاگیردار تھے۔ اس گاؤں کی تقریباً تمام زمین ان کی ملکیت تھی روپے پیسے کی کوئی کمی نہ تھی۔ زوہیب حسن اور اس سے چھوٹی بہن نائلہ ان کے آنگن کے دو پھول تھے زوہیب کی عمران دنوں سولہ سال تھی کہ ایک روز نصف شب کے قریب ملک حسن حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کرگئے۔

منشی فضل دین ملک حسن کا وفادار اور دیانت دار ملازم تھا۔ جس نے ثریا بیگم کے کہنے پر زمینوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سنبھال لی۔

زوہیب تعلیم کے سلسلے میں ملک سے باہر چلا گیا۔ جب کہ نائلہ نے انٹرمیڈیکل سائنس میں ضلع بھر میں تیسری پوزیشن حاصل کی۔ اور پھر بضد اس نجی یونیورسٹی کی فیس لاکھوں میں تھی مگر روپے پیسے کی کوئی کمی نہ تھی اور پھر ان کا گھرانا لڑکیوں کے تعلیم کے خلاف نہ تھا خود ملک حسن گریجویٹ تھے تو ثریا بھی تعلیم یافتہ تھیں اس لئے نائلہ پر کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ وہ وہیں یونیورسٹی کے ہوسٹل میں رہنے لگی۔

پھر ایک روز یونیورسٹی سے کال آئی کہ نائلہ اچانک یونیورسٹی سے غائب ہوچکی ہے۔'' ثریا بیگم منشی فضل دین کے ساتھ شہر آئیں ایف آئی آر درج کروائی گئی چوتھے روز نائلہ کی لاش مل گئی۔ زوہیب اطلاع ملتے ہی وطن آنا چاہتا تھا مگر ثریا بیگم کے منع کرنے پر رک گیا کہ تعلیم ادھوری چھوڑ کر مت آنا اور پھر وہ تعلیم مکمل کرتے ہی وطن لوٹ آیا۔ اب وہ بہن کے قاتل کی تلاش میں یہاں آیا تھا عینی اور رومی یونیورسٹی کی کینٹین میں موجود تھیں رومی نے پلیٹ میں پڑا آخری سموسہ اٹھایا اور عینی کی طرف دیکھا جو اپنے سیل فون میں مشغول تھی سموسہ کھاتے ہوئے رومی کی نگاہ کچھ فاصلے پر موجود اسمارٹ اور خوبرو نوجوان پر پڑی۔ جو چائے پیتے ہوئے اسے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ ''عینی یہ لڑکا مجھے کافی دیر سے دیکھ رہا ہے۔'' عینی نے پلٹ کر اس لڑکے کو دیکھا تو وہ واقعی رومی کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ عینی اسے پہچان چکی تھی وہ نیو ایڈمشن تھا ان کی کلاس میں آج اس کا پہلا دن تھا۔ ''لگتا ہے موصوف کی نزدیک کی نظر کافی کمزور ہے۔'' عینی نے رومی کی گہری سانولی رنگت پر طنز کرتے ہوئے کہا۔

اسی وقت وہ اٹھا اور ان کے ٹیبل کے قریب آ کر اطمینان سے کرسی گھسیٹ کر رومی کے سامنے بیٹھ گیا۔

''ہیلو گرلز میرا نام زوہیب ہے دراصل میں نے سوچا کلاس فیلوز کو ایک دوسرے سے واقف ہونا چاہئے۔'' وہ رومی کی طرف دیکھتے ہوئے شوخ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''رومی مجھے ضروری کام سے جانا ہے تم بیٹھنا چاہو تو بیٹھ سکتی ہو۔'' عینی کہہ کر کرسی سے اٹھی اور کینٹین سے باہر نکل گئی۔ زوہیب ذرا آگے جھک کر کلائیاں ٹیبل پر ٹکاتے ہوئے رومی سے رازدارانہ لہجے میں مخاطب ہوا۔ ''دراصل میں آپ کی وجہ سے اس ٹیبل پر آیا ہوں۔ شاید اس کا سبب آپ کا معصوم بھولا بھالا چہرہ یا پھر متاثر کن شخصیت ہے۔'' زوہیب کی تعریف سے گہرے سانولے رنگت کی حاصل عام سی شکل وصورت کی مالک رومی کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ زندگی میں پہلی بار کسی نے اس کی تعریف کی تھی اور تعریف کرنے والا لاکھوں میں نہیں تو ہزاروں میں ایک تھا۔

اب رومی زیادہ تر زوہیب کے ساتھ نظر آنے لگی وہ ذہین نوجوان تھا جو پڑھائی میں بھی اس کی

مدد کرنے لگا۔

عینی سمیت پوری کلاس زوہیب اور رومی کی دوستی پر حیران تھی کہ زوہیب جیسے خوبرو نوجوان کو رومی جیسی عام سی لڑکی میں بھلا کیا نظر آیا کہ وہ رومی میں اتنی دلچسپی لے رہا ہے حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں تھی زوہیب نے کس مقصد کے تحت اس یونیورسٹی میں ایڈمشن لیا تھا اس میں اس کے مددگار یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر جلال محمود تھے۔ وہ ملک حسن کے بچپن کے دوست تھے جو برسوں پہلے ان کے گاؤں سے اپنی فیملی کے ساتھ اس شہر میں آبسے اور پھر وہیں کے ہوکر رہ گئے سال دو سال بعد جلال محمود اپنے آبائی گاؤں بچپن کی یادوں کو تازہ کرنے ضرور جاتے تھے اور اپنے دوست ملک حسن سے ملاقات بھی کرتے تھے۔ آخری بار وہ گاؤں ملک حسن کی وفات سے سال بھر پہلے گئے تھے اس روز جب زوہیب نائلہ کی کلاس فیلو رومی سے ملنے کی غرض سے یونیورسٹی آیا تو جلال محمود کو دیکھتے ہی پہچان گیا۔

تعارف کروانے پر وہ بڑی گرم جوشی سے اپنے بچپن کے دوست کے بیٹے سے ملے کافی دیر تک اپنے مرحوم دوست کو یاد کرکے اپنے بچپن کے قصے سناتے رہے نائلہ کے قتل کے بارے میں ان کی معلومات بھی صرف اتنی تھیں جتنی کہ شہباز خان نے اسے بتایا تھا اسی دوران زوہیب نے اپنے ذہن میں پلان بنالیا تھا پروفیسر جلال محمود بڑی مشکل سے مانے۔

زوہیب نے پلاننگ کے مطابق رومی کی کلاس میں ایڈمشن لیا اور اس سے دوستی کی وہ دراصل دوستی کی آڑ میں رومی کے ذریعے نائلہ کے قاتل تک پہنچنا چاہتا تھا زوہیب کا خیال تھا کہ رومی نائلہ کی گہری دوست اور روم میٹ رہ چکی ہے اور کچھ نہ کچھ ایسا ضرور جانتی ہوگی جس کے ذریعے وہ نائلہ کے قاتل تک پہنچ سکے کیوں کہ تقریباً ہر انسان اپنے دل کے راز دوستوں سے ضرور شیئر کرتا ہے۔

پولیس بھی رومی سے کوئی خاص بات معلوم نہ کرسکی تھی۔ زوہیب کو اس یونیورسٹی میں بیس بائیس روز گزر چکے تھے ایک روز جب وہ اور رومی لائبریری میں موجود تھے۔ زوہیب کہنے لگا۔ ”رومی پچھلے سال تمہاری کلاس کی ایک لڑکی نائلہ حسن کا پراسرار طور پر قتل ہوا تھا سنا ہے وہ تمہاری بہترین دوست تھی اس کے قاتل کا کچھ پتہ چلا۔“

رومی چونکی۔ ”کیا مطلب، تم کیوں پوچھ رہے ہو؟“

”بس ویسے ہی دراصل اتفاق سے ایک نیوز پیپر میں خبر پڑھی تھی اور پھر ایک کلاس فیلو سے معلوم ہوا کہ نائلہ تمہاری بیسٹ فرینڈ تھی۔“

رومی نے ایک سرد آہ بھری۔ ”نائلہ خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ ہنس مکھ اور خوش اخلاق بھی تھی اور پھر ہم ایک ہی کمرے میں رہتے تھے وہ پڑھائی میں بھی میری ہیلپ کیا کرتی تھی پھر نجانے اسے یکا یک کیا ہوا کہ وہ کھوئی کھوئی رہنے لگی۔ تنہائی پسند سی ہوگئی تھی یونیورسٹی میں کسی سے بات تک نہ کرتی۔ البتہ ہر وقت موبائل فون میں مصروف رہتی پھر اکثر کسی نہ کسی بہانے یونیورسٹی سے باہر جاتی اور گھنٹوں بعد واپس لوٹتی میرے اصرار پر اس نے صرف اتنا بتایا کہ ”اس کی فراز نامی ایک لڑکے سے فیس بک پر دوستی ہوئی تھی جو محبت میں تبدیل ہوچکی ہے فراز نے اپنے اصل نام سے ہی ID بنا رکھی تھی مگر وہ نائلہ سے اس چالاکی سے محبت کا کھیل کھیل رہا تھا کہ اس ID میں اس کی تصویر کوئی بھی نہیں تھی میرے اصرار پر بھی نائلہ نے فراز کی تصویر دکھائی کہ فراز کی کوئی تصویر اس کے پاس نہیں۔

پھر ایک روز جب وہ فراز سے ملنے گئی شام کو واپس لوٹی تو خاصی اپ سیٹ تھی اس کے ہاتھ میں ایک ڈسک تھی جسے اس نے میرے سامنے اپنے بیگ میں رکھی دوسرے روز جب وہ یونیورسٹی سے گئی تو پھر واپس نہیں لوٹی کلاس فیلوز کا خیال تھا کہ وہ اپنے کسی آشنا کے ساتھ بھاگ گئی ہے مگر مجھے یقین تھا کہ ایسا کچھ نہیں ہے کیوں کہ نائلہ کا بیگ کپڑے

اور دیگر سامان روم میں ہی موجود تھا پھر میں نے فطری تجسس کے تحت نائلہ کے بیگ کی تلاشی لی بیگ میں وہی ڈسک موجود تھی جو میں نے اس روز نائلہ کے ہاتھ میں دیکھی تھی۔"

"کیا تھا اس ڈسک میں؟" زوہیب نے بے قراری سے پوچھا۔

رومی نے نگاہیں جھکاتے ہوئے جواب دیا۔"میں نے وہ ڈسک اپنے بیگ میں رکھ دی تھی۔اس لئے پولیس کو نائلہ کے سامان سے ڈسک نہیں ملی چھٹیوں پر اپنے گھر گئی تو اپنے روم میں جا کر ڈسک لگائی تو پہلا منظر دیکھتے ہی مزید دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی اس ڈسک میں نائلہ کی بلیو فلم تھی ڈسک میں نائلہ کے ساتھ موجود شخص کا چہرہ واضح نہ تھا میں سمجھ گئی کہ کوئی نائلہ کو اس بلیو فلم کے ذریعے بلیک میل کر رہا ہوگا اور یقیناً وہ فراز ہی ہوگا جس نے محبت کی آڑ میں۔" وہ کہتے کہتے رکی۔

پھر قدرے توقف سے بولنے لگی۔"عینی کا گیارہ سالہ بھائی مظفر ایک نجی اسکول میں زیر تعلیم ہے ان کے پڑوسی آفاقی صاحب کا اکلوتا بیٹا رضوان جو مظفر کا ہم عمر ہے اور اسی کی کلاس میں پڑھتا ہے بیس جنوری کو جس روز نائلہ یونیورسٹی سے غائب ہوئی اسی روز اس اسکول کے بچے پکنک کے لئے ساحل سمندر پر گئے مظفر بیمار ہونے کے باعث اس روز اسکول نہ جاسکا۔رضوان جب گھر لوٹا تو خاصا خوف زدہ تھا اس نے گھر پر بتایا کہ وہ کھیلتے ہوئے اپنے گروپ سے الگ ہو کر دور چلا گیا جہاں اس نے ایک چٹان کی آڑ میں کسی شخص کو ایک نوجوان لڑکی کا قتل کرتے دیکھا۔ وہ ڈر اور خوف سے چیخ پڑا تھا۔

قاتل نے اسے دیکھ لیا رضوان نے ہوشیاری کی اسی وقت بھاگ نکلا، قاتل چٹان کی آڑ میں ہونے کے باعث جلد اس تک نہ پہنچ سکا اور رضوان جان بچا کر اپنے ٹیچرز کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اس نے اپنی کلاس ٹیچر کو بھی اس واقعہ کے بارے میں بتایا۔تو اسکول کے پرنسپل اور ٹیچرز جب رضوان کے ساتھ اس جگہ گئے تو نہ وہاں مقتول لڑکی کی لاش تھی اور نہ کوئی شخص انہوں نے رضوان کو جھوٹا سمجھ کر ڈانٹا بھی، رضوان نے آفاقی صاحب اور ان کی اہلیہ شمیم کوثر سے اس واقعہ کا ذکر کیا مگر انہوں نے بھی بچے کی بات پر توجہ نہ دی۔

نائلہ کی گمشدگی کے چوتھے روز نائلہ کی لاش ہائی وے کے ایک ویران مقام سے ملی میڈیا میں خبر کے ساتھ نائلہ کی تصویر بھی دی گئی نائلہ کی تصویر دیکھتے ہی رضوان نے آفاقی صاحب کو بتایا کہ یہ لاش اس لڑکی کی ہے جسے اس نے اس روز ساحل سمندر پر قتل ہوتے دیکھا تھا۔آفاقی صاحب نے رضوان کو سختی سے ڈانٹا کہ اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہ کرے۔مگر بچے تو پھر بچے ہی ہوتے ہیں اس نے اپنے دوست اور کلاس فیلو مظفر سے ذکر کیا مظفر نے اپنے گھر پر بتایا عینی کی زبانی مجھے پتہ چلا۔"

"کیا تم مجھے وہ ڈسک دے سکتی ہو؟" زوہیب نے بے تابی سے پوچھا تو وہ بری طرح چونکی۔"زوہیب سچ بتاؤ تم کون ہو؟ اور اس طرح کرید کرید کر نائلہ کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"رومی کو زوہیب کے رویئے پر شک ہو گیا تھا۔ زوہیب نے گہرا سانس لے کر تازہ ہوا پھیپھڑوں میں اتاری اور بولا۔

"رومی میں نائلہ کا بھائی ہوں۔جو کہ ان دنوں تعلیم کے سلسلے میں ملک سے باہر تھا۔یونیورسٹی میں میرے آنے کا مقصد حقیقت کی تہہ تک پہنچنا تھا مجھے شک تھا کہ تم نے کوئی نہ کوئی اہم بات پولیس سے چھپائی ہوگی اور تم نے ایسا مصلحت کے تحت ہی کیا ہوگا۔ ہمارے معاشرے میں چشم دید گواہ تک قاتل کے بارے میں قانون کو کچھ نہیں بتاتا اس کا فائدہ مجرم کو حاصل ہوتا ہے۔

رومی تم میری بہن کی فرینڈ ہو اور سچی بات یہ ہے کہ مجھے اسی لئے اچھی بھی لگیں میں نے تمہیں پہلی نظر

دیکھتے ہی دل ہی دل میں اپنی بہن مان لیا تھا۔ تم نے وہ ڈسک پوری نہیں دیکھی ہوسکتا ہے اس ڈسک میں کہیں اس شیطان کا چہرہ نظر آ ہی جائے۔ شاطر سے شاطر مجرم کوئی نہ کوئی غلطی کر ہی ڈالتا ہے اور یہی غلطی اسے سلاخوں کے پیچھے لے جاتی ہے۔"

بالآخر زوہیب نے اسے سچ بتا ہی دیا۔ "زوہیب اگر تم مجھے سچ پہلے ہی بتا دیتے تو تب بھی میں تم سے تعاون کرتی وہ ڈسک میرے گھر پر ہی ہے اس ویک اینڈ پر گھر جا کر لے آؤں گی۔ ہوسکتا ہے کہ تم اس ڈسک کے ذریعے قاتل تک پہنچ جاؤ۔"

زوہیب اس سے رخصت ہو کر لائبریری سے نکل رہا تھا کہ عینی لائبریری میں داخل ہوئی اس نے قریب آ کر معنی خیز لہجے میں کہا۔ "رومی مبارک ہو تمہیں بھی کوئی چاہنے جلد مل ہی گیا۔"

رومی نے جھکا ہوا سر اٹھایا تو اسے حیرت کا جھٹکا لگا رومی کی آنکھیں نم تھیں۔ "ارے میں تو مذاق کر رہی تھی۔" وہ شرمندہ لہجے میں بولی۔

"عینی میں تمہارے طنز پر نہیں نائلہ کو یاد کر کے رو رہی ہوں۔ زوہیب حسن نائلہ کا بھائی ہے۔ اور مجھے نائلہ کی طرح بہن ہی سمجھتا ہے۔"

زوہیب اس وقت SHO شہباز خان کے کمرے میں اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس وقت SHO کے کمرے میں ایک اے ایس آئی رینک کا نوجوان پولیس آفیسر بھی موجود تھا۔ جس کا تعارف شہباز خان نے شوکت مرزا کے نام سے کروایا۔ شوکت مرزا کو اس پولیس اسٹیشن میں تعینات ہوئے دو ہی ماہ ہوئے تھے زوہیب نے رومی سے ملنے والی معلومات سے شہباز خان کو آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے بہت جلد نائلہ کا قاتل سلاخوں کے پیچھے ہوگا۔ آپ اس بچے رضوان سے قاتل کا حلیہ معلوم کر کے اسکیچ بنوائیں اور پھر یہ بھی درست ہے کہ اس ڈسک میں قاتل کا چہرہ کہیں نہ کہیں نظر آ ہی جائے میں رومی سے ڈسک ملتے ہی آپ کو دے دوں گا۔"

شوکت استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ "مسٹر زوہیب حسن تمہیں تو شرلاک ہومز کا جانشین ہونا چاہئے جو کام پولیس ایک سال میں نہ کر سکی تم نے صرف چند روز میں کر دکھایا۔"

شہباز خان نے شوکت مرزا کو ناگوار نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم اس پر طنز کرنے کے بجائے اس بچے رضوان سے ملو اور قاتل کا حلیہ پوچھ کر اسکیچ بنواؤ میں نائلہ مرڈر کیس ری اوپن کر رہا ہوں۔ اور ہاں نائلہ کی فرینڈ رومی سے بھی دوبارہ پوچھ گچھ ضرور کرنا۔"

شوکت مرزا یس سر کہتے ہوئے SHO کے کمرے سے نکل گیا۔ یہ زوہیب حسن کی بہت بڑی کامیابی تھی وہ نائلہ کے قتل کا کیس ری اوپن کروا چکا تھا مگر دوسرے روز کا سورج طلوع ہوا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔

رومی اس روز یونیورسٹی سے چھٹی لے کر گھر چلی گئی تھی دوسرے روز جب یونیورسٹی جانے کے لئے گھر سے نکلی اور وہ گاڑی کے انتظار میں اسٹاپ پر کھڑی تھی کہ مخالف سمت سے ایک موٹر سائیکل نمودار ہوئی موٹر سائیکل سوار کا چہرہ ہیلمٹ میں چھپا ہوا تھا جب کہ اس کے عقب میں بیٹھے لڑکے نے چہرے پر رومال لپیٹ رکھا تھا۔ موٹر سائیکل جیسے ہی رومی کے قریب پہنچی پیچھے بیٹھے لڑکے نے دائیں ہاتھ میں موجود پسٹل سے اس کا نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا۔ وہ کوئی شارپ شوٹر تھا گولی رومی کی پیشانی میں لگی گولی چلتے ہی بھگدڑ مچ چکی تھی لوگ جان بچانے کے لئے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔

پیچھے بیٹھا لڑکا موٹر سائیکل سے اترا رومی کے مردہ جسم سے شولڈر بیگ اتارا اور چشم زدن میں موٹر سائیکل پر سوار ہو گیا اس کے بیٹھتے ہی دوسرے نے تیز رفتاری سے موٹر سائیکل دوڑائی اور لمحوں میں غائب ہو گئے۔

زوہیب کو اس سانحے کی اطلاع ملی تو وہ سناٹے میں آ گیا رومی کے قتل سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ زوہیب حسن قاتل کی نگاہوں میں ہے۔ وہ جیسے ہی

ڈسک لے کر گھر سے نکلی قاتل اسے قتل کر کے ڈسک حاصل کرنے کے بعد فرار ہوگیا۔

زوہیب خود کو رومی کی موت کا ذمہ دار سمجھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ نہ وہ رومی سے ملتا اور نہ رومی قتل ہوتی۔ ''کیا قاتل کا تعلق یونیورسٹی سے ہے اسے یہ بھی خیال آیا۔؟''

وہ رومی کے گھر پہنچا تو رومی کی لاش پوسٹ مارٹم ہو کر آچکی تھی شہباز خان دیگر پولیس اہلکاروں سمیت وہیں موجود تھا۔ زوہیب کو دیکھ کر وہ زوہیب کی طرف لپکا۔

''مجھ سے پولیس اسٹیشن میں ضرور ملنا۔'' وہ سرد لہجے میں زوہیب سے مخاطب ہوا نماز جنازہ کے بعد زوہیب رومی کے والد سے بھی ملا اور تعزیت کی عینی بھی وہیں تھی اپنی فرینڈ کی موت پر اس کا چہرہ بھی سوگوار تھا۔

یونیورسٹی میں پہلے روز ہی عینی کو دیکھتے ہی زوہیب کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا وہ جو محبت پر یقین نہیں رکھتا تھا اور سوچتا تھا کہ کبھی محبت نہیں کرے گا عینی پر پہلی نظر پڑتے ہی اسے علم ہوا کہ محبت کی نہیں جاتی ہو جاتی ہے۔ مگر وہ بہن کے قاتل کی تلاش میں تھا اس لئے وقتی طور پر عینی کا خیال ذہن سے جھٹک دیا۔

شام کو وہ SHO کے کمرے میں موجود تھا جہاں شوکت مرزا بھی بیٹھا تھا۔ شہباز خان کہہ رہا تھا۔'' زوہیب حسن آپ پولیس کو اطلاع دیئے بغیر اس علاقے سے باہر نہیں جاسکتے۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا کیا آپ مجھے رومی کا قاتل سمجھتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں حیرت کے ساتھ ساتھ دکھ بھی تھا۔ ''رومی نائلہ کی دوست تھی اور میرے لئے بہن کی طرح تھی۔''

شوکت مرزا نے کہا۔ ''یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس کا کہنا ہے کہ رومی ان دنوں زیادہ تر تمہارے ساتھ ہی دکھائی دیتی تھی تم نے کہا کہ کل رومی ڈسک لاکر دے گی اور اسی روز رومی کا قتل ہوگیا۔''

''اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ میں نے رومی کو قتل کیا ہے اور پھر میری اس سے کیا دشمنی تھی میں تو اس سے نائلہ کے قتل کے سلسلے میں ملا تھا۔'' اس بار زوہیب نے بھی تند لہجے میں جواب دیا۔

شوکت مرزا جواب میں مزید بھی کچھ کہنا چاہتا تھا مگر شہباز خان نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا اور کہنے لگا۔ ''زوہیب مجھے بھی یقین ہے کہ رومی کے قاتل تم نہیں ہوسکتے مگر ہم حالات کی وجہ سے مجبور ہیں امید ہے تم قانون سے تعاون کروگے۔'' شہباز خان نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا SHO کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ یونیورسٹی جانا چھوڑ چکا تھا اور اب پروفیسر جلال محمود کے گھر پر رہ رہا تھا۔ وہ ویسے بھی دونوں میاں بیوی اکیلے ہی رہتے تھے۔ بیٹا کوئی تھا نہیں ایک ہی بیٹی تھی جو شادی شدہ تھی۔

اس روز وہ دن کے وقت گھر سے نکلا اس کا ارادہ شہباز خان سے ملنے کا تھا کہ جان سکے نائلہ اور رومی کے قتل کی تفتیش کہاں تک پہنچی وہ بس اسٹاپ پر گاڑی کے انتظار میں کھڑا ہی تھا کہ بلیک ہنڈا اکارڈ اس کے قریب آرکی۔ ''بیٹھیں کہاں جانا ہے؟'' یہ عینی تھی۔

''پولیس اسٹیشن جارہا ہوں۔'' وہ ترنت سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''دراصل رومی اور نائلہ کے کیس کے سلسلے میں شہباز خان سے ملنا ہے۔''

عینی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔ ''رومی قتل سے پہلے زیادہ تر آپ کے ساتھ دکھائی دے رہی تھی۔'' عینی نے اس سے وہی سوال کیا تھا جو اس سے پہلے شوکت مرزا بھی اس سے کرچکا تھا۔

''رومی نائلہ کی دوست اور میرے لئے بہن جیسی تھی۔ میرا اس سے ملنے جلنے کا مقصد نائلہ کے قاتل تک پہنچنا تھا رومی کے پاس ایک ڈسک موجود تھی۔ جس کے ذریعے قاتل نائلہ کو بلیک میل کر رہا تھا۔ شاید اسی ڈسک کی وجہ سے اس کا قتل ہوا۔'' زوہیب نے

وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ عینی اسے پولیس اسٹیشن کے سامنے اتار کر آگے بڑھ گئی۔

عینی اس وقت یونیورسٹی سے گھر جارہی تھی بس اسٹاپ پر زوہیب کو کھڑا دیکھ کر اس نے بے اختیار گاڑی روکی کیوں؟ اس کا سبب اسے خود معلوم نہیں تھا یونیورسٹی میں جب زوہیب رومی سے ہنستا بولتا تھا تو اسے برا لگتا تھا اسی لئے وہ رومی پر طنز کرتی رہتی تھی اپنی اس کیفیت پر وہ خود بھی حیران تھی۔

زوہیب کو اتار کر وہ جیسے ہی گھر پہنچی گیارہ سالہ مظفر آپی کہتا ہوا اس سے لپٹ گیا وہ مظفر کے ساتھ اپنے روم میں داخل ہوئی اور اس کی فرمائش پر لوڈو کھیلنے لگی۔

عینی کے والد بشیر احمد صنعتکار تھے عینی کی پیدائش کے دس سال بعد بیٹے کے باپ بنے تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا مظفر ان کی آنکھوں کا تارا تھا تو خود عینی بھی اپنے چھوٹے بھائی پر جان چھڑکتی تھی۔

کچھ ہی دیر میں عینی کی امی صوبیہ چائے اور بسکٹ لئے آئیں۔

''بھائی بہن میں بڑا پیار ہورہا ہے۔'' صوبیہ نے ٹرے ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

دراصل عینی یونیورسٹی سے واپسی پر چائے پینے کی عادی تھی۔ اس کے معمول سے باخبر صوبیہ بیٹی کے آتے ہی چائے تیار کردیتی تھیں چھوٹا بھائی جو ہے۔'' عینی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور چائے بسکٹ کی طرف متوجہ مظفر سے نظر بچا کر بند گوٹ گھر سے باہر نکال دی مظفر نے احتجاج شور مچایا آپی۔

''بے ایمانی نہیں چلے گی یہ گوٹ ابھی آپ کی بند تھی۔''

عینی نے بچوں کی طرح ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''تم جھوٹ بول رہے ہو یہ گوٹ تو کب کی کھلی ہے۔''

اور والدہ اس کی شرارت پر مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی جب کہ مظفر نے گوٹ واپس رکھ دی۔

دوسرے روز عینی یونیورسٹی جاتے ہوئے معمول کے مطابق مظفر کو اسکول چھوڑتی ہوئی گئی۔ واپسی میں ان کا ڈرائیور مظفر اور آفاقی صاحب کے بیٹے کو لینے وقت پر اسکول پہنچ جاتا تھا۔ اسکول سے چھٹی پر مظفر رضوان کے ساتھ اسکول سے باہر نکلا رضوان ان کے پڑوسی آفاقی صاحب کا اکلوتا بیٹا تھا دونوں بچے دوست ہونے کے ساتھ ساتھ کلاس فیلو بھی تھے۔ واپسی پر رضوان بھی مظفر کے ساتھ جاتا تھا۔ اسکول وین آکر جاچکی تھی پیرنٹس کے ساتھ جانے والے بچے بھی اپنے اپنے پیرنٹس کے ساتھ تو جاچکے تھے جب کچھ دیر تک ڈرائیور نہ آیا تو دونوں بچے پریشان ہوگئے۔'' مظفر آج تمہارے ڈرائیور انکل نہیں آئے۔'' رضوان نے پریشان لہجے میں پوچھا پریشانی بھی بجا تھی۔

وہ بشیر احمد کا برسوں پرانا ڈرائیور تھا جو اس سے پہلے کبھی لیٹ نہیں ہوا تھا۔ ''کہیں گاڑی راستے میں خراب نہیں ہوگئی۔'' مظفر نے کہا۔ اتنے میں ایک کالی پیلی ٹیکسی ان کے قریب رکی اور اس سے ایک شخص نیچے اترا وہ گہرے سانولے رنگ کا شخص تھا جس کی گھنی ڈاڑھی مونچھیں اور ناک کے نتھنے پھیلے ہوئے تھے اور آنکھوں پر نظر کے چشمے موجود تھے۔ ''کیوں بچوں کیوں پریشان کھڑے ہو؟'' اس نے قریب آکر کہا۔

''انکل ہمارے ڈرائیور اب تک نہیں آئے۔'' مظفر نے جواب دیا۔

''اوہ ہوسکتا ہے گاڑی خراب ہوگئی ہو یا کوئی دوسری وجہ بھی ہوسکتی ہے۔ چلو ایسا کرو تم دونوں ٹیکسی میں بیٹھو میں تمہیں تمہارے گھر تک چھوڑ دوں گا۔'' اس نے بڑی فراخ دلی سے پیش کش کی۔ ''مگر انکل مما کہتی ہیں کسی اجنبی کے ساتھ کہیں بھی نہیں جانا چاہئے۔'' مظفر نے ماں کی نصیحت دہرائی تو وہ ہنسا۔ ''میں کتنی دیر سے تم دونوں سے باتیں کررہا ہوں۔ اب اجنبی کہاں ہم تو دوست ہیں اور پھر میرے پاس بہت سے جانور اور پرندے ہیں طوطے، کبوتر بلی بندر اور پھر میں نے گھر پر چھوٹا سا مچھلی گھر بھی بنا رکھا ہے جس میں رنگ برنگی مچھلیاں ہیں وہ بھی جاتے ہوئے دیکھ لینا ان میں

سے جو پسند ہوں میری طرف سے گفٹ سمجھ کر لے لینا۔" اس نے فراخ دلی سے پیش کش کی۔جانوراور پرندوں کا سن کر بچے احتیاط بھول کرخوش خوش ٹیکسی کی عقبی نشست پر جا بیٹھے۔ ٹیکسی تیز رفتاری سے سڑک پر دوڑنے لگی۔

"انکل یہ راستہ تو ہمارے گھر کی طرف نہیں جاتا۔" کافی دیر بعد مظفر اسے اجنبی راستے پر جاتے دیکھ کر گھبرایا تو وہ قہقہہ مار کر ہنسا۔

"میں نے کہا تھا ناں کہ تمہیں اپنے گھر پر جانور اور پرندے دکھاؤں گا۔ان میں سے جو تمہیں پسند ہوں گفٹ لے لینا تو ہی دکھانے تمہیں اپنے گھر لے جارہا ہوں بس تھوڑی دیر کی بات ہے پھر وہاں سے تمہارے گھر چلیں گے۔" اس نے ایک بار پھر بچوں کو لالچ دیا تو وہ خاموش ہوگئے۔

ٹیکسی اب مضافاتی علاقے میں داخل ہو چکی تھی۔ یہاں دور دور تک انسانی آبادی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ راستے میں چند ویران پولٹری فارم بھی دکھائی دیئے۔ ٹیکسی ایک ویران سے پولٹری فارم سے کچھ فاصلے پر رکی۔ "چلو بچو تمہیں پرندے اور جانور دکھاؤں پھر واپس بھی جانا ہے۔" وہ ٹیکسی سے نیچے اترے کا کہہ کر گلے کے قریب معمولی سے ابھار کو دائیں ہاتھ کی دونوں انگلیوں سے کھینچا۔ تو اس کے چہرے پر موجود ماسک اتر گیا۔ اب ان کے سامنے کلین شوی پرکشش نوجوان موجود تھا جسے دیکھتے ہی رضوان کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔

یہ وہی قاتل تھا جس نے ساحل سمندر پر اس لڑکی کو قتل کیا تھا پھر رضوان کے پیچھے بھی دوڑا تھا۔ مگر رضوان اس وقت بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اس نے بلاوجہ ہی قریب کھڑے مظفر کے چہرے پر زوردار تھپڑ رسید کیا تو وہ ایک طرف جا گرا۔ رضوان اسے پہچان کر خوف زدہ ہوگیا اور جان بچانے کے لئے چیختا ہوا ایک طرف بھاگا ٹیکسی ڈرائیور اسے پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے دوڑا۔ مظفر کو خطرے کا ادراک ہو چکا تھا۔ اسے رضوان کے پیچھے دوڑتا دیکھ کر مظفر جان بچانے کے لئے دوسری سمت بھاگا اور بھاگتا ہی چلا گیا اور ہوشیاری یہ کی کہ بھاگتے ہوئے رضوان کی طرح چیخا نہیں۔

ادھر قاتل رضوان کو پکڑ کر تین چار زوردار تھپڑ پڑ چکا تھا۔ نازک اندام رضوان اس کے زوردار تھپڑ سہ نہ سکا اور نیم جان سا ہوگیا اس نے رضوان کو کندھے پر لادا اور مظفر کے تلاش میں نظر دوڑائی مگر وہ دور دور تک دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ رضوان کو کندھے پر لادے پولٹری فارم میں داخل ہوا۔

اس اثناء میں رضوان ہوش میں آ کر چیختے چلاتے ہوئے ہاتھ پاؤں چلا کر اس کی مضبوط گرفت سے نکلنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ اس نے رضوان کو زمین پر پٹخا اور پنڈلی سے بندھا تیز دھار خنجر نکال لیا۔ اگلے ہی لمحے فضا رضوان کی دلدوز چیخوں سے گونج اٹھی۔ ٹیکسی ڈرائیور انسانیت کے جامے سے نکل کر حیوان بن چکا تھا اور رضوان کے سر کے بال دبوچے خنجر سے اس کے جسم سے خون بہتا جارہا تھا اس کی وحشت میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ پھر رضوان کی چیخیں تھم گئیں وہ معصوم اس درندگی کو سہ نہ سکا تھا جنونی قاتل کافی دیر تک اس کے بے جان جسم پر خنجر کے وار کرتا رہا پھر ایک آسودہ سی سانس لی خون آلود خنجر رضوان کے کپڑوں سے صاف کیا اور خنجر پنڈلی سے باندھا اور پولٹری فارم سے باہر نکلا، اب اسے مظفر کی تلاش تھی۔

☆......☆......☆

ادھر بشیر صاحب کے ڈرائیور کو ٹریفک جام ہونے کے باعث اسکول پہنچنے میں تاخیر ہو چکی تھی۔ اسکول کے تقریباً تمام بچے گھروں کو جا چکے تھے۔ اسٹاف میں بھی صرف اسکول کا چوکیدار موجود تھا ڈرائیور کے استفسار پر اس نے بتایا کہ اس نے مظفر اور رضوان کو ایک کالی پیلی ٹیکسی میں بیٹھتے دیکھا تھا۔ اتفاق سے وہ اس ٹیکسی کا نمبر بھی نوٹ کر چکا تھا۔ "ٹیکسی میں کون

ہوسکتا ہے؟" اس نے دھڑکتے دل سے سوچا۔ "اللہ کرے صاحب لوگوں کا کوئی رشتہ دار ہو۔ اس نے دل ہی دل میں دعا کی۔ اور گھر جا پہنچا۔ ڈرائیور کو اکیلا دیکھ کر صوبیہ کا ماتھا ٹھنکا۔ مظفر کہاں ہے؟ اس نے بے تابی سے بیٹے کے بارے میں پوچھا۔ بیگم صاحبہ ٹریفک جام کے باعث مجھے اسکول پہنچنے میں تاخیر ہوگئی تھی اسکول پہنچا تو مظفر اور رضوان وہاں نہیں تھے۔ اسکول کے چوکیدار کا کہنا ہے کہ اس نے ان دونوں بچوں کو کسی کالی پیلی ٹیکسی میں بیٹھتے دیکھا ہے۔ ڈرائیور کا جواب سن کر صوبیہ کے اوسان خطا ہوگئے۔ اور دل بیٹھنے لگا۔ مظفر ان کا اکلوتا بیٹا تھا اس کی گمشدگی کے تصور سے ہی جیسے ان کا سانس نکلنے لگا اس نے بشیر صاحب اور عینی کو کال کر کے بچوں کی گمشدگی کی اطلاع دی اسی اثنا میں ان کے موبائل فون پر آفاقی صاحب کی کال آئی۔

وہ رضوان کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ صوبیہ نے روتے ہوئے جب دونوں بچوں کی گمشدگی کی اطلاع دی تو ان کے بھی ہوش اڑ گئے آفاقی صاحب نے پہلے اسکول کا رخ کیا چوکیدار نے انہیں بھی وہی بتایا جو ڈرائیور کو بتا چکا تھا۔ اپنے طور پر بچوں کو ادھر ادھر رشتہ داروں کے گھروں پر ڈھونڈنے کے بعد انہوں نے پولیس کو اطلاع دی۔

چوکیدار نے تفتیش کے دوران اس کالی پیلی ٹیکسی کا نمبر بتایا جس میں وہ بچوں کو بیٹھتے دیکھ چکا تھا ٹیکسی کے نمبر سے وہ روزی خان نامی ٹیکسی ڈرائیور تک پہنچے جس کے بیان کے مطابق اس کی ٹیکسی اس واردات سے دو گھنٹے قبل ریلوے اسٹیشن سے پارکنگ ایریا سے چرائی گئی تھی۔ اس وقت روزی خان رفع حاجت کے لئے گیا ہوا تھا۔ روزی کان نے ٹیکسی چوری کی FIR بھی درج کروائی تھی۔

خاصی بھاگ دوڑ سے پولیس کو ٹیکسی ایک سنسان سڑک سے ملی۔ مگر بچوں کا سراغ نہیں ملا SHO شہباز خان کی پریشانی بڑھتی چلی جارہی تھی نائلہ حسن کا قتل اور پھر زوہیب کا اس کے قاتل کی تلاش میں آنا اور رومی سے ملنا اور پھر رومی کا قتل اور اب ان دونوں بچوں کا اغوا اسے اس اغوا میں نائلہ اور رومی کے قاتل کا ہاتھ نظر آرہا تھا کہ رومی کے بیان کے مطابق رضوان نائلہ کے قاتل کا چہرہ دیکھ چکا تھا شہباز خان نے اپنے اس خیال کا اظہار بشیر صاحب اور آفاقی صاحب سے بھی کیا جن کی یہ سنتے ہی پریشانی مزید بڑھ گئی۔ شہباز خان نے انہیں تسلی دی کہ ان بچوں کی بازیابی تک وہ چین سے نہیں بیٹھے گا اس نے کھوجی کتوں کے ذریعے بچوں تک پہنچنے کا پلان بنایا۔

دونوں بچوں کے استعمال شدہ کپڑے دو کھوجی کتوں کو سنگھائے گئے بالآخر وہ ان کھوجی کتوں کے ذریعے اس غیر آباد اور سنسان میدانی علاقے میں جا پہنچے جہاں چند غیر آباد اور سنسان پولٹری فارم تھے۔ پولیس کی بھاری نفری کے ساتھ SHO شہباز خان اور ASI شوکت مرزا بھی تھے۔ شوکت مرزا گزشتہ دو روز سے طبیعت کی ناسازی سے چھٹی پر تھا۔

شہباز خان نے بچوں کے اغوا کی خبر ملتے ہی اسے بھی کال کر کے بلالیا تھا کہ وہ ذہین اور دلیر پولیس آفیسر تھا۔ ایک گاڑی میں بشیر صاحب اور آفاقی صاحب کے علاوہ عینی بھی تھی۔

کھوجی کتے مٹی کے ٹیلے کے ساتھ واقع ایک کھائی کے قریب پہنچ کر رک گئے اور بھونکنے لگے یہ چھ سات فٹ گہرا کھائی نما گڑھا تھا دو پولیس اہلکار اس گڑھے میں اترے تو انہیں بے ہوش مظفر ملا جو قاتل سے جان بچانے کے لئے بھاگتے ہوئے گڑھے میں گر کر بے ہوش ہو چکا تھا یہاں کی زمین بھربھری بھالو مٹی پر مشتمل تھی اس لئے مظفر کو کوئی گہری چوٹ نہیں لگی۔ وہ معصوم بچہ چوٹ سے زیادہ خوف و دہشت سے بے ہوش ہوا تھا۔ اسے ہوش میں لانے کی تمام تر تدبیریں ناکام رہیں۔ عینی اس سے لپٹی رو رہی تھی جسے بمشکل چپ کروا کر مظفر کو ان کی گاڑی میں ڈال دیا گیا اس دوران کتے بھونکتے ہوئے ایک متروک پولٹری فارم میں داخل ہوئے۔

اندر کا منظر رونگٹے کھڑے کردینے والا تھا عینی جو پہلے ہی بھائی کی حالت دیکھ کر روئے جارہی تھی خوف ودہشت سے چیخ پڑی۔ جب کہ آفاقی صاحب دل پر ہاتھ رکھ کر گرتے چلے گئے۔ اکلوتے بیٹے کی خون میں لت پت خونچکاں لاش دیکھ کر ان کا دل دھڑکنا بھول چکا تھا۔ خنجروں سے چھلنی بچے کا خونچکاں جسم دیکھ کر خود پولیس اہلکار بھی تھرتھرا گئے تھے۔ بے ہوش مظفر اور لاشوں کو اسپتال بھجوادیا گیا۔ آفاقی صاحب کے گھرانے کے لئے صدمہ دھرا تھا۔ ایک طرف رضوان کا بہیمانہ قتل تو دوسری طرف آفاقی صاحب کی موت۔

پوسٹ مارٹم اور دیگر کارروائیوں سے فارغ ہوکر شہباز خان نے زوہیب حسن کو کال کرکے اس حادثے کی اطلاع دی رضوان کے قتل آفاقی صاحب کی موت کی خبر سن کر وہ تڑپ گیا تھا اسے بھی وہی شک ہورہا تھا جو شہباز خان کو تھا کہ ننھے رضوان کا قاتل وہی ہے جس نے نائلہ اور روی کو قتل کیا اسے رضوان کے قتل کی خبر ملی تو رات ہو چکی تھی۔ اس نے صبح رضوان کے گھر تعزیت کے لئے جانے کا سوچا۔ اور پھر عینی کا بھائی بھی تو اغوا ہوا تھا۔ جسے گھنٹوں بعد ہوش آیا تھا۔ ویسے بھی بشیر صاحب اور آفاقی صاحب کا گھر ایک ہی گلی میں تھا۔

دسمبر کا مہینہ تھا۔ ان دنوں شہر میں سرد ہوائیں چلنے کے سبب خاصی سردی ہورہی تھی اور پھر ہلکی ہلکی بوندا باندی بھی ہورہی تھی۔ اس لئے اس نے اپر پہن رکھا تھا۔ ابھی وہ گلی میں داخل ہوا ہی تھا کہ عقب سے آنے والا موٹر سائیکل اس کے قریب رکا۔ ''کہاں جارہے ہو؟'' موٹر سائیکل سوار نے ہیلمٹ اتارتے ہوئے پوچھا۔ یہ اے ایس آئی شوکت مرزا تھا۔

''بشیر صاحب کے گھر۔'' اس نے جواب دیا تو شوکت مرزا مسکرایا۔ ''اللہ رحم کرے بشیر صاحب کے حال پر جو تم اس سے ملنے جارہے ہو کہوں کہ جس سے تم ملتے ہو وہ ڈائریکٹ اوپر پہنچ جاتا ہے۔ اب روی کی مثال لے لو اور اس بچے رضوان کا تم نے نام لیا تھا اس بے چارے کا بھی قتل ہوگیا۔'' اس نے کچھ ایسے انداز سے کہا کہ زوہیب کا خون کھول اٹھا۔ ''بیٹھو تمہیں وہاں تک چھوڑ دیتا ہوں۔''

زوہیب کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر جان چھڑانے کے لئے اس کے پیچھے بیٹھ گیا۔ بشیر صاحب کے گھر کے دروازے پر چوکیدار کے ساتھ دو پولیس اہلکار بھی موجود تھے وہ شہباز خان کے حکم پر وہاں تعینات تھے۔

شہباز خان کو خدشہ تھا کہ کہیں قاتل کا اگلا ٹارگٹ مظفر نہ ہو کہ مظفر قاتل کا چہرہ دیکھ چکا تھا۔ بشیر صاحب کو زوہیب کے آنے کی اطلاع دی گئی وہ اندر داخل ہوا تو شوکت مرزا بھی اس کے پیچھے تھا۔ اس نے مڑ کر چند قدم کے فاصلے سے آتے شوکت مرزا کو ناگوار نگاہوں سے دیکھا تو شوکت مرزا زہریلے انداز میں مسکرایا۔ ڈرائنگ روم میں بشیر احمد اور عینی ان کے علاوہ شہباز خان بھی موجود تھا۔ جو گیارہ سالہ مظفر سے قاتل کے بارے میں پوچھ گچھ کررہا تھا زوہیب حسن ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو ان کی توجہ زوہیب کی طرف ہوئی مظفر نے بھی دروازے کی طرف دیکھا اور اندر آتے زوہیب پر نظر پڑتے ہی مظفر چیخ کر عینی سے لپٹ گیا۔ ''آپی اس خونی سے مجھے بچاؤ۔'' یہ کہتے ہی وہ خوف دہشت سے بے ہوش ہوگیا۔

سچوئشن سنگین ہوچکی تھی خود زوہیب ہکا بکا کھڑا تھا۔ جب کہ اس کے عقب میں موجود شوکت مرزا غضب ناک نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا جب کہ عینی پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ مظفر کا اسے دیکھ کر ''خونی'' کہتے ہوئے بہن سے لپٹنا ڈر اور خوف سے بے ہوش ہونا صاف ظاہر کررہا تھا کہ زوہیب نے ہی ان دونوں بچوں کو اغوا کیا تھا اور پھر وہی رضوان کا قاتل ہے۔

عینی کے تو وہم گمان میں بھی نہ تھا کہ زوہیب رضوان کا قاتل ہوسکتا ہے وہ سکتہ زدہ سی پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی کہ زوہیب کے عقب میں

موجود اے ایس آئی شوکت مرزا نے اس پر پسٹل تان لیا۔ ''تم انسان نہیں جانور ہو کتنی بے رحمی سے تم نے بچے کا قتل کیا تھا۔'' وہ غصے سے چلایا تو جیسے عینی ہوش میں آ گئی۔

گھائل شیرنی کی طرح زوہیب پر پل پڑی اور ایک ہاتھ سے زوہیب کا گریبان پکڑے دوسرے ہاتھ سے اس کے گال پر تھپڑ مارتے ہوئے ہذیانی انداز میں چلا رہی تھی۔ ''تم انسان کے روپ میں بھیڑیئے ہو کتنی بے رحمی سے تم نے رضوان کو مارا ان بچوں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔''

زوہیب خود اس صورت حال سے بوکھلا گیا تھا۔ اسے خود سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا ہے، گیارہ سالہ مظفر اسے دیکھ کر خوف ودہشت سے کیوں بے ہوش ہو گیا اور اب عینی بھی اسے قاتل سمجھ رہی تھی۔ ''عینی کیا ہو گیا ہے تمہیں میں بھلا کیوں رضوان کو قتل کروں گا۔ میں تو خود تمہارے گھر آیا ہوں تا کہ مظفر کو دیکھ کر رضوان کے گھر تعزیت کے لئے جاؤں۔ اور پھر اس سے پہلے میں مظفر اور رضوان سے کبھی ملا ہی نہیں۔'' وہ گھبرایا ہوا سا اپنی صفائی پیش کر رہا تھا۔

مگر عینی اس کی بات کہاں سن رہی تھی وہ تو اسے قاتل کہتے ہوئے تھپڑ مارے جا رہی تھی ایسے میں ایس ایچ او شہباز خان حرکت میں آیا اور بپھری ہوئی عینی کو زوہیب سے الگ کرتے ہوئے شوکت مرزا کو حکم دیا۔ ''زوہیب کو گرفتار کر لو۔''

شور شرابے کی آواز سن کر باہر موجود دونوں پولیس اہلکار بھی اندر آ چکے تھے۔ زوہیب کے احتجاج کی پرواہ کئے بغیر اسے ہتھکڑی پہنا دی گئی شوکت مرزا اور دونوں پولیس اہلکار اسے کمرے سے باہر لے گئے۔ عینی پر ہسٹریا کی سی کیفیت طاری ہو چکی تھی جب کہ مظفر بے ہوش پڑا تھا۔ ان دونوں کو اسپتال پہنچا دیا گیا جب کہ زوہیب کو پولیس اسٹیشن لے جا کر لاک اپ کر دیا گیا۔

دوران تفتیش زوہیب نے جرم تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ ''وہ ان دونوں بچوں سے کبھی ملا ہی نہیں۔''

شہباز خان نے پوچھا۔ ''اگر تم نے رضوان کو قتل نہیں کیا تو پھر مظفر تمہیں دیکھ کر خونی پکارتے ہوئے خوف ودہشت سے کیوں بے ہوش ہوا۔'' اس سوال کا جواب اس کے پاس بھی نہیں تھا۔ شوکت مرزا اسے رات کے وقت ٹارچر روم میں لے گیا اور انسانیت سوز تشدد کیا اس کی کوشش بھی تھی کہ زوہیب حسن اقبال جرم کر لے۔ مگر زوہیب نے ہتھیار نہیں ڈالے پولیس تشدد سے جب وہ نیم جان سا ہو گیا تو اسے لاک میں دھکیل دیا گیا۔

ادھر اسپتال میں عینی کی طبیعت تو جلد سنبھل گئی مگر گیارہ سالہ مظفر ہوش میں آتے ہی چیخنے چلانے لگا تھا، رضوان کے قاتل کو دیکھنے کے بعد سے وہ اپنے حواس میں نہیں آ رہا تھا اور سخت خوف زدہ تھا۔ ڈاکٹرز نے دو چار روز اسے اسپتال میں رکھنے کا فیصلہ کیا اس دوران شہباز خان بھی مظفر کا بیان لینے آیا مگر ڈاکٹرز کے انکار پر واپس لوٹ گیا ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ ''بچے کی ذہنی حالت بہتر نہیں ہے اس وقت پولیس کی پوچھ گچھ اسے مزید خوف زدہ کر سکتی ہے۔'' ڈاکٹرز نے مظفر کے پیرنٹس کو بھی تنبیہ کیا کہ کوئی بھی فی الحال اس واقعہ کے بارے میں چند روز بچے کے سامنے ذکر نہیں کرے گا۔

دوسرے روز زوہیب کو کورٹ لے جانے کے لئے پولیس موبائل میں سوار کروایا گیا پولیس حراست میں صرف ایک ہی روز کے ٹارچر سے اس کی حالت خاصی خراب ہو چکی تھی وہ جانتا تھا کہ اب اسے کورٹ میں پیش کر کے جسمانی ریمانڈ پر لیا جائے گا پولیس حراست میں گرفتاری کے بعد صرف چند گھنٹوں کے تشدد سے اس کی ہڈی پسلی ایک ہو چکی تھی پولیس ریمانڈ کا تصور ہی اس کے لئے ہولناک تھا اسے دھڑکا لگا ہوا تھا کہ جسمانی ریمانڈ ملتے ہی پولیس اہلکار اس پر اتنا تشدد کریں گے کہ وہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے پرنٹ میڈیا کی وہ خبریں گھومنے لگیں جو کبھی اس نے اخبارات میں پڑھی تھیں کہ فلاں ملزم

دوران حراست پولیس تشدد سے ہلاک ہوگیا۔
پولیس موبائل پولیس اسٹیشن سے نکل کر شہر کی مصروف ترین سڑک پر آئی بارشیں رک چکی تھیں۔ مگر سڑکوں پر اب بھی اتنا پانی جمع تھا کہ گویا گاڑیاں پانی میں تیرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں اور یہ سڑک تو نشیب میں ہونے کی وجہ سے کسی تالاب کا منظر پیش کررہی تھی۔ برسوں پرانی کھٹارا پولیس موبائل ویسے بھی چلتے چلتے کسی بھی وقت رک جاتی ہے اور پھر بڑی مشکل سے دھکے دیتے پر روٹھی محبوبہ کی طرح مانتی ہے۔ وہاں تو پھر بھی سڑک پر جھیل کی طرح بارش کا پانی جمع تھا۔

اس پولیس موبائل میں ڈرائیور کے ساتھ حوالدار اور پیچھے اس کے ساتھ دو رائفل بردار سپاہی موجود تھے حوالدار نے پولیس موبائل کو دھکا لگانے کا حکم دیا تو دونوں سپاہیوں نے ہڑبڑا کر پولیس موبائل کی شان میں ناقابل اشاعت فقرے پڑھے اور نیچے اتر کر رائفلیں کندھے سے لٹکا کر پولیس موبائل کو دھکا لگانے کی ناکام کوشش کی۔ اوپر کی کمائی سے پلنے والے موٹی توند والے دونوں پولیس اہلکار گاڑی کو معمولی سی جنبش بھی نہ دے سکے۔ اور ہانپنے لگے ان میں سے ایک نے گالی دے کر پیچھے بیٹھے زوہیب حسن کو مخاطب کیا۔ ''ابے اوہ یہاں ہم خوار ہورہے ہیں اور تو لاٹ صاحب کی اولاد آرام سے بیٹھا ہے نیچے اتر اور ہمارے ساتھ دھکا لگا۔''

شہر میں ایسے مناظر عام ہیں پولیس اہلکار کھٹارا پولیس موبائل راستے میں خراب ہونے پر ملزمان سے دھکا لگواتے ہیں وہ بھی اترا۔ اور ہتھکڑی بندھے ہاتھوں سے دھکیلنے لگا۔ مگر موبائل ٹس سے مس نہ ہوئی۔ ''حرام خور کیا کررہا ہے سیدھی طرح دھکا لگا۔'' دوسرے پولیس اہلکار نے گالی دیتے ہوئے اسے ڈانٹا۔ زوہیب نے بے چارگی سے اپنی ہتھکڑی آگے کی سر ہاتھوں میں ہتھکڑی ہے اس لئے دھکا صحیح طور پر نہیں لگا پارہا ہوں سر کے لقب سے اس سپاہی کا سینہ مزید فخر سے پھیل گیا۔

اس نے زوہیب کی ہتھکڑی کھولی اور تینوں مل کر دھکا لگانے لگے۔ اب پولیس موبائل آگے بڑھ رہی تھی۔
ادھر زوہیب کا ذہن تیزی سے کام کررہا تھا اس نے سوچا اب یا کبھی نہیں اور دھکا لگاتے لگاتے پھرکی کی طرح گھوما اور دائیں گھٹنے کا بھرپور وار ایک پولیس اہلکار کے پہلو میں کیا وہ اوغ کی آواز نکالتا ہوا منہ کے بل گندے پانی میں گرا تو دوسرے کے جبڑے پر گھونسہ رسید کرکے وہ ایک طرف بھاگ نکلا۔
ڈرائیور اور حوالدار کے پولیس موبائل سے اترنے اور ان دونوں سپاہیوں کے سنبھلنے سے پہلے وہ فٹ پاتھ پار کرکے تنگ و تاریک گلیوں سے ہوتا ہوا نگاہوں سے اوجھل ہوچکا تھا۔ زوہیب حسن پولیس تشدد کے ڈر سے فرار ہوا تھا۔ مگر یہ اس کی سب سے بڑی غلطی بھی تھی اس کے فرار سے پولیس حکام کو یقین ہوگیا کہ زوہیب حسن ہی اصل قاتل ہے ورنہ وہ بھاگتا کیوں؟ اسے کورٹ لے جانے والے پولیس اہلکاروں کو معطل کردیا گیا۔
زوہیب کے فرار ہوتے ہی شہباز خان چوکنا ہوگیا۔ خیر اسپتال میں مظفر کی حفاظت کی غرض سے وہ پہلے ہی دو پولیس اہلکاروں کو اس کی حفاظت کی غرض سے اسپتال کے روم سے باہر تعینات کرچکا تھا روم میں عینی بھی مظفر کے ساتھ موجود تھی۔ پولیس کو خطرہ تھا کہ قاتل اس چشم دید گواہ کو بھی قتل کرنے کی کوشش نہ کرے شہباز خان اور شوکت مرزا دیگر پولیس اہلکاروں سمیت پاگلوں کی طرح زوہیب حسن کی تلاش میں جگہ جگہ چھاپے ماررہے تھے۔

☆......☆......☆

رات کے دس بجنے والے تھے۔ نجی اسپتال کے اس پرائیویٹ روم کے باہر موجود دونوں پولیس اہلار کرسیوں پر بیٹھے اونگھ رہے تھے اونگھتے ہوئے ایک ادھیڑ عمر پولیس اہلکار نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے آنکھیں کھولیں اور دوسری کرسی پر موجود سپاہی کی طرف دیکھ کر بے زاری سے کہا۔ ''SHO صاحب

تواس وقت خود تو اپنے گھر میں آرام سے سو رہے ہوں گے اور خود اندر وہ لڑکا اور اس کی بہن بھی محوخواب ہوں گے۔ جب کہ ہم یہاں سردی میں الوؤں کی طرح جاگ رہے ہیں۔" دوسرے کانسٹیبل نے صرف ایک لمحے کے لئے آنکھیں نیم وا کیں اور پھر ہوں کر کے دوبارہ اونگنے لگا۔ خود وہ بھی ذرا سی دیر میں اونگنے لگا تھا۔

اسی وقت کوریڈور میں کسی کے قدموں کی چاپ ابھری۔ اس نے بے زاری سے آنکھیں کھول کر گاؤن میں ملبوس ڈاکٹر کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر ماسک موجود تھا ڈاکٹر کو اپنی طرف آتا دیکھ کر اس نے اپنے ساتھی اہلکار کو بھی جگایا اٹھو ڈاکٹر آرہا ہے ڈاکٹر ان کے قریب آ کر رکا۔ "گھبراؤ مت تم بھی انسان ہو جواتنی طویل ڈیوٹی سے تھک سکتا ہے بے شک آرام سے بیٹھے رہو میں نے صرف معمول کے مطابق بچے کا چیک اپ کرنا ہے۔" ڈاکٹر کے تسلی آمیز جملے سے وہ دوبارہ بیٹھ گئے۔

ڈاکٹر دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا یہ شہر کا مہنگا ترین نجی اسپتال تھا جس میں مریض کے صاف ستھرے بیڈ کے ساتھ ساتھ ملاقاتیوں کے لئے صوفہ سیٹ بھی موجود تھا مظفر بیڈ پر سو رہا تھا جب کہ عینی صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موندھے بیٹھی تھی آہٹ سن کر اس نے آنکھیں کھولیں اور ڈاکٹر کو دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ مظفر کو اس اسپتال میں آئے ہوئے دوسرا روز تھا اس دوران اس کمرے میں ڈاکٹر منور کی ڈیوٹی تھی جو کہ پچاس سے اوپر کا تھا جبکہ نوارد گہرے سانولے رنگ کا حامل ڈاکٹر جو کہ چہرے پر ماسک پہنے ہوئے تھا ینگ دکھائی دے رہا تھا اور پھر رات کے اس پہر جب کہ مظفر کی حالت پہلے سے خاصی بہتر تھی، کسی ڈاکٹر کا آنا خلاف معمول تھا۔

ڈاکٹر بھی شاید اس کا ٹھٹکنا بھانپ چکا تھا۔ اس لئے وضاحت کی۔ "میں ڈاکٹر منور کا اسسٹنٹ ڈاکٹر خالد ہوں انہوں نے ہی مجھے بچے کے معائنے کے لئے بھیجا ہے۔"

اس دوران عینی اٹھ کر مظفر کے بیڈ کے قریب آ چکی تھی ڈاکٹر مظفر کا معائنہ کرنے کے دوران غیر محسوس انداز میں عینی کے قریب آیا اور گاؤن کی جیب میں ہاتھ ڈال کر رومال نکالتے ہوئے چشم زدن میں عینی کو دبوچ کر ہاتھ میں موجود رومال اس کے منہ پر رکھ دیا۔ عینی کو لمحہ بھر کے لئے ناگوار سی بو کا احساس ہوا اور وہ بے ہوش و فرد سے محروم ہوگئی مظفر جو کہ اس دوران جاگ چکا تھا خطرے کا احساس ہوتے ہی چیخنا چاہا مگر ڈاکٹر نے اس بار پلٹ کر اس کے چہرے پر رومال رکھ دیا۔ عینی کو صوفے پر لٹانے کے بعد اس نے معمولی سا دروازہ کھولا اور دروازے کی جھری سے جھانکا دونوں پولیس اہلکاروں کی آنکھیں بند تھیں اس نے رومال گاؤن کی جیب میں رکھ کر پرفیوم سے مشابہ ایک اسپرے گن نکالی دھیرے سے باہر نکلا اور یکے دیگرے ان دونوں پولیس اہلکاروں پر اسپرے کیا غالباً اس اسپرے گن میں زود اثر خواب آور دوا تھی دونوں اہلکار آناً فناً غفیل ہوگئے۔

پھر ڈاکٹر بڑے اطمینان سے چلتا ہوا کوریڈور سے نکلا اور چند ہی لمحوں بعد اسٹریچر نما ٹرالی دھکیلتا ہوا واپس لوٹا اس نے بڑے اطمینان سے بے ہوش مظفر کو اس پر منتقل کیا اور چادر سے اسے ڈھانپ کر پراعتماد انداز میں دھکیلتا ہوا اسپتال سے باہر نکلا۔ اسے راستے میں دو وارڈ بوائے بھی دکھائی دیئے مگر وہ اس پر سرسری سی نگاہ ڈالتے ہوئے آپس میں باتیں کرتے ہوئے آگے نکل گئے۔

استقبالیہ پر موجود خاتون اپنے سیل فون پر کسی سے گپ شپ میں مصروف تھی اس لئے اس پر توجہ نہ دے سکی۔ یا پھر اسپتال کے عملے کا کوئی فرد سمجھ کر نظر انداز کر دیا اسپتال سے باہر ایمبولینس سے مشابہ وین کھڑی تھی مظفر کو اسٹریچر سے اتار کر اس نے وین کے عقبی حصے میں منتقل کیا اور تیز رفتاری سے گاڑی چلاتا ہوا اسپتال سے نکل گیا۔ وین شہر کی مختلف سڑکوں سے ہوتی ہوئی ایک بستی میں رکی یہاں گلیوں میں

سیوریج کا پانی جمع تھا یہ سیمنٹ اور ٹین کی چادروں سے بنے کچے مکانات پر مشتمل بستی تھی۔ جہاں کی آبادی مزدور پیشہ افراد پر مشتمل تھی۔ اپنی مدد آپ کے تحت محلے داروں نے گلی میں قدرے فاصلے پر اینٹیں رکھی ہوئی تھیں جو آمد ورفت کیلئے تھیں۔

رات کے گیارہ بجے کا وقت تھا اس لئے فی الحال یہاں سناٹے کا راج تھا۔ اپناؤن اور چہرے پر موجود ماسک تو وہ راستے میں ہی اتار کر سیٹ کے نیچے ٹھونس چکا تھا۔ وہ وین سے اترا اور ادھر ادھر دیکھ کر اینٹیں پھلانگتا ہوا ایک مکان کے دروازے پر رکا۔ جہاں بڑا سا تالا لگا ہوا تھا۔ تالا دیکھ کر اس نے بڑبڑاتے ہوئے گندی سی گالی بکی اور جیب سے چابیوں کا گچھا نکال کر تالا کھولنے لگا ادھر وین جیسے ہی اس بستی میں پہنچی۔

وین کے عقبی حصے میں موجود مظفر ہوش میں آ چکا تھا۔ ہوش میں آتے ہی اس کے ذہن میں بے ہوش ہونے سے پہلے کا منظر ابھرا۔ اب اس ماسک پہنے ڈاکٹر نے عینی اور اسے بے ہوش کیا تھا گیارہ سالہ مظفر سخت خوف زدہ تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد سے ڈر اور خوف سے اندر ہی اندر لرز رہا تھا کہ نجانے اس کا اب کیا حشر ہو۔ مگر اس نے ہوشیاری یہ کی کہ آنکھیں بند کئے دم سادھے پڑا رہا تب وہ گاڑی سے اترا اور مظفر نے سر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا وہ گاؤن اور ماسک اتار چکا تھا اس لئے مظفر اسے پہچان گیا بلاشبہ یہ وہی سفاک قاتل تھا جس نے پہلے اس کی نگاہوں کے سامنے نائلہ کا قتل کیا پھر اسے اور رضوان کو اغوا کر کے سنسان علاقے میں لے گیا جہاں وہ بھاگ نکلا اور رضوان مارا گیا اس روز اپنے گھر میں اسی قاتل کو دیکھو کہ وہ بے ہوش ہوا تھا۔ وہی قاتل اب اسے اسپتال سے اغوا کر لایا تھا اور اب یقیناً اس کی جان کے درپے تھا وہ دروازے پر لگا تالا کھول رہا تھا جب مظفر خاموشی سے وین سے اترا ار گندے پانی سے بھری گلی میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا گلی سے نکلنے لگا۔ اھر وہ قاتل تالا کھول کر مکان میں داخل ہوا یہ اسی 80 گز پر بنا ہوا مکان تھا جس میں دو کمرے اور صحن تھا ایک طرف باتھ روم اور دوسری طرف کچن تھا کمروں کے دروازوں پر تالے لگے دیکھ کر اس نے ایک بار پھر زیر لب بڑبڑا کر کسی کو گالی دی ایک کمرے کا تالا کھولا اور دروازے کے ساتھ اندر کی طرف نصب بجلی کے بورڈ کا بٹن دبا کر انرجی سیور روشن کیا۔

اور مظفر کو لانے وین کی طرف بڑھا اسی وقت اس کی نگاہ گلی کے کونے سے نکلتے مظفر پر پڑی شکار ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر وہ گندے پانی کی پرواہ کئے بغیر دوڑا ادھر مظفر بھی اسے اپنی طرف آتا دیکھ کر چیختے چلاتے ہوئے بھاگا۔

قاتل کی کوشش یہی تھی کہ مظفر اس کے ہاتھوں سے بچنے نہ پائے۔ کہ مظفر کی زندگی اس کی موت تھی تو مظفر جان بچانے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا کہ وہ جانتا تھا کہ اگر اس بار اس درندے کے ہتھے چڑھا تو اس کا حشر بھی رضوان کی طرح ہوگا۔ بھاگنے کے دوران وہ پلٹ کر بار بار قاتل کی طرف بھی دیکھ رہا تھا جو کسی عفریت کی طرف اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا اور ان کے بیچ فاصلہ لحہ بہ لحہ کم ہوتا جا رہا تھا بھاگتے بھاگتے اچانک قاتل راستے میں پڑی اینٹ سے ٹھوکر لگنے کے باعث منہ کے بل گرا اچانک بھاگتے ہوئے اسے گرنے سے اچھی خاصی چھوٹ لگی تھی اس دوران مظفر دوسری گلی میں داخل ہو کر ایک گھر کا دروازہ بجا رہا تھا کچھ دیر بعد جیسے ہی دروازہ کھلا وہ اندر جا گھسا۔ یہ ساتھ ستر سالہ نحیف ونزار بوڑھا تھا جو حیرت سے خوف زدہ مظفر کو دیکھ رہا تھا۔ ''کون ہو تم؟'' بوڑھے نے سرسراتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

بابا وہ مجھے مار ڈالے گا اس نے رضوان کو بھی میرے سامنے بڑی بے رحی سے مارا تھا وہ روتے روتے بولا تو بوڑھے نے دروازہ بند کیا اور اسے لئے ہوا ایک کمرے میں آ گیا کمرے میں بان کی دو چار پائیاں بچھی ہوئی تھیں جن پر میلے کچیلے بستر موجود

تھے بوڑھے نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا اب بتاؤ کیا بات ہے؟ مظفر نے اسے ہچکیوں میں اپنی روداد سنا ڈالی ادھر قاتل اٹھ کر مظفر کے تعاقب میں دوسری گلی میں داخل ہوا مگر اس کا یہاں نام ونشان تک نہ تھا اسی اثناء میں اس کی نگاہ کیچڑ میں بنے پاؤں کے نشانات پر پڑی یہ کسی بچے کے پاؤں کے نشان تھے جو گلی میں آ کر جا کر ختم ہوگئے تھے وہ زہریلے انداز میں مسکراتے ہوئے بڑبڑایا۔ حرام زادے اس روز تو مجھے دیکھ کر بے ہوش ہوگئے تھے اور آج کتنی ہوشیاری سے بھاگ رہا ہے خیر بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔" وہ پاگلوں کی طرح اپنے آپ سے باتیں کرتا ہوا ایک مکان کے دروازے پر پہنچا اور دستک دی جب کچھ دیر تک دروازہ نہ کھلا تو وہ زور زور سے بجانے لگا۔

"اسے رکو کیا دروازہ توڑو گے۔" کسی کی آواز سنائی دی اور پھر دروازہ کھلا اور ایک نحیف ونزار بوڑھا نمودار ہوا۔ "کیا ہے؟" اس نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

"بابا میرا شریر بیٹا بھاگ کر آپ کے گھر میں جا گھسا ہے دراصل آج اسکول نہ جانے پر میں نے اس کی پٹائی کی تھی ناں۔" وہ شریر بیٹے کے باپ کی طرح دکھ بھرے لہجے میں بولا اس وقت وہ شریف انسان ہی دکھائی دے رہا تھا۔ "یہاں کوئی نہیں آیا۔" کہتے ہوئے بوڑھے نے دروازہ بند کردیا قاتل کچھ دیر وہاں کھڑا رہا۔ پھر گلی کے کونے میں چلا گیا۔ کب تک چھپاؤ گے بوڑھے اس نے ایک بار پھر خود کلامی کی۔ اسی وقت اس کا موبائل فون بجا۔ اس نے موبائل فون جیب سے نکالا اور کال ریسیو کی۔ دوسری طرف کی بات سنتے ہی اس کا چہرہ غصے سے سرخ پڑ گیا مگر دھیمے لہجے میں بولا۔ "آ رہا ہوں۔" یہ کہتے ہی اس نے رابطہ منقطع کیا اور وہاں سے چل پڑا۔

☆......☆......☆

زوہیب حسن پولیس حراست سے بھاگنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے وہ ایک مسافر بس میں جا چڑھا اور ریلوے اسٹیشن جا پہنچا پلیٹ فارم پر وقت گزارنے کے دوران اسے یہی دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں وہ پکڑا نہ جائے مگر خیریت گزری ایسا کچھ نہیں ہوا رات نو بجے کے قریب اس نے پلیٹ فارم پر بنے ایک PCO سے پروفیسر کو کال کی۔ سلام کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے بے تابی سے پوچھا۔" زوہیب یہ سب کیا ہے؟"

سر میں خود نہیں جانتا میں تو عینی کے گھر مظفر کی مزاج پرسی کے لئے گیا تھا وہاں مظفر مجھے دیکھتے ہی ڈر اور خوف سے قاتل کہتے ہوئے بے ہوش ہوگیا اور مجھے رضوان کے قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا، سر پولیس اسٹیشن میں مجھ پر انسانیت سوز تشدد کیا گیا آج جب مجھے وہ کورٹ پیش کرنے لے جا رہے تھے تو میں بھاگ نکلا۔

زوہیب نے وضاحت سے کہا تو پروفیسر کی آواز ابھری۔ "پولیس حراست سے بھاگ کر تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے اب تمہیں ہی قاتل سمجھا جائے گا بہتر یہی ہے کہ تم میرے پاس آ جاؤ میں ایوب خان سے بات کرتا ہوں وہ بہت ہی قابل وکیل اور میرا گہرا دوست ہے ویسے اس وقت تم کہاں ہو؟"

"سر میں ریلوے اسٹیشن پر ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"تم کسی طرح یہاں آ جاؤ۔" پروفیسر نے حکم دینے والے انداز میں کہا اور بات سنے بغیر رابطہ منقطع کردیا۔

ریلوے اسٹیشن سے نکلا تو ٹائم گیارہ سے اوپر ہو رہا تھا۔ اسٹاپ پر ایک بس کھڑی تھی جس میں مسافر چند ہی تھے پسنجر کے انتظار میں بس کافی دیر بعد وہاں سے روانہ ہوئی۔ نصف شب کے قریب جب سگنل کی بتی سرخ ہونے پر بس رکی تو وہ غیر ارادی طور پر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

اسی وقت ایک پولیس موبائل سڑک کی دوسری طرف رکی۔ پولیس موبائل میں چار پانچ پولیس اہلکار موجود تھے۔ آگے ڈرائیور کے ساتھ ASI شوکت مرزا بیٹھا تھا اس کی نگاہ جیسے ہی کھڑکی سے جھانکتے

زوہیب حسن پر پڑی تو اس نے دائیں ہاتھ سے بس کی طرف اشارہ کیا اور چلایا۔ ”پکڑو اسے زوہیب بھی اسے دیکھ چکا تھا پولیس اہلکار موبائل سے اتر کر سڑک کی دوسری طرف سے بس کی طرف دوڑ رہے تھے زوہیب بجلی کی سی سرعت سے بس سے اترا اور ایک طرف بھاگا۔ اسی وقت سگنل کی بتی گرین ہوئی اور سڑک پر موجود ٹریفک رواں دواں ہوگیا گاڑیوں کے اژدھام کی وجہ سے پولیس اہلکاروں کو سڑک کی دوسری طرف پہنچنے میں کافی مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ جب کہ شوکت مرزا چلتی ہوئی ٹریفک کے درمیان بھاگتا ہوا سڑک کی دوسری طرف پہنچ چکا تھا۔ اور اکیلے ہی زوہیب کا پیچھا کررہا تھا۔

زوہیب شوکت مرزا سے پیچھا چھڑانے کے لئے فٹ پاتھ سے ہوتا ہوا ایک ایک گلی میں جا گھسا اور مختلف گلیوں سے ہوتا ہوا ایک پوش علاقے میں داخل ہوا۔ ایک گلی میں مڑتے وقت اس نے پلٹ کر دیکھا شوکت مرزا کسی بھوت کی طرح اس کے پیچھے دیکھ رہا تھا بھاگتے ہوئے وہ ایک دوسری گلی میں داخل ہوا کافی آگے جا کر وہ گہری سانس لے کر رہ گیا یہاں راستہ مسدود تھا آگے گلی بند تھی اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے ایک گھر کی دیوار پھلانگی اور اندر داخل ہوگیا۔

یہ خوب صورت طرز کا ون یونٹ بنگلہ تھا احاطے کی دیوار کے ساتھ مختلف اقسام کے پھولوں کی کیاریاں تھیں وہ ایک کیاری کی آڑ میں جا گھسا۔ اسی وقت اس کی نگاہ کچھ فاصلے پر موجود وہیل چیئر پر پڑی جس پر ساٹھ ستر سالہ بزرگ خاتون موجود تھیں انہوں نے شال اوڑھ رکھی تھی اور دائیں ہاتھ میں تسبیح موجود تھی رات نصف سے زائد بیت چکی تھی ایسے وقت میں اس بزرگ خاتون کا وہاں موجود ہونا تعجب خیز بات تھی کچھ ہی دیر بعد ڈور بیل کی اواز سنائی دی۔

”ثریا دروازہ کھولو۔“ بزرگ خاتون نے زور سے آواز لگائی بیل بجتی رہی اور وہ بزرگ خاتون ثریا کو پکارتی رہیں پانچ دس منٹ بعد نیند میں بوجھل آنکھیں لئے ایک حسین وجمیل لڑکی نمودار ہوئی جسم سے چسپاں چست لباس سے گویا اس کے نشیب وفراز باہر چھلک رہے تھے وہ بڑبڑاتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی اور دروازہ کھول دیا۔ ”ثریا ابھی کچھ دیر پہلے یہاں آیا تو کوئی نہیں۔؟“ ایک مردانہ آواز سنائی دی آواز پہچان کر زوہیب کے اوسان خطا ہوگئے بلاشبہ یہ شوکت مرزا ہی کی آواز تھی پھر وہ دکھائی بھی دیا پولیس یونیفارم میں ملبوس شوکت کا سانس پھولا ہوا اور جسم پسینے میں شرابور تھا کچھ یہی کیفیت چند لمحے پیشتر زوہیب کی بھی تھی کیاری کی آڑ میں چند لمحے دبکا رہنے سے اب وہ کافی بہتر تھا اور تقریباً سانس روکے وہیں دبکا بیٹھا تھا ذرا سی غفلت سے وہ دوبارہ آہنی سلاخوں کے پیچھے جاسکتا تھا وہ اس وقت کو کوس رہا تھا جب وہ چھپنے کی غرض سے اس گھر میں داخل ہوا تھا مگر اسے کیا پتہ تھا کہ یہ شوکت مرزا کا گھر ہے۔ کیاری کے پیچھے بیٹھے بیٹھے اس کی نظر ثریا پر پڑی جس نے بزرگ خاتون سے نظر بچا کر آنکھ ماری اور شوکت مرزا زیر لب مسکرایا۔

”کیا ہوا شوکت کسے ڈھونڈ رہے ہو؟“ بزرگ خاتون نے وہیل چیئر آگے سرکاتے ہوئے پوچھا۔

”وہ بزرگ خاتون کی طرف بڑھا اماں ایک خطرناک قاتل جو پچھلے روز پولیس حراست سے فرار ہوا تھا وہ اسی علاقے میں کہیں چھپ گیا ہے میں اس کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک آیا ہوں۔ آپ لوگ بھی ہوشیار رہنا۔“ وہ کہتا ہوا عجلت میں وہاں سے رخصت ہوا۔

”آپ کو کمرے میں لے جاؤں۔“ ثریا نے بزرگ خاتون سے پوچھا تو انہوں نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ ”نہیں میں خود چلی جاؤں گی۔“

”اچھا تو پھر میں سو رہی ہوں۔“ وہ اٹھلاتی ہوئی اندر غائب ہوگئی جب کہ وہ ادھر ادھر دیکھتی ہوئی تسبیح پڑھتی رہیں دس پندرہ منٹ بعد انہوں نے کیاری کی طرف دیکھا اور آواز لگائی۔

”اب باہر آجاؤ شوکت جاچکا ہے۔“ اور ثریا

بھی سوگئی ہوگی۔

زوہیب حسن دھک سے رہ گیا وہ یقینی اسی سے مخاطب تھیں اس کا مطلب ہے وہ اسے پہلے ہی کیاری کے پیچھے چھپتا دیکھ چکی تھیں تو پھر انہوں نے اپنے بیٹے کو اس کے بارے میں کیوں نہیں بتایا حالانکہ وہ انہیں آگاہ کرچکا تھا کہ فرار ہونے والا خطرناک قاتل ہے یہ سوال الجھا دینے والا تھا۔

بہرحال دل کڑا کرکے وہ کیاری سے نکلا اور ان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ ''تم تو شکل وصورت سے معصوم اور بھولے بھالے دکھتے ہو پھر شوکت نے تمہیں قاتل کیوں کہا۔؟'' انہوں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ماں جی آپ یقین جانیں میں نے کوئی جرم نہیں کیا میں تو اس شہر میں اپنی بہن کے قاتل کی تلاش میں آیا تھا کہ حالات کی گردش نے مصیبت میں پھنسا دیا۔'' اس نے نظریں جھکا کر دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

لفظ ماں جی سن کران کا چہرہ کھل اٹھا۔ آؤ میرے ساتھ۔'' وہ بولیں اور ویل چیئر سرکاتی ہوئی ایک کمرے کے دروازے پر رکیں ان کے اشارے پر زوہیب حسن نے دروازہ کھولا اور ویل چیئر دھکیلتا ہوا کمرے میں داخل ہوا یہ بارہ بائی پندرہ کا آراستہ بیڈروم تھا جس میں ضروریات زندگی کی تقریباً ہر شے موجود تھی اس نے ان کے اشارے پر دروازہ لاک کیا اور انہیں سہارا دے کر بیڈ پر بیٹھا دیا جب کہ خود بیڈ کے قریب موجود کرسی پر جا بیٹھا۔

''بیٹا جب تم کیاری میں چھپ رہے تھے تو اسی وقت میں نے تمہیں دیکھ لیا تھا مگر نہ جانے کیوں تمہارے بارے میں شوکت کو نہ بتا سکی۔ شاید تمہاری معصوم اور بھولی بھالی شکل وصورت کی وجہ سے یا پھر تم شرجیل سے مشابہ ہو۔ وہی شکل وصورت وہی نقش ونگار اگر آج ہوتا تو بالکل تمہارے جیسا ہوتا۔'' شرجیل کا نام ادا کرتے وقت ان کے لہجے میں گہرا دکھ تھا۔

ان کے استفسار پر زوہیب حسن نے انہیں اپنی سرگزشت سنا ڈالی اور پوچھا۔ ''ابھی آپ شرجیل کا نام لیتے ہوئے اداس ہوگئی تھیں۔ شرجیل کون تھا؟''

انہوں نے گہری سرد آہ بھری۔ ''شرجیل میرا بیٹا تھا اس وقت اگر وہ حیات ہوتا تو تمہاری ہی طرح ہوتا تمہاری شکل وصورت اس سے بہت ملتی جلتی ہے شاید اسی بابت میں نے تمہیں گرفتار نہیں ہونے دیا اور بیٹے سے جھوٹ بولا۔''

وہ اپنی داستان حیات سنانے لگیں۔ ''بلقیس خانم اور کامران مرزا کی محبت کی شادی تھی کامران مرزا پولیس انسپکٹر تھے ان کی محبت کی نشانی ان کا اکلوتا بیٹا شرجیل تھا ان دنوں شرجیل دس گیارہ سال کا تھا جب وہ پنجاب گئے بلقیس خانم کے بھانجے وقاص کی شادی تھی ہفتہ بھر وہ وہیں رہے اور شادی کے ہنگامے سرد ہونے پر وہاں سے روانہ ہوئے لاہور ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر وہ ٹرین کا انتظار کر رہے تھے کہ شرجیل کا ایک ہم عمر لڑکا روتا ہوا ان کے قریب آیا اس نے ماں کہہ کر بلقیس خانم سے کھانا مانگا اور کہا کہ وہ دو روز سے بھوکا ہے۔

بلقیس خانم کے استفسار پر اس نے بتایا کہ وہ یتیم ہے ماں باپ دونوں مرچکے ہیں تب انہوں نے اسے بیٹا بنانے کا فیصلہ کرلیا اور طے کیا کہ اسے شرجیل کی طرح بیٹا سمجھیں گی کامران مرزا نے بھی ان کی تائید کی اس لڑکے کا نام شوکت تھا بعد میں بلقیس خانم نے مرزا کا اضافہ کیا اور وہ شرجیل کا بھائی بن کر رہنے لگا اور اسی اسکول میں پڑھنے لگا جس میں شرجیل زیر تعلیم تھا۔

اسی طرح دو سال گزر گئے دونوں بچے تقریباً ہم عمر تھے شرجیل کی عمر تیرہ سال کی تھی جب وہ حادثہ پیش آیا شرجیل اور شوکت اسکول کی طرف سے سمندر کی سیر کو گئے ٹیچرز اور اسکول کے دیگر بچے بھی ساتھ تھے کچھ بچے نہانے لگے ان میں شوکت اور شرجیل بھی تھے جو نہاتے ہوئے آگے چلے گئے دونوں ہی ڈوب گئے شوکت کو بچا لیا گیا جبکہ شرجیل کی لاش دوسرے روز

سمندر سے ملی۔ دونوں میاں بیوی صدمے سے نڈھال تھے کامران مرزا بیٹے کی موت کے بعد سے گم صم رہنے لگے وہ اکثر گھنٹوں گھر کی چھت پر بیٹھے رہتے۔

ایک روز شام کے وقت جب وہ چھت پر تھے ان کی کربناک چیخ سنائی دی بلقیس خانم کمرے سے گھبرا کر نکلیں تو چکرا کر رہ گئیں کامران مرزا کی لاش نیچے پڑی تھی انہوں نے بیٹے کے غم میں خودکشی کر لی لوگ یہی کہتے تھے۔ شوکت مرزا کو بلقیس خانم نے سگے بیٹے کی طرح پالا بلقیس خانم کی بھی خواہش تھی اور پھر شوکت بھی یہی چاہتا تھا وہ ذہین اور قابل نوجوان تھا اس لئے باآسانی پولیس ڈپارٹمنٹ میں سلیکٹ ہو گیا۔''

اپنی روداد بیان کرتے ہوئے ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

زوہیب اٹھا اور انگلی کے پوروں سے ان کے آنسو صاف کئے۔ ''ماں جی آپ خود کہتی ہیں میں شرجیل جیسا ہوں تو یوں سمجھیں میں شرجیل ہی ہوں آپ کا بیٹا۔'' انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہیں شرجیل کی تصویر دکھاتی ہوں۔''

زوہیب نے ان کے اشارے پر الماری سے البم نکالی یہ خاصی اچھی البم تھی پہلی تصویر ایک خوب صورت جوڑے کی تھی مرد جو کہ پولیس یونیفارم میں ملبوس تھا خاصا ہینڈسم اور خوبرو تھا جبکہ عورت جو کہ یقیناً بلقیس خانم ہی تھیں وہ بھی کم نہ تھیں۔ ''یہ کامران اور میں ہیں انہوں نے بتایا شرجیل کی موت کے اگلے برس ہی انہوں نے بھی مجھے اس دنیا میں اکیلا چھوڑ دیا اور خود چلے گئے کامران بیٹے کی موت کے بعد سے بہت اداس رہنے لگے تھے اور اکثر چھت پر گھنٹوں بیٹھے رہتے ایک روز نہ جانے کیسے چھت سے گر پڑے لوگ کہتے ہیں بیٹے کی موت کے دکھ سے انہوں نے خودکشی کر لی تھی لیکن نہ جانے کیوں مجھے یقین نہیں تھا کامران مضبوط اعصاب کے مالک تھے بیٹے کی موت کے بعد سے خاموش رہنے لگے تھے۔ مگر خودکشی جیسا اقدام اٹھائیں گے ایسا میں نے سوچا بھی نہ تھا۔'' وہ ایک بار پھر اداس نظر آنے لگیں۔

زوہیب البم دیکھنے لگا اگلی تصویر بارہ تیرہ سالہ بچے کی تھی جس میں واقعی زوہیب کی شباہت تھی یہ شرجیل ہے بلقیس خانم نے بتایا اور غور سے بیٹے کی تصویر دیکھنے لگیں اگلی تصویر میں دونوں میاں بیوی دو بچوں کے ساتھ موجود تھے ان میں سے ایک شرجیل اور دوسرا اسی کا ہم عمر تھا یہ شوکت مرزا ہے انہوں نے بتایا وہ کافی دیر تک ان سے باتوں میں مصروف رہا باتوں ہی باتوں میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔

اور فجر کی اذان کی آواز سنائی دی اس کے ساتھ ہی بیڈ روم کے دروازے پر دستک ہوئی اور ثریا کی آواز سنائی دی ماں جی کس سے بات کر رہی ہیں زوہیب گھبرا کر اٹھا اور متوحش نگاہوں سے بیڈ روم کے مقفل دروازے کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگا۔ ''کیا ثریا جان چکی ہے کہ میں کمرے میں ہوں۔ اگر ایسا تھا تو اس کی سلامتی خطرے میں تھی۔'' دروازے پر ایک بار پھر دستک ہوئی ۔ ''دروازہ کھولیں مجھے لگا ہے وہ قاتل آپ کے کمرے میں ہے۔'' ثریا کا اگلا جملہ سنتے ہی زوہیب حسن کا سانس جیسے رکنے لگا۔

ابھی مظفر بوڑھے کو اپنی روداد بیان کر رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی دستک خاصے جارحانہ انداز میں ہو رہی تھی ایسا لگ رہا تھا کہ دستک دینے والا کا ارادہ دروازہ توڑنے کا ہے بوڑھا کمرے سے باہر نکلا کچھ دیر بعد لوٹا تو کہنے لگا۔ ''وہی درندہ تھا فکر مت کرو وہ چلا گیا ہے ابھی رات بہت زیادہ ہے میں صبح سویرے ہی تمہیں تمہارے گھر پہنچا دوں گا۔''

مظفر دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ قاتل دوبارہ نہ لوٹ آئے جب خاصی دیر گزر گئی تو اسے اطمینان ہونے لگا۔ ''بابا آپ اکیلے رہتے ہیں؟'' مظفر نے معصومانہ انداز میں پوچھا۔

بوڑھے نے اداس لہجے میں جواب دیا ۔ ''بیوی پچھلے برس ہی انتقال کر گئی ہے دو جوان بیٹے

ہیں خود روکھی سوکھی کھائی انہیں اچھا کھلایا پلایا خود پھٹے پرانے کپڑے پہنے انہیں کسی چیز کی کمی کا احساس نہ ہونے دیا کولہو کے بیل کی طرح دن رات محنت مشقت کرکے انہیں پڑھایا لکھایا جب جوان ہوئے تو شادی کے بعد انہیں ماں باپ بوجھ لگنے لگے اور پھر وہ اپنی اپنی بیویوں کو پیارے ہوگئے ماں باپ کو بوجھ سمجھنے لگے اور ایک ایک کرکے مجھے اکیلا چھوڑ گئے مگر بیٹا تم اچھے بچے ہو ایسا مت کرنا ماں باپ کے فرمانبردار رہنا کہ ماں کے پاؤں تلے جنت ہے تو باپ جنت کا دروازہ ہے اور پھر یہ دنیا مکافات عمل ہے جیسا بیج بوؤگے ویسا ہی پھل کھاؤگے خود میں نے بھی اپنے والدین کے ساتھ یہی کیا تھا ایسے ہی اپنے والدین کو بڑھاپے میں اکیلا چھوڑا اور پھر بڑھاپے میں خود میرے ساتھ بھی یہی ہوا۔''

بوڑھے کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھ کر مظفر تڑپ اٹھا۔''باباجی روئیں مت میں ایسا نہیں کروں گا۔'' باتوں ہی باتوں میں ننھے مظفر کو نیند آگئی۔

فجر کی اذان کے ساتھ بوڑھے نے اسے جگایا اٹھو بیٹا نماز پڑھ لو گیارہ سال کی عمر میں نماز فرض ہوجاتی ہے مظفر کے لئے یہ باتیں نئی تھیں اس کے پیرنٹس صرف اس کی اسکول کی تعلیم پر توجہ دیتے تھے مدرسہ کبھی وہ گیا نہیں تھا خود بھی مہینوں بعد نماز پڑھتے اسے تو نماز کے بارے میں سمجھانے کی نوبت ہی نہ آئی بوڑھے نے اسے وضو کا طریقہ سکھایا اور اس کے ساتھ ہی نماز پڑھی نماز پڑھ کر اس نے دل کی گہرائیوں سے دعا کی۔''یا اللہ میری زندگی تیرے ہی اختیار میں ہے مجھے اس درندے سے بچا۔''

نماز پڑھنے کے بعد بورھے نے چائے تیار کی اور کہا۔''تم بیٹھو میں تمہارے لئے ناشتے کے لئے کچھ لاتا ہوں وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

بیرونی دروازہ کھلوا کر کوئی اسے دھکیلتا ہوا اندر گھس آیا یہ وہی قاتل تھا جس کے بائیں ہاتھ میں خنجر موجود تھا۔

''تم؟'' بوڑھے نے غصے سے کہا ہی تھا کہ قاتل کا خنجر والا ہاتھ تیزی سے حرکت میں آیا اور خنجر دستے تک بوڑھے کے سینے میں عین دل کے مقام پر پیوست ہوگیا۔ اگلے ہی لمحے قاتل کمرے میں پہنچ کر مظفر کو کلوروفام میں بھیگے رومال سے بے ہوش کرچکا تھا۔

''تمہیں تو میں رضوان کی طرح تڑپا تڑپا کر ماروں گا کہ تم نے مجھے بھگایا بھی بہت ہے۔'' اس نے غصے سے بڑبڑاتے ہوئے بستر سے چادر گھسیٹ کر مظفر کو چادر میں لپیٹا کندھے پر لاد کر گھر سے باہر نکلا، گلی کے سرے پروین کے بجائے مہران کار کھڑی تھی اس نے بے ہوش مظفر کو عقبی سمت لٹا کر چادر سے اچھی طرح ڈھانپا اور تیز رفتاری سے وہاں سے روانہ ہوگیا۔

☆......☆......☆

زوہیب حسن کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ اگر ثریا جان چکی ہے کہ وہ کمرے میں ہے تو پھر اس کا یہاں سے بچ نکلنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے بلقیس خانم نے شاید اس کی کیفیت بھانپ لی تھی غصے میں چلائیں۔''میں بھلا کس سے باتیں کروں گی اپنے آپ سے باتیں کررہی ہوں کہ تنہائی کا احساس کم ہوجاؤ اپنے کمرے میں سوجاؤ۔'' ثریا کے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔''بڑھاپے میں اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ میں اپنے گھر جارہی ہوں امی کی طبیعت خراب ہے۔ گھر سے فون آیا ہے۔'' وہ غصے سے بڑبڑائیں۔''یہ آفت کی پرکالا بڑی حرافہ ہے شوکت بظاہر اسے میری دیکھ بھال کے لئے لایا ہے میں جانتی ہوں یہ کیا گل کھلا رہی ہے۔ اکثر اسی طرح صبح سویرے یا رات گئے نکل جاتی ہے نہ جانے کہاں اور کس کے پاس جاتی ہے بیٹا تم کچھ دیر بعد چلے جانا اور ادھر ادھر کا دھیان رکھنا ثریا بہت چالاک ہے۔ اگر اسے تمہاری یہاں موجودگی کا ذرا بھی شک ہوا تو یہ شوکت مرزا کو فون کردے گی اور پھر شوکت کا بھی نہیں پتہ کہ کس وقت آجائے۔''

زوہیب حسن نصف گھنٹے بعد وہاں سے روانہ

ہوا تو انہوں نے رخصت کرنے سے پہلے ایک ماں کی طرح گلے لگا کر اس کی پیشانی چومی وہ بڑی احتیاط سے گھر سے نکلا اب اس کا ارادہ پروفیسر کے گھر جانے کا تھا کہ پروفیسر جلال محمود نے اپنے کسی وکیل دوست سے اس کے ملوانے کو کہا تھا۔

شوکت کے گھر سے نکلتے ہی اسے ٹیکسی مل گئی تھی شفیق موڑ پر مڑتے ہوئے اس کی نگاہ مہران کار پڑ جڑی فرنٹ سیٹ پر ثریا کو دیکھ کر وہ چونک پڑا ڈرائیونگ سیٹ پر گھنی داڑھی مونچھوں والا ایک شخص موجود تھا رنگت گہری سانولی اور ناک کے نتھنے پھیلے ہوئے اور دائیں گال پر بڑا سا مسہ تھا نظر کا چشمہ پہنے تھا عقبی نشست پر کوئی چادر اوڑھے سو رہا تھا اس شخص کی توجہ سامنے ہی تھی اور وہ کافی مضطرب نظر آرہا تھا۔

''ثریا اس شخص کے ساتھ کیا کر رہی ہے اور عقبی نشست پر کون چادر اوڑھے سو رہا ہے۔'' اس نے حیرت سے سوچا۔

مہران کار اس اثنا میں ٹیکسی کے قریب سے گزر کر کافی آگے جا چکی تھی اس کار کا اس طرح تعاقب کرو کہ اسے خبر نہ ہو۔ دراصل مہران کار میں میرا بہنوئی کسی اجنبی عورت کے ساتھ ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ میرے بہنوئی نے دوسری شادی کر رکھی ہے میں اسے رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتا ہوں اس نے کہتے ہوئے جیب سے پانچ سو کا نوٹ نکال کر ٹیکسی ڈرائیور کو تھما دیا۔ یہ تمہارا انعام ہے کرائے کے علاوہ ٹیکسی ڈرائیور اس کی وضاحت سے مطمئن ہوا یا نہیں پانچ سو کے نوٹ کے لالچ کی وجہ سے اس نے کوئی سوال کئے بغیر ٹیکسی مہران کے تعاقب میں لگا دی یہ تعاقب بھی کافی دیر تک جاری رہا ٹیکسی ڈرائیور واقعی اس مہارت سے مہران کا پیچھا کر رہا تھا کہ مہران والے کو تعاقب کی خبر نہ ہو سکی اور مہران کار کافی دور ایک سنسان میدانی علاقے کی کچی سڑک پر مڑی یہاں آبادی نہ ہونے کے برابر تھی فاصلے فاصلے پر چند مکان بنے ہوئے تھے جو غیر آباد تھے۔ ان سے کچھ فاصلے پر ایک عمارت تھی گاڑی گیٹ پر رکی۔ مہران والے نے چار پانچ بار ہارن بجایا اور گیٹ کھل گیا گیٹ کھولنے والا بڑی بڑی مونچھوں والا رائفل بردار شخص تھا مہران کار کے اندر جاتے ہی گیٹ دوبارہ بند ہو گیا زوہیب حسن نے ٹیکسی اس عمارت سے خاصی دور رکوائی تھی ڈرائیور کو کرایہ دے کر رخصت کیا اور آگے بڑھا اور چکر کاٹ کر عمارت کی عقبی سمت جا پہنچا احاطے کی دیوار کافی اونچی تھی کچھ فاصلے پر ایک پلاٹ پر بنیاد کے پتھروں کا ڈھیر تھا اس نے پتھر اٹھا کر لائے اور احاطے کی دیوار کے ساتھ چبوترا سا بنا کر اوپر چڑھا۔ عمارت میں سناٹے کا راج تھا۔ بظاہر تو یوں لگ رہا تھا کہ جیسے یہاں کوئی ذی نفس ہی موجود نہ ہو۔

وہ دیوار سے لٹک کر اندر کودا اور عمارت کی دیوار کے ساتھ آگے بڑھنے لگا گیٹ کی طرف جانے میں چوکیدار کے سامنے آنے کا خطرہ تھا۔ اس لئے وہ عقبی سمت میں ہی ایک کمرے کی کھڑکی کے سامنے رکا۔ پہلی کھڑکی اندر سے لاک تھی جب کہ خوش قسمتی سے دوسرے کمرے کی کھڑکی میں ہلکی سی درز دیکھ کر اس نے شیشہ سرکایا اور با آسانی اندر داخل ہو گیا۔ یہ بارہ بائی بارہ کا کمرہ تھا جس میں ڈبل بیڈ موجود تھا ایک طرف اسٹینڈ پر بڑا سا ڈیجیٹل کیمرہ موجود تھا۔

بیڈ کے اوپر چھت پر اور ارد گرد کی دیواروں پر سرچ لائٹس تھیں کمرہ کسی فلم اسٹوڈیو سے مشابہ تھا۔ ایک طرف بڑی سی الماری تھی اس نے آگے بڑھ کر الماری کا پلٹ کھولا اتفاق سے الماری لاک نہیں تھی۔ الماری کے ایک خانے میں درجنوں ڈسکیں موجود تھیں تو دوسرے خانے میں درجنوں نیگیٹو اور بڑی تعداد میں نوجوان عورتوں اور لڑکیوں کی تصویریں تھیں جو سب کی سب عریاں تھیں بعض تصاویر میں لڑکیاں تنہا تھیں اور بعض تصاویر میں ان کے ساتھ مرد بھی تھا مگر مرد کا چہرہ واضح نہیں تھا اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا یقینی طور پر یہ بلیک میلنگ کا مواد تھا۔ مگر ثریا کا اس بلیک میلر سے کیا تعلق اس نے حیرت سے سوچا اور کمرے سے باہر نکلا کوریڈور میں بھی کوئی ذی نفس موجود نہ تھا پہلے

دونوں کمرے لاک تھے جب کہ تیسرے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا پہلے جھانک کر اندر دیکھا کسی کو بھی نہ پا کر اندر داخل ہوا اس کمرے میں ایک طرف سنگل بیڈ اور الماری موجود تھی وہ کمرے کے وسط میں پہنچا ہی تھا کہ سرسراہٹ کی آواز ابھری اور اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس کے حلق سے بے اختیار چیخ نکل پڑی تھی۔

اگلے ہی پل وہ کمرے کے فرش پر پڑا کراہ رہا تھا یہ ہال نما کمرہ تھا اس سے کچھ فاصلے پر وہی عجیب سے حلیئے والا شخص اور ثریا کھڑے اسے استہزائیہ نگاہوں سے گھور رہے تھے ایک طرف ٹیبل پر کوئی لیٹا ہوا تھا جس کے اوپر سر سے پاؤں تک سفید چادر پڑی تھی قد و قامت سے وہ کوئی دس گیارہ سالہ لڑکا ہی لگ رہا تھا ایک طرف اوپر کی طرف سیڑھیاں جا رہی تھیں سیڑھیوں کے ساتھ لکڑی کی الماری موجود تھی بظاہر اس کمرے سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا اتنا تو وہ سمجھ ہی چکا تھا کہ وہ اس وقت کسی تہہ خانے میں موجود ہے اس طرح اچانک گرنے سے اسے اچھی خاصی چوٹ لگی تھی وہ بھی اس کی قسمت اچھی تھی کہ وہ سر کے بل نہیں گرا اور نہ ہی کوئی ہڈی پسلی ٹوٹی تھی۔ چوٹیں بھی اتنی گہری نہ تھیں کہ وہ اپنے قدموں پر کھڑا نہ ہو سکے اس کے اٹھتے ہی اس شخص نے نیفے میں اڑسا پسٹل نکال کر اس پر تان لیا۔

''تم نے اپنے آپ کو جیمز بانڈ سمجھا تھا کہ اس طرح میرا پیچھا کر کے مجھے زیر کر لوگے۔ جب تم ٹیکسی میں میرا تعاقب کر رہے تھے تب ہی میں تمہیں دیکھ چکا تھا مگر جان بوجھ کر انجان بنا رہا۔'' اس کی آواز عجیب سی بھرائی ہوئی تھی۔

''کون ہو تم؟ اور ٹیبل پر کون پڑا ہے۔ ویسے اتنا تو میں جان ہی چکا ہوں کہ تم کوئی گھٹیا قسم کے بلیک میلر ہو اور یہ لڑکی بھی یقیناً تمہاری ساتھی ہی ہے۔''

زوہیب حسن نے اسے غصے سے دیکھتے ہوئے پوچھا وہ اس پر پسٹل تانے الٹے قدموں پیچھے پلٹا اور ٹیبل پر پڑے لڑکے پر سے چادر سرکائی۔

زوہیب حسن حیرت سے اچھل پڑا۔ وہ لڑکا عینی کا بھائی مظفر تھا جو اس وقت بے ہوش پڑا تھا۔

''تم مجھے فراز بھی کہہ سکتے ہو ویسے میرا اصل نام یہ بھی نہیں ہے۔'' اس کی بات سنتے ہی زوہیب حسن کی کنپٹیاں سائیں سائیں کرنے لگیں اور جسم کا سارا خون سمٹ کر گویا آنکھوں میں اتر آیا نائلہ حسن کا قاتل اس کی نگاہوں کے سامنے موجود تھا۔ مگر یہ اس کے لئے تعجب کی بات بھی تھی کہ نائلہ جیسی خوب صورت اور ذہین لڑکی اس بن مانس شخص کے جال میں کیسے پھنسی۔

''زوہیب حسن گھبراؤ مت میں تمہیں سچائی بتائے بغیر نہیں ماروں گا میں ہی نائلہ کا قاتل ہوں اور پھر رومی اور رضوان کو بھی میں نے ہی مارا تھا بدقسمتی سے اس روز رضوان نے مجھے نائلہ حسن کا قتل کرتے دیکھ لیا۔ مگر میرے راستے میں چٹان حائل تھی اس لئے وہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔'' زوہیب حسن نے اسے قہر آلود نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''تم نے نائلہ کا خون کیوں کیا کیا بگاڑا تھا اس نے تمہارا؟''

اس نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔'' خاموش رہو بیچ میں مت بولو بیچ میں ٹوکنے پر مجھے غصہ آجاتا ہے یہ نہ ہو کہ تم سچائی جانے بغیر ہی دنیا سے رخصت ہو جاؤ۔''

زوہیب ایک بار پھر بول پڑا۔ ''تمہاری شکل وصورت ایسی ہے کہ کوئی بھول ہی نہیں سکتا پھر اس روز مظفر نے میری طرف اشارہ کر کے قاتل کیوں کہا اور مجھے دیکھتے ہی خوف و دہشت سے بے ہوش کیوں ہوا۔''

''تمہاری یہ الجھن بھی میں دور کر دیتا ہوں۔'' وہ پراسرار انداز میں مسکرایا اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے اپنے گلے کے قریب موجود معمولی سے ابھار کو چٹکی بھر کر کھینچا تو اس کے چہرے پر موجود ماسک اتر گیا اس کے ساتھ ہی وہ اپنے ناک کے نتھنوں سے اسپیرنگ بھی نکال چکا تھا زوہیب حسن اس کا صاف چہرہ دیکھ کر چکرا گیا اسے کمرے سمیت ہر شے نگاہوں

کے سامنے چکراتی ہوئی سی محسوس ہوئی اس کی نگاہوں کے سامنے اے ایس آئی شوکت مرزا موجود تھا۔ ''اب سمجھ آیا کہ اس روز تم کیسے پھنسے میں تمہیں نہ صرف بلکہ عینی کے گھر تک لے گیا بلکہ جب تم ڈرائنگ روم کی طرف جارہے تھے میں تمہارے پیچھے چل رہا تھا جب تم ڈرائنگ روم کے دروازے پر پہنچے تو میں تمہارے پیچھے محض چند فٹ کے فاصلے پر تھا کہ مظفر نے میرا چہرہ دیکھ کر چیخ ماری اور بہن سے لپٹ گیا اس نے اشارہ میری طرف ہی کیا تھا مگر تم مجھ سے آگے کھڑے تھے اس لئے سب غلط فہمی کا شکار ہوگئے اور میری یہی غلطی میرے حق میں بہتر ہوئی کہ مظفر خوف و دہشت سے بے ہوش ہوگیا ادھر عینی سمیت سب تمہیں ہی قاتل سمجھ رہے تھے میں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور تمہیں گرفتار کرکے تھانے لے آیا میری کوشش یہی تھی کہ یا تو تم تشدد سے گھبرا کر نا کردہ جرم قبول کرلو یا پھر میں اتنا تشدد کروں کہ تم زندہ ہی نہ رہو مگر تم بھاگ نکلے۔''

''مگر اتنے بے گناہ لوگوں کی جان لے کر تمہیں کیا ملا۔''

شوکت مرزا نے یوں برا سا منہ بنایا جیسے کوئی کڑوی گولی چبالی ہو۔ ''تم بیچ میں بولے بغیر نہیں رہ سکتے میرا بچپن محرومیوں میں گزرا گھر پر مجھے حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ مجھے صرف ڈانٹ اور مار پیٹ سے واسطہ پڑتا جب کہ میں ہر وقت آوارہ دوستوں کے ساتھ گھومتا پھرتا رہتا۔

ایک روز کھیل کے دوران میں نے چھوٹے بھائی کو تھپڑ مارا تو باپ نے میری اچھی خاصی پٹائی کی میں غصے سے گھر سے نکل گیا دو تین گھنٹوں بعد گھر آیا تو ماں باپ دونوں گھر پر نہیں تھے جب کہ چھوٹا بھائی درسی کتاب پڑھنے میں مشغول تھا میں نے صحن میں پڑا ایک مضبوط ڈنڈا نما لکڑی اٹھائی اور دس سالہ بھائی کے سر پر زوردار ضرب لگائی وہ یہ ضرب سہہ نہ پایا اور بے حس و حرکت ہوگیا مگر اس کے سر سے بہنے والا بھل بھلا خون مجھے عجیب سا سرور دے رہا تھا میں وہاں سے بھاگ نکلا اسٹیشن پر میری ملاقات کامران مرزا اور اس کی اہلیہ سے ہوئی میری جھوٹی کہانی سے متاثر ہوکر وہ مجھے اپنے گھر لے آئے ان دنوں میری عمر بارہ سال کے لگ بھگ تھی وہ مجھے شرجیل کی طرح ہی چاہتے تھے جب کہ شرجیل بلاوجہ بات بے بات مجھ سے الجھتا ایک روز جب ہم اسکول کی طرف سے پکنک پر ساحل سمندر گئے میں نے اسے نہانے پر اکسایا نہاتے ہوئے میں نے اسے اچانک گلے سے پکڑا اور دوسرے ہاتھ میں موجود وہ پتھر اس کے سر پر رسید کیا جو راستے سے ہی اٹھا کر میں اپنے لباس میں چھپا چکا تھا۔ اس کے سر سے بہنے والا خون دیکھ کر مجھے عجیب سی لذت کا احساس ہوا ہماری طرف اس وقت کوئی متوجہ نہ تھا میں نے نیم جان شرجیل کے سر کے بال پکڑے اور اس وقت تک پانی میں ڈبوئے رکھا جب تک کہ اس کا دم نہ نکل گیا ہو اس کی لاش سمندر کے پانی میں بہتی ہوئی دور چلی گئی۔

نہ جانے کیسے انسپکٹر کامران مرزا کو مجھ پر شک ہوا اس نے مجھ سے چند بار سختی سے باز پرس کی کہ شرجیل کیسے ڈوبا۔ میں نے اس کی تسلی کے لئے من گھڑت کہانی سنائی۔ مگر میں جانتا تھا کہ وہ مطمئن نہیں ہوا پھر میں نے اپنے راستے کا یہ کانٹا بھی دور کردیا۔

اس روز انسپکٹر کامران مرزا چھت کی منڈیر کے بالکل قریب کھڑا گہری سوچوں میں گم تھا کہ میں دبے قدموں چھت پر گیا اور عقب سے اسے زوردار دھکا دیا وہ منڈیر سے نیچے جا گرا لوگوں نے یہی فرض کیا کہ کامران مرزا نے بیٹے کے دکھ میں خودکشی کرلی۔

پھر کچھ روز بعد میں محلے کے ہی ایک لڑکے یاسر کو جو کہ بلاوجہ مجھ سے الجھتا تھا بہلا پھسلا کر ایک زیر تعمیر مکان میں لے گیا گھر کے کچن سے اٹھائی چھری میرے ہاتھ میں تھی اس کی چیخیں اور جسم سے بہتا لہو مجھے عجیب انوکھا سا سرور مل رہا تھا۔ گویا میں لڑکپن میں ہی چار قتل کرچکا تھا۔

میرا تعلیمی سلسلہ بھی جیسے تیسے جاری تھا۔ بائیس تئیس سال کی عمر میں میری ملاقات ثریا سے ہوئی یہ ایک

پسماندہ علاقے میں اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ اکیلی رہتی تھی اکیلی عورت پر ویسے ہی سب بری نظر ہی رکھتے ہیں اور پھر وہ خود بھی کون سی دودھ کی دھلی تھی مگر چالاکی سے خلوت کے لمحات کو کیمرے میں محفوظ کرکے بلیک میلنگ کے ذریعے اپنے شکار کو نچوڑ ڈالتی مجھے یہ کام بڑا پرکشش لگا یوں ہم مل کر بلیک میلنگ کا دھندہ کرنے لگے ان ہی دنوں میری ملاقات رمیض سے ہوئی جو بلیو فلموں کا کاروبار کرتا تھا۔

میں اپر کلاس کی خوب صورت لڑکیوں کو محبت کے جال میں پھنسا کر خفیہ کیمرے سے بلیو فلم بنالیتا اور پھر بلیک میل کرکے پیسے بٹورنے کے ساتھ ساتھ بلیو فلم رمیض کے ہاتھوں فروخت کردیتا انہی دنوں میری ملاقات نائلہ سے ہوئی، میں نے اس کی بلیو فلم بناڈالی اور بلیو فلم کی ڈسک اسے دے کر بلیک میل کرنا چاہا، میں نے اس سے 2لاکھ کا مطالبہ کیا تھا کہ میری معلومات کے مطابق نائلہ حسن کا تعلق جاگیردار گھرانے سے تھا توقع کے برخلاف نائلہ نے مجھے ساحل سمندر پر بلایا، میں سمجھا کہ شاید اس نے رقم کا بندوبست کرلیا ہے۔ مگر نائلہ نے اچانک ہی مجھ پر پسٹل تان لیا مجبوراً مجھے اسے قتل کرنا پڑا۔

رضوان نے اتفاق سے مجھے نائلہ کا خون کرتے دیکھ لیا اور بھاگ نکلا مگر جب کچھ روز تک کوئی ردعمل نہ آیا تو میں بے فکر ہوگیا کہ بچے نے کسی سے ذکر نہیں کیا ان دنوں میں بحیثیت اے ایس آئی پولیس ڈپارٹمنٹ میں سلیکٹ ہوچکا تھا۔

پھر زوہیب حسن تم آن پہنچے اتفاق سے ان ہی دنوں اس علاقے کے پولیس اسٹیشن میں میرا ٹرانسفر ہوا یہ جاننے کے بعد کہ نائلہ حسن کی بلیو فلم کی ڈسک رومی کے پاس ہے، میں نے رومی کا قتل کرکے ڈسک چھین لی۔

SHO صاحب نے مجھے رضوان سے پوچھ گچھ اور مجرم کا اسکیچ بنوانے کا حکم دیا کہ رضوان نائلہ کے قاتل کا چہرہ دیکھ چکا تھا۔ مگر قاتل تو میں خود تھا رضوان کے سامنے جاتا تو پہچان لیا جاتا اس لئے طبیعت کی خرابی کا بہانہ کرکے دو روز کی چھٹی لے کر تمہیں عینی کے گھر جاتا دیکھ کر میں نے پلان بنایا اگرچہ رسک تھا۔ میں دونوں بچوں کی ریکی کرکے ان کے معمول سے باخبر ہوا۔ اتفاق سے ایک روز بچوں کو لینے ڈرائیور نہ آیا اور میں نے بھیس بدل کر ٹیکسی چرائی اور بچوں کو بھلا پھسلا کر پولٹری فارم تک لے گیا میرا ارادہ دونوں بچوں کو قتل کرنے کا تھا اس طرح ایک تو میں چشم دید گواہ سے جان چھڑالیتا اور پھر میرے حیوانی جذبات کو بھی تسکین پہنچتی کہ کسی انسان کے جسم سے بہنے والا لہو مجھے عجیب سرور دیتا تھا۔ مجھ سے غلطی ہوئی کہ بچوں کے سامنے ماسک اتار دیا۔

مظفر بھاگ نکلا اور رضوان کو میں نے بڑی بے رحمی سے مارا پھر تمہیں دیکھ کر میں دانستہ تمہارے سامنے آیا تمہارے عقب میں مجھے دیکھ کر مظفر خوف ودہشت سے بے ہوش ہوا یوں تمہیں غلط فہمی کی وجہ سے قاتل سمجھ لیا گیا۔

تمہارے فرار کے بعد میں نے ڈاکٹر کا بھیس بدل کر مظفر کو اغوا کیا اور ثریا کے گھر لے گیا۔ ثریا کی بوڑھی ماں مر چکی تھی جب کہ ثریا ہمارے گھر رہ رہی تھی کبھی کبھار جب بلیو فلم کے سلسلے میں اس کی ضرورت پڑتی میں اسے رات کو بلوالیتا کہ ثریا بڑی بہترین اور ماہر کیمرہ وومن ہے میرا ارادہ مظفر کو ثریا کے گھر میں سسکا سسکا کر مارنے کا تھا مگر مظفر راستے سے ہی بھاگ کر اسی محلے کے ایک گھر میں جا چھپا۔

اسی دوران میرے سیل فون پر SHO کی کال آئی انہیں مظفر کے اغوا کی خبر مل چکی تھی وہ سمجھ رہے تھے کہ زوہیب حسن نے مظفر کو اغوا کیا ہے ان کے بلاوے پر میں نے وین وہاں سے لے جاکر ایک ویران راستے پر چھوڑی ویسے بھی وین چوری کی تھی۔ وین میں موجود یونیفارم پہنا اور پولیس اسٹیشن جا پہنچا۔ دراصل کسی مخبر نے SHO کو تمہاری ریلوے اسٹیشن میں موجودگی کی اطلاع دی تھی۔ ہم

پولیس موبائل میں ریلوے اسٹیشن جارہے تھے کہ تم پر نظر پڑی تم اس وقت بس میں موجود تھے مگر تم بھاگ کر میرے ہی گھر میں جا گھسے مگر ماں جی نے تمہیں پناہ دے دی۔ جس کا علم ثریا کو اس وقت ہوا جب صبح سویرے میں نے اسے کال کرکے بلایا یہ مجھ سے ملنے کے لئے اپنے کمرے سے نکلی اور ماں جی کو اطلاع دینے کی غرض سے ان کے کمرے کے دروازے پر پہنچی کہ اندر سے تمہاری باتوں کی آواز سنائی دی۔''

وہ بولتا جارہا تھا کہ زوہیب حسن نے ایک بار پھر مداخلت کرتے ہوئے نفرت بھرے لہجے میں کہا ۔''احسان فراموش اس عظیم عورت کو ماں کہتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی جس کے اکلوتے بیٹے کا تم نے خون کیا اس کا سہاگ اجاڑ ڈالا۔''

شوکت نے اسے غصے سے دیکھا اور سانپ کی طرح پھنکارا۔''اب اگر بیچ میں بولے تو میں اسی وقت بلا تامل تمہیں گولی ماردوں گا۔''

''ثریا نے مجھے بتایا مگر اس وقت میرے پاس وقت نہیں تھا مجھے مظفر کو قابو کرنا تھا کہ وہ اپنے گھر پہنچ جاتا تو میرا بچنا مشکل تھا ثریا گاڑی میں باہر موجود تھی میں نے بوڑھے کو موت کے گھاٹ اتارا اور مظفر کو بے ہوش کرکے گاڑی کی عقبی نشست پر ڈال دیا مگر تمہاری بدقسمتی کہ راستے میں مجھے دیکھ کر میرا پیچھا کرنے لگے۔ میں جان بوجھ کر انجان بنا رہا جیسے ہی تم اس کمرے میں داخل ہوئے اور عین اس جگہ کھڑے ہوئے جہاں تہہ خانے کا راستہ ہے میں نے لیور دبا دیا اور تم اس کمرے میں آگرے۔ اب میں مظفر کو قتل کروں گا بعد میں تمہاری باری ہے۔

مظفر رومی رضوان یہ سب قتل تمہارے سر پر ڈال دیئے جائیں گے اور میں آزادی کی زندگی بسر کرتے ہوئے عیش بھی کروں گا اور دولت بھی کماؤں گا۔''

اس کی غیر انسانی گفتگو سن کر خود زوہیب حسن کا خون کھولنے لگا تھا۔''شوکت اتنا تو میں جان ہی چکا ہوں کہ تم انسان کے روپ میں بھیڑیا ہو مگر میری ایک بات ضرور یاد رکھنا اللہ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے اور جب پڑتی ہے تو کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ اور پھر روز قیامت اپنے رب کو کیا منہ دکھاؤ گے۔''

شوکت نے استہزائیہ انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔''زوہیب حسن قیامت بہت دور ہے ابھی تو اپنے بارے میں سوچو کہ پسٹل میرے ہاتھ میں ہے جس کی نال کا رخ تمہاری طرف ہے تمہیں کون بچائے گا۔''

''میرا اللہ۔'' زوہیب حسن نے بے اختیار کہا۔

اچانک کمرے میں سیٹی کی آواز گونجی۔''یہ کون آ گیا؟'' شوکت نے ثریا کی طرف دیکھتے ہوئے پریشان لہجے میں کہا۔

ثریا بولی۔''میں دیکھتی ہوں۔'' اور الماری کی طرف بڑھی الماری کا ایک پٹا کھول کر اس نے دایاں ہاتھ اندر ڈال کر گھمایا تو سرر کی آواز سے چھت میں سیڑھیوں کے اوپر خلا نمودار ہوا وہ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی جیسے ہی باہر نکلی تہہ خانے سے باہر نکلنے کا راستہ خودکار طریقے سے خود بخود بند ہوگیا۔

کچھ دیر بعد دوبارہ تہہ خانے کا راستہ کھلا قدموں کی چاپ سن کر شوکت نے مڑ کر سیڑھیوں کی طرف دیکھا ایک پل کے لئے اس کی توجہ زوہیب پر سے ہٹی تھی زوہیب حسن تیزی سے حرکت میں آیا اور شوکت پر چھلانگ لگادی زوہیب کی یہ حرکت شوکت کے لئے غیر متوقع تھی وہ پشت کے بل گرا تو پسٹل ہاتھ سے نکل گیا زوہیب نے اٹھتے ہوئے شوکت کے سینے پر فرنٹ کک رسید کی وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑایا۔

اسی وقت اس کی نگاہ نیچے پڑے شوکت کے پسٹل پر پڑی۔ اس نے پسٹل اٹھا کر شوکت پر تان لیا۔ سیڑھیوں پر سب سے آگے عینی اس کے پیچھے کالج یونیفارم میں ملبوس ایک دبلی پتلی خوب صورت لڑکی اور ان سے پیچھے ثریا اتر رہی تھی۔

عینی ٹیبل پر پڑے مظفر کو دیکھ کر تڑپ کر آگے بڑھی اور جھنجھوڑنے لگی۔''مظفر اٹھو مظفر اٹھو۔'' مگر وہ بے حس وحرکت اسی طرح پڑا رہا۔''کیا کیا ہے تم نے

میرے بھائی کے ساتھ۔"
وہ زوہیب حسن کی طرف دیکھتے ہوئے غصے سے چلائی۔
اسی وقت اچانک شوکت چیخ کر بولا۔"زوہیب حسن چاہے تم مجھے جان سے مار ڈالو، میں تمہیں اس بچے کے قریب نہیں آنے دوں گا۔" وہ شوکت کی مکاری پر بھونچکا رہ گیا اور ٹریگر پر انگلی رکھ کر غصے سے غرایا۔
"بند کرو یہ ڈرامے بازی۔ عینی یہ درندہ جھوٹ بول رہا ہے یہی نائلہ کا قاتل ہے اور اسی نے رومی اور ضوان کا قتل کیا ہے مظفر کو بھی اسی نے اسپتال سے اغوا کیا تھا۔" اس نے عینی کو سچائی بتانے کی کوشش کی۔
غصے سے بھری ہوئی عینی آگے بڑھی اور زوہیب سے پسٹل چھین کر اسی پر تان لیا۔"جھوٹ تم بول رہے ہو قاتل تم ہی ہو اسی لئے اس روز مظفر تمہیں پہچان کر تمہاری طرف اشارہ کرتے ہوئے بے ہوش ہوا تھا۔ پھر تم پولیس حراست سے بھاگ نکلے اور آج رات ڈاکٹر کے بہروپ میں مظفر کو اسپتال سے اغوا کرلیا۔ جس روز تم پولیس حراست سے فرار ہوئے تھے اسی روز ٹی وی چینلو پر تمہارے فرار کی خبر کے ساتھ ساتھ تمہاری فوٹیج بھی نشر کی گئی تھی تم جس وقت ٹیکسی میں سوار الآصف اسکوائر سے گزر رہے تھے تمہیں کالج جاتی میری کزن فارینہ نے دیکھ لیا اور مجھے اپنے سیل فون سے کال کرکے اطلاع دی تب میں نے اسے تمہارا تعاقب کرنے کو کہا۔ یہ اپنی فراری میں تمہارا تعاقب کرنے لگی اسی اثناء میں خود بھی اپنی گاڑی میں نکل کھڑی ہوئی۔
راستے میں فارینہ تمہارا تعاقب کرتے ہوئے مجھے سیل فون پر گائیڈ بھی کرتی رہی اب میں خود تمہیں اپنے ہاتھوں سے گولی ماروں گی پولیس کے حوالے کیا تو تم پہلے کی طرح بچ نکلو گے۔" اشتعال کے عالم میں اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے زوہیب کو ڈر تھا کہ کہیں پسٹل چل نہ جائے۔
اسی وقت شوکت آگے بڑھا۔"عینی تم اس کے گندے خون سے کیوں اپنے ہاتھ رنگنا چاہتی ہو۔" اس نے چالاکی سے عینی سے پسٹل لیا اور زوہیب پر دوبارہ تان لیا۔"زوہیب حسن تمہارا کھیل ختم اور میرا کھیل دوبارہ شروع۔"
اسی لمحے مظفر کسمساتا ہوا ہوش میں آ کر اٹھا عینی پر نظر پڑتے ہی وہ ٹیبل سے اتر کر چیختا ہوا دوڑا۔"آپی بچاؤ۔" عینی نے خود سے لپٹے مظفر کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔"ڈرو مت ہم نے اس خونی کو پکڑ لیا ہے۔" اس نے نفرت سے زوہیب حسن کی طرف دیکھتے ہوئے اشارہ کیا۔
مظفر کی نظر زوہیب پر پسٹل تانے شوکت پر پڑی تو وہ ایک بار پھر چیخ پڑا اور تھر تھر کانپتے ہوئے شوکت کی طرف اشارہ کیا۔"آپی اس لڑکی اور رضوان کو اس پسٹل والے آدمی نے مارا تھا۔"
"کیا؟" عینی کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔"مگر اس روز تو تم نے زوہیب حسن کی طرف بے ہوش ہونے سے پہلے اشارہ کیا تھا۔"
شوکت قہقہہ مار کر ہنسا۔"محترمہ اس روز زوہیب حسن کے عقب میں، میں کھڑا تھا مجھ پر نظر پڑتے ہی یہ خوف و دہشت سے بے ہوش ہوا تھا اور تم لوگ زوہیب کو قاتل سمجھ بیٹھے جس کا فائدہ میں نے اٹھایا رضوان اور مظفر کا قتل جیسے جرم کا چشم دید گواہ یہ تھا اور اسے قتل کرنا ضروری تھا اب جب کہ سچائی تم بھی کھل چکی ہے تم دونوں بھی زوہیب کے ساتھ ہی اوپر جاؤ گی مگر پہلے میں تم دونوں کے حسین جسموں سے فیضیاب بھی ہوں گا اور پھر تمہاری بلیو فلم تو تہلکہ مچادے گی وہ خبیثانہ انداز میں ہنسا اور ثریا سے کہنے لگا۔" انکی خاطر مدارت کرنی ہے وحید اور راجو کو کہو سامان سمیت تہہ خانے میں آئیں۔" ثریا نے گریبان میں ہاتھ ڈال کر سیل فون نکالا اور نمبر ڈائل کر کے قدرے توقف سے بولی۔"وحید راجو کے ساتھ تہہ خانے میں آؤ کچھ مہمانوں کو اسٹوڈیو تک لے جانا ہے ہاں فلم شوٹ کرنے

کے انتظامات کرنے ہیں مگر خالی ہاتھ مت آنا۔"

کچھ دیر بعد تہہ خانے کا خفیہ راستہ کھلا اور دو رائفل بردار اندر داخل ہوتے ان میں سے ایک دراز قد اور دیوہیکل تھا جبکہ دوسرا پستہ قامت سیاہ رو شخص تھا دراز قد شخص وہی چوکیدار تھا جس نے شوکت اور ثریا کی آمد پر گیٹ کھولا تھا وہ انہیں رائفلوں کی زد میں لئے ہوئے تہہ خانے سے نکلے اور اس کمرے کے دروازے پر جا رکے جس میں بلیک میلنگ کا مواد اور ڈیجیٹل کیمرے سمیت فلم بنانے کے لوازمات موجود تھے۔

ثریا تم اور راجو ان لڑکیوں کو لے کر اسٹوڈیو میں جاؤ اور فلم شوٹ کرنے کے انتظامات کرو جب کہ میں اور وحید زوہیب اور مظفر کو مہمان خانے میں بیٹھا کر آتے ہیں۔" شوکت نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

دراز قد اور ثریا دونوں لڑکیوں کی چیخ و پکار کی پرواہ کئے بغیر انہیں دھکیلتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے جب کہ مظفر رونے لگا۔ "اے لڑکے چپ ورنہ ابھی اسی جگہ تمہیں کاٹ کر پھینک دوں گا۔" شوکت نے سفاک لہجے میں دھمکی دی تو مظفر خاموش ہوگیا ان دونوں کو کوریڈور کے آخری سرے میں واقع کمرے میں لے جایا گیا یہاں ایک طرف کنٹرول پینل کے ساتھ LCD موجود تھی۔ روشن اسکرین پر اس عمارت کے کمروں اور مختلف حصوں کے مناظر دکھائی دے رہے تھے شوکت نے مظفر اور زوہیب کو نیچے بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور وحید سے کہا۔ "انہیں رسی سے باندھ دے۔"

"شوکت، مظفر اور ان دونوں لڑکیوں کو جانے دو میں انہیں سمجھادوں گا وہ کسی کو تمہاری اصلیت نہیں بتائیں گی بے شک مجھے مار ڈالو۔" زوہیب نے اسے منت بھرے انداز میں سمجھانا چاہا تو وحید نے اسے رائفل کی نال سے دھکیلا۔ "خاموشی سے شوکت صاحب کی ہدایت پر عمل کرو ورنہ بچے سمیت تمہیں ابھی ہی گولیوں سے چھلنی کردوں گا۔" رائفل کی مہیب گن کے سامنے مزاحمت فضول تھی اس لئے زوہیب بلاچوں چرا اس کے حکم پر وہیں فرش پر بیٹھ گیا۔ مظفر پہلے ہی ایک طرف بیٹھ چکا تھا۔

شوکت کمرے سے باہر نکل گیا جبکہ وحید زوہیب کی طرف رائفل تانے چوکنا کھڑا تھا کچھ دیر بعد جب شوکت لوٹا تو اس کے ہاتھ میں نائلون کی رسی کا بنڈل تھا زوہیب کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھنے کے بعد اس کے پاؤں باندھ کر وہ مظفر کی طرف بڑھا اور اسے بھی اس طرح رسی سے مضبوطی سے باندھ دیا گیا پھر شوکت نے اسے کمرے میں موجود ایک کرسی پر بٹھایا اور کرسی کے ساتھ اس مضبوطی سے باندھا کہ اس کے لئے معمولی سی جنبش بھی ناممکن تھی۔ مظفر کو بھی ایک کرسی پر اس طرح باندھ دیا گیا کہ دونوں کی کرسیوں کا رخ اسکرین کی طرف کردیا گیا۔ پھر شوکت کنٹرول پینل کی طرف بڑھا اور چند بٹنوں سے چھیڑ چھاڑ کی اب اسکرین پر اسی کمرے کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ جسے وہ لوگ اسٹوڈیو کہتے تھے میرال اور فارینہ سہمی ہوئی ایک طرف کھڑی تھیں جب کہ راجو ان پر رائفل تھانے کھڑا تھا اور ثریا کیمرے سے برسرپیکار تھی۔ "اب تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے کہ بلیو فلم کیسے بنتی ہے لڑکیوں کی بلیو فلم بناتے ہی میں اس لڑکے کو اور تمہیں سسکا سسکا کر ماروں گا۔" وہ اپنے ناپاک عزائم ظاہر کرکے وحید سمیت کمرے سے باہر نکلا اور اسٹوڈیو میں پہنچ گیا۔ اب ان کے سامنے موجود LCD اسکرین پر اس کمرے کا منظر صاف دکھائی بھی دے رہا تھا اور سنائی بھی دے رہا تھا۔

شوکت کہہ رہا تھا راجو سب سے پہلے تمہاری باری ہے تم چہرے پر ماسک چڑھاؤ اور اس لڑکی کے ساتھ فلم بنواؤ۔" اس نے فارینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"عینی کے ساتھ فلم میں مرکزی کردار میں خو دادا کاروں گا۔" عینی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے نفرت سے ایک طرف تھوکا۔ "تم کیا سمجھتے ہو میں اتنی بے وقوف ہوں کہ بغیر کسی کو اطلاع دیئے فارینہ کے ساتھ زوہیب کا تعاقب کرتی ہوئی یہاں تک چلی آئی میں نے یہاں پہنچتے ہی ایس ایچ او شہباز خان کو یہاں کا

لوکیشن بناتے ہوئے زوہیب کی یہاں موجودگی کی اطلاع دے دی تھی۔ انہیں یہاں پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔''

زوہیب حسن کا دل چاہا کہ عینی کی اس حماقت پر بے اختیار اپنا سر پیٹ ڈالے بھلا اسے شوکت کو پولیس کے بارے میں بتانے کی کیا ضرورت تھی۔ چند لمحوں کے لئے اس کا چہرہ تاریک ہوا پھر اس نے چیخ کر ٹریا سے دونوں لڑکیوں کی تلاشی لینے کو کہا ٹریا نے دونوں کے لباس سے موبائل فون برآمد کر لئے اور شوکت کے کہنے پر دونوں موبائل آف کر دیئے۔''اب دیکھو میں کیا کرتا ہوں۔'' اس نے اپنی جیب سے موبائل فون نکالا اور شہباز خان کا نمبر ڈائل کیا۔

دوسری طرف سے کال ریسیو ہوتے ہی بولنے لگا سر مجھے گھنٹہ بھر پہلے عینی نے کال کر کے زوہیب حسن کی موجودگی کی اطلاع دی تھی مگر اس نے جو لوکیشن بتائی تھی وہاں نہ ہی عینی ہے اور نہ ہی زوہیب حسن اور پھر عینی کا نمبر بھی آف جا رہا ہے۔

دوسری طرف سے SHO شہباز خان نے کہا۔''شوکت پچھلے دنوں تم نے طبیعت کی خرابی کی وجہ سے چھٹی کی تھی اور پھر ان دنوں بھی تم ڈیوٹی ذمہ داری سے نہیں نبھا رہو۔ رات اس بچے مظفر کے اسپتال سے اغوا کے چند گھنٹوں بعد مخبر نے مجھے زوہیب حسن کی ریلوے اسٹیشن پر موجودگی کی اطلاع دی میں نے تمہیں سیل فون پر کال کر کے آگاہ کیا مگر تم اسے گرفتار نہ کر سکے حالانکہ تم خود پولیس پارٹی کے ہمراہ اسے دیکھ چکے تھے تمہارے ساتھی اہلکاروں کی رپورٹ کے مطابق تم زوہیب حسن کے پیچھے بھاگے تھے پھر نہ ہی زوہیب حسن پکڑا گیا اور نہ ہی تم نے رابطہ کیا تمہارا نمبر بھی آف جا رہا تھا۔'' شہباز خان کا لہجہ خاصا سخت تھا۔

''سر میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہو کہ میں زوہیب حسن کو کوشش کے باوجود گرفتار نہ کر سکا اور وہ خطرناک قاتل فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اسی دوران میرے سیل فون پر گھر سے کال آئی ماں جی کی طبیعت کی خرابی کے باعث مجھے جانا پڑا آج صبح بھی میں اسپتال میں تھا کہ عینی کی کال آئی اور میں وردی کے بغیر نکل کھڑا ہوا۔ مگر عینی کی بتائی ہوئی لوکیشن پر نہ ہی زوہیب حسن نظر آیا اور نہ ہی عینی ملی۔

بہر حال میرا وعدہ ہے میں چوبیس گھنٹے کے اندر اندر زوہیب حسن کو زندہ یا مردہ آپ کے سامنے پیش کروں گا۔'' اس نے مودب لہجے میں کہتے ہوئے رابطہ منقطع کیا اور عینی کی طرف دیکھتے ہوئے فاتحانہ انداز میں مسکرایا۔

''دیکھا تمہاری امیدوں کو میں نے کیسے خاک میں ملایا اب شہباز خان اس طرف نہیں آئے گا کیوں کہ وہ جانتا ہے شوکت فرض شناس پولیس آفیسر ہے جو جان پر کھیل کر بھی اپنا وعدہ نبھائے گا اور زوہیب حسن کو زندہ یا مردہ گرفتار کرے گا۔''

ادھر زوہیب حسن سمجھ چکا تھا کہ اب جو کچھ بھی کرنا ہے اسی کو کرنا ہے اگر شوکت اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب ہو جاتا ہے تو دونوں لڑکیوں کو بے آبرو کر کے موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد ان دونوں کو بھی قتل کرنے میں دریغ نہیں کرے گا۔

شوکت مرزا کے شہباز خان کو کال کرنے سے پہلے ہی زوہیب حسن نے جدوجہد شروع کر دی تھی۔ جھٹکا دے کر اس نے ایک طرف کرسی گرائی اس کوشش میں اسے ہلکی پھلکی چوٹیں بھی سہنا پڑیں۔ مگر زندگی کی بقاء کے لئے اسے جدوجہد کرنا ہی تھی۔''مظفر ہمارے پاس وقت بہت کم ہے اگر تم میرا ساتھ دو تو ہم کامیابی سے ہمکنار بھی ہو سکتے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کوشش میں تمہیں چوٹ بھی لگے مگر خیال رکھنا کہ اس دوران تمہاری آواز نہ نکلے۔''

مظفر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے اسی دوران زوہیب بندھی ہوئی ٹانگیں اس کی کرسی پر مار کر اسے بھی گرا چکا تھا۔ مظفر نے وعدے کا پاس رکھا اور گرنے سے چھوٹ لگنے پر آہستگی سے کراہا۔ زوہیب نے ایک بار پھر مظفر کی گری ہوئی

کرسی پر ٹھوکر رسید کی تو وہ بائیں طرف موجود دیوار کے ساتھ جا لگی۔ وہ اپنی اس کوشش میں بھی کامیاب رہا کہ اس کے بندھے ہوئے پاؤں مظفر والی کرسی کی طرف رہیں۔ اسی طرح دو تین زوردار ضربوں سے وہ مظفر والی کرسی توڑنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ ان کوششوں سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ کرسی سے بندھے مظفر کی بندشیں کافی ڈھیلی ہو چکی تھیں یہ الگ بات تھی کہ مظفر کو اس کوشش میں کافی درد اور اذیت سہنا پڑی تھی۔

مگر قتل کے خوف سے وہ با آسانی یہ اذیت جھیل گیا اور ذرا بھی چیخا چلایا نہیں۔ اس کی ان کوششوں کے نتیجے میں لکڑی کی کرسی ٹوٹنے کی آوازیں بھی سنائی دیں مگر زوہیب مطمئن تھا کہ شوکت اینڈ کمپنی نے یہ آوازیں نہ سنی ہوں گی کہ اسٹوڈیو نما کمرہ اس کمرے سے کافی دور تھا۔

''اب اس کرسی سے نکلنے کی کوشش کرو۔''

زوہیب حسن نے اسے ہدایت کی کرسی ٹوٹنے سے مظفر کے جسم سے بندھی رسی ڈھیلی پڑ گئی تھی اس لئے مظفر با آسانی ٹوٹی ہوئی کرسی سے الگ ہونے میں کامیاب ہو گیا مگر اب بھی مظفر کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔

''اب میرے پاؤں کی طرف آؤ اور دانتوں سے میرے پاؤں کے گرد بندھی رسی کی گانٹھ کھولنے کی کوشش کرو۔'' زوہیب حسین نے کہا تو مظفر لڑھکتا ہوا اس کے پاؤں کی طرف آیا اور دانتوں سے اس کے پاؤں سے بندھی رسی کی گانٹھ کھولنے کی کوشش کرنے لگا اسی دوران زوہیب حسن کی نظر اسکرین پر پڑی۔ سرچ لائٹس آن ہو چکی تھیں۔

اور ثریا کیمرے کے ساتھ تیار کھڑی تھی راجو ماسک پہنے فارینہ کی طرف بڑھا۔ ''جلدی سے کپڑے اتارو کیمرہ آن ہو چکا ہے۔''

ادھر وحید ایک طرف دیوار سے ٹیک لگائے سر جھکائے روتی عینی پر گن تانے کھڑا تھا جب کہ شوکت گاہے بہ گاہے عینی پر ہوس بھری نگاہ ڈالنے کے ساتھ ساتھ کسی ہدایت کار کی طرح راجو کو ہدایات دے رہا تھا وحید روتی بلکتی فارینہ کو بیڈ پر پھینک کر اس کا لباس اتارنے کی کوشش کر رہا تھا اس سے آگے دیکھنے کی زوہیب میں تاب نہ تھی۔

مظفر دانتوں سے اس کے پاؤں کے گرد بندھی رسی کی گانٹھ کھول چکا تھا اس نے پاؤں آزاد ہوتے ہی جھکے جھکے انداز میں عقب میں چل کر کرسی دیوار پر ماری دوسری کوشش میں وہ جسم سے بندھی کرسی سے نجات پانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

اسکرین پر دکھائی دینے والا منظر مظفر بھی دیکھ چکا تھا اس کے چہرے کے تاثرات سے زوہیب حسن اندازہ لگا چکا تھا کہ اب وہ چیخنے ہی والا ہے وہ مظفر کے عقب میں پشت کر کے کھڑا ہوا۔ ''اسکرین کی طرف مت دیکھو۔'' اسے ہدایت دیتے ہوئے اس نے مظفر کی پشت سے بندھے ہاتھوں کی گانٹھ کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ اسے جلد ہی اپنی اس کوشش میں کامیابی ہوئی۔

مظفر نے ہاتھ کھلتے ہی اپنے پاؤں کے گرد ھ بندھی رسی کھولی اور زوہیب کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے۔

زوہیب حسن نے ٹوٹی ہوئی کرسی کا پایہ اٹھایا۔

بنت حوا کی اس طرح تذلیل سے گویا اس کے دل و دماغ میں آتش فشاں سے دھک رہے تھے وہ غیض و غضب میں بھرا ہوا اس کمرے کے دروازے پر جا پہنچا۔ جہاں لٹی پٹی فارینہ کراہتے ہوئے بستر سے اٹھ رہی تھی۔ جب کہ شوکت شیطانی انداز میں ہنستا ہوا۔ عینی کی طرف بڑھ رہا تھا کہ زوہیب حسن دروازے پر لات رسید کر کے کمرے میں داخل ہوا شوکت اینڈ کمپنی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ زوہیب حسن آزاد ہو کر اس طرح دخل انداز ہو سکتی ہے وحید نے رائفل کا رخ اس کی طرف کیا ہی تھا کہ زوہیب حسن نے بجلی کی سرعت سے بایاں ہاتھ گھمایا اور ہاتھ میں موجود کرسی کے پائے کا بھرپور وار اس کی

کنپٹی پر کرتے ہی چشم زدن میں دوسرا وار وحید کے سر پر کیا اس بار وحید دلدوز انداز میں چیخا اور چند لمحے تڑپنے کے بعد ساکت ہوگیا کرسی کے پائے پر موجود تین انچ کی کیل سیدھی اس کے مغز میں اتر گئی تھی۔

راجو جوکہ لباس پہننے میں مصروف تھا لباس پہننا بھول کر ایک طرف پڑی اپنی رائفل کی طرف لپکا ہی تھا کہ زوہیب حسن نے کرسی کے پائے کا بھرپور وار اس کے منہ پر کیا راجو کے اگلے دانت ٹوٹے اور وہ خون تھوکتا ہوا کربناک انداز میں چیخا ادھر لٹی پٹی فارینہ جوکہ لباس پہن چکی تھی قریب پڑی راجو کی رائفل اٹھالی اور وحید کی طرف مڑ کر ٹریگر دبادیا رائفل برسٹ موڈ پر تھی تڑتڑاہٹ کی آواز سے گولیاں چلیں اور راجو کا جسم گولیوں سے چھلنی ہوگیا فارینہ اسلحہ کے استعمال سے آگاہ نہیں تھی مگر عزت جانے کے غم وغصے سے رائفل اٹھا کر ٹریگر دبا چکی تھی لاک پن ہٹی ہوئی تھی اور پھر فاصلہ بھی کم تھا اس لئے گولیاں ہدف پر ہی لگیں۔

شوکت دوساتھیوں کی ناگہانی موت سے بوکھلا گیا تھا اچانک پولیس موبائل کا ہوٹر سنائی دیا وہ کمرے سے نکلنے کے لئے دروازے کی طرف بھاگا ہی تھا کہ زوہیب حسین نے اس پر چھلانگ لگادی۔ وہ گتھم گتھا ہوکر گرے۔

زوہیب حسن جوکہ نیچے گرے شوکت کے سینے پر بیٹھا ہوا تھا اس کے چہرے پر گھونسے برسا رہا تھا کہ شہباز خان خان کی معیت میں چھ سات پولیس اہلکار کمرے میں داخل ہوئے۔ ''انسپکٹر یہ شیطان ہی رضوان کا اصل قاتل ہے۔'' عینی شوکت مرزا کی طرف اشارہ کرکے چلائی اس وقت وہ ہوا جس کی کسی کو توقع ہی نہ تھی افراتفری میں ان سب کی توجہ لٹی پٹی فارینہ سے ہٹ چکی تھی فارینہ نے رائفل کی نال گلے سے لگا کر ٹریگر دبادیا فائر کے ہولناک دھماکے سے خون میں لت پت فارینہ نیچے گری تو عینی چیختی ہوئی فارینہ کے مردہ جسم سے لپٹ گئی۔

شوکت مرزا کو گرفتار کرلیا گیا عمارت سے بلیک میلنگ کا مواد بھی پولیس کو مل گیا تھا شوکت مرزا کی نشاندہی پر بلیو فلم کے کاروبار سے منسلک پورا نیٹ ورک گرفتار کرلیا گیا دراصل SHO شہباز خان کو شوکت مرزا کی طرف سے کی جانے والی کال سے اس پر شک ہوا تھا اس نے موبائل فون کمپنی کے ذریعے شوکت مرزا کی لوکیشن ٹریس کرکے چھاپہ مارا مگر اتنی دیر میں تاخیر کی وجہ سے فارینہ عزت اور پھر زندگی سے بھی محروم ہوگئی۔

گیارہ سالہ مظفر زوہیب حسن اور عینی کی گواہی کے باعث شوکت مرزا کا قانون کی گرفت سے بچنا ناممکن تھا اسے چالان مکمل کرکے جیل بھجوادیا گیا۔

اس روز کورٹ میں شوکت مرزا کی آخری پیشی تھی وہ مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا تھا زوہیب حسن مظفر اور عینی اس کے خلاف گواہی دے کر جاچکے تھے کہ وکیل استغاثہ نے بلقیس خانم کا نام پکارا۔

زوہیب حسن بلقیس خانم کی وہیل چیئر دھکیلتا ہوا کٹہرے کے قریب آیا یور آنر یہ بلقیس خانم ہیں جنہوں نے برسوں پہلے شوکت مرزا نہ صرف اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلایا بلکہ اپنے گھر لے گئیں اور بیٹے کی طرح اس کی پرورش کی اس کا صلہ اس آستین کے سانپ نے کیا دیا یہ خود معزز عدالت کو بتائیں گی۔

بلقیس خانم نے رندھے ہوئے لہجے میں کمرہ عدالت میں اپنی روداد بیان کی پھر شوکت مرزا کی طرف نفرت سے دیکھتے ہوئے کہنے لگیں۔ ''شوکت وکیل صاحب نے تمہیں آستین کا سانپ کہا ہے تم واقعی آستین کے سانپ نکلے میں نے تمہیں شرجیل ہی کی طرح اپنا بیٹا سمجھا اس کا صلہ تم نے یہ دیا کہ مجھے میرے ہی بیٹے سے نہ صرف محروم کیا بلکہ میرا سہاگ بھی اجاڑ ڈالا۔

بلقیس خانم کے جانے کے بعد وکیل استغاثہ نے محمد قاسم کا نام پکارا تو ایک 60 سالہ باریش شخص کمرہ عدالت کی آخری کرسیوں میں سے اٹھ کر آگے بڑھا اس پر نظر پڑتے ہی شوکت چونک پڑا۔ ''ابا جان آپ؟''

شوکت کے منہ سے بے اختیار نکلا وہ شوکت مرزا کے کٹہرے کے سامنے رکا اسے نفرت سے دیکھتے ہوئے گواہوں کے کٹہرے میں جا کھڑا ہوا۔

وکیل استغاثہ جج کی طرف مڑا۔ ''یور آنر شوکت مرزا کے خلاف تینوں چشم دیدہ گواہ پیش ہو چکے ہیں اور یہ ثبوت بھی مل چکا ہے کہ یہ نہ صرف بلیو فلم کے کاروبار سے منسلک بلیک میلر ہے بلکہ جنونی قاتل بھی ہے محمد قاسم کی گواہی کی ضرورت تو نہیں تھی مگر میں نے محمد قاسم کے اصرار پر کسی مقصد کے تحت انہیں طلب کیا ہے۔''

''کیا مطلب کیا مقصد؟'' جج نے استعجاب انگیز حیرت سے استفسار کیا۔

وکیل استغاثہ نے کہا۔ ''یور آنر شوکت نے جرم کی ابتداء بارہ سال کی عمر سے بھائی پر قاتلانہ حملے سے کی اور گھر سے بھاگ نکلا وہ شوکت مرزا کی روداد بیان کرنے لگا۔'' جج اور حاضرین عدالت دم بخود سن رہے تھے روداد کے اختتام پر کہنے لگا۔ ''شوکت مرزا کے حکم پر راجو نامی اس کے کارندے نے بلیو فلم بنانے کے لئے فارینہ کی عزت لوٹی مگر یہ شیطان نہیں جانتا تھا کہ فارینہ اس کی سگی بہن تھی۔''

وکیل استغاثہ کے الفاظ بم کی طرح شوکت مرزا کی سماعت سے ٹکرائے وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنے باپ کی طرف دیکھنے لگا۔ درحقیقت اسے اپنے قدموں تلے سے زمین نکلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

وکیل استغاثہ کے کہے گئے الفاظ بار بار اس کے ذہن میں گونج رہے تھے فارینہ اس کی سگی بہن تھی گویا اس نے نہ صرف خود راجو کو اپنی ہی بہن کی عزت لوٹنے کو کہا۔ بلکہ اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا بھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔

ادھر وکیل استغاثہ کہہ رہے تھے۔ ''اب معزز عدالت کو محمد قاسم خود حقائق سے آگاہ کریں گے۔''

محمد قاسم نے ایک بار پھر شوکت مرزا کو نفرت سے دیکھا اور کہنے لگا۔ ''جج صاحب اخبار میں اس شیطان کی تصویر دیکھتے ہی مجھ پر بجلی سی گر گئی تھی میں صرف اس مقصد کے تحت یہاں آیا ہوں کہ دنیا اس کا اصل شیطانی چہرہ دیکھ لے اور یہ خود بھی جان لے کہ دوسرے کی بہن بیٹی پر بری نظر رکھنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔ جج صاحب ہر باپ کو اپنے جوان بیٹے پر فخر کا احساس ہوتا ہے۔ مگر مجھے شرمندگی ہے کہ یہ شیطان میرا بیٹا ہے برسوں پہلے اس کی عمر جب بارہ برس تھی ہم دیہی علاقے میں رہتے تھے اس کے خیالات شروع سے باغیانہ تھے آوارہ لڑکوں کے ساتھ گھومنا جھرنا اور چوری چکاری اس کا شیوہ تھا۔ اسی وجہ سے میں ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ ساتھ اسے مارتا پیٹتا بھی تھا۔

ایک روز جب ہم میاں بیوی گھر پر نہیں تھے تو اس نے اپنے چھوٹے بھائی کے سر پر بھاری بھرکم لکڑی کے بھرپور وار کئے اور گھر سے بھاگ نکلا۔ ہم گھر پہنچے تو وہ خون میں لت پت بے حس وحرکت پڑا تھا۔ خوش قسمتی سے وہ بچ نکلا شوکت کے گھر سے بھاگنے کے سال بعد فارینہ نے جنم لیا اگلے برس ہم گاؤں سے شہر آ گئے میری ملاقات بشیر صاحب کے چچا زاد بھائی مبشر احمد سے ہوئی جو کہ خود بھی صنعت کار تھے مگر اولاد کی نعمت سے محروم تھے ہم ان کی پیش کش پر ملازمت کے ساتھ ساتھ سرونٹ کوارٹر میں رہنے لگے بعد میں مبشر صاحب نے ہمیں رہائش کے لئے الگ گھر لے کر دے دیا۔

بیگم صاحبہ ننھی فارینہ سے بہت پیار کرتی تھیں اور اکثر میری بیوی سے اپنی محرومی کا ذکر کیا کرتی تھیں اگلے ہی برس ہارٹ اٹیک سے میری بیوی چل بسی تو بیگم صاحبہ نے فارینہ کو بیٹی بنانے کی خواہش ظاہر کی جسے میں بخوشی مان گیا اور فارینہ میری نگاہوں کے سامنے مبشر صاحب کی بیٹی کے روپ میں پرورش پانے لگی۔ اس بات کا علم صرف مجھے اور مبشر صاحب اور ان کی اہلیہ کو تھا۔ میرا چھوٹا بیٹا فرمانبردار اور صالح نوجوان ہے جو ماں باپ کی دعاؤں سے آج اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے

اور ڈاکٹر جیسے باعزت پیشے سے منسلک ہے۔'' اس نے کمرہ عدالت میں بیٹھے اشارہ کیا اور قدرے توقف سے کہا۔ ''اس روز صبح فارینہ کالج جانے کے لئے اپنی گاڑی پر گھر سے نکلی تو اس کی نظر ٹیکسی میں موجود زوہیب حسن پڑی عینی کو کال کر کے بتایا تو اس نے زوہیب حسن کا تعاقب کرنے کی ہدایت کی یوں عینی اور فارینہ زوہیب حسن کا تعاقب کرتے ہوئے اس عمارت میں پہنچیں اور اس شیطان کے ہتھے جاچڑھیں پھر اس شیطان نے اپنی ہی سگی بہن کو اپنے کارندے سے پامال کروادیا۔''

بیان ختم ہو چکا تھا شوکت کے تو جیسے پاؤں تلے سے زمین سرک گئی تھی اور چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ وہ جو گڑھا دوسروں کے لئے کھودتا رہا تھا آج خود ہی اسی گڑھے میں جا گرا تھا۔

عدالت نے اسے سزائے موت کا حکم سنادیا۔

اس کے ہاتھ میں بندھی ہتھکڑی کا سرا ایک پولیس اہلکار کے ہاتھ میں تھا تو دوسری طرف SHO شہباز خان چند پولیس اہلکاروں کے ساتھ اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا کمرہ عدالت سے نکل کر کورٹ کی سیڑھیاں اترتے ہوئے یکایک اس نے جھپٹ کر شہباز خان کے ہولسٹر سے پسٹل نکال لیا اور ساتھ ہی چلایا۔ ''خبردار اگر کوئی میرے نزدیک آیا تو میں گولی چلادوں گا۔''

ہتھکڑی سے منسلک زنجیر پکڑے پولیس اہلکار خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ چکا تھا جب کہ کمرہ عدالت کے باہر موجود لوگوں میں افراتفری پھیل چکی تھی۔ لوگ ڈر کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ یہ کیا حماقت ہے شہباز خان نے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔

''SHO صاحب وہیں کھڑے رہو ورنہ بے موت مرو گے تم جانتے ہی ہو میں عادی مجرم ہوں کئی بے گناہوں کے خون سے میرے ہاتھ رنگے ہیں مرتے مرتے ایک قتل اور بھی کردوں تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' وہ ہذیانی انداز میں ہنستے ہوئے بولا اور پسٹل کی نال اپنی کنپٹی سے لگادی۔ ''یہ کیا کررہے ہو؟'' شہباز خان چلایا۔

''ایس ایچ او صاحب اس روز جب زوہیب حسن نے مجھ سے کہا تھا کہ ''روز قیامت اللہ کو کیا منہ دکھاؤ گے تو میں نے اس کا مذاق اڑایا تھا کہ قیامت ابھی دور ہے میں نہیں جانتا تھا کہ میرے جیسے بدکرداروں کے لئے دنیا میں بھی قیامت سے پہلے قیامت ہے میں نے خود راجو کو اپنی بہن کی عزت لوٹنے کا حکم دیا اور اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھتا رہا شاید یہی مکافات عمل ہے۔'' وہ پسٹل کنپٹی سے لگائے روتے ہوئے چلا کر کہہ رہا تھا۔

لوگو!

ہم دوسروں کی بہن بیٹی کی طرف بری نظر ڈالتے وقت کیوں بھول جاتے ہیں کہ یہی حرکت کوئی ہماری بہن بیٹی سے بھی دہرا سکتا ہے'' اور یہ کہتے ہی اس نے ٹریگر دبادیا فائر کا ہولناک دھماکہ ہوا اور اس کی لاش سیڑھیوں سے ہوتی ہوئی نیچے جاگری۔

☆......☆......☆

چند روز بعد زوہیب پروفیسر جلال محمود سے رخصت ہو کر بیگ ہاتھ میں تھامے ان کے گھر سے نکلا ہی تھا کہ ایک ہنڈا اکارڈ اس کے قریب رکی ڈرائیونگ سیٹ پر عینی کو دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ''ایسے گھور گھور کر کیا دیکھ رہے ہو؟'' خاصے شوخ لہجے میں کہا گیا تو اسے حیرت کا ایک جھٹکا اور لگا۔

''میں تمہارا انتظار کروں گی آؤ گے ناں؟'' عینی یہ کہہ کر رکی نہیں اور ایکسیلٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھایا اور تیز رفتاری سے وہاں سے روانہ ہوگئی۔

اب زوہیب کو گاؤں پہنچنے کی پہلے سے بھی زیادہ جلدی تھی تاکہ ماں جی کو بہو ملنے کی خوشخبری سنا سکے۔